

# تفسیر مظاہر

جلد ہفتم

سورہ اسرئیل سے سورہ انبیاء تک  
پارہ ۱۵ تا پارہ ۱۷ کا نصف رکوع ۷ تک

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبد الدائم الجلالی

رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر

دارالاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ — فون ۲۱۳۷۹۸

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر  
اس ترجمہ و کمپوزنگ کے حقوق ملکیت پاکستان میں حق دار الاشاعت کراچی محفوظ ہیں۔

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دار الاشاعت کراچی  
طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔  
ضخامت : صفحات در ۶ جلد

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی  
ادارۃ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور  
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور  
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان  
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

بیت القرآن اردو بازار کراچی  
بیت العلوم 26۔ ماہ روڈ لاہور  
کشمیر بک ڈپو۔ چیوٹ بازار فیصل آباد  
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی  
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

# فہرست مضامین تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم

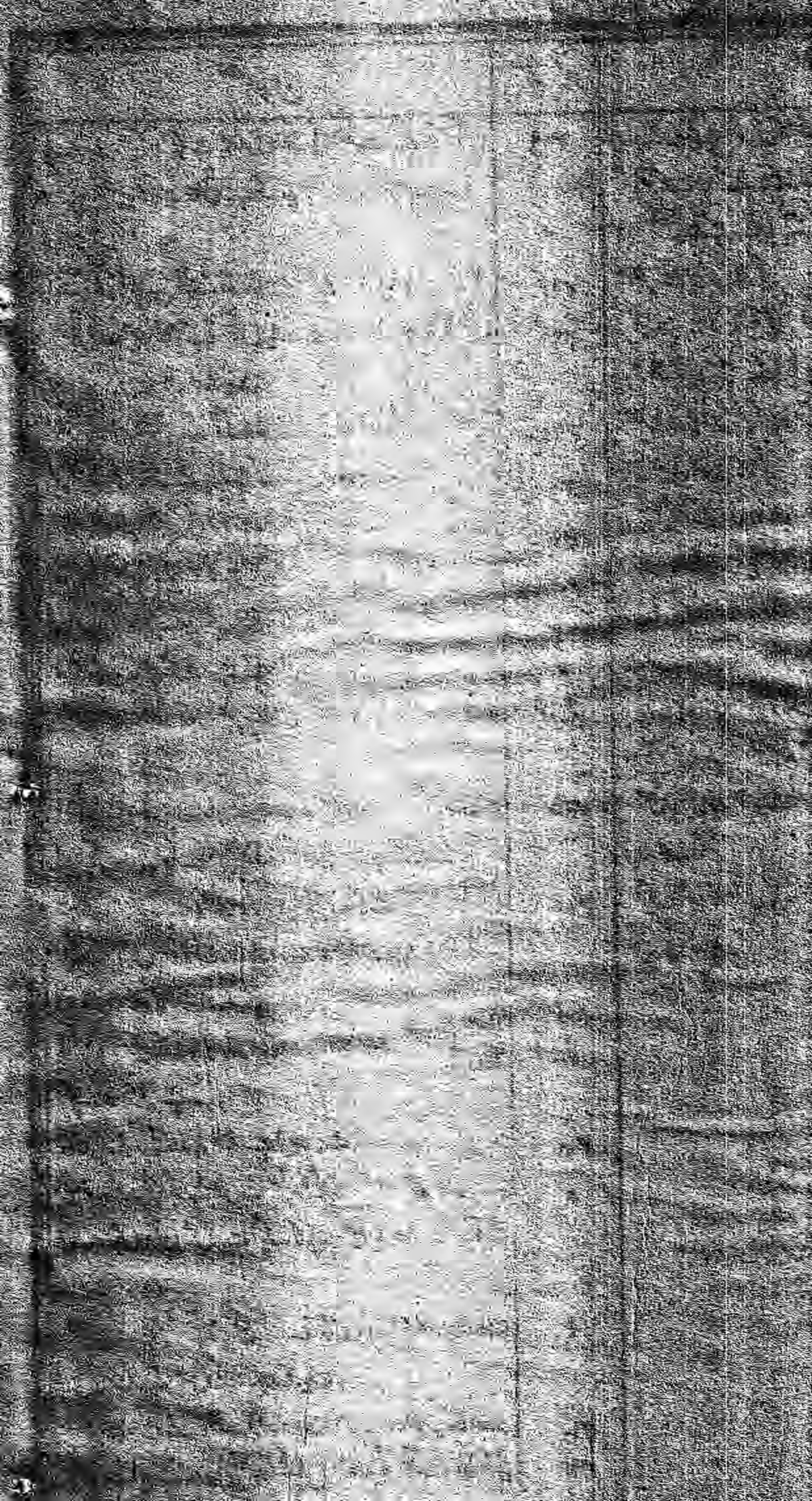
صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۸	بچے دوزخ میں جائیں گے۔ حقوق والدین	۹	سورہ بنی اسرائیل
۴۰	اہل قرابت کی مالی امداد	۱۱	حدیث: معراج مسجد حرام سے ہوئی یا حضرت ام ہانیٰ کے مکان سے
۴۱	مال کو فضول برباد کرنا، کنجوسی، حد سے زیادہ خرچ کرنا، احادیث	۱۲	کیا معراج ایک خواب تھا۔ حدیث معراج کے واقعہ سے قریش نے انکار کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کی تصدیق فرمائی
۴۳	قتل اولاد کی ممانعت، زنا کی ممانعت	۱۳	پھر حضور ﷺ کا مسجد اقصیٰ کی تفصیلات بیان کرنا۔
۴	ناحق قتل کرنیکی ممانعت کی آیت اور احادیث، قصاص کا جواز	۱۴	بنی اسرائیل کے فساد فی الارض اور حضرت شعیبؑ و زکریاؑ و یحییٰؑ علیہم السلام کے قتل اور حضرت عیسیٰؑ کے ارادہ قتل کا ذکر۔
۴۴	فصل: سب سے پہلے خون ناحق کے فیصلے ہوں گے وفا عہد کی ہدایت۔ صحیح ناپ تول کا حکم	"	خداوند کریم کا بنی اسرائیل پر بطور سزا کے بخت نصر وغیرہ کو مسلط فرمانا
۴۵	جس ناپ کا قطعی علم نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جانے کی ممانعت	۲۸	حدیث: زیریں عرش عظیم سے اعمال نامے داہنے اور بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔
۴۶	ظنی دلائل پر عمل کرنے نہ کرنے کی تحقیق ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۲۹	مسئلہ: کیا نبی کے مبعوث ہونے سے قبل احکام شرعیہ عقلاً واجب ہوتے ہیں؟ بعض علماء نے اصلاً انکار فرمایا اور بعض نے صرف توحید کا اقرار واجب قرار دیا۔
۴۷	تواضع کا حکم، تکبر غرور اور اکر کر چلنے کی ممانعت تبیح جمادات کی صراحت	۳۰	ہر ہزار میں ۹۹۹ دوزخ کا حصہ ہیں۔ حدیث زمانہ فطرت کے لوگ اور وہ لوگ جن کو پیغمبروں کی وعوت نہیں پہنچی قیامت کے دن جب پیغمبروں کی وعوت پر مطلع نہ ہونے کا عذر پیش کریں گے تو اس روز ان کی آزمائش کے بعد بطور امتحان دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ احادیث
۴۹	مومنوں کا قبر سے اللہ کی حمد کرتے ہوئے اٹھنا اور کافروں کی زبانوں سے قبروں سے اٹھنے کے وقت حسرت و افسوس کے کلمات نکلنا۔ احادیث	۳۱	فصل: اطفال مشرکین کا قیامت کے دن کیا حال رہے گا، علماء کے اقوال اور اس کے متعلق متعدد احادیث، مومنوں کے بچوں کے جنتی ہونے پر اجماع ہے، مبحث کی تحقیق۔
۵۳	سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ حدیث انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ نتیجہ مبحث	۳۲	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
۵۶	اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟ ایک شبہ اور اس کا جواب	۳۳	بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے
۶۴	وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي كَاثُرَانِ زُجُلٍ یہودیوں یا مشرکوں کے ایک اعتراض کے باعث آپ کا مدینہ یامکہ سے شام تشریف لے جانے کے ارادہ کا ذکر نمازوں کی فرضیت اور اوقات کا بیان		
۶۷	جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے پچیس گنا افضل ہے اور فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۹۶	بل ان کو کھینچا جائے گا۔ کفار قبروں سے اندھے، بہرے، گونگے اٹھائے جائیں گے یا اس کے خلاف ہوگا، دونوں قسم کی احادیث اور ان میں تطبیق۔	۷۱	رمضان وغیرہ میں سونے سے پہلے نوافل پڑھنے کی احادیث
۹۸	حضرت موسیٰؑ کے نو معجزات جن کو آیات بینات کہا گیا ہے	۷۲	آخری رات میں تہجد کا ثواب شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ ہے
۱۰۱	مسئلہ: اللہ کے خوف سے رونا اور اللہ کی راہ میں بیدار رہنے والی اور اللہ کے خوف سے رونے والی آنکھ کا بیان۔ احادیث	۷۳	مسئلہ: تہجد سنت موكده ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت
۱۰۳	رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا رات کی نماز میں تم اپنی آواز ذرا اونچی رکھا کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا تم رات کی نماز میں اپنی آواز ذرا پست رکھا کرو۔ فصل: رات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت	۷۴	مسئلہ: تہجد سنت موكده ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت
۱۰۴	الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا الْخ آیت عزت ہے حدیث	۷۵	مقام محمود کونسا مقام ہے صحیح یہ ہے کہ مقام شفاعت کا نام مقام محمود ہے۔ شفاعت کبریٰ کا بیان، موقف کی شدائد دور کرنے کے لئے شفاعت۔ احادیث
۱۰۵	تحمید، تہلیل، تسبیح اور تکبیر پڑھنا۔ احادیث خاندان عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ بولنے کے قابل ہوتا تو آپ اس کو سب سے پہلے آیت الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا پڑھنا سکھاتے تھے۔ سورہ کہف	۷۸	فائدہ رسول اللہ ﷺ کو تین شفاعتوں کا حق دیا گیا
۱۰۶	خطا اجتہادی کے سلسلہ میں ایک شبہ ازالہ شبہ	۷۹	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
۱۰۸	حدیث: قصہ اصحاب الرقیم	۸۰	فصل: دوسرے انبیاءؑ بھی شفاعت کریں گے
۱۰۹	قصہ اصحاب کف	۸۱	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
۱۱۰	حضرت معاویہؓ کا اصحاب کف کے غار پر جانا اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے منع کرنے کے باوجود تفحص حال کرنا۔	۸۲	فصل: دوسرے انبیاءؑ بھی شفاعت کریں گے
۱۱۲	مسئلہ: صوفی باہمہ بے ہمہ ہوتا ہے۔	۸۳	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۸۴	فصل: دوسرے انبیاءؑ بھی شفاعت کریں گے
		۸۵	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۸۶	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۸۷	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۸۸	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۸۹	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۹۰	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۹۱	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۹۲	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۹۳	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۹۴	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔
		۹۵	مسئلہ: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن اہل کبیرہ کے لئے شفاعت ہونے کی احادیث اتنی ہیں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں منکرین شفاعت، شفاعت سے بے بہرہ رہیں گے۔

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
	اس کو روکا جاسکتا ہے مگر ولی اللہ کے کامل ہونے میں شک نہیں کرنا چاہئے اور نہ اس پر جرح و قدح کی جائے کہ شاید اس میں کوئی شرعی مصلحت ہو اور ہماری نظر کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔	۱۲۳	مسئلہ: اولیاء اللہ کے مقابر کے نزدیک مسجد بنانا جائز ہے
۱۵۱	ایک شبہ اور اس کا جواب	"	حدیث: قبروں کے پکا بنانے کی ممانعت اور قبروں پر بیٹھنے اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت انشاء اللہ کہے بغیر یوں نہ کہنا چاہئے کہ کل یہ کام کرونگا اگر شروع میں انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو بات کہنے کے بعد انشاء اللہ کہہ لینا چاہئے
۱۵۲	جہاں تک ممکن ہو اولیاء اللہ کے غیر شرعی اقوال کی کوئی شرعی تاویل کی جائے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو ان کی مراد نہ سمجھنے کا اعتراف کیا جائے۔	۱۲۴	دوزخ کے پردوں کا ذکر
۱۵۷	ایک شبہ اور اس کا جواب	"	ماءِ كَالْمُهْلِ كَاذِرٌ
۱۵۸	ایک جدید شبہ اور اس کا جواب	۱۳۰	حدیث: اہل جنت کے زیور اور لباس کے بارے میں
۱۶۰	مسئلہ: تمام اشیاء ممکنہ کے وجود ان حقائق امکانیہ کا پر تو ہیں جن کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور جو مرتبہ علم الہی میں ہیں ابھی ان کا ظہور نہیں ہوا۔	۱۳۱	حدیث: نبی کریم کو سبز رنگ بہت ہی پسند تھا۔
۱۶۲	کیا حضرت خضرؑ زندہ ہیں؟ یا وفات پا گئے ہیں۔ تنقیح یا جوج ماجوج کون ہیں ان کی کتنی قسمیں ہوں گی۔	"	مسری نشین اہل جنت کا لباس
۱۶۶	احادیث: یا جوج ماجوج کا خروج کب اور کیسے ہوگا۔	۱۳۲	اگر کوئی چیز دیکھنے سے اچھی معلوم ہو اور ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہہ دے تو نظر نہیں لگے گی۔ حدیث
۱۷۰	خروج و جلال کی احادیث مرویہ	۱۳۳	باقیات صالحات کیا ہیں۔ حدیث
۱۷۳	دانش مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطہر رکھا اور اخروی زندگی کی تیاری کی اور بے وقوف وہ ہے جو ناجائز خواہشات کے پیچھے پڑا ہے۔	۱۳۴	حقیر گناہوں کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ حدیث
۱۷۴	قیامت کے دن کفار اور ان کے اعمال کا وزن اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال	۱۳۵	قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی
۱۷۷	جنت الفردوس کا ذکر۔ حدیث	"	تیسری پیشی میں اعمال نامے اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے۔
۱۷۸	ایک شبہ	"	تمام اعمال نامے زیریں عرش ہوں گے۔ حدیث
۱۷۹	ازالہ شبہ	۱۳۶	ابلیس کی اولاد
۱۸۱	شرک اصغر یعنی ریاکاری کا ذکر۔ حدیث	۱۳۷	وضو اور نماز میں بہکانے والے شیطانوں کے نام
۱۸۲	اہل تصوف کے نزدیک آیت فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا لَّخِ كَاتِبًا۔ ایک شبہ	۱۳۸	رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم تہجد کی نماز نہیں پڑھتے۔ الخ حدیث
۱۸۳	فصل: سورہ کف کے فضائل، حدیث کی روشنی میں	۱۳۹	حضرت موسیٰ کا خضرؑ کی تلاش میں جانا، آیت و حدیث
۱۸۴	سورہ مریم	۱۴۰	مفسول کو کبھی فاضل پر جزئی فضیلت ہوتی ہے فاضل کو چاہئے کہ وہ مفسول سے بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور کسی قسم کی اس میں عار نہ محسوس کرے۔
۱۸۵	مسئلہ: انبیاء کے ترکہ کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔	"	حکمت و دانش کی بات مومن کی گمشدہ ہے جہاں ملے حاصل کرے۔ حدیث
۱۸۸	ایک شبہ، جواب شبہ	۱۵۱	مسئلہ: مسلک کا اتحاد، اطاعت کامل اور مرشد پر اعتراض نہ کرنا استفادہ کی بنیادی شرط ہے۔
	ایک شبہ، ازالہ شبہ	"	مسئلہ: اگر کسی ولی اللہ سے غیر شرعی فعل سرزد ہو تو

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۴۳	اصالتہ طینت (سرسنتی) اور اصالت کبریٰ کا ذکر حضرت مجدد نے کس بات کا دعویٰ کیا۔	۱۹۵	صدیق کا مرتبہ
۲۴۹	ایک شبہ، ازالہ شبہ	۲۰۱	حضرت اور لیس کے جنت میں داخل ہونے کا بیان۔
۴	جنت میں اونچے درجہ والوں کے متعلق احادیث	۴	حضرت اور لیس کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ۔
۲۵۲	ایک شبہ، جواب شبہ	۲۰۳	حدیث: قرآن کی تلاوت کر لو اگر یہ کرو، روانہ آئے تو روتے بن جاؤ
۴	یہ خیال کہ نبوت سے ولایت افضل ہے، صحیح نہیں	۴	غنی جنم کے کسی دریا یا وادی کا نام ہے۔
۲۵۳	خروج و نزول کی تحقیق	۲۰۴	سب لوگ دوزخ پر ضرور آئیں گے پھر تقویٰ والوں کو رہا کر دیا جائے گا۔
۲۵۸	قیامت میں کافر کا برا عمل اس پر سوار ہو جائے گا۔	۲۰۸	ایک شبہ اور اس کا ازالہ، ایک سوال اور اس کا جواب۔
۴	جو شخص ناجائز طور پر دنیا کی کوئی چیز لے گا قیامت کے دن اس کا بار اپنے کاندھے پر اٹھائے گا۔	۴	احادیث: دوزخ میں وارد ہونے کی تشریح۔
۲۵۹	احادیث: قدر ضرورت سے زائد جو شخص عمارت بنائے گا قیامت کے دن اس کا بار اپنے اوپر اٹھائے گا۔	۲۰۹	اہلسنت کے مسلک کی تشریح اور مرجیہ کے شبہات کا ازالہ۔
۲۶۲	ایک نکتہ، آیت لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ۔ اَوْ يَحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا کے ضمن میں صور کا بیان۔	۴	ایک شبہ اور ازالہ، شبہ
۲۶۳	حضرت آدم کا قصہ	۲۱۶	احادیث: متقی قیامت کے دن سوار یوں پر ہونگے اور کافر منہ کے بل پیدل چلیں گے۔
۲۶۴	حدیث: جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو انکی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا۔	۲۲۰	حدیث: جس کا میں مولا ہوں، علیؑ بھی اس کا مولیٰ ہیں۔
۴	آدم کو نسیان ہو گیا اسی لئے اس کی اولاد بھی بھولتی ہے، آدم سے خطا ہو گئی اسی لئے ان کی نسل بھی خطائیں کرتی ہے۔	۴	حدیث: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیلؑ سے فرماتا ہے کہ تو بھی اس سے محبت کر۔
۲۶۵	حدیث: حضرت آدم اور حضرت موسیٰؑ کا مباحثہ۔	۲۲۲	سورہ طہ
۲۶۶	ایک شبہ، جواب شبہ	۲۲۴	”زمین مچھلی کی پشت پر ہے“ کی پوری تفصیل ایک حدیث
۴	حدیث: میری امت سے بھول چوک اٹھالی گئی ہے یعنی معاف کر دی گئی ہے۔	۴	لفظ سر اور اخفی کی تحقیق
۲۶۷	کافر کی تنگ زندگی کا بیان	۲۲۶	حدیث: اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ حجاب کھول دے تو اس کی تجلیات سب کو جلا ڈالیں۔
۲۶۸	حدیث: سب سے زیادہ جانچ انبیاء کی ہوتی ہے	۴	موسیٰؑ نے اللہ کا کلام ہر طرف سے اور اپنے ہر عضو سے سنا تھا۔
۲۷۰	مسئلہ: نماز میں سورہ فاتحہ کی قرات	۲۲۷	نماز کی فضیلت اور اہمیت
۴	حدیث: سورہ فاتحہ کے پڑھے بغیر نماز نہیں۔	۲۲۷	اللہ کے فرمان ”انا عند ظن عبدی ہی“ کی تشریح۔ حدیث
۲۷۱	حدیث: تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو جیسے چاند دیکھتے ہو۔	۲۲۸	حدیث: جو نماز پڑھنی بھول جائے یا سوتا رہ جائے۔
۲۷۲	مسئلہ: اللہ کو ماننا اور واحد جاننا ہر عقل والے پر واجب ہے اور انکار مستحق عذاب بنا دیتا ہے۔	۴	مسئلہ: اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کی عبادت کرنا بجائے خود اصلی مقصود ہے اگر جنت کی رغبت اور دوزخ کا ڈر نہ بھی ہو تب بھی ایمان و عبادت کو اصل مقصد قرار دیا جاسکتا ہے۔
۲۷۶	سورہ الانبیاء	۴	ایک شبہ، جواب شبہ
۲۸۲	ذکر الہی کے استغراق میں بندے کا فعل اللہ کا فعل ہوتا ہے۔	۲۳۳	کیا حضرت موسیٰؑ کی زبان کی گرہ بالکل کھل گئی تھی۔
۲۸۳	ایک شبہ۔ ازالہ شبہ	۲۳۴	فائدہ: وحی اور نبوت تشریحی انبیاء کیلئے مخصوص ہے اور اس نبوت کا خاتمہ خاتم النبیین پر ہو گیا، کمالات نبوت اولیاء کو بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔
۲۸۴	آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ایک شبہ	۲۳۶	کلیم اللہ، تحلیل اللہ اور حبیب اللہ کی تعین کے مبادی کون سے اوصاف ہیں۔
۲۸۶	جواب شبہ		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۱۹	ایوبؑ نے بے صبری کا اظہار فرمایا۔ ازالہ شبہ (احادیث)	۲۸۹	ایک شبہ : کہ عجلت پسندی اللہ کی صفت ہے تو اچھی ہوگی، لیکن آیت بتاتی ہے کہ یہ صفت مذموم ہے۔
۳۲۰	کیا مرے ہوئے بچے زندہ کئے یا دوسری اولاد عطا کی گئی	۲۹۰	ازالہ شبہ
۳۲۱	ذوالکفل پیغمبر تھے یا نہیں؟ علماء کا اختلاف ہے	۲۹۱	وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ فِي الْمِيزَانِ سے کیا مراد ہے؟
۳۲۳	حضرت یونسؑ کا ذکر	۲۹۲	حضرت ابراہیمؑ نے تین بار کے علاوہ (صورۃ) بھی
۳۲۴	آیت : لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ کے ذیل میں احادیث کا ذکر	۲۹۸	جھوٹ نہیں بولا۔ احادیث
۳۲۵	حضرت یونسؑ کو کب پیغمبر بنایا گیا۔	۲۹۹	حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالنے کا واقعہ۔
۳۲۶	یا جوج و ماجوج کا ذکر	۳۰۰	گرگٹ کو مار ڈالنے کے بارے میں احادیث۔
۳۲۷	تخلیق انسانی کی بحث	۳۰۱	حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت شام کی طرف۔
۳۳۲	ایک سوال : کیا مومن گناہ گار جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔	۳۰۲	شام کی فضیلت و برکات کا بیان
۳۳۳	جواب :	۳۰۳	ارض شام روئے زمین پر اللہ کا خزانہ ہے۔
۳۳۳	حدیث : روئے زمین پر کوئی گھریا جھونپڑا ایسا نہیں ہوگا جس میں اسلام نہ پہنچ گیا ہو۔	۳۰۴	سر زمین شام میں رہنے کی ہدایت (احادیث)
۳۳۴	میں ہادی و رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں عذاب بنا کر نہیں (حدیث)	۳۰۵	حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کا ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ
۳۳۴	ایک شبہ اور اس کا ازالہ، فرقہ باطنیہ اور شیعہ کے قول تقیہ کی تردید	۳۰۶	مسئلہ : فیصلہ کرنے کے بعد، حاکم کی رائے حکم سنانے سے قبل بدل جائے تو فیصلہ منسوخ کرنا جائز ہے۔
		۳۰۷	مسئلہ : گھوڑے والا سوار ہو یا لگام پکڑے جا رہا ہو ایسی صورت میں گھوڑا لات مار دے تو کیا تادان دینا ہوگا۔
		۳۰۸	اس میں علماء کا اختلاف ہے۔
		۳۰۹	فائدہ : سلیمانؑ کا فیصلہ صلح اور داؤد کا فیصلہ حکم تھا۔ صلح حکم سے بہتر ہے۔
		۳۱۰	مجتہد کے لئے دوہرا اجر ہے (حدیث)
		۳۱۱	حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کا حکم دو عورتوں کے بارے میں جن میں سے ایک کا بچہ بھیڑیا اٹھالے گیا تھا۔
		۳۱۲	حدیث
		۳۱۳	حضرت داؤدؑ کے تسبیح کرنے میں پہاڑوں اور پرندوں کو بھی ان کے تابع کر دینے کا بیان۔
		۳۱۴	حضرت سلیمانؑ کا قصہ (احادیث) حضرت ایوبؑ کا قصہ
		۳۱۵	حضرت ایوبؑ نے انہی مَسْنِي الضَّرْبِ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ کہہ کر کن حالات میں دعا مانگی۔
		۳۱۶	حضرت ایوبؑ کتنی مدت دکھ میں رہے کب دعا کی اور کیوں کی
		۳۱۷	ایک شبہ : اللہ نے حضرت ایوبؑ کو صابر کہا اور حضرت





## پندرہواں پارہ شروع

## ..... سورۃ بنی اسرائیل ..... ❁

اس سورۃ میں ایک سو گیارہ آیات ہیں۔ آیت **وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ** سے آٹھ آیات تک مدنی ہیں، باقی پوری سورۃ مکی ہے۔

## ❁ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ❁

## سُبْحٰنَ

پاک ہے یا میں اللہ کی پاکی کا اقرار کرتا ہوں یا اللہ کے پاک ہونے کا تم اقرار کرو۔  
سُبْحٰنَ اصل میں اسم مصدر ہے بمعنی تسبیح کے، تسبیح کا معنی ہے پاک جاننا اور پاکی کا اقرار کرنا۔ کبھی اللہ کے نام کے طور پر بھی مستعمل ہوتا ہے، یعنی اللہ سبحان (پاک) ہے۔ سُبْحَانَ اگرچہ اسم مصدر ہے۔ لیکن بجائے فعل کے استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کا فعل ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ کلام کے آغاز میں لانے سے اس بات پر تہیہ کرنی ہے کہ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔ کبھی سبحان کو بطور تعجب کے بھی بولا جاتا ہے (جیسے کہتے ہیں سبحان اللہ)

وہ جو رات کو لے گیا اپنے (خاص) بندے (یعنی محمد ﷺ) کو۔

الذیٰ اسریٰ بعبداہ  
رات کو۔ اسراء کا معنی ہی رات کو لے جانا ہے اس کے بعد لیلًا کو بصورت نکرہ ذکر کرنے سے وقت کی کمی کی طرف اشارہ ہے (یعنی رات کے قلیل ترین وقت میں)۔

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
حرمت والی مسجد (یعنی کعبہ) سے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی وساطت

سے حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں مسجد حرام کے اندر نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا (نہ سوراہا تھانہ جاگ رہا تھا) کہ جبرئیل میرے پاس براق لے کر آئے۔ دوسری روایت میں ہے میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا (یعنی نیند کی حالت میں تھا) کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا۔ سورہ والنجم کی تفسیر میں ہم نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور ﷺ حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے وہیں سے معراج ہوئی تھی اس روایت پر مسجد حرام سے مراد (کعبہ یا حطیم نہ ہوگا بلکہ) حرم ہوگا۔ حرم کو مسجد حرام اس لئے فرمایا کہ سارا حرم مسجد ہے یا یہ وجہ ہے کہ مسجد حرام حرم میں واقع ہے حرم مسجد حرام کو محیط ہے۔ معراج کو جانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کا کعبہ میں ہونا حضرت انسؓ کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے جو صحیحین میں مذکور ہے اور حضرت انسؓ نے حضرت ابو ذرؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں مکہ میں تھا کہ (کعبہ کی چھت میں) میرے لئے شکاف کر دیا گیا، یہ حدیث بھی ہم نے سورہ والنجم کی تفسیر میں ذکر کر دی ہے

ابو یعلیٰ نے مسند اور طبرانی نے الکبیر میں بیان کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج ہوئی اس رات کو آپ حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے اور اسی رات میں فوراً آپ واپس آگئے تھے اور تم ہانی سے معراج کی کیفیت بیان فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ پیغمبروں کو ————— مشکل (یعنی مجسم) کر کے میرے سامنے لایا گیا اور میں نے ان کو نماز پڑھائی پھر صبح کو حضور ﷺ مسجد میں آئے اور قریش کو اطلاع دی۔ لوگوں نے ناممکن سمجھ کر تعجب کیا اور بعض مسلمان بھی مرتد ہو گئے۔ کچھ لوگ دوڑے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، اگر انہوں نے ایسا فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا، کیا ان کی ایسی باتوں کو بھی آپ سچ جانتے ہیں۔ فرمایا، میں تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتوں کی ان کے متعلق تصدیق کرتا ہوں (جبرئیل کا آنا اور اللہ کی طرف سے قرآن لانا اور وقتاً فوقتاً نازل ہو کر وحی لانا تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتیں ہیں اور میں ان تمام باتوں میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ایمان لایا ہوں) حضرت ابو بکرؓ کو اسی تصدیق کی وجہ سے صدیق کا لقب مل گیا، کچھ لوگ بیت المقدس جا چکے تھے اور وہاں کے حالات سے واقف تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیت المقدس کے متعلق دریافت کیا، فوراً حضور ﷺ کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور آپ بیت المقدس کو سامنے دیکھ کر حالات بیان کرنے لگے، لوگوں نے کہا، کیفیت تو آپ نے ٹھیک بیان کی اب آپ ہمارے قافلہ کے متعلق بتائیے (کہ وہ کہاں ہے) آپ ﷺ نے ان کو لونٹوں کی تعداد اور اونٹوں پر جو مال تھا اس کی کیفیت بتادی اور فرمایا، فلاں دن طلوع آفتاب کے وقت قافلہ آپہنچے گا اور آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہوگا، لوگ دوڑتے ہوئے پہاڑ کے درے میں پہنچے قافلہ آتا ہوا مل گیا اور ویسا ہی ملا جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا پھر بھی ایمان نہ لائے اور بولے یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے۔

میں کہتا ہوں معراج کا واقعہ دو مرتبہ ہوا ایک بار حطیم سے اور دوسری بار حضرت ام ہانی کے مکان سے۔ دونوں حدیثیں اپنی جگہ صحیح ہیں دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔  
بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے کہا شب معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں ایک بار رجب کے مہینے میں معراج ہوئی اور دوسری بار ماہ رمضان میں۔

رَأَى الْمَسْجِدَ الْأَقْصَا  
مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک۔ اقصیٰ (انتہائی۔ آخری۔ پرے کے کنارے کی) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد حرام سے بیت المقدس سے پرے بھی کوئی مسجد نہ تھی۔ رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچنے پر قریش کو تعجب ہوا، مسجد اقصیٰ بہت دور تھی ان کی نظر میں اتنی لمبی مسافت طے کر کے رات ہی میں واپس آجانا ممکن تھا۔  
بیضاوی نے لکھا ہے بیت المقدس تک آن کی آن میں رسول اللہ ﷺ کا پہنچ جانا ممکن تھا۔ آفتاب کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت زمین کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت سے کچھ اوپر ایک سو ساٹھ گنا زائد ہے اور ایک سیکنڈ میں آفتاب کا نچلا کنارہ بالائی کنارے کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور یہ امر علم کلام میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمام اجسام میں اعراض کو قبول کرنے کی صلاحیت ایک جیسی ہے پھر کیا محال ہے کہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے بدن یا بدنی قوتوں میں آفتاب جیسی یا اس سے بھی زیادہ تیز حرکت پیدا کر دی ہو، جب سرعت حرکت ممکن بلکہ بعض اجسام میں واقع ہے تو اللہ کے لئے ناممکن نہیں کہ جو کچھ اور جیسا کچھ چاہے پیدا کر دے۔ رہا تعجب تو وہ معجزات پر ہوا ہی کرتا ہے وہ معجزہ ہی کیا جس پر تعجب نہ ہو۔

الذی بَرَكْنَا حَوْلَهُ  
وہ جس کے ماحول کو ہم نے برکت والا بنا دیا ہے، یعنی بکثرت دریا، نہریں درخت اور پھل پیدا کر دیئے ہیں۔ مجاہد نے بیان کیا مبارک ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس سر زمین کو اللہ نے انبیاء کی قرار گاہ اور منزل وحی بنایا تھا اور قیامت کے دن لوگوں کا حشر وہیں سے ہوگا۔

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا  
تاکہ ہم اس بندہ کو اپنی قدرت کی کچھ عجیب نشانیاں دکھا دیں۔ چالیس دن کی مسافت کو رات کے قلیل ترین وقت میں طے کرنا پھر بیت المقدس سے آسمانوں تک لے جانا انبیاء کو مجسم بنا کر دکھانا پھر ان کی امامت کرنا اور ان کے علاوہ دوسرے عجائبات قدرت کی سیر کرنا یہ سب کچھ اللہ کی وہ آیات تھیں جن کا مشاہدہ کرنا مقصود تھا۔

بے شک (نبی کی دعا اور کلام کو) خوب سننے والا اور آپ کے احوال و افعال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اور تاریکی شب میں آپ کی حفاظت کرنے والا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک غائب نہیں ہوا بلکہ روح مبارک کو لے جایا گیا تھا، یعنی معراج خواب میں ہوئی اس کی تائید حضرت انس بن مالک کے اس بیان سے ہوتی ہے جو بخاری نے نقل کیا ہے جس رات کو رسول اللہ ﷺ (مسجد کعبہ) سے معراج کے لئے لے جایا گیا (اس کی صورت یہ ہوئی کہ) حضور ﷺ مسجد حرام میں سو رہے تھے اور یہ واقعہ وحی آنے سے پہلے کا ہے کہ تین شخص آئے اول شخص نے کہا وہ کونسا ہے۔ درمیان والا بولا وہ سب سے بہتر ہے۔ تیسرے نے کہا، تو جو سب سے افضل ہے اسی کو لے لو۔ یہ رات یونہی گزر گئی (کوئی اور واقعہ نہیں ہوا) دوسری رات ہوئی تو آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں دل نہیں سوراہا تھا انبیاء کی حالت ہی یہ ہوتی ہے کہ آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار ہوتا ہے وہی تینوں شخص آئے بات کچھ نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کو اٹھا کر لے گئے اور لے جا کر زمزم کے پاس رکھ دیا۔ جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کا سینہ ہنسی کے گڑھے سے ناف تک چاک کیا اور اندرون صدر کو زمزم کے پانی سے دھویا (اور پھر اس میں ایمان و علم بھر دیا اور آسمان دنیا میں پہنچے تو وہاں سے دو دریا نکلتے دیکھے جبرئیلؑ نے کہا یہ نیل و فرات دونوں کا سر چشمہ یہاں ہے۔ پھر جبرئیلؑ آپ ﷺ کو آسمان میں لے چلے وہاں ایک اور دریا دیکھا جس پر موتی اور زبرجد کا محل بنا ہوا تھا، دریا میں ہاتھ مارا تو وہ یکدم خالص مشک بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا جبرئیلؑ یہ کیا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ کوثر ہے، جو اللہ نے آپ کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ حضرت انسؓ نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا، پھر آپ ﷺ کو ساتویں آسمان تک لے جایا گیا۔ موسیٰؑ نے کہا اے رب میرا تو گمان بھی نہ تھا کہ کسی کو مجھ پر بلندی حاصل ہوگی۔ پھر آپ کو اور اوپر لے جایا گیا، جس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں، یہاں تک کہ سدرة المنتہیٰ پر پہنچے اور اللہ جبار رب العزت کا قرب حاصل ہو گیا۔ رب العزت کچھ نیچے آیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے فاصلے کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا اور ہر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کئے جانے کی کیفیت بتائی اور موسیٰؑ نے کہا آپ کی امت سے اس کی ادائیگی نہ ہو سکے گی غرض موسیٰؑ بار بار لوٹا کر آپ کو رب العزت کے پاس بھیجتے رہے یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں لیکن موسیٰؑ نے پھر بھی رک کر کہا محمد ﷺ! میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس سے کم کا بہت تجربہ کیا ہے لیکن وہ اس سے بھی عاجز رہے اور ادائیگی کو چھوڑ بیٹھے اور آپ کی امت تو بنی اسرائیل کے مقابلے میں جسم و دل اور گوش و چشم کے اعتبار سے بہت کمزور ہے آپ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیے (اور تخفیف کی درخواست کیجئے) تاکہ وہ تخفیف کر دے۔ حضرت موسیٰؑ نے جتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو درخواست تخفیف کی تلقین کی ہر بار آپ جبرئیلؑ کی طرف مشورہ طلب نظر سے دیکھتے تھے اور جبرئیلؑ اس کو نامناسب نہیں خیال کرتے تھے آخر پانچویں مرتبہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے دعا تخفیف کی اور عرض کیا اے رب میری امت کے بدن بھی کمزور ہیں اور دل بھی اور گوش و نظر بھی تو ہمارے لئے اپنے حکم میں تخفیف فرمادے تو اللہ نے فرمایا، میرے ہاں حکم نہیں بدلا جاتا جیسے میں نے لوح محفوظ میں فرض کر دیا ہے وہی قائم رہے گا ہر نیکی کا ثواب دس گونہ مقرر ہے پس لوح محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں مگر تمہارے لئے پانچ ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ پھر اپنے رب کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے بار بار اتنی مرتبہ آمد و رفت کی کہ اب مجھے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرتے شرم آتی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ جب بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں ہی تھے۔

مسلم کی روایت میں جو فَاَسْتَيْقِظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے الفاظ آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا معراجی واقعہ خواب کا تھا۔ لیکن صحیح متواتر احادیث سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع بھی ہے کہ آیت سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا میں شب معراج مراد ہے اور معراج بیداری کی حالت میں ہوئی تھی اور جسمانی ہوئی تھی یعنی مع جسم کے رسول اللہ ﷺ کو لے جایا گیا تھا اگر خواب میں ہوتی تو قریش کو تعجب اور انکار ہی کیوں ہوتا خواب میں سیر آسمانی ہونا یا مسجد اقصیٰ تک جانا

قابلِ تعجب چیز نہیں۔

ہمارے شیخ امام نے بیان کیا کہ بعض علماء حدیث کا قول ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سوائے حدیث مذکور کے اور کوئی ایسی حدیث نہیں جس سے منامی معراج کا ثبوت ملتا ہو صرف یہی ایک حدیث ہے جس سے خواب کے اندر معراج ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس روایت کا مدار شریک بن عبد اللہ پر ہے اور شریک منکر الحدیث ہے، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جس معراج کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ تو وحی آنے سے پہلے واقع ہوئی تھی اور جس معراج کا آیت میں ذکر ہے (اور جو جسمانی طور پر بیداری میں ہوئی تھی) وہ آغاز وحی سے بارہ سال کے بعد یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی تھی، حقیقت میں آغاز وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے خواب میں معراج کا واقعہ دیکھا تھا پھر اس کو محقق کرنے کے لئے ہجرت سے ایک سال پہلے اللہ نے بیداری کی حالت میں آپ کو معراج کرا دی جس طرح حدیبیہ کے سال یعنی ۶ھ میں آپ کو فتح مکہ دکھائی گئی تھی پھر ۸ھ میں عالم ظاہر میں مکہ کی فتح عنایت کر دی گئی۔

بعوی نے لکھا ہے جب معراج سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ مقام ذی طوی میں پہنچے تو فرمایا جبرئیل! میری قوم والے اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا ابو بکرؓ آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ بڑے سچے ہیں۔

بعوی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس رات کو مجھے (معراج میں) لے جایا گیا اس کی صبح کو میں مکہ میں بیٹھا اپنے متعلق سوچ رہا تھا اور سمجھا ہوا تھا کہ میری قوم والے مجھے جھوٹا قرار دیں گے، ایک گوشہ میں الگ تھلگ ممکن بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس طرف سے ابو جہل کا گذر ہوا اور مذاق کے لہجے میں اس نے کہا (کیسے بیٹھے ہو) کیا کوئی نئی چیز حاصل کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا تھا۔ ابو جہل نے کہا، کہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بیت المقدس کو۔ ابو جہل بولا پھر صبح ہوئی تو تم ہمارے سامنے موجود ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ابو جہل انکار نہ کر سکا اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بات اسی پر نہ پڑے۔ کہنے لگا تم نے جو بات میرے سامنے بیان کی ہے کیا اپنی قوم والوں کے سامنے بھی بیان کر دو گے، حضور نے فرمایا، ہاں ابو جہل نے پکار کر کہا اے گروہ کعب بن لوی یہاں آؤ، آواز پر لوگ ٹوٹ پڑے اور رسول اللہ ﷺ اور ابو جہل کے پاس آئے، ابو جہل بولا اب تم نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا تھا اپنی قوم سے بھی بیان کرو۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا، لوگوں نے پوچھا کہاں فرمایا بیت المقدس کو۔ لوگوں نے کہا پھر صبح کو تم ہمارے سامنے بھی ہو۔ فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی کچھ لوگ مذاق سے تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگوں نے تعجب سے اپنا سر پکڑ لیا اور کچھ لوگ جو ایمان لائے تھے اور حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کر چکے تھے، اسلام سے پھر گئے اور ایک مشرک دوڑا دوڑا حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اب آپ کا اپنے ساتھی کے متعلق کیا خیال ہے، وہ تو کہہ رہا ہے کہ رات مجھے بیت المقدس کو لے جایا گیا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، کہ انہوں نے ایسا کہا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات میں بیت المقدس کو چلے بھی گئے اور صبح سے پہلے آ بھی گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، میں تو ان کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں ان کے پاس جو صبح شام آسمان سے خبریں آتی ہیں میں تو ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ کو صدیق اسی لئے کہا جانے لگا کہ آپ نے بے تامل معراج کی تصدیق کر دی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو بھی آپ نے بے تامل مان لیا تھا (راوی کا بیان ہے کہ ان لوگوں میں بعض لوگ ایسے تھے جو بیت المقدس جا چکے تھے انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے سامنے بیت المقدس کا بیان کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرنی شروع کی اور برابر بیان کرتا رہا یہاں تک کہ بعض حالات کا مجھ پر اشتباہ ہو گیا تو فوراً (نظروں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور) بیت المقدس میری نظروں کے سامنے آ گیا اور عقیل کے گھر سے بھی دورے لاکر اس کو رکھ دیا گیا اور میں مسجد کو اپنی نظر سے دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا، وہ لوگ کہنے لگے بے شک بیت المقدس کی جو حالت تم نے بیان کی ہے وہ سچ ہے۔ پھر بولے محمد ﷺ! ہمارے قافلے

کی کچھ خبر بھی بیان کرو۔ ہمارے لئے وہ بہت ہی اہم ہے، تم نے اس کو کہیں دیکھا تھا، فرمایا ہاں فلاں قافلے کی صورت مقام روحاء میں میری نظر کے سامنے آئی تھی۔ اس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، لوگ اس کی تلاش میں تھے، ان کے پڑاؤ (فرود گاہ) پر ایک پیالہ میں پانی رکھا تھا۔ مجھے پیاس لگی تھی، میں نے وہ پانی پی لیا اور پیالہ کو اس کی سابق جگہ پر رکھ دیا، تم اس قافلے والوں سے دریافت کرنا کہ جب وہ اپنے پڑاؤ پر واپس آئے تھے تو ان کو پیالہ میں پانی ملا تھا۔ لوگوں نے کہا یہ ایک نشانی ہے جو فیصلہ کن ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا فلاں قبیلہ والوں کے قافلے کی طرف سے گزرا تھا، فلاں فلاں دو آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے۔ یہ واقعہ مقام ذی مرکا ہے، مجھے دیکھ کر اونٹ ان دونوں سواروں سمیت بدکا تھا ان دونوں شخصوں سے دریافت کر لینا لوگوں نے کہا یہ بھی صداقت کو جانچنے کی ایک نشانی ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ اچھا ہمارے اونٹوں کی تفصیل اور ان کی حالت کے متعلق کچھ بتاؤ فرمایا مقام تنعیم میں میں اونٹوں کی طرف سے گزرا تھا لوگوں نے کہا ان کی گنتی کیا تھی، سامان جو ان پر لدا ہوا تھا وہ کیا تھا ان کی ہیبت کیا تھی۔ فرمایا اس وقت تو مجھے ان باتوں کی طرف توجہ نہ تھی پھر مقام حرورہ میں وہ مکمل شکل کے ساتھ اپنے سامان اور ہیبت اور سواروں کے ساتھ میرے سامنے آکھڑے ہوئے ان کی ہیبت ایسی ایسی تھی اور فلاں فلاں لوگ ان کے ساتھ تھے اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ان کے آگے آگے تھا جس پر دو بوریوں سلی ہوئی لدی ہوئی تھیں۔ طلوع آفتاب کے وقت وہ قافلہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ لوگوں نے کہا یہ بھی سچائی جانچنے کی ایک نشانی ہے۔ اس گفتگو کے بعد وہ لوگ فوراً دوڑتے ہوئے کھائی پر پہنچے اور کہنے لگے خدا کی قسم محمد ﷺ نے واقعہ تو واضح طور پر بیان کر دیا ہے، اس کے بعد کداء (مکہ کے باہر ایک پتھریلی زمین یا پہاڑی تھی) پر پہنچے اور وہیں بیٹھ کر طلوع آفتاب کا انتظار کرنے لگے تاکہ اگر قافلہ نہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا قرار دے سکیں۔ انتظار ہی میں تھے کہ کسی نے اچانک کہا یہ آفتاب نکل آیا اور فوراً دوسرا آدمی بولا، اور یہ اونٹ بھی سامنے آگئے جن کے آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے اور فلاں فلاں لوگ قافلے میں موجود ہیں یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور کہنے لگے یہ بلاشبہ کھلا ہوا جادو ہے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں حجر اسود کے پاس موجود تھا اور قریش میرے رات کے جانے کے متعلق دریافت کر رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کے متعلق بھی مجھ سے پوچھا تھا جو مجھے یاد نہ تھا اور اس کی وجہ سے مجھے ایسی بے چینی ہوئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن اس وقت اللہ بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے لے آیا (یعنی درمیانی پردے ہٹ گئے اور بیت المقدس مجھے سامنے نظر آنے لگا) اب جو سوال بھی مجھ سے کرتے تھے، میں دیکھ کر اس کو بتا دیتا تھا۔ میں نے انبیاء کی جماعت کے ساتھ بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا میں نے دیکھا کہ موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ چھریں بدن کے گھونگھریا لے بالوں والے شخص تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبیلہ شنورہ کا کوئی آدمی ہو ان کی مشابہت عروہ بن مسعود ثقفی میں سب سے زیادہ ہے، میں نے ابراہیم کو بھی کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا تمہارا ساسا تھی ہے (یعنی میں....) پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے انبیاء کی لامت کی نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا، محمد ﷺ! یہ مالک داروغہ دوزخ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے مالک کی طرف منہ موڑ کر دیکھا تو انہوں نے ہی مجھے پہلے سلام کیا۔

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات کو مجھے معراج میں لے جایا گیا، میری ملاقات موسیٰ سے ہوئی وہ چھریں بدن کے گھونگھریا لے بالوں والے آدمی تھے معلوم ہوتا تھا کہ قبیلہ شنورہ کے کوئی آدمی ہیں۔ عیسیٰ سے بھی میری ملاقات ہوئی وہ درمیانی قد کے گھٹے بدن کے سرخ رنگ والے آدمی تھے معلوم ہوتا کہ ابھی حمام سے نکل کر آئے ہیں۔ میں نے ابراہیم کو بھی دیکھا ابراہیم کی نسل میں سب سے زیادہ ان سے مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔ میرے سامنے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب۔ پھر مجھ سے کہا گیا ان دونوں میں جو نسا چاہو لے لو۔ میں نے دودھ لے کر پی لیا۔ اس شخص نے (یعنی جس شخص نے انتخاب کا اختیار دیا تھا) کہا تم کو فطرت کی راہ پر ڈال دیا گیا یہ کہا کہ تم نے فطرت کو

پالیا اگر شراب کو لے لیتے تو تمہاری امت گمراہ ہو جاتی۔

ہم نے سورہ وانجم میں ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کا واقعہ مفصل لکھ دیا ہے (تفصیل وہاں دیکھی جائے)۔  
وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكَيْلًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی توریت عطا کی اور اس کو یعنی موسیٰ کو یا توریت کو بنی اسرائیل کے لئے راہنما بنایا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کار ساز نہ قرار دینا، وکیل نہ بنانا یعنی میرے سوا کسی دوسرے کو رب نہ قرار دینا جس پر تم بھروسہ کر لو اور تمام امور کو اس کے سپرد کر دو (مراد یہ کہ کسی کو میرے سوا اپنا کار ساز مالک و مختار نہ ماننا)  
ذُرِّيَّةً مِّنْ حَمَلِنَا مَعَ نُوحٍ ط  
میں) ہم نے سوار کیا تھا۔

اس فقرہ میں وہ احسان و انعام یاد دلایا ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کے اسلاف و اجداد پر کیا تھا کہ حضرت نوح کی معیت میں کشتی میں ان کو سوار کر کے ڈوبنے سے محفوظ رکھا تھا۔

نوح بلاشبہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ ابن مردویہ نے ابو فاطمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نوح جو بھی چھوٹا بڑا کام کرتے تھے بسم اللہ والحمد للہ کہہ لیا کرتے تھے۔ اسی لئے اللہ نے ان کو عبد شکور فرمایا جب آپ کچھ کھاتے یا پیتے یا کوئی کپڑا پہنتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے۔ یہ مؤخر الذکر اثر حضرت سعد بن مسعود ثقفی کا ہے جو ابن جریر اور طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اللہ نے اس جملہ میں اداء شکر کی ترغیب دی ہے کہ تم نوح کے ساتھیوں کی نسل سے ہو اور نوح بڑا شکر گزار بندہ تھا کہ اللہ نے اس کے ساتھ والوں کو بھی اس کی معیت میں محفوظ رکھا تھا (اگر وہ محفوظ نہ رکھے جاتے تو تم کہاں سے آتے ان کو محفوظ رکھنا درحقیقت تم پر اللہ کا احسان ہے جس کا شکر کرنا تم پر لازم ہے)

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝

اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (توریت) میں کہ تم ملک میں دوبارہ ضرور خرابی کرو گے اور چڑھ جاؤ گے بری طرح چڑھنا۔

الکتاب سے مراد توریت اور الارض سے مراد ملک شام ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا الیٰ بمعنی علیٰ ہے اور الکتاب سے مراد ہے لوح محفوظ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ بات لوح محفوظ میں لکھ دی تھی، قطعی فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ فساد برپا کرو گے۔ پہلا بگاڑ اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل نے توریت کے احکام چھوڑ دیئے، ممنوعات کو اختیار کیا اور حضرت شعیا بن مضیا کو شہید کر دیا اور دوسرا فساد اس وقت کیا جب انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا اور حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ بعض علماء نے کہا پہلا فساد حضرت زکریا کا قتل تھا اور دوسرا فساد حضرت یحییٰ کا قتل اور حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ۔ علو سے مراد ہے اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنا اور لوگوں پر ظلم کرنا۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے بہت بڑھ چڑھ کر سرکشی کرو گے اور لوگوں پر بڑے ظلم کرو گے۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا  
آگیا۔

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ط

تو ہم نے اپنے کچھ بندوں کو تم پر مسلط کر دیا جو لڑائی میں بڑے طاقتور تھے اور وہ تمہاری بستیوں کے اندر تمہاری جستجو میں گھس پڑے۔

عِبَادًا لَّنَا سے مراد ہیں نبوی کے رہنے والے (سخاریب اور اس کے ساتھی) سعید بن جبیر کا یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا جالوت اور اس کا لشکر مراد ہے۔ یہ جالوت وہی تھا جس کو حضرت داؤد نے قتل کیا۔ ابن اسحاق کے نزدیک بخت نصر بابلی مراد

ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔  
جَاسُوا یعنی تم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرنے کے لئے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے۔ زجاج نے کہا جوس کا معنی  
ہے کسی چیز کی انتہائی کوشش کے ساتھ جستجو کرنا۔ قراء نے کہا جَاسُوا کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے گھروں کے اندر تم کو قتل کیا۔  
اور (تمہاری سزا کا) وعدہ پورا ہونا ہی تھا یعنی سزا لامحالہ دی جانی تھی سو

وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ⑤

دے دی گئی۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَيْنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ⑥  
پھر ہم نے پھیر دی ان پر تمہاری باری اور تم کو طاقت عطا کر دی کثیر مال اور بیٹے

دے کر اور تمہاری جماعت بہت بڑی کر دی۔

الْكُرَّةُ یعنی سلطنت اور طاقت۔ عَلَيْهِمْ یعنی ان لوگوں پر جن کو تم پر مسلط کیا تھا۔ بیضاوی نے اس کی تفصیل اس طرح  
لکھی ہے کہ بہمن بن اسفندیار جب اپنے دادا اگتاسپ بن ہر اسپ کی جگہ شاہ ایران ہوا تو اللہ نے اس کے دل میں بنی اسرائیل کے  
لئے کچھ رحم پیدا کر دیا اس نے تمام اسرائیلیوں کو قید سے رہا کر کے ملک شام کو بھیج دیا اور حضرت دانیال کو سب کا سردار بنا دیا یہ  
لوگ شام کو چلے گئے اور بخت نصر کی فوج پر انہوں نے تسلط پالیا، حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔  
جب شام پر ان کا تسلط ہو گیا تو انہوں نے ملک کو پہلے سے زیادہ فروغ دیا، ان کی تعداد بھی خوب بڑھ گئی اور دولت بھی

فراواں ہو گئی۔

نفیر ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اپنے کسی آدمی کے ساتھ دشمن کی طرف مارچ کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ نفیر  
نفر کی جمع ہے جیسے عبید عبد کی۔ نفر اس جماعت کو کہتے ہیں جو دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلتی ہے۔

ان احسنتم احسنتم لانفسكم وان اساتم فلهاء  
نے کہہ دیا کہ اگر بھلائی کرو گے تو اپنے لئے بھلائی کرو گے (یعنی اگر اللہ کے احکام پر چلو گے تو خود تمہارے لئے سود مند ہو گا  
ثواب پاؤ گے اللہ کو تو تمہاری اطاعت سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر برائی کرو گے تب بھی اپنی جانوں کے لئے برائی کرو گے خود ہی  
سزا پاؤ گے اپنا نقصان کرو گے اللہ کا کچھ ضرر نہ ہو گا۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءَ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبَرَّوْا  
پھر جب پچھلی مرتبہ (کی سزا) کا وعدہ

مَا عَلُوا تَتَّبِيرًا ⑤  
(مقررہ وقت) آپہنچا (تو ہم نے کچھ لوگوں کو مسلط کر دیا) کہ وہ تمہارے چہروں کو اداس کر دیں اور مسجد (بیت المقدس اور اس  
کے اطراف) میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلی مرتبہ گھسے تھے اور جس مقام پر غلبہ پائیں اس کو کامل طور پر تباہ کر دیں۔  
لِيَسُوءَ وُجُوهَكُمْ سے یہ مراد ہے کہ تمہارے چہروں کی ایسی حالت کر دیں جس سے برائی اور خرابی کے آثار واضح

طور پر نمایاں ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے ایرانیوں اور رومیوں کو اور خردوش و ٹیٹس کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا۔ حملہ کرنے والوں  
نے بنی اسرائیل کو قتل کیا قید کیا اور جلا وطن کیا اس طرح دوبارہ بنی اسرائیل تباہ ہو گئے۔

مَا عَلُوا جس جگہ پر غلبہ پائیں یا جتنی مدت غالب رہیں۔

بغوی نے محمد بن اسحاق کا بیان نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل برابر نافرمانیاں اور گناہ کرتے رہتے تھے اور اللہ ان سے درگزر  
فرماتا تھا اور اپنے احسانات سے نوازتا رہتا تھا گناہوں کی پاداش میں سب سے پہلے جو مصیبت ان پر آئی وہ تھی جس کا اظہار اللہ نے  
اپنے پیغمبر موسیٰ کی زبان سے کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ ہوا جس کا نام صدیقہ تھا اس زمانہ میں اللہ کی طرف سے یہ  
ضابطہ جاری تھا کہ بادشاہ کو ہدایت کرنے اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے اس کے ساتھ اللہ ایک پیغمبر کو بھی مبعوث فرمادیا

کرتا تھا، ان پیغمبروں پر کوئی جدید کتاب نازل نہیں ہوتی تھی، بلکہ توریت کے احکام پر چلنے کی ہدایت ہر پیغمبر کرتا تھا۔ صدیقہ بادشاہ ہوا تو اس کی راہنمائی کے لئے اللہ نے شعیان امصیا کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا، شعیان کی بعثت حضرت زکریا و سحی سے پہلے تھی شعیان نے ہی حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی بشارت دی تھی اور کہا تھا، اے یرو شلم تجھے بشارت ہو اب تیرے پاس ایک گدھے پر سوار ہونے والا اور دوسرا شتر سوار آئے گا۔

غرض مدت تک صدیقہ بیت المقدس اور بنی اسرائیل کا بادشاہ رہا جب اس کا دور حکومت ختم ہونے کا وقت آگیا تو اللہ نے سخاریب شاہ بابل کو (عراق سے) بھیج دیا سخاریب کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے، سخاریب چلتا چلتا بیت المقدس کے اطراف تک پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں صدیقہ کی پنڈلی میں پھوڑا تھا، شعیان بنی نے صدیقہ سے کہا، اے شاہ اسرائیل سخاریب شاہ بابل چھ لاکھ پھریرے اڑاتا آپہنچا لوگ ڈر کے مارے بھاگ گئے تو ہوشیار ہو جا، صدیقہ کو یہ بات سن کر بڑی فکر ہوئی، کہنے لگا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے پاس اللہ کی طرف سے اس واقعہ کے متعلق کوئی وحی آئی ہے کہ ہمارا اور سخاریب کا فیصلہ کیا ہوگا، حضرت شعیان نے فرمایا، وحی تو کوئی نہیں آئی، یہ کہہ ہی رہے تھے کہ شعیان کے پاس وحی آگئی اور حکم ملا کہ شاہ اسرائیل کے پاس جا کر اس کو حکم دے دو کہ تیرا وقت آگیا ہے اب تو اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے وصیت کر دے اور اپنا جائنشین بنا دے، حضرت شعیان نے صدیقہ سے جا کر کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے میرے پاس وحی آئی ہے جس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تجھ سے کہہ دوں کہ تیرے مرنے کا وقت آگیا ہے اب تو جو کچھ وصیت کرنا ہو کر دے اور اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے اپنی جگہ بادشاہ بنا دے۔ صدیقہ یہ پیام سن کر قبلہ رو ہو کر نماز کو کھڑا ہو گیا دعا کی اور اللہ کے سامنے رویا اور زاری کی اور خلوص قلب کے ساتھ گڑگڑا کر عرض کیا۔

اے اللہ! رب الارباب، اے تمام معبودوں کے معبود، اے وہ ذات جو تمام عیوب سے پاک اور تمام نقائص سے مبرا ہے، اے رحمان، اے مہربانی کرنے والے جس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند اے اللہ میں نے جو کام کئے جو عمل مجھ سے ہوئے اور بنی اسرائیل پر انصاف کے ساتھ میں نے جو حکومت کی وہ سب کچھ تیری توفیق سے ہوا تو مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہے میرا ظاہر و باطن تیرے سامنے ہے مجھ پر رحم فرما، صدیقہ اللہ کا نیک بندہ تھا اللہ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور شعیان کے پاس وحی بھیجی کہ جا کر صدیقہ سے کہہ دو اللہ نے تیری دعا قبول کر لی تجھ پر رحم فرمایا، تجھے تیرے دشمن سخاریب سے نجات دے دی اور تیری میعاد زندگی پندرہ سال بڑھادی، شعیان نے آکر صدیقہ کو یہ پیام پہنچا دیا۔ یہ سنتے ہی صدیقہ کے دل سے دشمن کا خوف جاتا رہا، رنج و فکر دور ہو گیا اور سجدے میں گر کر اس نے دعا کی، اے میرے اور میرے باپ دادا کے معبود میں تجھے ہی سجدہ کرتا ہوں، تیری پاکی کا اقرار کرتا ہوں، تجھے بڑا جانتا ہوں تیری تعظیم کرتا ہوں تو ہی جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے نکال لیتا ہے تو ظاہر و باطن کو جانتا ہے تو ہی اول تو ہی آخر تو ہی ظاہر اور تو ہی پوشیدہ ہے تو ہی رحم کرتا اور بے قراروں کی دعا قبول کرتا ہے تو نے ہی میری دعا قبول فرمائی اور میری زاری پر رحم کیا جب سر اٹھلایا تو اللہ نے شعیان بنی کے پاس وحی بھیجی بادشاہ صدیقہ سے کہہ دو کہ اپنے خادموں میں کسی کو حکم دے کر انجیر کا پانی منگوا کر اپنے پھوڑے پر لگائے، اللہ صبح تک شفا دے دے گا۔ صدیقہ نے حکم کی تعمیل کی اور اللہ نے اس کو تندرست کر دیا۔

بادشاہ نے حضرت شعیان سے عرض کیا اپنے رب سے یہ دعا کر دیجئے کہ اللہ ہم کو بتادے ہمارے اس دشمن کا کیا ہوگا اللہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔

اللہ نے شعیان سے فرمایا بادشاہ سے کہہ دو کہ میں نے تمہارے دشمن کو تم سے روک دیا اور تم کو اس سے بچالیا، صبح تک سب مرجائیں گے صرف سخاریب اور اس کے پانچ اہل کار بچیں گے تم ان کو پکڑ لینا صبح ہوئی تو کسی پکارنے والے نے چیخ کر شہر کے دروازے پر کہا اے بنی اسرائیل کے بادشاہ اللہ نے تیرا کام پورا کر دیا تیرے دشمن کو تباہ کر دیا، باہر نکل کر دیکھ لے، سخاریب اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا، بادشاہ باہر نکلا، مردوں میں سخاریب کو تلاش کر لیا گیا مگر اس کی لاش نہیں ملی، بادشاہ نے اس کی



طلب میں آدمی دوڑائے آخر اس دوش نے ایک غار میں سخاریب کو اس کے پانچ اہلکاروں کو جا پکڑا ان میں بخت نصر بھی تھا سب کو زنجیروں میں باندھ کر صدیقہ کے پاس لے آئے فوراً بادشاہ سجدہ میں گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد سے عصر تک سجدہ میں پڑا رہا پھر سخاریب سے کہا، تم نے دیکھا ہمارے رب نے تمہارے ساتھ کیا کیا تم بے خبر تھے اور اس نے اپنی طاقت سے تم کو قتل کر دیا، سخاریب نے کہا مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا اور تم پر رحمت نازل فرمائے گا۔ اپنے ملک سے نکلنے سے پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع مل چکی تھی مگر میں نے صحیح رہنما کا کہنا نہیں مانا میری تم عقلی نے مجھے اس بد بختی میں مبتلا کر دیا اگر میں راہنما کی بات سن لیتا تو تم سے جنگ ہی نہیں کرتا۔ (تم پر چڑھائی نہ کرتا) صدیقہ نے کہا اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے جس سے چاہا تم کو تباہ کر دیا (اب جو تم اور تمہارے پانچ ساتھی بچ گئے ہیں تو یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی عزت ہے کہ اس نے تم کو باقی رکھا) اس نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو صرف اس لئے باقی رکھا ہے کہ دنیا میں تمہاری بد نصیبی اور آخرت میں تمہارا عذاب بڑھ جائے اور ہمارے رب نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع ان لوگوں کو بھی جا کر دے دو جو تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئے اور اپنے پیچھے والوں کو بھی ہمارے رب کے عذاب سے ڈرا دو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تم سب کو قتل کر دیتا تیر اور تیرے ساتھیوں کا خون اللہ کے نزدیک چھڑی کے خون سے بھی حقیر ہے اگر میں قتل کر دیتا تو میرے رب کو پرواہ بھی نہ ہوتی پھر کو تو ال نے شاہ اسرائیل کے حکم سے ان لوگوں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر ستر روز تک بیت المقدس اور ایلیا کے گرد گرد پھرایا..... ان میں سے ہر شخص کو روزانہ جو کی دو روٹیاں کھانے کو دی جانی تھیں، سخاریب نے شاہ اسرائیل سے کہا تم جو سلوک ہمارے ساتھ کر رہے ہو اس سے تو قتل ہو جانا ہی بہتر ہے شاہ اسرائیل نے ان کو قتل خانہ کو بھجوادیا اس کے بعد اللہ نے حضرت شعیا کے پاس وحی بھیجی کہ بادشاہ سے جا کر کہہ دو کہ سخاریب کو اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دے تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ان سے پرے ہیں جا کر ڈرائیں، بادشاہ کو چاہئے کہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کی عزت کرے اور عزت کے ساتھ سوار کر کے ان کے ملک کو بھیج دے۔ شعیا نے بادشاہ کو اللہ کا یہ حکم پہنچا دیا اور بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ سخاریب ساتھیوں سمیت باہل پہنچ گیا اور لوگوں کو جمع کر کے اپنے لشکر کی حالت بتائی، کاہنوں اور نجومیوں نے کہا بادشاہ سلامت ہم تو آپ کو پہلے بنی اسرائیل کے خدا کی خبر اور ان کے نبی کی کیفیت اور نبی کے پاس جو ان کے خدا کی طرف سے وحی آنے والی تھی، اس کی اطلاع دے چکے تھے مگر آپ نے ہمارا کہنا نہ مانا بنی اسرائیل ایسی امت ہے کہ ان کا رب ان کے ساتھ ہے اور ان کے رب کی موجودگی میں کوئی ان سے لڑ نہیں سکتا۔ سخاریب کا واقعہ اس کی قوم کو ڈرانے کے لئے ہوا تھا، اللہ نے اس واقعہ سے ان کو کافی نصیحت کر دی، اس کے بعد سخاریب سات برس زندہ رہا پھر مر گیا اور مرنے سے پہلے اس نے اپنا جائزہ اپنے پوتے بخت نصر کو بنا دیا بخت نصر اپنے دادا کے راستے پر چلا اور وہی کام کئے جو اس کے دادا نے کئے تھے اور سترہ سال حکومت کی۔ صدیقہ کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت بگڑ گئی قوم میں گڑ بڑ ہو گئی باہم حکومت کے لئے دوڑ شروع ہو گئی اور آپس میں خوب کشت و خون ہوا شعیا موجود تھے مگر ان کی نصیحت کوئی نہیں مانا تھا جب قوم کی ابتری یہاں تک پہنچ گئی تو اللہ نے شعیا کے پاس وحی بھیجی تم اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دو میں تمہاری زبان پر اپنی وحی جاری کر دوں گا (جو کچھ میں کہلوانا چاہوں گا وہ تمہاری زبان پر آجائے گا) شعیا قوم کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے اور اللہ نے ان کی زبان پر یہ الفاظ وحی جاری کر دیئے۔ اے آسمان سن لے اور اے زمین تو بھی کان ادھر لگا اللہ بنی اسرائیل کی حالت بیان کرنا چاہتا ہے ان کو اللہ نے اپنی نعمتیں دے کر پرورش کیا اپنے لئے ان کو منتخب کر لیا اپنی طرف سے خصوصی عزت عطا کی اور سب لوگوں پر ان کو برتری عنایت فرمائی یہ لوگ جھٹکی ہوئی بکریوں کی طرح تھے جن کا کوئی نگران نگہبان نہ تھا اللہ نے ان منتشر بکریوں کو یکجا کیا۔ جھٹکی ہوئی بکریوں کو جمع کیا اور شکستہ کو جوڑا، بیمار کو تندرست کر دیا، لاغر کو فریبی عطا کی اور فریبہ کی فریبی کی حفاظت کی اللہ نے جب ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تو یہ مغرور ہو گئے اور آپس میں ٹکرانے لور ایک دوسرے کے سینگ مارنے لگے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا صحیح الحال شخص نہ رہا کہ کوئی شکستہ اعضاء والا اس کی پناہ میں آجاتا ہلاکت کو اس خطا کار امت

کے لئے جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آرہی ہے مقدر کر دیا (یعنی یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کی قومی موت کے اسباب کیا ہیں) اونٹ کو اپنا وطن یاد آتا ہے تو وہ وطن کو لوٹ آتا ہے۔ گدھے کو اپنی خوید یاد آتی ہے جس سے وہ پیٹ بھر کر تاتا تھا تو وہ خوید کی طرف لوٹ آتا ہے۔ بیل کو جب سبزہ زار یاد آتا ہے جس کو کھا کر وہ موٹا ہوا تھا تو وہ سبزہ زار کی طرف آجاتا ہے لیکن یہ قوم جو عقل و دانش والے ہیں، بیل نہیں ہیں گدھے نہیں ہیں اس کے باوجود ان کو معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آرہی ہے۔ میں ان کی ایک مثال بیان کرتا ہوں تم ان سے کہہ دو کہ ایک ویران زمین تھی جو مدت تک ویران پڑی رہی۔ بے آب و گیاہ تھی اس میں کوئی عمارت نہ تھی لیکن اس کا مالک ایک صاحب قدرت اور حکمت والا شخص تھا، مالک نے اس زمین کو آباد کرنے کی طرف توجہ کی اس نے پسند نہیں کیا کہ لوگ کہیں کہ اس زمین کا مالک قوت رکھتا ہے پھر بھی اس نے زمین کو ویران رکھ چھوڑا ہے یا یہ کہیں کہ اس کا مالک حکمت و دانش رکھتا ہے اس کے باوجود زمین کو اس نے برباد کر دیا ہے یہ خیال کر کے اس نے زمین کی چار دیواری بنانی اندر ایک مضبوط محل تیار کیا، نہریں جاری کیں، زیتون، انار، کھجور اور رنگ برنگ کے پھلوں کے درخت بوئے اور ایک عقلمند باہمت طاقتور امانت دار محافظ کی نگرانی میں اس زمین کو دے دیا جب درختوں میں شگوفے نکلے تو ناکارہ شگوفے نکلے لوگ کہنے لگے یہ زمین خراب ہے مناسب یہ ہے کہ اس کی دیواریں گرا دی جائیں محل کو ڈھا دیا جائے، نہریں پاٹ دی جائیں، نہروں کے وہاں بند کر دیئے جائیں درختوں کو جلا دیا جائے اور جیسے پہلے زمین بخر و ویران تھی ویسی ہی کر دی جائے۔ تم ان سے کہہ دو کہ (ہر چہا سمت کی) دیوار میرا دین ہے، محل میری شریعت ہے، نہر میری کتاب ہے، نگران زمین میرا پیغمبر ہے اور درخت تم لوگ ہو اور ناکارہ شگوفے جو درختوں سے برآمد ہو رہے ہیں وہ تمہارے ناپاک اعمال ہیں جو فیصلہ تم نے اپنے لئے کیا ہے وہی فیصلہ میں نے تمہارے لئے جاری کر دیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو میں نے ان کے حالات کو سمجھانے کے لئے بیان کی ہے۔ یہ گائے بکریاں ذبح کر کے میری قربت چاہتے ہیں حالانکہ یہ گوشت نہ مجھے پہنچتا ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں، ان کو اس بات کی دعوت دی جا رہی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں اور جس کو قتل کرنا میں نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل کرنے سے باز رہیں اور اس طرح میرا تقرب حاصل کریں مگر ان کے ہاتھ خون ناحق سے رنگین ہیں اور کپڑے ناجائز خون ریزی سے آلودہ ہیں۔ یہ لوگ میرے لئے مکان یعنی مسجدیں پختہ بناتے ہیں ان کے اندرونی حصوں کو پاک بھی رکھتے ہیں مگر اپنے دلوں کو ناپاک اور جسموں کو گندہ اور میلار رکھتے ہیں مسجدوں میں پردے لگاتے اور ان کو آراستہ کرتے ہیں مگر اپنی عقلوں کو ویران اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں مجھے ان مسجدوں کے پختہ کرنے کی کیا حاجت ہے میں تو ان میں رہتا نہیں اور ان میں پردے لگانے کی مجھے کیا ضرورت ہے، میں تو ان کے اندر آتا نہیں، میں نے مسجدیں بلند کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ وہاں میری یاد کی جائے اور میری پاکی بیان کی جائے۔

یہ لوگ کہتے ہیں ہم روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارے روزے اوپر نہیں اٹھائے جاتے، ہم نمازیں پڑھتے ہیں یہ ہماری نمازیں نور نہیں پیدا کرتیں، ہم خیرات کرتے ہیں مگر ہمارے صدقات ہم کو پاک نہیں کرتے، ہم گدھوں کی آوازوں کی طرح چیخ چیخ کر دعا کرتے ہیں اور بھیڑیوں کی آوازوں کی طرح دھاڑیں مار کر روتے ہیں مگر ہماری کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی۔ تم ان سے دریافت کرو۔ دعا قبول کرنے سے مجھے کون سی چیز روکتی ہے کیا میں سب سے زیادہ سننے والا سب سے بڑھ کر دیکھنے والا اور قریب ترین جواب دینے والا اور رحم الراحمین نہیں ہوں، میں ان کے روزوں کو کس طرح اوپر اٹھاؤں جب کہ روزوں میں یہ جھوٹ بولتے ہیں اور لقمہ حرام کھاتے ہیں۔ میں ان کی نمازوں میں نور کیسے پیدا کروں جب کہ ان کے دل میرے دشمنوں اور میرے مخالفوں اور میری قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے والوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ان کے صدقات میرے ہاں کیسے بار آور ہوں وہ تو پر لیا مال صدقہ میں دیتے ہیں، میں تو خیرات کا اجر ان لوگوں کو دیتا ہوں جو معصوم اہل خیر ہوں۔ میں ان کی دعائیں کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ ان کی دعا تو صرف قول بے عمل ہوتی ہے (کہتے ہیں عمل کچھ نہیں کرتے) ان کا عمل قول سے بہت دور ہوتا ہے میں تو دعا اس کی قبول کرتا ہوں جو صاحب اطمینان اور نرم دل ہو اور میں اس کی بات سنتا ہوں جو سوال سے

بچنے والا مسکین ہو، میری رضامندی کی نشانی مسکینوں کی رضامندی ہے۔

جب یہ لوگ میرا کلام سنتے ہیں اور میرا پیام تم ان کو پہنچاتے ہو تو کہتے ہیں یہ بتائی ہوئی باتیں اور وہی پارہینہ قصے ہیں جو باب دادا سے ہم سنتے چلے آئے ہیں اور جادو گر و کاہن جیسے لافناظ کا جوڑ لگاتے ہیں ویسا ہی یہ بھی جوڑا ہوا کلام ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔ شیطان ہمارے پاس بھی وحی لاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو شیطانوں کی وحی کی وجہ سے ہم بھی غیب سے واقف ہو جائیں۔ سنو۔

میں نے جس روز آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا اسی روز ایک فیصلہ قیامت ہونے کا کر دیا تھا اور اپنے اوپر اس فیصلہ کو لازمی اور قطعی کر لیا تھا اور اس سے پہلے دنیوی زندگی کی ایک مقرر میعاد بنا دی تھی، وہ فیصلہ ضرور واقع ہو گا اگر یہ لوگ غیب دانی کے دعویٰ میں سچے ہیں تو تم کو بتادیں کہ اس فیصلہ کو میں کب جاری کروں گا یا وہ کس زمانہ میں ظاہر ہو گا۔ اور اگر ان میں اس امر کی قدرت ہے کہ جو کچھ چاہیں پیش کر سکتے ہیں تو ایسی قدرت کا مظاہرہ کریں، جس سے میں اس فیصلے (قیامت) کو نافذ کروں گا۔ میں بہر حال اس فیصلہ کو تمام مذاہب پر غالب کروں گا خواہ شرک کرنے والوں کو پسند نہ ہو اور اگر وہ جیسا چاہیں جوڑ سکتے ہیں تو ایسی حکمت کے ساتھ تالیف کریں جس حکمت سے میں امر قضاء (کو نافذ کرنے) کی تدبیر کرتا ہوں۔ اور میں نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے کے دن ہی یہ طے کر دیا تھا کہ نبوت جاری کروں گا اور حکومت نچلے طبقہ کے عوام کو دوں گا اور بے عزتوں کو عزت، کمزوروں کو قوت، محتاجوں کو دولت، جاہلوں کو علم اور بے پڑھے لکھوں کو حکمت عطا کروں گا۔ تم ان سے دریافت کرو کہ اگر وہ جانتے ہوں۔ تو بتائیں ایسا کب ہو گا اور کون یہ کام کرے گا اور کون لوگ ان چیزوں کے کار گزار اور مددگار ہوں گے، یہ یقینی امر ہے کہ میں ان کاموں کے لئے ایک نبی امی کو بھیجوں گا جو اکھڑ نہ ہو گا، درشت مزاج نہ ہو گا، بازاروں میں چختانہ پھرے گا، فحش بات زبان پر نہ لائے گا اور بے حیائی کی باتیں نہ کرے گا۔ میں اس کو سیدھا چلاؤں گا تمام عمدہ اخلاق عطا کروں گا و قار کو اس کا لباس بناؤں گا۔ نیکی اور بھلائی کو اس کا شعار، اندرونی لباس تقویٰ کو اس کا ضمیر، حکمت کو اس کا علم، سچائی اور وفاء عہد کو اس کا خمیر، عفو و خیر کو اس کی عادت، انصاف کو اس کی سیرت، حق کو اس کی شریعت، ہدایت کو اس کا امام اور اسلام کو اس کا مذہب بناؤں گا۔ اس کا نام احمد ہو گا میں اس کے ذریعہ سے گمراہوں کو ہدایت، جاہلوں کو علم، گنہگاروں کو بلندی ذکر اور غیر معروف لوگوں کو شہرت عطا کروں گا۔ میں اس کے ذریعے سے قلیل کو کثیر، ناداروں کو زور دار بناؤں گا پر آگندہ لوگوں کو جمعیت، منتشر دلوں میں ملاپ، متفرق خواہشات رکھنے والوں میں باہم الفت اور متفرق جماعتوں میں اتحاد عنایت کروں گا، میں اس کی امت کو خیر الامم بناؤں گا جو لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کی جائے گی، بھلائی کا حکم دے گی، برائی سے روکے گی، وہ مجھے واحد مانے گی مجھ پر ایمان لائے گی اور میرے لئے اپنے افکار و اعمال کو خالص کرے گی، وہ نمازیں پڑھے گی، نماز میں قیام کرے گی قعود و رکوع اور سجدہ کرے گی، وہ میری راہ میں صف در صف (یعنی صف بستہ ہو کر) لڑے گی اور دشمنوں پر ہجوم کرے گی وہ اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر میری رضا مندی کی طلب میں نکلے گی۔ میں ان کے دلوں میں ڈال دوں گا، تکبیر، توحید، تسبیح، تحمید، مدح، تمجید (یعنی اپنی بزرگی، یکتائی، پاکی، حمد و ثناء اور بزرگی) کا اعتراف و اقرار اور اظہار، سفر میں بھی، ان کی مجلسوں میں بھی، خواب گاہوں میں بھی، آمد و رفت کے راستوں میں بھی اور قیام گاہوں میں بھی، وہ تکبیریں کہیں گے، تنہا میری الوہیت کا اظہار کریں گے اور میری پاکی بیان کریں گے ٹیلوں کی بلندیوں پر چڑھ کر چہروں اور ہاتھوں پاؤں کو میرے لئے پاک کریں گے اور کمر پر کپڑے باندھیں گے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گے ان کے سینے ان کی انجیلیں (یعنی وہ قرآنی آیات کے مخزن) ہوں گے وہ راتوں میں راہب اللہ سے ڈرنے والے شب زندہ دار اور دن میں (دشمنوں کے مقابلے میں) شیر ہوں گے اور یہ میرا افضل ہے میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ اور میں بڑے فضل والا ہوں۔ جب حضرت شعیا اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ کو قتل کرنے کے لئے بنی اسرائیل نے آپ کے اوپر حملہ کر دیا آپ بھاگ پڑے راستہ میں ایک درخت ملا درخت سے آواز آئی اے اللہ کے نبی میرے اندر آجائیے اور وہ درخت پھٹ گیا، حضرت شعیا اس کی اندر داخل ہو گئے مگر شیطان نے پیچھے سے آپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لیا

آپ کے اندر داخل ہو جانے کے بعد درخت جڑ کر ہموار ہو گیا مگر کپڑے کا کونہ باہر رہ گیا شیطان نے لوگوں کو وہ کونہ دکھایا اور کہا شعیا اس کے اندر ہیں ثبوت یہ ہے کہ ان کے لباس کا یہ کونہ باہر رہ گیا ہے لوگوں نے آری سے درخت کے دو ٹکڑے کر دیئے اور حضرت شعیا کو بھی چیر ڈالا۔

اس کے بعد اللہ نے ایک شخص کو جس کا نام ناشیہ بن آموص تھا، بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور اس کی رفاقت و ہدایت کے لئے حضرت ہارون بن عمران کی اولاد میں سے ار میا بن حلقیا کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ یہ ہی خضر تھے جن کا نام ار میا تھا اور خضر لقب کیونکہ آپ ایک بار خشک گھاس پر بیٹھے تھے اور اٹھے تو وہ سر سبز ہو کر لہلہانے لگی تھی، اللہ نے حضرت ار میا کو بادشاہ کی ہدایت اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے مامور فرمایا۔

کچھ مدت کے بعد بنی اسرائیل میں بڑی بڑی بدعتیں پیدا ہو گئیں معاصی کی کثرت ہو گئی اور ممنوعات کو انہوں نے حلال قرار دے لیا۔ اللہ نے حضرت ار میا کو حکم دیا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس جاؤ۔ میں تم کو جو حکم دے رہا ہوں وہ ان سے بیان کرو میرے احسانات یاد دلاؤ اور جو بدعتیں ان کے اندر پیدا ہو گئی ہیں، وہ بتاؤ۔ ار میا نے عرض کیا اے میرے رب اگر تیری طرف سے مجھے قوت عطا نہ ہو تو میں (بجائے خود کلمہ زور ہوں اگر تو مجھے (مقصد تک نہ پہنچائے تو میں عاجز ہوں اور اگر تو میری مدد نہ کرے تو میری مدد کہیں سے نہ ہو گی) میں بے یار و مددگار ہوں اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ تمام امور میری مشیت سے ہوتے ہیں تمام دل اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں ان کو موڑ دیتا ہوں میں تمہارے ساتھ ہوں اور میری موجودگی میں کوئی دکھ تم کو نہیں پہنچ سکتا۔ الغرض ار میا بنی اسرائیل کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے لیکن ان کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا کہنا ہے اور کیا کہیں فوراً اللہ نے ان کے دل میں ایک بلیغ خطبہ القاء کر دیا، آپ نے لوگوں کو طاعت کا ثواب اور نافرمانی کا عذاب کھول کر بتلایا اور آخر میں (استغراقی حالت میں) اللہ کی زبان سے کہا، میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ ان بنی اسرائیل پر ایک بڑا فتنہ مسلط کروں گا جس کے اندر دانش مند بھی حیران ہو جائے گا کوئی خلاصی کا راستہ سمجھ میں نہیں آئے گا اور ایک ظالم سنگ دل کو ان پر غالب کر دوں گا جس کو میں بیت کا لباس پہنا دوں گا (یعنی بڑا ہولناک ظالم ہو گا) اور اس کے سینے سے رحم کو نکال لوں گا اس کے ساتھ ایک لشکر ہو گا، تاریک رات کی سیاہی کی طرح ہر طرف ہر چیز پر چھا جانے والا۔ اس کے بعد اللہ نے ار میا کو وحی بھیجی کہ میں یاقث سے بنی اسرائیل کو تباہ کر اؤں گا۔ یاقث باشندگان بابل تھے (شاید اہل بابل یاقث بن نوح کی نسل میں سے ہوں) چنانچہ اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر بابل کو منسلط کر دیا، بخت نصر چھ لاکھ فوج لے کر نکلا اور مع لشکر بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ شام کو روند ڈالا بنی اسرائیل کو اتنا قتل کیا کہ فنا کر دیا، بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور ہر فوجی کو حکم دیا کہ اپنی ڈھال بھر کر مٹی بیت المقدس پر ڈال دے، اس طرح بیت المقدس کو سیاہیوں نے خاک سے پاٹ دیا۔ پھر بخت نصر نے حکم دیا کہ بلاد بیت المقدس کے تمام باشندوں کو یکجا جمع کر لیا جائے چنانچہ سب لوگوں کو فوج والے پکڑ کر لے گئے۔ بنی اسرائیل کے سب بچے بڑے بخت نصر کے سامنے یکجا جمع کر دیئے گئے بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار بچے چھانٹ لئے (یعنی اپنی غلامی اور خدمت گاری کے لئے منتخب کر لئے) اور مال غنیمت فوج کو تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا سواروں نے کہا مال غنیمت تو کل آپ کا ہے آپ شاہی خزانہ میں داخل کر دیجئے بنی اسرائیل کے یہ بچے جو آپ نے منتخب کئے ہیں یہ فوج کو تقسیم کر دیجئے، بخت نصر نے یہ بات مان لی، اور بچوں کو بطور غلام سردار ان فوج کو تقسیم کر دیا ہر شخص کے حصے میں چار غلام آئے پھر باقی لوگوں کی تین جماعتیں کر دیں بنی اسرائیل کی ایک تہائی جماعت کو تو شام میں ہی قائم رکھا گیا، ایک تہائی کو قیدی بنا لیا گیا اور تہائی کو قتل کر دیا گیا۔ ناشیہ کو اور ستر ہزار بچوں کو بخت نصر بابل لے گیا۔ بنی اسرائیل کی یہ پہلی تباہی تھی جو خود انہی کی بد اعمالی کی وجہ سے ان پر آئی۔ آیت فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اُولٰٓئِهِمْ عَلَيْنَا لَنَّا اُولٰٓئِهِمْ شٰدِيْدِيْنَ۔ میں یہ ہی تباہی مراد ہے اور عباد سے بخت نصر اور اس کے ساتھی ہیں۔

ایک مدت کے بعد بخت نصر نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ کوئی چیز خواب میں دیکھی تھی لیکن اس کو یاد نہیں رہا کہ کیا

دیکھا تھا۔ دانیال، حننیا، عزاریا اور میشائیل قیدیوں میں موجود ہی تھے، یہ سب انبیاء کی نسل سے تھے، بخت نصر نے ان لوگوں کو بلویا اور خواب دریافت کیا۔ ان بزرگوں نے کہا آپ خواب بیان کیجئے تو ہم اس کی تعبیر دیں۔ بخت نصر نے کہا مجھے تو خواب یاد نہیں رہا، تم ہی میرا خواب بتاؤ اور تم ہی اس کی تعبیر بیان کرو اگر ایسا نہ کرو گے تو میں شانوں سے تمہارے ہاتھ اکھڑا لوں گا۔ یہ بے چارے یہ ظالمانہ حکم سن کر کوربار سے باہر آئے اور اللہ کے سامنے بہت گریہ وزاری کی، اللہ نے ان کو بادشاہ کے سوال کا جواب بتا دیا جو اب کا علم ہونے کے بعد یہ حضرات بادشاہ کے پاس پہنچے اور کہا آپ نے ایک صورت دیکھی تھی جس کے دونوں پاؤں اور پنڈلیاں پختہ مٹی کی تھیں اور زانو اور رانیں تانبے کی اور پیٹ چاندی کا اور سینہ سونے کا اور سر و گردن لوہے کے۔ بادشاہ نے کہا تم نے سچ کہا ان حضرات نے کہا آپ یہ دیکھ ہی رہے تھے اور آپ کو تعجب ہو رہا تھا کہ اللہ نے آسمان سے ایک پتھر اتارا پتھر نے مورنی کوریزہ ریزہ کر دیا یہ ہی وہ چیز ہے جو آپ بھول گئے تھے۔ بخت نصر نے کہا تم نے سچ کہا اب اس کی تعبیر دو۔ انہوں نے جواب دیا آپ کو چند بادشاہوں کی حکومت دکھائی گئی ہے کسی کی حکومت تو نرم کمزور ہے اور کسی کی اس سے سخت اور کسی بہت ہی حسین اور کسی کی سب سے زیادہ سخت پختہ مٹی (ٹھیکرے) سب سے کمزور حکومت ہے پھر اس کے اوپر تانبا پہلی حکومت سے زیادہ سخت حکومت ہے پھر تانبے سے خوبصورت اور اعلیٰ چاندی ہے اور سونا چاندی سے زیادہ حسین اور برتر ہے سب کے اوپر لوہا آپ کی حکومت ہے جو پہلی حکومتوں سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے اور وہ پتھر جو آسمان سے اترتا ہوا آپ نے دیکھا وہ اللہ کا غیبی حکم ہے جو اللہ کی طرف سے آکر اس ساری مورنی کو چکنا چور کر دے گا اور حکومت صرف اللہ کی رہ جائے گی۔

بنی اسرائیل کو اہل بابل کی خدمت میں رہتے رہتے جب مدت ہو گئی تو ایک روز بابل والوں نے بخت نصر سے کہا یہ غلام جو ہماری درخواست پر آپ نے ہم کو عنایت کئے تھے جب سے ہمارے ساتھ رہے ہیں ہم اپنی عورتوں کو کچھ بدلا ہوا پاتے ہیں، عورتوں کے رخ ہماری طرف سے پھر کر ان کی طرف ہو گئے ہیں، آپ ان کو یہاں سے نکال دیجئے یا قتل کر دیجئے۔ بخت نصر نے کہا، تم کو اختیار ہے، چاہو ان کو قتل کر دو، چاہو نکال دو۔ جب لوگوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اللہ سے گریہ وزاری کی اور عرض کیا بار الہا، ہم پر یہ مصیبت دوسروں کے گناہوں کی پاداش میں پڑی ہے (تو ہم پر رحم فرما) اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ تم کو زندہ رکھوں گا۔ آخر کچھ لوگ تو مارے گئے اور بخت نصر نے جن کو جیتا چھوڑ دیا وہ رہ گئے انہی میں سے دانیال، حننیا، عزاریا اور میشائیل بھی تھے۔

بالآخر جب اللہ نے بخت نصر کو ہلاک اور غارت کر دینے کا ارادہ کیا تو وہ خود ہی اپنی تباہی کا سبب بن گیا۔ جو بنی اسرائیل اس کے قبضے میں تھے ان سے ایک روز کہنے لگا۔ بتاؤ جو مکان میں نے تباہ کر دیا وہ مکان کیسا تھا۔ اور جن لوگوں کو میں نے وہاں قتل کیا وہ کون تھے۔ بنی اسرائیل نے جواب دیا وہ اللہ کا گھر تھا اور وہ مقتول اس گھر کو آباد کرنے والے تھے، یہ لوگ نسل انبیاء سے تھے لیکن جب انہوں نے مظالم اور زیادتیاں کیں تو اللہ نے ان کی خطا کاریوں کی سزا میں آپ کو ان پر مسلط کر دیا، ان کے رب نے جو سارے جہان کا رب ہے ان کو عزت عطا فرمائی تھی اور معزز بنایا تھا لیکن جب انہوں نے وہ کام کئے جو نہایت برے تھے (یعنی مظالم اور نافرمانیاں) تو اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور دوسروں کو ان پر مسلط کر دیا، لیکن غالب آنے والا مغرور ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ میں نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اپنے بل بوتہ پر کیا۔ بخت نصر نے کہا اچھا تو تم لوگ مجھے ایسی تدبیر بتاؤ کہ میں اونچے آسمان پر چڑھ جاؤں اور جو بھی وہاں ہو اس کو قتل کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کر لوں زمین کی حکومت سے تو میں اب فارغ ہو گیا ہوں، بنی اسرائیل نے کہا کوئی مخلوق بھی ایسا نہیں کر سکتی، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ تم کو ایسا کرنا تو ہوگا آسمان پر چڑھنے اور اس کو فتح کرنے کی تدبیر بتانی ہوگی، ورنہ میں تم سب کو قتل کر دوں گا، یہ بات سن کر سب لوگ اللہ کے سامنے روئے اور گڑ گڑائے اور عاجزی کے ساتھ دعا کی، اللہ نے ان کی مدد کی اور اپنی قدرت سے ایک مچھر بھیج دیا جو بخت نصر کی ناک کے سوراخ میں گھس کر دماغ تک پہنچ گیا اور دماغ کی جھلی پر اس نے ڈنک مارا۔ بخت نصر بیتاب ہو گیا اس کو قرار ہی نہیں آتا تھا، جب تک سر پر ضر ہیں نہ لگتی تھیں، آخر اسی حالت میں مر گیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے سر چیر کر دیکھا تو ایک مچھر دماغ کی

جھلی پر ڈنک مارنا نظر آیا جو بنی اسرائیل اس کے قبضہ میں باقی تھے اللہ نے ان کو نجات دی اور وہ شام کو چلے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے عمارتیں بنائیں ان کی تعداد بھی بہت ہو گئی اور جو حالت ان کی پہلے تھی اس سے بھی بہتر حالت ہو گئی لوگ کہتے ہیں کہ جو بنی اسرائیل قتل کر دیئے گئے تھے اللہ نے ان کو بھی زندہ کر دیا اور وہ بھی ان میں آکر شامل ہو گئے۔

جب بنی اسرائیل ملک شام میں آئے تو ان کے پاس اللہ کی کتاب باقی نہیں تھی، توریت جلادی گئی تھی، حضرت عزیرؑ بھی بابل کے قیدیوں میں تھے اور چھوٹ کر شام کو آئے تھے آپ تمام لوگوں سے الگ کہیں جنگل میں جا کر دن رات (توریت کے عم میں لکوتے رہتے تھے۔ ایک روز کسی شخص نے ان سے پوچھا آپ اتنا روتے کیوں ہیں فرمایا اللہ کی کتاب کو روتا ہوں، اللہ کا وہ احکام نامہ جو ہمارے پاس تھا (جلادیا گیا) نہ رہا اس کے بغیر نہ ہماری دنیا درست ہو سکتی ہے نہ آخرت۔ اس شخص نے کہا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ توریت آپ کو دوبارہ مل جائے تو روزے رکھیے نفس کو پاک کیجئے اور کپڑے بھی پاک رکھیے اور کل کو اسی جگہ میں آپ سے ملوں گا۔ حضرت عزیرؑ نے روزہ بھی رکھا جسم اور کپڑوں کو بھی پاک کیا اور اسی مقررہ مقام پر اس شخص کا انتظار کرنے لگے، حسب وعدہ وہ شخص پانی سے بھرا ہوا ایک برتن لے کر آیا یہ شخص فرشتہ تھا، اللہ نے اس کو بھیجا تھا۔ حضرت عزیرؑ کو اس نے کچھ پانی پلایا، پانی پیتے ہی توریت آپ کے سینے میں منقش ہو گئی۔ جب بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے اور توریت پیش کی تو بنی اسرائیل کو آپ سے اتنی محبت ہو گئی کہ کسی چیز سے ایسی محبت نہیں ہوئی تھی آپ محبوب قوم بن گئے پھر کچھ مدت کے بعد اللہ نے آپ کو بلا لیا اور بنی اسرائیل طرح طرح کی بد عمتوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ بھی ان کو سزا دیتا رہا اور پیغمبروں کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجتا رہا بنی اسرائیل کسی پیغمبر کی تو صرف تکذیب کرتے تھے اور کسی کو قتل کر دیتے تھے تصدیق نہیں کرتے تھے۔ سب کے آخر میں اللہ نے حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا یہ تینوں حضرات داؤدؑ کی نسل سے تھے۔ حضرت زکریاؑ اپنی موت سے مر گئے۔ بعض نے کہا آپ کو شہید کر دیا گیا۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو اٹھالیا گیا تو بابل کے ایک بادشاہ کو جس کو خردوش کہا جاتا تھا بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا خردوش نے بابل کا لشکر لے کر شام پر چڑھائی کی ملک میں داخل ہو کر تمام بنی اسرائیل پر مسلط ہو گیا۔ جب کامل تسلط پایا تو اپنے ایک فوجی سردار سے جس کا نام یورز اذان تھا کہا، میں نے اپنے معبود کی قسم کھائی تھی کہ بیت المقدس والوں پر جب مجھے فتح حاصل ہوگی تو ان کو اتنا قتل کروں گا کہ ان کا خون بہ بہ کر میرے لشکر کے وسطی حصہ تک آجائے، ہاں اگر قتل کرنے کے لئے کوئی شخص باقی ہی نہ رہے تو مجبوری ہے.... تم میری اس قسم کو پورا کرو۔ یورز اذان اس حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہو گیا اور بیت المقدس میں داخل ہو کر قربان گاہ تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کچھ خون زمین سے ابل رہا ہے، پوچھا یہ کیا بات ہے، یہ خون کیسا ابل رہا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا اس جگہ ہم نے ایک قربانی ذبح کی تھی، قربانی قبول نہیں ہوئی اور اس وقت سے برابر یہ خون ابل رہا ہے۔ ویسے آٹھ سو برس سے ہم قربانیاں کرتے چلے آئے ہیں اور سب کی سب قبول ہوتی رہیں ہیں صرف یہ ہی قربانی قبول نہیں ہوئی یورز اذان نے کہا تم نے مجھے سچ سچ نہیں بتایا کہنے لگے اگر پہلے جیسا وقت ہوتا تو ضرور یہ قربانی بھی قبول ہو جاتی مگر اب تو نہ ہماری حکومت رہی نہ سلسلہ وحی و نبوت۔ اسی لئے یہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اسی مقام پر یورز اذان نے بنی اسرائیل کے سرداروں کے ساتھ سوستر جوڑے ذبح کر ڈالے مگر خون جب بھی نہیں تھا۔ یورز اذان نے بنی اسرائیل کے ساتھ سو لڑکے اور قتل کر دیئے پھر بھی خون ٹھنڈا نہ ہوا یورز اذان نے جب دیکھا کہ خون تھمتا ہی نہیں ہے تو بنی اسرائیل سے کہا کہ کم بختوں مجھے سچ بتادو اور اپنے رب کے حکم پر صبر کرو، ایک طویل مدت تک اس زمین پر تمہاری حکومت رہی ہے، تم جو چاہتے تھے کرتے تھے، میں تم میں سے کسی آگ پھونکنے والے مرد کو چھوڑوں گا نہ عورت کو، سبھی کو قتل کر دوں گا۔ یہ وقت آنے سے پہلے مجھے سچ بتادو۔ جب بنی اسرائیل نے قتل کی یہ شدت اور ناقابل برداشت مصیبت دیکھی تو سچی بات کہہ دی، کہنے لگے حقیقت میں یہ ایک پیغمبر کا خون ہے وہ ہم کو بہت سی باتوں سے منع کرتے تھے اور اللہ کے غضب سے ڈراتے تھے، اگر ہم ان کا کہا مان لیتے تو یقیناً وہ راستہ ہمارے لئے بہت سیدھا راستہ تھا۔ انہوں

نے ہم کو تمہارے متعلق بھی اطلاع دی تھی مگر ہم نے ان کو سچا نہ جانا اور بجائے تصدیق کے ان کو قتل کر دیا۔ یہورز اذان نے کہا اب تم نے سچی بات بتادی تم سے تمہارا رب اسی کا انتقام لے رہا ہے اس کے بعد یہورز اذان سجدے میں گر پڑا اور جو لوگ اس کی گرداگرد تھے ان کو حکم دیا کہ خردوش کے لشکر کے جو آدمی یہاں ہیں ان کو باہر کر دو اور شہر کے دروازے بند کر دو۔ جب بنی اسرائیل کے ساتھ تمہارہ گیا تو کہا اے محیی بن زکریا آپ کے قتل کی وجہ سے جس مصیبت میں آپ کی قوم گرفتار ہوئی اور جتنے بارے گئے اس کو میرا اور آپ کا رب جانتا ہے۔ اب آپ اپنے رب کے حکم سے ٹھہر جائیں قبل اس کے کہ آپ کی قوم کے کسی شخص کو میں زندہ نہ چھوڑوں فوراً اللہ کی حکم سے خون کھم گیا اور یہورز اذان نے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم منسوخ کر دیا اور اور بولا بنی اسرائیل جس پر ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لایا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں پھر بنی اسرائیل سے کہا خردوش نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تم کو اتنا قتل کروں کہ تمہارا خون بہ بہ کر اس کے لشکر کے وسطی حصہ تک پہنچ جائے اور میں اس کے حکم عدولی کی طاقت نہیں رکھتا بنی اسرائیل نے کہا خردوش نے جو تم کو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو۔ یہورز اذان نے ایک خندق کھودنے کا حکم دیا خندق تیار ہو گئی تو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے جتنے گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ، گائیں، بھینسیں اور بکریاں بھیڑیں ہیں سب کو ذبح کر کے خندق میں ڈال دیا جائے۔ اس کی تعمیل بھی کر دی گئی، یہاں تک کہ ان جانوروں کا خون لشکر گاہ کے وسط تک بہ کر پہنچ گیا اور ان جانوروں کے اوپر ان مقتولوں کی لاشوں کو ڈلوادیا جن کو پہلے قتل کر اچکا تھا، خردوش سمجھا کہ خندق کے اندر صرف لاشیں ہی بھری پڑی ہیں خون تو لشکر گاہ تک پہنچ ہی چکا تھا اس لئے خردوش نے یہورز اذان کو قتل بند کر دینے کا حکم دے دیا، پھر بابل کو واپس چلا گیا۔ اس حادثہ میں سارے بنی اسرائیل فنا ہو گئے یا فنا ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ یہی وہ دوسرا واقعہ ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ لَتَفْسِدُنَّ فِی الْأَرْضِ مَرَّتَیْنِ۔ پہلا واقعہ تو بخت نصر اور اس کے لشکر کا ہوا اور دوسرا واقعہ خردوش اور اس کی فوج کا۔ دوسرا واقعہ پہلے واقعہ سے زیادہ سنگین تھا اس کے بعد بنی اسرائیل کو استقلال نصیب نہیں ہوا شام اور علاقہ شام کی حکومت رومیوں اور یونانیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ ہاں جو بنی اسرائیل بچ گئے تھے ان کی نسل بکثرت ہو گئی اور بیت المقدس اور اس کے علاقہ میں ان کی ریاست قائم ہو گئی۔ مستقل حکومت نہ بن سکی۔ پھر بھی اللہ کی بڑی نعمتیں ان کو حاصل ہوئیں اور آسائش و آرام سے بسر کرنے لگے، لیکن پھر انہوں نے طرح طرح کے جرائم کئے اور نافرمانیاں کیں تو اللہ نے ان پر ٹیٹس بن ایسائش رومی کو مسلط کر دیا ٹیٹس نے ان کی بستیوں کو تباہ کر دیا اور بیت المقدس سے ان کو نکال باہر کیا۔ ریاست ان سے چھین لی اور ایسی ذلت کی ماردی کہ آئندہ جس قوم میں یہ رہے ذلت کے ساتھ اور جزیہ ادا کر کے رہے اور بیت المقدس اجڑا پڑا رہا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو آپ کے حکم سے مسلمانوں نے اس کو آباد کیا۔

قادہ نے کہا پہلے مرتبہ اللہ نے جالوت کو مسلط کیا جالوت نے ان کو قید کیا اور آبادیوں کو تباہ کر دیا۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ یعنی پھر حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں اللہ نے ان کی باری پھیر دی۔ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ یعنی جب دوسری تباہی کا وقت آیا تو بخت نصر کو اللہ نے ان پر مسلط کیا بخت نصر نے ان کو قیدی بنایا اور بستیوں کو اجاڑا۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ یعنی امید رکھو کہ آئندہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا، چنانچہ اللہ نے ان پر دوبارہ رحم فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے پھر مختلف زمانوں میں شرارتیں کیں اور اللہ نے بھی سزا اور عقوبت ان کو دی، آخر کار عرب کو ان پر مسلط فرمایا، اللہ نے فرمایا، وَإِذْنَا ذَنَّبُوا رَبَّكَ لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُوؤُهُمْ سُوَاءَ الْعَذَابِ اور جب آپ کے رب نے آگاہی دے دی تھی کہ قیامت کے دن تک ان (یہودیوں) پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برا عذاب دیتے رہیں گے۔ لہذا یہودی ہمیشہ عربوں کے ہاتھوں سے عذاب میں رہیں گے۔

سدی نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی ویرانی ایک یتیم لڑکے کے ہاتھوں سے ہوگی جو بابل کی ایک پوہ کا لڑکا ہوگا اور اس کا نام بخت نصر ہوگا (اس زمانہ میں) بنی اسرائیل چونکہ سچ بولتے تھے اس لئے ان کا خواب بھی سچا ہوتا تھا یہ شخص خواب دیکھنے کے بعد بخت نصر کی جستجو میں نکلا یہاں تک کہ اس کی ماں کے پاس پہنچ

کیا بخت نصر لکڑہارا تھا اس شخص نے دیکھا کہ وہ سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے آیا گٹھے کو سر سے ڈالنے کے بعد بیٹھ گیا اس آدمی نے بخت نصر سے کچھ باتیں کیں پھر اس کو تین درہم دیئے اور کہا جا کر اس کی کچھ کھانے پینے کی چیز لے آؤ بخت نصر نے جا کر ایک درہم کا گوشت ایک درہم کی روٹی اور ایک درہم کی شراب خرید لی اور لے آیا سب نے مل کر کھانا کھایا اور شراب پی اس آدمی نے دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی کیا (روزانہ تین درہم کی کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں اور سب نے کھایا) پھر بخت نصر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی دن تم بادشاہ ہو جاؤ تو میرے لئے پروانہ لمان ابھی سے لکھ دو تاکہ تمہاری حکومت کے وقت میرے کام آئے بخت نصر نے کہا، کیا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے اس شخص نے کہا میں مذاق نہیں کرتا، تمہارا کیا حرج ہے کہ پروانہ لمان لکھ کر مجھے منت کش بنا دو۔ بخت نصر نے پروانہ امن لکھ دیا۔ اس شخص نے کہا جب تمہارے گرداگرد لوگ جمع ہوں اور میں اس وقت پہنچوں تو تمہارے پاس تک میری رسائی کیسے ہوگی۔ بخت نصر نے کہا کسی بانس میں اس تحریر کو باندھ کر بلند کرنا میں پہچان لوں گا۔ غرض بخت نصر نے تحریر لکھ کر اس شخص کو دے دی۔

قائد نے کہا بنی اسرائیل کا بادشاہ حضرت یحییٰ بن زکریا کہ بڑی عزت کرتا تھا آپ کو اس نے اپنا مقرب بنا رکھا تھا (تفاتیلاً) بادشاہ کو اپنی بیوی کی بیٹی اور بقول حضرت ابن عباسؓ اپنی بھانجی سے گہری محبت ہو گئی، حضرت یحییٰؑ سے اس نے مسئلہ پوچھا آپ نے نکاح کی اجازت نہ دی، بیوی کی بیٹی یا بھانجی سے نکاح شریعت یہود میں بھی حرام تھا، اس لڑکی کی ماں کو حضرت یحییٰؑ کے فتویٰ کی خبر پہنچی تو اس کے دل میں حضرت کی طرف سے کینہ پیدا ہو گیا، ایک روز جب بادشاہ نے محفل شراب منعقد کی تو اس عورت نے اپنی بیٹی کو باریک سرخ رنگ کے کپڑے پہنائے خوشبو سے مہکایا، زیور سے آراستہ کیا اور بنا سجا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور یہ کہہ دیا کہ تو بادشاہ کو شراب پلانا اور جب وہ تیری طرف کو مائل ہو تو لول تو اس سے شرط کرالینا کہ میرا ایک سوال آپ کو پورا کرنا ہوگا، جب وہ زبان دے دے تو اس سے کہنا مجھے یحییٰ بن زکریا کا سر طشت میں رکھا ہو اور کار ہے، پھر وہ جو کچھ تجھ سے چاہے اس کی تعمیل کرنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا، بادشاہ جب اس کی طرف مائل ہوا تو اس نے حضرت یحییٰ کے سر کی شرط پیش کی۔ بادشاہ نے کہا کم بخت کچھ اور سوال کر لے۔ میں تیرا سوال پورا کر دوں گا یحییٰ کے سر کی طلب گار نہ ہو، لڑکی نے اصرار کیا، آخر یحییٰ کا سر بادشاہ نے منگوادیا۔ سر لا کر رکھ دیا گیا تو سر سے آواز آرہی تھی یہ عورت تیرے لئے حلال نہیں ہے۔ جب صبح ہوئی تب بھی سر سے خون ابلتا رہا، بادشاہ نے اس پر مٹی ڈالنے کا حکم دیا تب بھی خون نہ تھا، اور مٹی ڈالوائی تب بھی خون ابلتا ہی رہا، یہاں تک کہ شہر کی فصیل تک اس طشت کو لے جایا گیا اور خون جوش مارتا رہا، اسی دوران میں بابل کے بادشاہ صحابین نے بخت نصر کی زیر قیادت بنی اسرائیل پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر بھیج دیا جب یہ فوج حدود بیت المقدس میں پہنچی تو لوگ قلعہ بند ہو گئے، انہوں نے بستیوں کے دروازے بند کر لئے، بخت نصر محاصرہ کئے پڑا رہا، آخر طول محاصرہ سے تنگ آکر اس نے ناکام واپسی کا ارادہ کر لیا۔ بنی اسرائیل کی نسل کی ایک بڑھیا نکل کر آئی اور اس نے بخت نصر سے کہا آپ شہر فتح کئے بغیر واپس جانا چاہتے ہیں۔ بخت نصر نے کہا ہاں، میرا یہاں قیام طویل ہو گیا اور ساتھ والوں کو کچھ کھانے کو مل نہیں رہا ہے۔ کہنے لگی تدبیر میں بتائی ہوں مگر ایک بات میری آپ کو ماننی ہوگی، جس کو قتل کرنے کا میں آپ کو مشورہ دوں اس کو آپ قتل کر دیں اور جب قتل کرنے سے روک دوں آپ رک جائیں۔ بخت نصر نے کہا اچھا، بڑھیا نے کہا صبح کو آپ اپنے لشکر کے چار حصے کر دیں، ہر گوشہ پر لشکر کا ایک حصہ مقرر کر دیں۔ پھر سب مل کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہیں یحییٰ بن زکریا کے خون کے عوض ہم تجھ سے فتح کے طلب گار ہیں، امید ہے کہ دعائے نکتے ہی (شہر کی) دیواریں گر پڑیں گی بخت نصر اور اس کے لشکر نے ایسا ہی کیا، دیواریں فوراً گر پڑیں اور تمام اطراف سے فوج اندر داخل ہو گئی۔ بڑھیا نے بخت نصر سے کہا اب اپنا ہاتھ روک لو، پھر بخت نصر کو لے کر یحییٰ بن زکریا کے خون کے پاس پہنچی اور کہا لوگوں کو گرفتار کر کے اس خون پر قتل عام اس وقت تک کرو کہ اس کا ابلنا بند ہو جائے، بخت نصر نے وہاں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا، آخر وہ خون ہتھم گیا۔ خون رک گیا تو بڑھیا نے کہا اب قتل موقوف کرو۔ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اللہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک قاتلوں کو لور قتل پر رضامند ہونے والوں کو قتل نہ کر دیا جائے



اتنے میں پروانہ امن والا پروانہ امان لے کر آگیا، بخت نصر نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو امان دے دی اور بیت المقدس کھنڈر کر دیا اور اس میں مردار جانور ڈالوا دیئے..... بیت المقدس کی بربادی میں رومیوں نے بھی بخت نصر کی مدد کی کیونکہ بنی اسرائیل نے محیی کو قتل کیا تھا اور محیی نے حضرت عیسیٰ کی بشارت دی تھی بخت نصر اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے کچھ سرداروں کو لے گیا، جن میں حضرت دانیال اور دوسرے انبیاء زادے تھے اور جالوت کے سر کو بھی ساتھ لے گیا۔

بابل میں پہنچا تو چونکہ صحابین مرچکا تھا، لوگوں نے صحابین کی جگہ اسی کو بادشاہ بنا دیا بخت نصر حضرت دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا تھا، مجوسیوں کو اس بات سے جلن ہوئی اور انہوں نے بخت نصر سے دانیال کی چغلیاں کھائیں اور کہا دانیال اور ان کے ساتھی آپ کے معبود کو نہیں مانتے اور آپ کے ہاتھ کا ذبیحہ (یعنی آپ کا عقیدہ رکھنے والے مشرکوں کا ذبیحہ) بھی نہیں کھاتے، بخت نصر نے دانیال اور ان کے ساتھیوں سے یہ بات دریافت کی، انہوں نے جواب دیا ہاں ہمارا ایک رب ہے اور ہم آپ لوگوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، بخت نصر نے ایک خندق کھدوائی اور ان سب کو جن کی تعداد چھ تھی اس میں ڈالوا دیا، اور ایک شکاری شیر کو بھی خندق میں چھوڑ دیا تاکہ شیر ان لوگوں کو پھاڑ کھائے، لیکن دن گزرنے کے بعد شام کو جا کر دیکھا تو سب کو (صحیح سالم) بیٹھا ہوا پایا، شیر بھی پاؤں پھیلائے ان کے پاس ہی پڑا ہوا تھا اور اس نے کسی کے خراش بھی نہیں لگائی تھی، اس کے علاوہ ایک ساتواں آدمی اور بھی ان کے ساتھ موجود تھا، حقیقت میں وہ ایک بادشاہ تھا جس کی سات سال تک اللہ برابر ہر سال صورت مسح کرتا رہا، وہب نے اس کی یوں تفصیل کی ہے کہ بخت نصر کو اللہ نے ایک سال بشکل گدھر رکھا، پھر ایک برس تک بیل کی شکل پر کر دیا، پھر شیر کی صورت پر کر دیا۔ اسی طرح سات سال تک صورت بگڑتی اور بدلتی رہی لیکن دل ہر صورت میں انسان ہی کارہا، آخر میں پھر اس کی حکومت اس کو عطا فرمادی اور وہ مومن ہو گیا۔ وہب سے دریافت کیا گیا، کیا بخت نصر مومن تھا۔ وہب نے جواب دیا، اس کے بارے میں میں نے اہل کتاب کے اقوال مختلف پائے، کوئی تو قائل ہے کہ اس کی موت ایمان پر ہوئی اور کوئی کہتا ہے اس نے بیت المقدس کو جلایا جو خانہ خدا تھا، اللہ کی کتابوں کو سوختے کیا اور انبیاء کو قتل کیا اس پر اللہ کا غضب پڑا اور توبہ قبول نہیں ہوئی۔

سدی کا بیان ہے کہ مسخ شکل کے بعد اللہ نے جب بخت نصر کو اس کی اصلی شکل پر کر دیا اور حکومت بھی اس کو دوبارہ عطا فرمادی تو دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی اس نے بڑی عزت و تعظیم کی۔ مجوسیوں کو اس بات پر حسد ہوا انہوں نے بخت نصر سے کہا دانیال شراب پی لیتا ہے تو پیشاب ضرور کرتا ہے، یہ بات ان لوگوں کی سوسائٹی میں بہت بری مانی جاتی تھی۔ اس پر بخت نصر نے حضرت دانیال اور ان کے ساتھیوں کو کھانا اور شراب بھیجی اور دربانوں سے کہہ دیا، دیکھو جو شخص پیشاب کے لئے سب سے پہلے نکل کر جائے اس کو تبر سے مارنا خواہ وہ یہ بھی کہے کہ میں بخت نصر ہوں تب بھی تم یقین نہ کرنا اور ضرور مارنا اور کہہ دینا کہ تو بخت نصر نہیں جھوٹا ہے۔ بخت نصر نے تو ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ جو شخص باہر نکلے اس کو مارنا۔ اتفاق کی بات کہ سب سے پہلے پیشاب کے لئے بخت نصر ہی گیا اور دربان نے اس پر حملہ کر دیا بخت نصر نے ہر چند کہا میں بخت نصر ہوں مگر دربان نے اس کو جھوٹا قرار دیا اور مارتے مارتے مار ہی ڈالا۔

بعوی نے لکھا ہے ارباب تاریخ کے نزدیک حضرت یحییٰ کے قتل کے بعد بخت نصر کا بنی اسرائیل پر چڑھائی کرنا ثابت نہیں بلکہ اہل تاریخ اس امر پر متفق ہیں کہ بنی اسرائیل نے جب حضرت شعیا کو قتل کر دیا تو اس کے بعد بخت نصر نے حضرت ار میا کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو قتل و غارت کیا حضرت ار میا اور ولادت محیی بن زکریا کے درمیان چار سو اکٹھ برس کا فاصلہ ہے۔ بہمن بن اسفندیار (شاہ ایران) کی طرف سے کیرش بن اخشورش بن اصہبہد بابل کا نواب تھا، اس کے زمانے میں ہی دوبارہ بیت المقدس کی تعمیر ہوئی یہ وہ وقت تھا جب بخت نصر کے ہاتھوں سے بیت المقدس کو برباد ہوئے ستر سال گزر چکے تھے۔ پھر تعمیر بیت المقدس سے اٹھاسی سال بعد سکندر نے بیت المقدس پر تسلط کیا اور عہد سکندر سے تین سو تریسٹھ سال بعد حضرت محیی کی پیدائش ہوئی اس حساب سے تو بخت نصر کے ہاتھوں سے جو تخریب ہوئی اس سے ۵۲۱ برس بعد حضرت محیی کی ولادت

ہوئی، ۳۶۱ کی میزان مذکور تفصیل کے لحاظ سے غلط ہے۔ مترجم (بعوی نے لکھا ہے صحیح وہی ہے جو ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔  
 عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمُ  
 تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ گے اور قرآن کا اتباع کرتے ہوئے اپنے اعمال درست کر لو گے تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔  
 وَإِنْ عُدْتُمْ عَدَاوًا  
 اور اگر تم (اللہ کی نافرمانی اور رسول کی مخالفت کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (سزا اور انتقام کی طرف) لوٹیں گے۔

پس عبد اللہ بن سلام، شاہ نجاشی، کعب احبار اور ان جیسے دوسرے اہل کتاب جب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تو اللہ نے ان پر رحمت نازل فرمادی، ان کی شناخت اور فرمایا میں اہل الکتاب اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ اِنَّآ اللّٰهُ الْغَنِيُّ  
 یَسْجُدُونَ الخ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا، وَإِذَا سَمِعُوا مَا اُنزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰی اَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ الخ اور بنی قریظہ، بنی نضیر اور ان کی طرح دوسرے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور آپ کو شہید کر دینا چاہا، آپ ﷺ پر جادو کیا، آپ ﷺ کے کھانے میں زہر ملا دیا، اور آپ ﷺ سے جنگ کی تو اللہ بھی ان کو سزا دینے کی طرف لوٹا، ان سے انتقام لیا، بنی قریظہ کو قتل کر لیا، بنی نضیر کو جلا وطن کر لیا، ان پر جزیہ مقرر کیا اور ان کو ذلیل کیا۔

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيْرًا ۝۱۱  
 اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا دیا ہے جس سے وہ کبھی نکل نہ سکیں گے، بعض علماء کے نزدیک حصیر کا ترجمہ بساط (فرش چٹائی وغیرہ) ہے۔ یعنی کافروں کے لئے ہم جہنم کا بچھونا کر دیں گے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلسُّبُوْحِ ۝۱۱  
 بے شک یہ قرآن وہ بات یادہ راہ بتاتا ہے جو تمام باتوں اور تمام راہوں سے زیادہ درست اور سیدھی ہے یادہ کلمہ بتاتا ہے جو تمام کلمات سے زیادہ صحیح ہے، اس وقت کلمہ سے مراد ہوگی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت۔

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۱۲  
 اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر یعنی جنت ہے۔ اجر کبیر سے مراد جنت ہے۔  
 وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳  
 اور مومنوں کو بشارت اس بات کی بھی دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ہم نے ان کے لئے دکھ والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ قرآن مومنوں کو دوہری بشارت دیتا ہے، جنت ان کے لئے ہوگی اور ان کے دشمنوں کے لئے سخت دکھ پہنچانے والا عذاب ہوگا۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانَ بِالشَّرِّ دُعَاۗءًا بِالْخَيْرِ  
 اور (بعض آدمی برائی (یعنی عذاب) کی ایسی درخواست کرتا ہے جس طرح بھلائی کی درخواست۔ شرکی دعا کرنے سے مراد یہ ہے کہ غصہ میں اپنے لئے اپنے اہل و عیال اور مال کے لئے بد دعا کرتا ہے یا یہ مراد ہے کہ بعض چیزوں کو اپنے لئے اچھا سمجھتے ہوئے ان کو حاصل کرنے کی اللہ سے دعا کرتا ہے، حالانکہ وہ چیزیں اس کے لئے بری ہوتی ہیں۔

خیر کی دعا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا اور دین کی بھلائی کے لئے اور عذاب آخرت سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کرتا ہے۔ پس اسی طرح وہ شر کا بھی طلب گار ہوتا ہے۔ اگر اللہ اس کی بد دعا قبول فرمائے تو یقیناً وہ تباہ ہو جائے مگر اللہ اپنی مہربانی سے اس کی یہ بد دعا قبول نہیں فرماتا اور اس کے سوال کے مطابق تباہ نہیں کرتا۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝۱۴  
 اور انسان بڑا جلد باز ہے۔ یعنی جو خیال دل میں آتا ہے چاہتا ہے کہ فوراً پورا ہو جائے، انجام پر غور نہیں کرتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ اگر اس کا خیال پورا کر دیا جائے تو ایسا نتیجہ سامنے آجائے گا جو اس کو پسند نہ ہوگا، ناگوار ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صبر نہیں کرتا، نہ اس کو دکھ پر قرار ہوتا ہے نہ سکھ پر ہر چیز سے اکتا جاتا ہے اور تنگ دل ہو کر دعا کرتا ہے۔

بعض علماء نے کہا انسان سے مراد حضرت آدمؑ ہیں، جب روح آپ کے بدن میں ڈالی گئی تو ناف تک ہی پہنچی تھی کہ اٹھنے لگے، مگر گر پڑے اٹھ نہ سکے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔

واقدی نے معاذی میں حضرت عائشہؓ کے کسی آزاد کردہ غلام کی وساطت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قیدی کو ساتھ لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اس کی بڑی نگرانی رکھنا (کہیں بھاگ نہ جائے) حضرت عائشہؓ کسی عورت سے باتیں کرنے میں قیدی کی طرف سے غافل ہو گئیں، قیدی بھاگ گیا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور قیدی کے متعلق دریافت فرمایا، حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں گیا میں ذرا اس کی طرف سے غافل ہوئی کہ وہ نکل گیا، حضور والا نے ناراض اور غضب ناک ہو کر فرمایا اللہ تیرا ہاتھ کاٹ دے، یہ فرما کر باہر تشریف لے گئے اور ملزم کے پیچھے آدمیوں کو دوڑایا لوگ اس کو پکڑ لائے پھر آپ اندر تشریف لائے حضرت عائشہؓ بستر پر (بیٹھی) اپنے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر رہی تھیں، فرمایا، کیوں کیا بات ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا میں آپ کی بددعا (کا اثر ظاہر ہونے) کا انتظار کر رہی ہوں، حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ میں ایک انسان ہوں دوسرے انسانوں کی طرح مجھے بھی رنج ہوتا ہے اور غصہ آگیا ہے، میں جس مومن مرد یا مومن عورت کے لئے کوئی بددعا کروں تو میری بددعا کو اس کے لئے گناہوں سے پاکی اور طہارت کا سبب بنا دے۔ واللہ اعلم۔

کلام کی رفتار بتا رہی ہے کہ انسان سے مراد کافر انسان ہے اور دعا شتر سے مراد عذاب کے فوراً آجانے کی دعا ہے کافر بطور استہزاء جلد عذاب آنے کی درخواست کرتے تھے۔ نصر بن حارث نے کہا تھا اے اللہ! دونوں گروہوں میں جو فریق بہتر ہو اس کو فتح یاب کر اے اللہ اگر تیری طرف سے یہ اسلام و قرآن ہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، چنانچہ بدر کے دن نصر بن حارث کی گردن ماری گئی۔

اور ہم نے رات اور دن دو نشانیاں بنائی ہیں۔ شب و روز کا تعاقب اور ترتیب کے ساتھ آنا جانا قادر و حکیم کی ذات پر دلالت کر رہا ہے۔ (یہ نشانیاں ہیں قادر کی قدرت اور حکیم کی حکمت کی)۔  
وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ  
فَمَحْوَنًا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً  
دھندلا بنایا ہے اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے۔

یعنی ہم نے رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا، بعض علماء کا قول ہے کہ دو نشانیوں سے مراد ہیں چاند اور سورج، یعنی رات اور دن کو ہم نے دو نشانیوں والا بنایا۔ یارات اور دن کے درمیان دو نشانیاں بنا دیں پھر رات کی نشانی یعنی چاند کو ہم نے گھٹاتے گھٹاتے مٹا دیا اور دن کی نشانی یعنی سورج کو چمکایا، دمکایا کہ دنیا کی چیزیں اس کی روشنی میں نظر آنے لگیں۔ کسانے نے کہا عرب أَبْصَرَ النَّهَارُ اس وقت بولتے ہیں جب دن کی روشنی میں چیزیں نظر آنے لگیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے سورج کی چمک کے ستر حصے بنائے اور چاند کی روشنی کے بھی اتنے ہی اجزاء قائم کئے پھر چاند کی روشنی کے ۶۹ حصے سورج کی روشنی کے ساتھ شامل کر دیئے یہاں تک کہ جبرئیل نے بحکم خدا اپنا چاند کے چہرہ پر تین بار پھیر دیا تو اس کی چمک دمک جاتی رہی صرف روشنی رہ گئی۔ ابن الکوا نے حضرت علیؓ سے اس داغ کے متعلق دریافت کیا جو چاند کے اندر ہے، فرمایا یہ روشنی کو مٹانے کا نشان ہے۔

بیہقی نے دلائل میں سعید مقبری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سیاہی کے متعلق دریافت کیا جو چاند میں موجود ہے۔ فرمایا دونوں چمکدار تھے۔ پھر بقول باری تعالیٰ فَمَحْوَنًا آيَةَ اللَّيْلِ (ایک کی چمک مٹا دی گئی) پس یہ سیاہی جو تم کو نظر آرہی ہے۔ محو کی نشانی ہے۔

تاکہ تم اپنے رب کا فضل طلب کرو۔ یعنی رات میں عبادت کے لئے

لَتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ

راحت و فراغت اور دن میں روزی کمانے کے اسباب۔

وَلِتَعْلَمُوا عَدَّةَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ

اور (رات دن کے آنے جانے اور چاند سورج کی

رفتار سے) سالوں کی گنتی اور (اپنے معاملات کا عموماً) حساب جان لو۔

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝۱۳

اور تمہاری دنیا و دین کی ضرورت کی ہر چیز کو ہم نے کھول کر

بیان کر دیا ہے یعنی اس طرح بیان کر دیا ہے کہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور شرک و گمراہی کی کوئی دلیل تمہارے لئے باقی نہ رہے۔

وَكُلَّ إِنشَانٍ أَلزَمْنَاهُ طَائِرًا فِي عُنُقِهِ

اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار

کر کے رکھا ہے۔

یعنی انسان کا عمل اور مقدر انسان کے ساتھ رہتا ہے انسان جہاں کہیں ہو امر مقدر اس سے جدا نہیں ہو سکتا (حضرت ابن عباسؓ) کلبی اور مقاتل نے کہا نیکی ہو یا بدی اچھائی ہو یا برائی انسان کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ اس سے ہر خیر و شر کی حساب فہمی ہوگی۔ حسن نے کہا طائر سے مراد ہے برکت و نحوست۔ اہل حقیقت کہتے ہیں طائر وہ امر تقدیری ہے جس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ آدمی وہ ضرور کرے گا اور اس کا نتیجہ ضرور حاصل کرے گا، خواہ خوش نصیبی ہو یا بد بختی۔

جانور پرندہ ہو یا چرندہ عرب اس کے نکلنے سے اچھا برا شگون لیتے تھے، اگر شکاری کے بائیں ہاتھ کی طرف سے شکار نکل کر دائیں ہاتھ کی طرف آئے تو اس کو اچھا سمجھتے تھے کیوں کہ بغیر مڑنے اور گھومنے کے شکاری اس کو شکار کر سکتا تھا اور اگر دائیں ہاتھ کی طرف سے بائیں ہاتھ کی جانب شکار آجائے تو اس کو برا سمجھتے کیونکہ اس صورت میں بغیر گھومے شکاری تیر نہیں مار سکتا تھا۔ نہایت۔ (یہ اچھائی برائی تو شکار اور شکاری سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس کے بعد عرب اس سے عام شگون لینے لگے بائیں جانب سے جانور نکل کر جائے تو نیک فال سمجھتے تھے اور دائیں جانب سے نکلے تو برا شگون جانتے تھے۔ مترجم)

ابو عبیدہ اور قیس نے کہا طائر سے اس جگہ نصیب مراد ہے اچھا ہو یا برا۔ عرب بولتے ہیں طائر سہم فلان بکذا۔ اسی محاورہ سے لفظ طائر بمعنی نصیب ماخوذ ہے۔

تمام اعضاء میں گلا ایسا عضو ہے کہ اس میں بڑے ہوئے ہار یا طوق سے آدمی کی زینت یا بد نمائی کا خصوصی تعلق ہے عرب اسی وجہ سے جدا نہ ہونے والی چیزوں کے متعلق کہتے ہیں یہ چیز فلاں شخص کے گلے میں پڑ گئی یعنی لازم ہو گئی اس سے جدا نہیں ہوتی۔

مجاہد نے کہا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے گلے میں ایک پرچہ پڑا ہوتا ہے جس میں سعید یا شقی لکھا ہوتا ہے۔

وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا

اور اس کے لئے ہم قیامت کے دن ایک صحیفہ نکالیں گے۔ کتاب سے

مراد ہے۔ اعمال نامہ۔

يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝۱۴

جو اس کو کھلا ہوا ملے گا۔ بغوی نے لکھا ہے۔ آثار (یعنی اقوال صحابہ) میں آیا ہے کہ

جب آدمی کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو اللہ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس آدمی کا اعمال نامہ روز قیامت سے پہلے نہیں کھولا جائے گا۔

إِقْرَأْ كِتَابَكَ ط

(اس سے کہا جائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھ یا یہ مطلب ہے کہ اس اعمال نامہ (کے شروع) میں لکھا ہوگا، اپنا اعمال نامہ پڑھ۔

كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝۱۵

آج تیرا نفس خود ہی تجھ سے حساب فہمی کے لئے کافی ہے۔ حسیب حساب کرنے والا۔ یا حسیب کا معنی ہے کافی۔ یعنی تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔ جیہتی

نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے ہیں جب موقف ہوگا (یعنی قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک میدان میں حساب فہمی کے لئے کھڑا کیا جائے گا) تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا اور ہوا اڑا کر

اعمال ناموں کو دائیں اور بائیں ہاتھوں میں پہنچادے گی۔  
 حسن نے کہا جس نے تیری ذات کو خود ہی تجھ پر محاسب بنا دیا اس نے یقیناً تیرے لئے انصاف کیا۔ بغوی، ابن جریر نے  
 قتادہ کا قول نقل کیا ہے جو شخص دنیا میں پڑھا ہو انہ ہو گا اس روز وہ بھی پڑھ لے گا۔  
 ابن مبارک نے حسن کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے گلے میں ایک قلابہ لٹکا دیا گیا ہے جس کے اندر اس کے اعمال  
 لکھ دیئے جاتے ہیں پھر لپیٹ کر اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر (قیامت کے دن) جب اس کو اٹھایا جائے گا تو اس اعمال  
 نامہ کو اس کے سامنے کھول دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا۔  
 اصہبانی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی کے سامنے اس کا اعمال نامہ کھلا ہوا لایا  
 جائے گا تو وہ پڑھ کر کہے گا، میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں اس میں وہ درج نہیں ہیں اللہ فرمائے گا چونکہ تو لوگوں کی غیبت  
 کرتا تھا اس لئے میں نے وہ تیری نیکیاں مٹا دیں۔  
 مِّنْ اهْتَدَىٰ فَرَأَيْنَاهُ يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ  
 لئے چلتا ہے۔  
 یعنی جو کوئی ہدایت پیاب ہو گا تو اس کا فائدہ خود اسی کو ملے گا کسی کا ہدایت یافتہ ہونا دوسروں کو عذاب سے نہیں بچائے گا۔  
 اور جو راستہ بھٹکتا ہے سو وہ اپنے نقصان کے لئے بے راہ ہوتا ہے۔ یعنی جو

گمراہ ہو گا اسی کو اپنی گمراہی کا وبال اٹھانا پڑے گا اور اس کی گمراہی دوسروں کی ہلاکت کا باعث نہ ہو گی۔ ابن عبد البر نے ایک کمزور  
 سند کے ساتھ حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے ان بچوں کا جو  
 بلوغ سے پہلے مر گئے ہوں حکم دریافت کیا، حضور نے فرمایا وہ اپنے باپوں سے پیدا ہوئے ہیں لہذا انہی کے حکم میں داخل ہیں کچھ  
 مدت کے بعد حضرت خدیجہؓ نے یہی سوال کیا تو فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اگر بڑے ہو جاتے تو کیا کرتے اس کے بعد جب  
 اسلام مستحکم ہو گیا اور حضرت خدیجہؓ نے یہی سوال کیا تو آیت ذیل نازل ہوئی۔  
 وَلَا تَزِرُ وَازِرًا وَّازِرًا وَّزِرًا وَّزِرًا  
 کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہ کا بار اپنے لو پر نہیں اٹھائے گا۔  
 بلکہ صرف اپنے گناہ کا بار اپنے اوپر اٹھائے گا۔ وزر سے مراد ہے بار گناہ۔

اور ہم رسول کو بھیجے بغیر کسی کو عذاب دینے والے  
 وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝۱۵  
 نہیں۔ یعنی زندگی کے قوانین شرعیہ پیش کرنے اور آخری حجت ختم کرنے والے پیغمبروں کو بھیجے بغیر ہم کسی کو عذاب دینے  
 والے نہیں۔ امام شافعیؒ نے کہا۔ آیت بتا رہی ہے کہ جس شخص کو دعوت پیغمبر کی اطلاع نہ پہنچی ہو فقط عقل و ہوش ملنے کی وجہ  
 سے اس پر کوئی اعتقادی یا عملی حکم واجب نہیں ہوتا، پس پیغمبر کی دعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے اگر کوئی شرک یا عملی معصیت کا  
 مرتکب ہو تو اس کو عذاب نہ ہو گا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا حاکم اللہ ہی سے لیکن انسانی عقل بجائے خود اللہ کو ایک سمجھنے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک  
 جاننے اور معجزات کی روشنی میں نبوت کا اقرار کرنے کی مکلف ہے، اقرار توحید و رسالت کا مدار عقل پر ہے، حکم خداوندی اور  
 ہدایت رسول پر نہیں جس کو بعثت نبی کی اطلاع نہ پہنچی ہو، یا انبیاء کو اللہ مبعوث ہی نہ کرے تب بھی توحید و تثنیہ کا اعتراف عقل  
 کا فریضہ ہے تمام شرائع اور احکام کا مدار توحید و نبوت کے اقرار پر ہے، اگر توحید و نبوت کے اقرار کا مدار بھی حکم شریعت پر ہو گا تو  
 دور پیدا ہو جائے گا اور اس چکر کے نتیجے میں کچھ حاصل نہ ہو گا۔ یوں سمجھو احکام شرعیہ نبوت و توحید کے اقرار پر مبنی ہیں، اور  
 نبوت و توحید کا اقرار حکم شرع پر مبنی ہے، تو احکام شرعیہ خود ہی اپنی ذات پر موقوف ہوں گے پس انبیاء کے مبعوث نہ ہونے یا  
 بعثت کی اطلاع نہ پانے کی وجہ سے اگر کوئی شخص شرک کرے گا تو مجرم اور مستحق عذاب ہو گا۔ اس قول کی تائید صحیحین کی اس  
 حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ حضرت آدم سے فرمائے

گا۔ آدم! حضرت آدم جواب دیں گے لبیک۔ حاضر۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ فرمائے گا اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ نکالو۔ آدم عرض کریں گے، دوزخ کا حصہ کیا۔ اللہ فرمائے گا، نو سو ننانوے فی ہزار۔ یہ فرمان ایسا ہو گا کہ (جس کی ہیبت سے) بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کو اسقاط ہو جائے گا اور لوگ نشہ والوں کی طرح بے قابو اور مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشہ آور چیز پیئے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہو گا۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ایک (نجات یافتہ) ہم میں سے کون ہو گا۔ فرمایا تم کو بشارت ہو کہ تم میں سے ایک جہنمی ہو گا اور یا جوج ماجوج میں سے ہزار۔ الیٰ آخر الحدیث۔ امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عقل پانے کے بعد ہر شخص توحید کے اقرار کا مکلف ہے، دیکھو یا جوج ماجوج کی قومیں سد کے پار ہوں گی ان میں کوئی پینیمبر مبعوث نہ ہو گا پھر بھی ان پر عذاب ہو گا۔

دو پینیمبروں کی درمیانی مدت میں جب کہ سلسلہ رسالت عارضی طور پر منقطع ہو گیا ہو جو لوگ پیدا ہوئے ہوں گے، قیامت کے دن ان کی جانچ کی جائے گی۔ بزاز نے حضرت ثوبانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اہل جاہلیت (دور اسلامی سے پہلے کے لوگ جو حضرت عیسیٰ کے صحیح دین پر نہ تھے) اپنے بار اپنی اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے آئیں گے اللہ ان سے باز پرس کرے گا، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا تھا نہ ہم کو تیرا حکم پہنچا اگر تو کوئی رسول ہمارے پاس بھیجتا تو ہم سب سے زیادہ تیرے فرماں بردار بندے ہوتے۔ اللہ فرمائے گا اچھا اگر میں تم کو اب کوئی حکم دوں تو مانو گے اہل جاہلیت جواب دیں گے، بے شک ہم مانیں گے اللہ ان سے پختہ عہد و پیمان لے کر حکم دے گا، جاؤ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، حسب الحکم وہ لوگ دوزخ کی طرف چلیں گے، جب قریب پہنچ کر اس کو دیکھیں گے تو ڈر کر واپس لوٹ پڑیں گے اور عرض کریں گے، اے ہمارے رب ہم کو تو دوزخ سے ڈر لگتا ہے ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے اللہ فرمائے گا، ذلیل ہو کر اس میں داخل ہو (یعنی اس وقت تم نے نافرمانی کی اب ذلت کے ساتھ تم کو دوزخ میں جانا پڑے گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر وہ پہلی ہی مرتبہ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔

امام احمد اور ابن راہویہ نے اپنی اپنی مسندوں میں اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں حضرت اسود بن سریح کی روایت سے بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن چار آدمی ایسے ہوں گے جو (اپنے گمراہ ہونے کی) حجت پیش کریں گے، بہر اپٹ، احمق، پیر فرتوت جو سو اس کی حد تک پہنچ چکا ہو گا اور وہ شخص جو دور جاہلیت میں مرا ہو گا۔ بہرا کہے گا، میرے رب اسلام آیا تو میں نے دعوت اسلامی نہیں سنی مجھے کچھ سنائی ہی نہیں دیتا تھا۔ احمق کہے گا جب اسلام آیا (تو میری یہ حالت تھی کہ) بچے میرے مینگنیاں مارتے تھے میں تو پاگل تھا۔ پیر فرتوت کہے گا اسلام جس وقت آیا تو میں سمجھ سے قاصر تھا کچھ سمجھتا ہی نہ تھا اور دور جاہلیت میں جو شخص مر گیا ہو گا وہ کہے گا اے میرے رب میرے پاس تو تیرا کوئی رسول ہی نہیں آیا (اللہ فرمائے گا کیا اب اگر تم کو کوئی حکم دیا جائے تو تمیل کرو گے وہ لوگ تمیل کا وعدہ کریں گے) اللہ ان سے تمیل حکم کا مضبوط وعدہ لے کر حکم دے گا کہ دوزخ میں چلے جاؤ (وہ داخل نہ ہوں گے اور ڈر کر لوٹ آئیں گے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کعبان ہے اگر وہ دوزخ میں حکم ملتے ہی داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔ تینوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ ان میں سے جو کوئی تمیل حکم میں دوزخ کے اندر گھس جائے گا آگ ان کے لئے خنکی بخش اور سلامتی کا باعث ہو جائے گی اور جو اپنی خوشی سے داخل نہ ہو گا، اس کو کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

ابن مبارک نے کہا مجھ سے مسلم بن یسار نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک اندھے بہرے گوٹے بندے کو اٹھایا جائے گا، جس نے نہ کبھی کچھ سنا ہو گا نہ دیکھا ہو گا نہ کوئی بات کی ہو گی اللہ اس سے فرمائے گا جو حکم میں نے تجھے دیا تھا اور جو کچھ



ہے، امام احمد نے حنساء بن معاویہ کے چچا کی روایت سے بیان کیا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ جنت میں کون لوگ جائیں گے فرمایا نبی جنتی ہیں، شہید جنتی ہیں، اور نوزائیدہ بچے جنتی ہیں اور زندہ درگور کئے ہوئے بچے جنتی ہیں (یعنی یہ لوگ بے حساب جنت میں جائیں گے ان کا جنت میں داخلہ بغیر عذاب کے قطعی ہے)

بخاری نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے ایک طویل حدیث خواب بیان کی ہے جس کے اندر یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پیر مرد ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گرد اگر دیکھ بچے بھی تھے رسول اللہ ﷺ کا گزر ادھر سے ہوا اور آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں اور یہ بچے مسلمانوں کے اور مشرکوں کے ہیں، صحابہ نے یہ بات سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مشرکوں کے بچے بھی۔ فرمایا ہاں مشرکوں کے بچے بھی۔ اسی وجہ سے بعض علماء کا قول ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے (یعنی جنت میں تو رہیں گے لیکن مومنوں کے خدمت گزار بن کر) کیونکہ ابو داؤد طیالسی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا نہ تو ان کی برائیاں تھیں کہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں نہ ان کی بھلائیاں تھیں کہ اہل جنت میں ان کا شمار ہو جائے اور ان کو نیکیوں کا ثواب دیا جائے پس وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

ابن جریر نے حضرت سمرہ کا بیان نقل کیا ہے، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ یہ ہی حدیث حضرت ابن مسعود سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

### ..... ایک شبہ .....

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مشرکوں کے بچوں کا کوئی قطعی فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں۔ حضور ﷺ نے یقینی طور پر نہیں فرمایا کہ مشرکوں کے بچے جنتی ہوں گے یا دوزخی۔ چنانچہ صحیحین میں بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے ایسی ہی ایک حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی آئی ہے۔

### ..... ازالہ .....

مشرکوں کے بچوں کی غیر یقینی حالت والی مذکورہ دونوں حدیثیں منسوخ ہیں آیت الفتح ان کی ناسخ ہے جو لوگ کسی کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کے قول کی تردید فرمادیتے تھے، کیونکہ اللہ نے فرمادیا تھا وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِبَنِي وَيَا بَيْكُم (مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور میرے ساتھ کیا کیا جائے گا.....) اسی بناء پر حضرت عثمان بن مظعون کے جنتی ہونے کے قول کی بھی آپ نے تردید فرمادی تھی، لیکن آیت فتح کے نزول سے آپ کو بڑی خوشی ہوئی اور اس کے بعد ایک جماعت کے لئے نام بنام آپ نے جنتی ہونے کی بشارت دی۔

مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری کے بچے کے جنازہ میں شرکت کے لئے رسول اللہ ﷺ کو بلایا گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کے لئے تو خوشی ہی خوشی ہے وہ تو جنت کی چڑیا تھی کبھی کوئی گناہ نہیں کیا نہ گناہ کرنے کی عمر پائی۔ یا اس کے خلاف کچھ ہوگا، فرمایا (سنو) عائشہ ہاں نے جنت کو پیدا کیا تو اس کے لئے کچھ لوگ ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کر دیئے اور دوزخ کو پیدا کیا تو اس کے لئے کچھ لوگ ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کر دیئے۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کے معاملے میں کوئی یقینی علم نہیں ہے، توقف ہی رکھنا چاہئے۔ باوجود یہ کہ ان کے جنتی ہونے پر اجماع سلف ہے۔ امام احمد اور ابن ابی زید اور ابو یعلیٰ وغیرہ نے قرار وغیرہ کے حوالے سے اجماع ہونا نقل کیا ہے اس



کے علاوہ قرآن و احادیث کی صریح عبارتیں بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کذا قال النووی والسیوطی۔ (لیکن یہ سب لاعلمی کا اظہار مسلمانوں کے بچوں کے سلسلہ میں بھی آیت فتح کے نزول سے پہلے تھا)۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بزاز نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ امت جب تک تقدیر کی بابت کوئی جھگڑا اور بچوں کے جنتی و دوزخی ہونے کے سلسلہ میں کوئی گفتگو نہ کرے گی اس کا معاملہ ٹھیک رہے گا کوئی فساد نہ ہو گا ابن حبان کے نزدیک جن بچوں کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے ان سے مراد مشرکوں کے بچے ہیں۔ یہ حدیث بھی آیت فتح سے منسوخ ہے اور یہ ارشاد اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں کے بچوں کے نتیجہ کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔

### بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کے بچے دوزخ میں جائیں گے

ابو یعلیٰ نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے پھر مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تب بھی حضور ﷺ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے۔

ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے، ام المومنین نے فرمایا، میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! مومنوں کی اولاد کا کیا ہوگا، فرمایا وہ اپنے باپوں سے ہیں (یعنی انہیں کے ساتھ ہوں گے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا بغیر عمل کے، فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ زندہ رہتے اور جوان ہوتے تو کیا کرتے، میں نے عرض کیا مشرکوں کی اولاد کا کیا حکم ہے فرمایا، وہ اپنے باپوں سے ہیں (یعنی دوزخی ہوں گی) میں نے عرض کیا بغیر عمل کے فرمایا، اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرتے۔

احمد نے بہت زیادہ ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق تذکرہ کیا، فرمایا اگر تم چاہو تو دوزخ کے اندر میں تم کو ان کی جگہ بتا دوں۔

عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں ایک مجہول منقطع سند کے ساتھ اور ابن ابی حاتم نے السنن میں حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دونوں بچوں کے متعلق دریافت کیا جو دور اسلامی سے پہلے مر چکے تھے فرمایا دونوں دوزخ میں ہیں، یہ بات سن کر حضرت خدیجہؓ کے چہرے پر کچھ افسردگی کے آثار پیدا ہو گئے حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے چہرہ پر آثار کراہت دیکھ کر فرمایا، اگر تم کو ان کا مقام نظر آجائے تو خود ان سے نفرت کرنے لگو گی، حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا اور جو آپ سے میری اولاد ہو اس کا کیا حکم ہے فرمایا، مومن اور ان کے بچے جنت میں ہوں گے اور مشرک اور ان کے بچے دوزخ میں ہوں گے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ ابوداؤد نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اچھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا لڑکی کا زندہ دفن کرنے والی اور زندہ درگور کی ہوئی دونوں دوزخ میں ہوں گی۔

ابوداؤد نے ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت سلمہ بن قیسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سلمہ نے فرمایا میں اور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا ہماری ماں جاہلیت کے زمانے میں مر گئی، وہ ہمیں نوازی اور کنبہ پروری کرتی تھی، مگر اس کی ایک بہن تھی جو سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھی، ہماری ماں نے اپنی اس بہن کو زندہ زمین میں دفن کر دیا، فرمایا زندہ دفن کرنے والی اور زندہ درگور کی ہوئی دونوں دوزخی ہوں گی، ہاں اگر زندہ دفن کرنے والی نے اسلام پالیا اور مسلمان ہو گئی تو جنتی ہو جائے گی۔

ان تمام احادیث کا جواب یہ ہے کہ الوائدہ سے (حدیث میں) دائی مراد ہے اور موؤدہ سے مراد ہے زندہ درگور کی جانے

والی لڑکی کی ماں یعنی جس کی لڑکی زندہ درگور کی گئی ہو اور وہ اس پر راضی ہو۔ احادیث کا باہم تعارض دور کرنے کے لئے یہ تاویل ضروری ہے۔ رہیں وہ احادیث جو مشرکوں کے بچوں کے دوزخی ہونے کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی اتنی قوی نہیں ہے کہ وہ احادیث قوی ہیں جن میں اولاد مشرکین کا جنت میں ہونا ظاہر کیا گیا ہے، پھر قرآن مجید کی آیات سے بھی ان کا ٹکراؤ ہو رہا ہے، اس لئے ناقابل قبول ہیں۔ اور چونکہ یہ احادیث خبری شکل میں ہیں، یعنی ان میں اولاد مشرکین کے دوزخی ہونے کی اطلاع دی گئی ہے اور نسخ احکام میں ہوتا ہے خبروں میں جاری نہیں ہوتا، اس لئے ہم ان کو منسوخ نہیں کہتے بلکہ انتہائی ضعیف کہتے ہیں بایں معنی ان کو منسوخ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لئے عذاب دوزخ تو مقرر کر دیا ہے لیکن رسول اللہ کی شفاعت سے اس کو دور کر دے گا، ابن ابی شیبہ کی حدیث اس مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اولاد انسانی میں سے جو لوگ لاہی (کھینے والے یا غافل) مر گئے ہوں ان کے متعلق میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے، اللہ نے میرا سوال پورا کر دیا۔ ابن عبد البر نے کہا اس حدیث میں لاہی سے مراد بچے ہیں ان کے اعمال (قابل گرفت نہیں) محض لہو و لعب ہیں نہ عقل کے ساتھ ہوتے ہیں نہ عزم کے ساتھ۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ سلف سے اب تک مشرکوں کے بچوں کے جنتی دوزخی ہونے کے سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف رہے ہیں۔

کچھ علماء احادیث مندرجہ بالا کی روشنی میں اطفال مشرکین کے دوزخی ہونے کے قائل ہیں، لیکن ہم لکھ چکے ہیں کہ احادیث مذکورہ ضعیف ہیں، استدلال میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔

کچھ علماء ان کو جنتی اور کچھ اہل جنت کے خادم قرار دیتے ہیں، میرے نزدیک ان دونوں قولوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ اہل جنت کے خادم بھی جنت میں ہی ہوں گے۔

محتاط ترین قول یہ ہے کہ اطفال مشرکین کا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، نہ ان کے جنتی ہونے کا قول قول فیصل ہے نہ دوزخی ہونے کا۔ اس قول کی نسبت حماد، ابن مبارک ابن راہویہ اور شافعی کی طرف کی گئی ہے اور نسفی نے امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی یہی قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن جس طرح رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے لوگوں کی جانچ کی جائے گی، اسی طرح اطفال مشرکین کا بھی امتحان لیا جائے گا۔ ابو یعلیٰ اور بزاز نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن چار قسم کے لوگوں کو پیشی میں لایا جائے گا۔ (۱) بچہ جو پیدا ہونے کے بعد جو ان ہونے سے پہلے مر گیا (۲) دیوانہ (۳) زمانہ فترت والے یعنی حضرت عیسیٰ کے بعد جب صحیح عیسائیت ختم ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت ابھی نہیں ہوئی اس درمیانی مدت کے لوگ (۴) شیخ فانی یعنی پیر فرقت ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا عذر پیش کرے گا، اللہ آگ کے بالائی حصے سے فرمائے گا باہر نکل آ، پھر فرمائے گا میں دنیا میں اپنے بندوں کے پاس انہیں میں سے کچھ لوگوں کو پیغمبر بنا کر بھیجتا رہا ہوں اور آج میں خود اپنی طرف سے تم کو پیغام دے رہا ہوں اس آگ میں داخل ہو جاؤ اس کے جواب میں وہ لوگ جن کے لئے اللہ کی طرف سے بد بختی لکھ دی گئی ہوگی کہیں گے اے رب کیا ہم اس آگ میں گھس جائیں، اسی سے تو ہم بھاگ رہے ہیں اور جو اذلی خوش نصیب ہوں گے وہ فوراً آگ میں گھس پڑیں گے، اللہ تا فرمانوں سے فرمائے گا جب تم نے آج میرا حکم نہیں مانا تو (دنیا میں) تم میرے پیغمبروں کی بہت زیادہ تکذیب اور نافرمانی کرتے آخر آگ میں داخل ہونے والوں کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور انکار کرنے والوں کو آگ میں بھیج دیا جائے گا۔

بزاز اور محمد بن حنفی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگ اپنا عذر پیش کریں گے فترت کے زمانہ میں جو شخص کفر پر مرا ہو گا وہ عذر پیش کرے گا اور بچہ جو بچپن میں مر گیا ہو گا وہ عذر پیش کرے گا یہ سب ہلاک ہونے والے اپنی اپنی معذرت کریں گے۔ ایام فترت میں ہلاک ہونے والا کہے گا، اے میرے رب میرے پاس کوئی کتاب ہی نہیں پہنچی، دیوانہ کہے گا تو نے مجھے سمجھ ہی نہیں دی کہ میں بھلائی سمجھتا، بچہ کہے گا میں نے عقل کی

عمر یعنی سن بلوغ کو ہی نہیں پایا ان کی معذرتوں کے بعد ایک آگ کا حصہ یعنی دوزخ کا ابتدائی حصہ سامنے آجائے گا اور اللہ فرمائے گا اس میں داخل ہو جاؤ فوراً وہ لوگ جن کے متعلق اللہ کو معلوم تھا کہ اگر یہ عمل کا زمانہ پاتے تو سعید ہو جاتے اس آگ میں گھس جائیں گے اور جن لوگوں کے متعلق اللہ کو معلوم تھا کہ اگر یہ عمل کے زمانے کو پا بھی لیتے تب بھی بد نصیب رہتے آگ میں داخل ہونے سے رک جائیں گے اللہ فرمائے گا آج جب تم نے میری نافرمانی کی تو میرے پیغمبر دنیا میں اگر تمہارے پاس پہنچ جاتے تو کس طرح نافرمانی نہ کرتے۔

طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن دیوانہ کو اور فترت کے زمانے میں کفر پر مرنے والے کو اور بچپن کی عمر میں ہلاک ہونے والے کو پیشی میں لایا جائے گا، دیوانہ کے گالے میرے رب اگر تو صحیح سمجھ دیتا تو یہ دوسرے عقلمند مجھ سے زیادہ خوش نصیب نہ ہوتے اور دوسرے دونوں بھی ایسی ہی بات کہیں گے۔ اللہ فرمائے گا اچھا اب میں اگر تم کو کوئی حکم دوں تو مانو گے سب کہیں گے جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ دوزخ میں گھس جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ آگ میں گھس جاتے تو آگ سے کوئی دکھ ان کو نہ پہنچتا پھر اللہ دوزخ کے کچھ حصے ان کے سامنے لے آئے گا، وہ خیال کریں گے یہ تو ہر چیز سے زیادہ ہلاکت انگیز ہے اس لئے فوراً ہی واپس لوٹ پڑیں گے، اللہ دوبارہ حکم دے گا پھر بھی وہ لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم کو پیدا کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم تھا کہ تم اگر عمل پر قادر ہوتے تو کیا کرتے۔

مندرجہ بالا احادیث کی بنا پر جن لوگوں نے اطفال مشرکین کے متعلق توقف کا مسلک اختیار کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان کا فیصلہ کرے گا اور امتحان کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دے گا یہ دین کی کھلی ہوئی صراحتوں کے خلاف ہے، امام احمد اور ابو داؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ اور حضرت علیؓ اور عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھایا گیا ہے یعنی وہ شرعی احکام کے مکلف ہی نہیں ہیں دیوانہ جب تک اچھا نہ ہو جائے، سوتا ہوا آدمی جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک بڑا یعنی بالغ نہ ہو جائے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ اگر کسی نے گناہ کا ارادہ کیا تو اس وقت تک اس سے مواخذہ نہ ہو گا جب تک کہ وہ گناہ عملی شکل میں نہ لے، جب یہ بات ہے تو جس نے گناہ کا ارادہ ہی نہ کیا بلکہ گناہ کو سمجھنے کی اس میں صلاحیت ہی نہ ہو اس کو کیسے پکڑا جاسکتا ہے، لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دُسَعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ - وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى - تمام امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ عقل و بلوغ پر تمام اوامر و نواہی کی بناء ہے۔

احادیث مذکورہ میں جو مولود و مجنون کے الفاظ بھی آئے ہیں، شاید یہ راویوں کے وہم کا نتیجہ ہے یا یوں کہا جائے کہ بچہ اور دیوانہ تو قیامت کے دن اللہ کے حکم کی تعمیل میں آگ کے اندر گھس جائیں گے۔ زمانہ فترت کے مشرکوں کی حالت اس کے خلاف ہوگی (وہ قیامت کے دن بھی اللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کریں گے)۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ اطفال مشرکین کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ان کو رکھا جائے گا وہ نہ دوزخی ہوں گے نہ جنتی۔ بعض نے کہا ان کو خاک کر دیا جائے گا۔ مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اولادِ مسلمین کے متعلق اجماع امت ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے ان کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا  
چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ مترفین یعنی صاحبان عیش و راحت اور جابر لوگ۔ مجاہد کی قرأت میں  
أَمْرُنَا آيَا هُمْ مَسْلُطٌ كَرَدِيْتُمْ هِيَ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى  
یعنی ہم مسلط کر دیتے ہیں اور ان کو حاکم بنا دیتے ہیں۔ حسن اور قتادہ اور یعقوب نے أَمْرُنَا پڑھا ہے یعنی راحت و نعمت میں پڑے ہوئے لوگوں کو پیغمبر کی زبانی ہم طاعت و فرمان برداری کا حکم دیتے ہیں۔ أَمْرُنَا کے بعد بِالطَّاعَةِ کا لفظ محذوف ہے، قرینہ یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا ہم پیغمبر کو بھیجے بغیر عذاب نہیں دیا کرتے اور اس آیت کے بعد فرمایا ہے۔



قوم میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے سب مر جائیں۔

میں کہتا ہوں قرن صحابہ کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا صحبت یافتہ کوئی شخص باقی ہو اگر کوئی صحابی باقی نہ رہے تو قرن صحابہ ختم ہو گیا اور قرن تابعین کا یہ معنی ہے کہ صحابہ کی صحبت میں رہنے والا کوئی آدمی باقی ہو اگر صحابہ کو دیکھنے والا اور صحابہ کا زمانہ پانے والا کوئی شخص باقی نہ رہے تو تابعین کا قرن ختم ہو گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں قرن زمانہ کی ایک محدود مدت کو کہتے ہیں۔ یہ مدت کتنی ہو اس میں اقوال مختلف ہیں دس سال کی مدت یا بیس سال کی یا تیس سال کی یا چالیس سال کی یا پچاس سال یا ساٹھ سال کی یا ستر سال یا اسی یا سو سال کی یا ایک سو بیس برس کی۔ یہ تمام اقوال صاحب قاموس نے ذکر کئے ہیں۔

مفقود الخبر کے انتظار کی مدت حنفیہ کے نزدیک نوے سال ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں محمد بن قاسم نے عبد اللہ بن تسمز مازنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک میرے سر پر رکھ کر فرمایا یہ لڑکا ایک قرن جیے گا۔ محمد بن قاسم کا بیان ہے ہم عبد اللہ کی عمر کا حساب برابر لگاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کی عمر کے سو سال پورے ہو گئے تو ان کا انتقال ہو گا۔

و كَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبٍ عِبَادٍ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۱۷﴾  
گناہوں کو جاننے والا دیکھنے والا کافی ہے۔ یعنی لوگ چاہے کتنا ہی چھپائیں اللہ کو بندوں کے گناہوں کی خبر ہوتی ہے اور کتنے ہی پردے ڈالیں مگر اللہ دیکھتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ  
ہم دنیا کے اندر جس کو مناسب سمجھتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں فوراً (یعنی دنیا ہی میں) دے دیتے ہیں۔ مَا نَشَاءُ جتنا ہم چاہتے ہیں اس کا پورا مطلوب یا کچھ مطلوب دے دیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر تمنا پوری پوری دے دی جائے۔ لِمَنْ نُرِيدُ جس کو چاہتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ ہر شخص کا سوال اور تمنا تو پوری نہیں کی جاتی۔

ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصِلُهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿۱۸﴾  
پھر (آخرت میں) ہم نے اس کے لئے جہنم مقرر کر دیا ہے جس کی آگ میں وہ داخل ہو گا، ایسی حالت میں کہ اس کو برا کہا جائے گا اور پھٹکار پڑے گی اور اللہ کی رحمت سے دور پھینک دیا گیا ہو گا۔ یعنی دھتکارا ہو اللہ کی رحمت سے دور پھینکا ہو۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
ایمان دار ہونے کی حالت میں آخرت کے لئے اس کے مناسب کوشش کرے گا۔ آخرت کے لئے مناسب کوشش کرنے سے مراد ہے اوامر و نواہی کی پابندی۔ صرف تمنا کرنا یا خود اپنے دماغ کے تراشیدہ ذرائع کو موجب تقرب خیال کر کے حصول تقرب کی کوشش کرنا کافی نہیں ہے (بلکہ آخرت کے لئے جیسی کوشش ہونی چاہئے ویسی کوشش اگر کوئی مومن کرے گا اور آخرت کا طلب گار ہو گا) ایمان سے مراد بھی خالص ایمان ہے جس میں نہ کسی قسم کی تکذیب کی آمیزش ہو نہ شرک کا شائبہ۔

فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿۱۹﴾  
سوائے لوگوں کی یہ کوشش مقبول ہوگی۔ کوشش مشکور ہونے سے مراد ہے اللہ کے نزدیک مقبول ہو جانا اور ثواب پانا۔ اللہ کی طرف سے شکر کا معنی ہے طاعت کا ثواب عطا کرنا۔

كَلَّا نَبَدُّهُ هُوْلَاءَ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ  
فریق کی امداد کرتے ہیں ان کی بھی اور ان کی بھی۔ یعنی مذکورہ بالا دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو اس فریق کو بھی اور اس فریق کو بھی ہم آپ کے رب کی عطا سے ہم مدد دیتے ہیں۔

وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿۲۰﴾  
اور آپ کے رب کی دین (دنیا میں کسی مومن یا کافر سے) روکی نہیں گئی ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ جو آپ کا رب ہے وہی سب کا رب ہے کافر کا بھی مومن کا بھی، کوئی فریق اس کی دین سے

محروم نہیں ہے۔ مترجم) هُوَ لَاءٌ وَهُوَ لَاءٌ كَلًّا سے بدل ہے اور کَلًّا میں تنوین مضاف الیہ کے عوض لائی گئی ہے۔ اور عَطَاً (مصدر) بمعنی عطیہ ہے۔

دیکھو ہم نے دنیا میں بعض کو بعض پر رزق و حسن و

اُنظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ صحت وغیرہ کے لحاظ سے کس طرح فوقیت عطا کی ہے۔

اور البتہ آخرت مراتب کے اعتبار سے بہت

وَلِلْآخِرَةِ الْكِبْرُ دَرَجَاتٍ وَاكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝۱۱

بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے یعنی آخرت میں فرق مراتب دنیوی تفاوت سے بہت بڑا ہے جنت و دوزخ کے درمیان فرق عظیم ہے۔

اللہ کے ساتھ کوئی

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخَذُومًا وَلَا ۝۱۲

اور معبود مت تجویز کرو ورنہ بد حال، بے مددگار ہو کو بیٹھ رہو گے۔ خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو ہے مگر مراد خطاب امت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق تو احتمال شرک کیا ہی نہیں جاسکتا تھا یا ہر شخص مخاطب ہے یعنی اے انسان تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کر۔

فَتَقْعُدَ یعنی تو ہو جائے گا، قعود کا معنی اس جگہ ہو جانا ہے ایک محاورہ ہے شَحَذَ الشَّفْرَةَ حَتَّى قَعَدَتْ كَأَنَّهَا حَرْبَةٌ اس نے دھار کو تیز کیا یہاں تک کہ وہ چھوٹے برچھے کی طرح ہو گئی۔ یا فَتَقْعُدَ سے مراد ہے عاجز ہو جاؤ گے (عاجز ہو کر بیٹھ رہو گے) قَعَدَ عَنِ الشَّيْءِ۔ وہ اس شے سے عاجز ہو گیا۔

مَذْمُومًا یعنی فرشتوں اور مومن آدمیوں کی طرف سے مذمت کردہ۔ مَخَذُومًا بے مدد۔ امداد سے محروم۔

اور تیرے رب نے

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتُهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ

قطع حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ خوب اچھا سلوک کرو۔ قضاء یعنی قطعی حکم۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، حسن اور ربیع بن انس نے اس جگہ یہی ترجمہ کیا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا اس لئے حکم دیا کہ ظاہری اسباب کے تحت ماں باپ ہی اولاد کے وجود اور زندگی کی علت ہیں۔

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝۱۳

اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں

بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ہوں بھی نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکی دینا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔

عِنْدَكَ یعنی تیری زیر کفالت تیری نگہداشت میں۔ آيٌ سے مراد ایواہ لفظ ہے جو کراہت اور تنگ دلی پر دلالت کرتا ہے یا آيٌ اسم فعل ہے یعنی تنگ دل ہو جانا۔ ابو عبیدہ نے کہا اصل لغت کے اعتبار سے آيٌ اور آف اس میل کو کہتے ہیں جو انگلیوں پر جم جاتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے آيٌ کا معنی لغوی ہے ناخن کا تراشہ یعنی ناخن کا وہ حصہ جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ یا ناخن کا میل یا کان کا میل اور وہ ذرا سی لکڑی یا کھپاچ کا ٹکڑا جو تم زمین سے اٹھاؤ۔

یا آيٌ سے مراد ہے قلت یعنی ایسی اونی بات بھی نہ کہو جو تمہاری طرف سے نفرت یا کراہت کا اظہار کر رہی ہو۔ جب اونی ایذا رساں بات بصراحت نص حرام کر دی گئی تو اس سے بڑا ایذا رساں سلوک تو بدرجہ اولیٰ حرام ہو گیا، نص اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ لَا تُنْهَرُهُمَا یعنی ماں باپ کو جھڑکی نہ دو، اپنی ناپسندیدہ بات پر ان کو نہ جھڑکو۔

قَوْلًا كَرِيمًا اچھی نرم بات۔ ابن مسیب نے یہی ترجمہ کیا ہے جیسے کوئی قصور دار اپنے بد خو آقا سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہے (ایسا ہی تم ماں باپ سے کلام کرو) مجاہد نے کہا جب ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے گھن نہ کرو اور جس طرح تمہارے بہت چھوٹے ہونے کے زمانے میں تمہارا بول و براز وہ صاف کرتے تھے اسی طرح ان کا ایام پیری میں بول و براز صاف کرنے سے تم نفرت نہ کرو اور ان کو آف بھی نہ کہو۔

وَإِخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ  
عاجزی اور تواضع کا اظہار کرو، حضرت عروہ بن زبیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ ان سے نرمی کرو۔ جس چیز کو وہ چاہتے ہوں اس سے ممانعت نہ کرو۔

ممانعت نہ کرو۔  
مِنَ الرَّحْمَةِ  
انتہائی رحم کی وجہ سے یعنی یہ خیال کرو کہ تم کل ان کے انتہائی محتاج تھے آج وہ تمہارے محتاج

ہو گئے اس بات کا خیال کرو اور ان پر ترس کھاؤ۔

وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا

میرے رب ان پر رحمت فرما جیسے انہوں نے مجھ کو میرے بچپن میں پالا پرورش کیا تھا، یعنی ان پر اپنی لازوال رحمت نازل فرما صرف اس دنیوی فانی نعمت پر ہی اکتفا نہ کر۔

بغوی نے لکھا ہے والدین کے لئے دعا رحمت کرنے کا یہ حکم اس وقت ہے جب وہ مسلمان ہوں۔ حضرت ابن

عباس کے نزدیک یہ آیت، آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ سے منسوخ ہے۔ بیضاوی نے

کہا دعا رحمت کرنے کا حکم عام ہے ماں باپ کافر ہوں یا مسلمان سب کے لئے دعا کا حکم ہے کیونکہ کافر ماں باپ کے لئے دعا رحمت

کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو اسلام کی توفیق دے اسلام کی توفیق دینا بھی رحمت ہے۔

حضرت ابو الدرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، باپ جنت (کے اندر داخل ہونے) کا وسطی دروازہ ہے اگر

تم چاہو تو اس کی نگہداشت کرو یا (چاہو) کھو دو۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجتہ والحاکم بسند صحیح۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو کی روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں رواہ الترمذی

والحاکم وصحیح۔ بزار نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص

کی ناک خاک آلود ہو جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو گئے اور ان کی خدمت نہ کرنے کی وجہ

سے وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔ دوسری روایت میں ہے بوڑھے ماں باپ اس کو جنت میں نہ لے جاسکتے۔ رواہ البغوی والترمذی و

الحاکم وصحیح۔ حضرت ابو امامہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے، فرمایا وہ

دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں، رواہ ابن ماجتہ۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کے معاملہ میں صبح کو اللہ کا فرماں

بردار ہوتا ہے اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور جو شخص والدین میں سے کسی ایک کے معاملے میں صبح کو اللہ کا

فرماں بردار ہوتا ہے تو اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور جو شام کو اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ کا نافرمان

ہو جاتا ہے، اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک کے معاملہ میں نافرمان ہوتا ہے تو دوزخ کا ایک دروازہ

اس کے لئے کھل جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خواہ ماں باپ نے اس کی حق تلفی کی ہو، فرمایا خواہ انہوں نے

اس کی حق تلفی کی ہو خواہ اس پر ظلم کیا ہو، خواہ اس کا حق مارا ہو، یہ بھی حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا جو ماں باپ کا فرماں بردار اپنے والدین کی طرف رحم و شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے اللہ ہر بار نظر کرنے کے عوض اس کے

لئے ایک حج مقبول کا ثواب ضرور لکھ دیتا ہے، صحابہ نے عرض کیا خواہ ہر روز سو بار دیکھے، فرمایا، ہاں اللہ اس سے بھی بڑا اور پاک

ہے۔ حضرت ابو بکر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے اللہ جو گناہ چاہے گا معاف فرما دے گا سوائے

ماں باپ کی نافرمانی کے۔ کیوں کہ زندگی میں مرنے سے پہلے ہی ماں باپ کی نافرمانی کی سزا اللہ تعالیٰ دے دیتا ہے۔ یہ تینوں

حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں اور اول الذکر حدیث ابن عساکر نے بھی ذکر کی ہے۔ طبرانی نے ضعیف سند

سے اور حاکم نے حضرت ابو بکر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے جس گناہ کو اللہ چاہتا ہے

قیامت پر (اس کے عذاب یا مغفرت کو) ٹال دیتا ہے سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے، ماں باپ کی نافرمانی کی سزا تو مرنے سے پہلے

اسی زندگی میں فوراً اُدے دیتا ہے۔  
 رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ  
 ہے یعنی ماں باپ کی فرماں برداری کی نیت اور تعظیم کے اندرونی خیال سے اللہ خوب واقف ہے یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دلوں میں بھی ماں باپ سے نفرت اور بوجھ کا خیال نہ آنا چاہیے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ والدین کی فرماں برداری کے معاملے میں تمہاری نیتوں کو اللہ خوب جانتا ہے اگر ثواب کی امید پر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں فرماں برداری کرو گے تو اللہ اس کا اجر دے گا اور اگر کسی دنیوی لالچ کی وجہ سے فرماں برداری کرو گے تو اس کا نتیجہ نیت کے موافق ہوگا۔

اگر تم سعادت مند  
 اِنْ تَكُونُوا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلّٰٓءِ اَبِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۱۵﴾  
 ہو تو اللہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کرنے والا ہے (تمہاری خطا معاف کر دے گا) سعید بن جبیر نے کہا اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جن سے بے سوچ بلا ارادہ اچانک ماں باپ سے کوئی بے ادبی بد سلوکی ہو گئی ہو اور نیت ان کی نیک ہی ہو تو اس کی پکڑ نہ ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کا حکم عام ہو۔ جو بھی ماں باپ کا نافرمان اپنے والدین کے ساتھ کوئی بد سلوکی کر گزرے اور پھر توبہ کر لے وہ آیت کے حکم میں داخل ہے۔

سعید بن مسیب نے کہا اَوَّابٌ وہ شخص ہے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لے، پھر گناہ کرے اور توبہ کر لے، پھر گناہ کرے اور گناہ کے پیچھے توبہ کر لے۔ سعید بن جبیر نے کہا خیر کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اَوَّابٌ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اَوَّابٌ وہ شخص ہے جو ہر مصیبت اور حادثہ کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرے۔ سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول اس طرح آیا ہے کہ اَوَّابِيْنَ سے مراد ہیں اللہ کی پاکی بیان کرنے والے کیونکہ اللہ نے پہاڑوں سے فرمایا تھَا يَا جِبَالُ اَوْبِيْ- قتادہ نے کہا نمازی مراد ہیں، عوف عقیلی کے نزدیک چاشت کی نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ بغوی نے حضرت زید بن ارم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبائل چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے برآمد ہو کر ملاحظہ فرمایا اور فرمایا یہ اوابین کی نماز ہے۔ رواہ احمد و مسلم و رواہ عبد بن حمید و سیبویہ عن عبد اللہ بن ابی اوفی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو لوگ مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں ان کو موت کے فرشتے گھیر لیتے ہیں، یہ ہی اوابین کی نماز ہے۔

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ  
 اور اپنے قرابت داروں کو ان کا حق دو۔ کنبہ پروری، حسن معاشرت، اچھا سلوک اور بھلائی ان کے ساتھ کرو۔ اکثر اہل تفسیر نے یہی مطلب یہاں بیان کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا مال دار پر لازم ہے اس قرابت دار محرم کا خرچ جو نادر پچہ ہو یا نادر بالغ عورت ہو، یا لالچ یا نایاب یا نادر مرد ہو اس سے حفظ جان و ابستہ ہے اور حفظ حیات ہی اصل پر اور صلہ رحمی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت وَ عَلٰی الْوٰرِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ کی تفسیر میں ہم نے اس مسئلہ کی تفسیح کر دی ہے۔

بغوی نے حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) کا قول نقل کیا ہے کہ قُرْبٰى سے مراد رسول اللہ ﷺ کی قرابت ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو) ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو طلب فرما کر فدک عطا فرمادیا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی جانب بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے اس روایت کو صحیح ماننا مشکل ہے کیونکہ اس روایت پر کہنا پڑے گا کہ یہ آیت مدنی ہے حالانکہ مشہور اس کے خلاف ہے (یعنی آیت کا مکی ہونا مشہور ہے) میں کہتا ہوں مشہور قابل اعتماد یہ روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضور ﷺ سے خود فدک طلب کیا تھا مگر آپ نے نہیں دیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے اگر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو فدک عطا فرمادیا ہوتا تو خلفاء راشدین خصوصاً علی پھر ہرگز اس کو نہ روکتے اور اس کے



خلاف نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ  
وَلَا تَبْذُرْ نَبْذِيرًا ۝۳۶

اور مسکین و مسافر کو دو۔ اس کی تفصیل سورۃ بقرہ میں کر دی گئی ہے۔  
اور مال کو گناہ کے راستے میں برباد نہ کرو۔ یعنی اپنے مال کو گناہ کے راستے میں خرچ نہ کرو۔ مجاہد نے فرمایا، اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق کے راستے میں خرچ کر دے تو اس کو تذبیر (مال کو بکھیرنا برباد کرنا) نہیں کہا جائے گا اور اگر ایک سیر غلہ بھی گناہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کو تذبیر کہا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود نے تذبیر کی تشریح فرمائی مال کو خرچ کرنا حق (کے راستے) کے علاوہ (باطل راستے میں)۔

شعبہ کا بیان ہے میں ابو اسحاق کے ساتھ کوفہ کے راستے میں جا رہا تھا، سر راہ ایک دیوار چونے اور پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی ملی، ابو اسحاق نے کہا، حضرت عبد اللہ (ابن مسعود) کے قول پر یہ تذبیر ہے حق کے راستے کے علاوہ (باطل راستے میں) مال کا خرچ کرنا ہے۔

وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ  
بھائی ہیں، یعنی شرارت میں شیطانوں کی طرح ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کے طریقہ کا پابند ہو جائے تو وہ اس قوم کا بھائی ہے۔

وَأَنَّ الشَّيْطَانَ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝۳۷  
اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔ یعنی منکر نعمت ہے کفر اور ناشکری میں بہت بڑھ چڑھ کر ہے اس لئے اس کی پیروی درست نہیں۔

اہل تحقیق کا قول ہے کہ کسی منعم کی عطا کردہ نعمت کو اس کی رضامندی کے زیر اثر صرف کرنا شکر ہے اور ناشکرانی کے راستے میں صرف کرنا تذبیر ہے، گویا تذبیر شکر کی ضد ہے۔ لامحالہ تذبیر کرنے والا ناشکر ہوگا۔

سعید بن منصور نے عطاخراسانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ مزینہ کے کچھ لوگ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت کے لئے کچھ سواریوں کے طلب گار ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری موجود نہیں کہ تم کو دے سکوں، جہاد سے محروم رہنے کا جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا تو رنج کی وجہ سے روتے ہوئے لوٹ گئے ان کو خیال ہوا کہ شاید رسول اللہ ﷺ ہم سے ناراض ہیں اسی لئے ہم کو سواریاں نہیں عطا فرمائیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا تَعْرَضْن عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝۳۸

اور اگر اپنے رب کی طرف سے جس رزق کے آنے کی تم کو امید ہو اس کے انتظار میں تم کو ان کی طرف سے رخ پھیرنا پڑے تو ان سے نرمی کے ساتھ بات کہہ دو۔ (یعنی نرمی کے ساتھ ان سے معذرت کر دو) تم ان پر رحم کرو گے اور نرمی سے کلام کرو گے تو اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ مَيْسُور، يَسَّرَ الْأَمْرَ سے ماخوذ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے نرم بات کہنے سے یہ مراد ہے کہ ان سے نرمی کے ساتھ وعدہ کر لو۔ بعض کے نزدیک دعاء یسر کرنا مراد ہے یعنی ان کے لئے دعا کرو کہ اللہ تمہاری مشکل آسان کر دے، ہم کو اور تم کو اللہ رزق عطا فرمائے۔ سعید بن منصور نے حضرت سیار بن ابی الحکم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ کپڑا پیش کیا گیا، حضور بڑے سخی اور بخشش کرنے والے تھے آپ نے فوراً لوگوں کو وہ کپڑا تقسیم کر دیا، تقسیم کے بعد کچھ لوگ پہنچے تو ان کو کچھ نہ ملا، حضور ﷺ تقسیم سے فارغ ہو چکے تھے، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝۳۹

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لو کہ بالکل سنجوس ہو جاؤ اور نہ بالکل کھول ہی دو کہ سب مال فنا کر دو ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر پٹھر رہو گے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے، حضرت عبد اللہ نے فرمایا ایک لڑکار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہو اور عرض کیا میری ماں نے حضور ﷺ سے فلاں فلاں چیز مانگی ہے (یعنی کھانا یا کپڑا یا کچھ نقد وغیرہ) فرمایا آج تو ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ لڑکا بولا، میری ماں کہتی ہے کہ اپنا کرتہ حضور ﷺ مجھے عنایت کر دیں۔ آپ نے اپنا کرتہ اس کو عنایت فرما دیا اور خود گھر کے اندر برہنہ بیٹھ گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے منہال بن عمرو کی روایت سے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا جو کچھ میرے ہاتھ میں ہو تم اس کو خرچ کر دیا کرو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یوں تو پھر کچھ بھی نہیں بچے گا، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک لڑکے نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری ماں آپ سے پہننے کے لئے ایک کرتہ مانگ رہی ہے۔ حضور ﷺ کے پاس اس وقت سوائے اس کرتہ کے جو پہنے ہوئے تھے اور کوئی کرتہ نہ تھا، فرمایا امید ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت کچھ آجائے، تم کسی اور وقت آنا، لڑکا لوٹ کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا پھر لوٹ کر آیا اور عرض کیا میری ماں کہتی ہے کہ جو کرتہ آپ پہنے ہوئے ہیں وہی دے دیجئے یہ درخواست سن کر رسول اللہ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور کرتہ اتار کر اس لڑکے کو دے دیا اور برہنہ ہونے کے سبب گھر میں بیٹھ رہے، پھر نماز کے لئے بلال نے اذان دی اور صحابہ حضور ﷺ کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ برآمد نہیں ہوئے، صحابہ کے دلوں میں کچھ بے چینی پیدا ہوئی اور بعض لوگ حاضر بارگاہ ہوئے تو آپ کو برہنہ پایا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا تشریحی مطلب یہ ہے کہ حق کے راستے میں خرچ کرنے سے ہاتھ کو نہ روکو جیسے وہ شخص ہوتا ہے جس کے ہاتھ گلے سے بندھے ہوئے ہوں اور وہ ہاتھوں کو پھیلا نہ سکتا ہو اور بالکل ہاتھ کو پھیلا بھی نہ دو کہ ہاتھ میں کچھ باقی ہی نہ رہے یہاں تک کہ اپنی ذات کے اور اپنے اہل و عیال کے اور دوسرے اہل استحقاق کے حقوق بھی ادا نہ کر سکو۔ بیضاوی نے لکھا ہے یہ دونوں جملے کنجوس کی انتہائی کنجوسی اور فضول برباد کرنے والے کی برباد کنی کی تصویر کشی کر رہے ہیں۔ آیت میں دونوں کی ممانعت کی گئی ہے اور درمیانی راستہ یعنی سخاوت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فَتَقَعْدَ مَلُومًا کا مطلب یہ ہے کہ باوجود فراخ دستی اور وسعت کے اگر کنجوسی کرو گے یا فضول برباد کرو گے اور تدبیر سے کام نہ لو گے تو اللہ کے نزدیک بھی اور لوگوں کی نظر میں بھی قابل مذمت ہو جاؤ گے۔ محسور اکا ترجمہ قتادہ نے پشیمان کیا ہے اور اس کا تعلق دونوں سے قرار دیا ہے، یعنی انتہائی کنجوسی پر بھی پشیمان ہو جاؤ گے اور برباد کنی پر بھی۔

یا مَلُومًا کا تعلق کنجوسی سے ہے اور محسور اکا تعلق فضول خرچی سے۔ مطلب اس طرح ہو گا کہ اگر فراخی کے باوجود سائلوں کو نہ دو گے تو سائل تمہاری مذمت کریں گے اور اگر سب مال برباد کر دو گے تو تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں رہے گا اور حسرت زدہ ہو کر رہ جاؤ گے۔ حَسْرَتُهُ بِالْمَسْئَلَةِ تُوْنِ سَوَالِ كَرْنِ سِ اس کو تنگ کر دیا تو نے اس سے لپٹ چمٹ کر مانگا۔ حَسْرَةُ السَّفَرِ اس کو سفر نے چور کر دیا، شکستہ کر دیا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ  
آپ کا رب جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی عطا فرماتا ہے۔ اور جس کا رزق تنگ کرنا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ لہذا تم اگر اپنی ضرورت کے مطابق کچھ مال روک لو گے تو تمہارا یہ عمل قابل ملامت نہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ يَعْبا دِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا  
لا ریب کہ وہ ہی اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان کو دیکھنے والا ہے یعنی ان کے باطنی احوال کو بھی جانتا ہے اور ظاہری احوال کو بھی۔ بندوں کی جس بات میں مصلحت ہوتی ہے اللہ اس کا علم رکھتا ہے خواہ ان کو خود معلوم نہ ہو۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ رزق کی تنگی و فراخی اللہ کے حکم سے ہوتی ہے اللہ ہی ان کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی، پس جیسا مناسب ہوتا ہے کرتا ہے مگر بندوں پر لازم ہے کہ درمیانی چال سے رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ بھی رزق فراخ کرتا ہے کبھی تنگ کرتا ہے پس تم بھی طریقہ خداوندی پر چلونا بالکل روک ہی رکھو نہ بالکل ہاتھ کھلا ہی رکھو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ کلام آئندہ کلام کی تمہید ہو جس میں بخوفِ افلاس اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت کی

ہے اور فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ

اور اپنی اولاد کو یعنی لڑکیوں کو محتاجی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق عطا کریں گے اور تم کو بھی۔ سب کو رزق دینے کی ہماری ذمہ داری ہے۔

ان کو قتل کرنا یقیناً بڑا جرم ہے۔

إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ۝۳۱  
حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا سب سے بڑا کونسا گناہ ہے، فرمایا (سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ) اللہ کے مثل دوسروں کو قرار دے یا جو دیکھ لے کہ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا یہ بے شک بڑا گناہ ہے اس کے بعد کونسا گناہ ہے فرمایا اپنی اولاد کو خود قتل کرنا اس اندیشے سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا اس کی بعد کونسا گناہ ہے فرمایا، اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ متفق علیہ۔

اور زنا کے قریب

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجِيَّ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝۳۲

بھی نہ جاؤ، بلاشبہ زنا بہت زیادہ اور کھلی ہوئی برائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔ کہ اس سے قطع نسب ہوتا ہے اور فتنے پھاڑتے ہیں۔ حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور (دوزخ کے اندر) زانیوں کی شرمگاہیں اپنی سڑی ہوئی بوسے دوزخیوں کو (بھی) اذیت پہنچائیں گی، رواہ البخاری۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی زنا کرتا ہے تو زنا کرتے وقت ایمان اس کے اندر سے نکل کر ساتوں کی طرح اس کے اوپر معلق ہو جاتا ہے جب وہ باز آجاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و البیہقی و الحاكم۔

یحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا اور چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا، اور شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں شراب نہیں پیتا (یعنی ان افعال میں مشغول ہونے کی حالت میں اس کے اندر ایمان نہیں رہتا) اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کر

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۝

دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر۔

نفس سے مراد ہے مسلمان یا ذمی کافر۔ إِلَّا بِالْحَقِّ سے مراد ہے قصاص یا زنا یا بغاوت یا صحابہ کو گالیاں دینا وغیرہ (یعنی قصاص یا زنا یا بغاوت وغیرہ میں قتل کر دینا حق قتل نہیں ہے) مرتد کا قتل نفس محرم کے قتل میں داخل نہیں ہے (یعنی مرتد کو قتل کر دینا مباح الاصل ہے) اللہ نے فرمایا ہے۔ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا (باغیوں کے قتل کے متعلق فرمایا) قَاتِلُوا الَّذِينَ تَبَغَّيْتُمْ (قصاص کے متعلق فرمایا) إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الْخ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون جائز نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا کسی کے قتل میں اس کو قتل کیا جائے یا دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا ہو۔ رواہ الشیخان و ابو داؤد و الترمذی و النسائی۔ دین کو چھوڑنے سے مرتد ہو جانا مراد نہیں ہے کیونکہ ایسا آدمی تو مسلمان ہی نہیں رہتا وہ لالہ الا اللہ کی شہادت پر قائم ہی نہیں رہتا بلکہ اس سے مراد بدعتی فرقے ہیں جو اپنی خواہشات اور رائے کے پرستار ہوتے ہیں اور جماعت (اہل سنت) کو ترک کر دیتے ہیں جیسے رافضی، خارجی وغیرہ (یہ حضرت مفسر کی رائے ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مؤلف کے نزدیک معتزلہ اور روافض و خوارج وغیرہم کا قتل جائز ہے مگر جمہور اہل سنت کا یہ مسلک نہیں ہے، مختلف اہل ہوئی کا قتل اس لئے نہیں ہوا کہ وہ

بدعتی ہو گئے تھے بلکہ ان سے قتال اس لئے کیا گیا کہ انہوں نے بغاوتیں کی تھیں اور باغی سے قتال کا جواز قَاتِلُوا الَّتِي تَبَغَيْتُمْ سے ثابت ہے، رہا مولف کا یہ اعتراض کہ مرتد مسلمان ہی نہیں ہوتا اور آیت میں مسلم کو قتل کرنے کی وجوہ کا بیان سے تو یہ اعتراض ہی غلط ہے مرتد ارتداد سے پہلے مسلمان ہی ہوتا ہے گزشتہ حالت کے اعتبار سے اس کو مسلم کہا گیا (ماضی اور مستقبل کے اعتبار سے مجازی استعمال عام ہے)

## فصل

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کے فیصلے کئے جائیں گے۔ متفق علیہ۔

حضرت براء بن عازب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نظر میں مومن کے ناحق قتل کے مقابلہ میں ساری دنیا کا فنا ہو جانا حقیر ہے۔ رواہ ابن ماجہ بسند حسن، بیہقی نے اتنا زائد نقل کیا ہے کہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ یقیناً سب کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔

نسائی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک ساری دنیا کا فنا ہو جانا مومن کے قتل سے حقیر ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی نے مومن کے قتل میں آدھی بات کہہ کر بھی اعانت کی تو اللہ کے سامنے جب وہ جائے گا، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا، اللہ کی رحمت سے ناامید۔ اصہبانی نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ ابن عیینہ نے آدھی بات کی تشریح میں کہا کہ اُقْتُلْ کا پورا لفظ نہ کہا ہو، بلکہ صرف اُقْ کہا ہو۔ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے۔

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر گناہ کی امید ہو سکتی ہے کہ اللہ معاف فرمادے، سوائے اس شخص کے جو کافر مر اہویا کسی کو قصد اُس نے قتل کیا ہو۔ رواہ النسائی حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، ابوداؤد نے حضرت ابودرداءؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور ابن حبان و حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صبح ہوتی ہے تو ابلیس اپنے لشکر پھیلا دیتا ہے اور کہتا ہے آج جو کسی مسلمان کو بے راہ کر دے گا میں اس کو تاج پہنادوں گا پھر (شام کو یا کسی وقت) ایک واپس آکر کہتا ہے آج میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، ابلیس کہتا ہے ہو سکتا ہے وہ (دوسرا) نکاح کر لے، دوسرا آکر کہتا ہے میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ اس نے اپنے باپ اور ماں کی نافرمانی کی ابلیس کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ پھر فرماں بردار ہو جائے، تیسرا آتا ہے اور کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ وہ مشرک ہو گیا، ابلیس کہتا ہے تو تو ہی ہے (یعنی یہ تیرا کام بہت اچھا ہے) چوتھا آکر کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ اس نے مومن کو قتل کر دیا، ابلیس کہتا ہے تو نے (ایسا کام کیا) پھر اس کو تاج پہنادیتا ہے۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ۔

وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنصُورًا ﴿۳۱﴾

اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے، سو اس کو قتل کے بارے میں حد شرع سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص بلاشبہ طرف داری کے قابل ہے۔

ولٰی یعنی وارث جو مقتول کے امور کا اس کے مرنے کے بعد ذمہ دار ہوتا ہے۔ سلطانا قوت اور قصاص لینے کا اختیار۔ لَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ کا مطلب دو طرح سے بیان کیا ہے۔ (۱) قاتل زیادتی نہ کرے، یعنی جس کو قتل کرنے کا اس کو حق نہیں ہے اس کو قتل نہ کرے، عقلمند وہ کام نہیں کرتا جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہو۔ (۲) حضرت

ابن عباس اور اکثر اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ مقتول کا ولی قصاص میں زیادتی نہ کرے یعنی قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل نہ کرے، جاہلیت کے دور میں صرف قاتل کے قتل پر بس نہ کرتے تھے بلکہ قاتل کے علاوہ اس سے اونچے درجہ والے کو بھی قتل کرتے تھے۔

سعید بن جبیر نے کہا قاتل اگر ایک ہو تو اسی کو قتل کیا جاسکتا ہے ایک قتل کے عوض بے قصور اور شریک قتل نہ ہونے والی جماعت کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ عہد جاہلیت کا طریقہ تھا کہ مقتول اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا تو قصاص میں تمنا اس کے قاتل کو ہی نہیں قتل کرتے تھے بلکہ قاتل کے ساتھ اس کے قرابتداروں کی ایک جماعت کو بھی قتل کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا لَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ كَمَا يَهْتَدِي فِي الْمَقْتُولِ (یعنی اس کے ناک کان اور آلات رجولیت نہ کاٹے جائیں) جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا۔ كَانَ مَنْصُورًا يَعْنِي جَوْشَخًا ظَلَمًا قَتَلَ كَمَا كَانَتْ تَقْتُلُ (یعنی اس کی مدد نصرت دنیا میں بھی کی جاتی ہے کہ قاتل کو قصاص میں (حسب قانون شریعت) قتل کرنا ضروری ہے اور آخرت میں بھی مقتول منصور ہو گا اللہ اس کے گناہ ساقط کر دے گا اور اس کے قاتل کے لئے دوزخ لازم کر دے گا۔ مجاہد، قتادہ نے کہا كَانَ كِي ضَمِيرِ مَقْتُولٍ كِي وَوَلِيٍّ كِي طَرَفِ لَوْثٍ رَهِي هِيَ، یعنی مقتول کے وارث کو قاتل کے خلاف نصرت دی جاتی ہے، قاتل سے قصاص لینے کا اس کو حق دیا گیا ہے، حکام پر لازم ہے کہ اس کی مدد کریں۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک قاتل کی طرف ضمیر راجع ہے جس کو مقتول کا ولی قصاص میں قتل کرتا ہے اگر قصاص میں اسراف سے کام لے گا تو بارگناہ اس پر پڑے گا اور قانون شریعت میں قاتل کی حمایت کی جائے کیونکہ ولیاء مقتول کو صرف قصاص لینے کا حق ہے، قاتل پر زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے۔

وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ  
طریقے سے جو بہترین ہو۔ یعنی یتیم کے مال میں تصرف نہ کرو، ہاں ایسے طریقے سے تصرف کر سکتے ہو جو یتیم کے لئے بہتر ہو، اس کے مال کی حفاظت ہو، اور تجارتی افزونی ہو۔

یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے، یعنی اس حد کو پہنچ جائے، جو صحیح تصرفات  
حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ  
کے لئے ضروری ہے۔ استثناء (إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ) اسی مفہوم پر دلالت کر رہا ہے۔  
وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ  
اور عہد کو پورا کرو۔ یعنی اللہ نے اپنے احکام پر عمل کرانے کا تم سے وعدہ لیا ہے اس کو پورا کرو اور لوگوں سے جو تم جائز معاملات کا وعدہ کرو، اس کو بھی پورا کرو۔

بے شک (ایسے) عہد کی باز پرس ہونے والی ہے، یعنی عہد کرنے والے سے  
إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا  
عہد کا ایفاء مطلوب ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر عہد کے متعلق عہد کو توڑنے والے سے باز پرس کی جائے گی اور وعدہ شکنی پر اس کو سزا دی جائے گی، یا عہد پوچھا جائے گا، یعنی عہد توڑنے والے کو قیامت کے دن سرزنش کرنے کیلئے عہد یاد دلایا جائے گا، جیسے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ يَا بَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ يَهِيَ مَضَافٌ مَحذُوفٌ هُوَ يَعْنِي  
صاحب عہد سے عہد پوچھا جائے گا۔

اور ناپ کر دیتے  
وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزَكَاةً بِالْقِسْطِ الْمُسْتَقِيمِ  
وقت ناپ کا پیمانہ پورا کر دیا کرو اور تولتے وقت صحیح ترازو سے تولو (یعنی ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرو) مجاہد نے کہا قِسْطًا (ترازو) لفظ ہے، عربی میں استعمال کر لیا گیا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کے عربی ہونے میں کوئی خرابی نہیں آتی، کیونکہ جو غیر عربی لفظ عربی میں شامل کر لیا اور عربی الفاظ کے احکام اس پر جاری کر دیئے گئے اعراب اور معرفہ و نکرہ کی خصوصیات عربی الفاظ کی طرح اس میں پیدا کر دی گئیں وہ عربی بن گیا غیر عربی نہیں رہا (اگرچہ اصلا وہ عربی ہو) اکثر علماء کے نزدیک قِسْطًا عربی لفظ ہے قسط سے بنا ہے قسط کا معنی ہے، عدل (برابری، انصاف) الْمُسْتَقِيمِ ٹھیک، صحیح۔

ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ⑮  
 یہ (فعل) بہت اچھا اور نتیجہ کے اعتبار سے بہت بہتر ہی ہے،  
 تاویل (تفہیل) انجام، نتیجہ۔ ال کا معنی ہے لوٹ گیا۔

اور جس چیز کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ چلو۔ قَفَا يَقْفُو  
 کسی کے نشان قدم پر چلنا اتباع کرنا، قافیہ اسی سے بنا ہی۔ علم نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس بات کا تم کو خسی علم بھی نہ ہو اور  
 کوئی نقلی حکم بھی نہ ہو اور نہ کوئی عقلی قطعی دلیل ہو، ایسی چیز کی پیروی نہ کرو۔

### ..... ایک شبہ .....

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظنی دلیل کی روشنی میں عمل کرنا جائز نہیں (یعنی خبر آحاد اور قیاس سے چونکہ یقینی علم  
 حاصل نہیں ہوتا صرف گمان غالب اور راجح خیال پیدا ہو جاتا ہے اس لئے نہ قیاسی احکام پر چلنا جائز ہے نہ ان اوامر و نواہی پر جو  
 احادیث غیر متواترہ سے مستفاد ہو رہے ہوں)۔

### ..... ازالہ .....

آیت میں علم سے مراد ہے غالب راجح اعتقاد اور حکم خواہ اس کی سند قطعی اور یقینی ہو یا ظنی، لفظ علم کا اس معنی میں استعمال  
 بکثرت ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ آیت میں عدم اتباع کا حکم صرف عقائد کے متعلق ہے (یعنی ظنی، وہمی، شکی دلائل پر  
 عقیدہ کی بنیاد نہ رکھو) بعض اہل علم نے کہا پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے اور جھوٹی شہادت دینے کی ممانعت اس آیت  
 میں مراد ہے یعنی محضات پر زنا کی تہمت تراشی اور شہادت زور کی ممانعت کے ساتھ آیت کی خصوصیت ہے عام عدم اتباع ظن  
 مراد نہیں ہے۔

مجاہد نے کہا آیت کی مراد یہ ہے کہ جس چیز کا تم کو قطعی علم نہ ہو اس سے کسی کو تہم نہ کرو۔ کسی پر مت باندھو وہ بات  
 جس کا یقینی ذرائع سے تم کو علم نہ ہو۔ قتادہ نے کہا مطلب یہ ہے کہ ان دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی اور ان سنی کو سنی ہوئی اور غیر  
 معلوم کو معلوم نہ قرار دو۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں، ان احادیث آحاد سے جن کے اندر روایت کی تمام شرائط موجود ہوں اور صحیح  
 قیاس سے اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے جو حکم ثابت ہو جائے اس پر عمل کرنا قطعی نصوص اور اجماع کی  
 رو سے واجب ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ لَوْلَا نَفْرٍ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا۔ دوسری آیت ہے فَاعْتَبِرْ وَايَا  
 اُولٰٓئِی الْاَبْصَارِ۔ تیسری آیت ہے وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ الْخ (۱) مسلمانوں کے ہر فرقے میں سے اور  
 جماعت میں سے دین کو سمجھنے کے لئے ایک ایک گروہ کیوں وطن سے باہر نکل کر (مدینہ) نہیں جاتا (۲) اے اہل نظر عبرت اور  
 سبق حاصل کرو (اشباہ و نظائر کو سمجھو اور ان کو امثال پر قیاس کرو) (۳) اپنے مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو۔

متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختلف افراد صحابہ کو تبلیغ احکام کے لئے بھیجتے تھے، پس اخبار آحاد یا قیاس  
 اگرچہ ظنی ہوتے ہیں لیکن ان سے مستفاد احکام یقینی العمل ہوتے ہیں کیونکہ ان سے حاصل شدہ علم پر عمل کرنا نصوص قطعیہ سے  
 واجب ہے۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عِنْدَهُ مَسْئُوْلًا ⑯

کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) باز پوچھا ہوگی۔ یعنی مذکورہ تینوں اعضاء میں سے ہر ایک سے  
 اتباع مذکور کے متعلق باز پرس کی جائے گی یا یہ مطلب ہے کہ اعضاء مذکورہ سے دریافت کیا جائے گا کہ جس شخص کے یہ اعضاء  
 تھے اس نے کیا کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص سننے، دیکھنے اور جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے اعضاء سے اس کی تصدیق طلب

کی جائے گی۔ آنکھ سے پوچھا جائے گا، کیا اس نے دیکھا تھا (یاد رکھنے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) کان سے سوال کیا جائے گا کیا اس نے سنا تھا (یا سننے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) اور دل سے دریافت کیا جائے گا کیا اس نے جانا تھا (یا جاننے کا غلط دعویٰ کیا تھا) حضرت شکل بن حمید راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میری درخواست پر مجھ سے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، کہ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے کان کے شر سے اور اپنی آنکھ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے اور اپنی منی کے شر سے۔ میں نے یہ دعویٰ کر لی، رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی والحاکم والبخاری۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کے راوی سعید نے کہا منی کے شر سے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے کہ میں اپنا پانی ایسے مقام پر نہ ڈالوں جو حلال نہیں ہے۔ مذکورہ تین اعضاء کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ یہ ہی آلات علم ہیں، اکثر محسوسات کا علم آنکھ سے ہوتا ہے یا کان سے اور غیر محسوس چیزوں کا اور اک تو صرف دل سے ہی ہوتا ہے۔

وَلَا تَمْسُقْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ وَأَوْزَانُ خِرَابٍ ۗ مَرَحًا یعنی اکڑتے ہوئے، مرح کا معنی غرور اور مستانہ چال سے چلنا۔ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ ۚ (چال میں زور اور غرور اختیار کر کے) زمین کو تم ہرگز نہ پھاڑ سکو گے (زمین کے دو ٹکڑے نہ کر سکو گے، زمین کو نہ چیر سکو گے)۔ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۖ اور کتنا ہی اٹھا اٹھ کر بنجوں کے بل چلو لیکن پہاڑوں کی اونچائی کو نہ پہنچ سکو گے پھر یہ مغرورانہ مہمان چال سراسر حماقت نہیں تو اور کیا ہے اس سے فائدہ ہی کیا ہے۔

حضرت عیاض بن حماد مجاشعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ باہم تواضع اختیار کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے نہ کسی پر زیادتی کرے، رواہ مسلم۔ حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ (چھوٹی سرخ چوٹی یا ریت کا ذرہ) برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی برابر خود سری (غرور) کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو جبارین (انتہائی ظالم اور مغرور گروہ) میں لکھ دیا جاتا ہے، پھر اس پر وہ ہی عذاب آجاتا ہے، جو ان پر آتا تھا۔ رواہ الترمذی۔ عمرو بن شعیب کے دادا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چوٹیوں کی طرح حقیر و ذلیل بنا کر آدمیوں کی صورتوں میں اٹھایا جائے گا کہ ہر طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، ان کو بولس نام کے جنم میں داخل کیا جائے گا، سب سے بڑی آگ ان پر مسلط ہوگی اور طینتہ النجبال یعنی روز خیوں کا نچوڑ ان کو پلایا جائے گا۔ رواہ الترمذی۔ حضرت اسماء بنت عمیس کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا وہ بندہ برا ہے جو اتراتا اور تکبر کرتا ہے اور اللہ بڑے بزرگ کو بھول جاتا ہے، رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان۔

ایک روز حضرت عمر نے منبر پر فرمایا تھا لوگو! میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمان سنا تھا کہ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اٹھا کر اونچا کر دیتا ہے گو وہ اپنی نظر میں تو نیچا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا بنتا ہے اللہ اس کو پست کر دیتا ہے پس وہ لوگوں کی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے اور خود اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ پوری توریت پندرہ آیات میں ہے پھر آپ نے آیات وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ الخ تلاوت فرمائی۔

یہ سارے برے کام تیرے رب کے کُلِّ ذَلِكْ كَانَ سَيِّئًا عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۖ (نزدیک بالکل ناپسندیدہ ہیں۔ کُلِّ ذَلِكْ یعنی مذکورہ بالا تمام امور جن میں سے کچھ مامورات ہیں اور کچھ منہیات۔ بعض امور کے کرنے کا حکم دیا گیا

ہے، بعض کے ارتکاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ سَبَّيْتُهُ یعنی امور مذکورہ میں سے جو برے ہیں اور ان کے ارتکاب کی ممانعت کی گئی ہے۔ مَكْرُوهُ ناپسندیدہ، قابل نفرت۔

ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ  
یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں جو خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپ کے پاس بھیجی ہیں۔

صاحب قاموس نے حکمت کے متعدد معانی لکھے ہیں، عدل، علم، تحمل، دانائی، نبوت، قرآن، انجیل۔ میرے نزدیک اس جگہ علم نافع مراد ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ  
اور (اے انسان) اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ قرار دے۔ ممانعت شرک کا دوبارہ حکم دینے سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ توحید ہی بنیاد ہے، اسی پر تمام اعمال کی صحت کا مدار ہے، یہ ہی ہر عمل کا انتہائی مقصد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی غرض سے کوئی کام کیا جائے یا ترک کیا جائے تو کوئی کوشش نتیجہ خیز نہ ہوگی، توحید ہر حکمت کا سرچشمہ اور مدار ہے۔ علم توحید بالذات اور اصلی مقصد ہے، باقی علوم سے مقصود عمل ہے خودنی تقسّم وہ مقصود نہیں ہے شرک کا نتیجہ دنیا میں بھی برے اور آخرت میں بھی۔

فَتَلَقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ۝۱۰  
ورنہ تو الزام خوردہ اور ماندہ ہو کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ مَلُومًا یعنی تو خود اپنی جان کو برا کہے گا اور اللہ بھی اور ساری مخلوق بھی تجھے ملامت کرے گی۔ مَدْحُورًا اللہ کی رحمت سے دھتکارا ہوا۔

أَفَأَصْفِيكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ۝۱۱  
کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے تو لڑکے مخصوص کر دیئے ہیں اور اپنے لئے لڑکیاں اختیار کر لی ہیں، بلاشبہ تم (اللہ کی شان میں) بڑی (گستاخی کی) بات کہتے ہو۔ یعنی بہت بری بات کہتے ہو، اللہ کی طرف صاحب اولاد ہونے کی نسبت کر رہے ہو باوجود یہ کہ سلسلہ تناسلی ان اجسام کی خصوصیت ہے جو زوال پذیر اور فانی ہیں، پھر اولاد میں سے بھی اس اولاد کا والد اللہ کو قرار دیتے ہو۔ جو صنف کے لحاظ سے کمزور ہے (اور اپنے لئے قوی صنف کو پسند کرتے ہو) اور اس پر طرفہ یہ کہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو۔ ملائکہ تو ساری مخلوق میں لطیف ترین نوع ہیں ان کو بیٹیاں کہنا (یعنی ضعیف ترین صنف انسان قرار دینا) انتہائی حماقت ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝۱۲  
اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ اس کو اچھی طرح سے سمجھ لیں اور ان کو نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ یعنی اس قرآن میں ہم نے متعدد مقامات پر جو عبرتیں، حکمتیں، احکام، امثال، دلائل اور نصیحتیں بیان کی ہیں وہ اسی لئے بیان کی ہیں کہ لوگ نصیحت پذیر اور سبق اندوز ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ مذکورہ بالا مطلب کو ہم نے بار بار مختلف طریقوں سے اس قرآن میں نصیحت پذیری کے لئے ثابت کیا ہے، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ لِيَذَّكَّرُوا الْقُرْآن سے مراد ہے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے کا ابطالی قول، یعنی فرشتوں کے بنات اللہ نہ ہونے کا قول ہم نے بار بار بکثرت بیان کیا ہے۔ (اس مطلب پر قرآن بمعنی قراءت ہو گا یعنی قول) صَرَّفْنَا (باب تفعیل) کثرت پر دلالت کر رہا ہے، یعنی ہم نے بکثرت بیان کیا۔ لِيَذَّكَّرُوا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور جو چیز اللہ کے لئے سزاوار نہیں ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف نہ کریں اور اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔ وَمَا يَزِيدُهُمْ یعنی ہمارا بار بار بیان کرنا اور نصیحت کرنا ان کے لئے سود مند نہیں ہوتا اس سے ان لوگوں کو حق سے مزید نفرت اور دوری پیدا ہوتی ہے۔

قُلْ لَوْ كَانَتْ مَعَهُ إِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝۱۳  
آپ کہہ دیجئے اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں عرش والے



تک انہوں نے راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا یعنی اگر ان کے قول کے مطابق اللہ کے ساتھ دوسرے خدا ہوتے تو بادشاہوں کے دستور کے موافق وہ عرش والے خدا سے لڑ پڑتے اور اس پر غالب آنے کی کوشش کرتے۔ اگر دو خدا ہوں گے تو ان کا باہم ٹکراؤ ممکن ہو گا اور امکان تصادم سے ایک کا مغلوب اور دوسرے کا غالب آنا دونوں کا مغلوب نہ ہونا ضروری ہے اس طرح ایک غالب ہو گا یا دونوں عاجز ہوں گے اور عاجز ہونا شان الوہیت کے خلاف ہے اسی طرح مغلوب بھی خدا نہیں ہو سکتا۔

جو باتیں یہ لوگ کہتے ہیں اللہ ان عیوب

سُبْحٰنَكَ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ عَلَوًا كَبِيرًا ﴿۳۹﴾

سے پاک ہے اور بہت زیادہ برتر ہے۔

یعنی اللہ عاجز ہونے اور تصادم سے پاک ہے۔ عجز و تصادم شان الوہیت کے منافی ہے اور مشرکوں کے مشرکانہ قول سے وہ بہت دور ہے جس طرح اللہ کی ذات ہر ذاتی شئی سے اعلیٰ اور بالا ہے اسی طرح اس کا وجود بھی تمام مراتب وجود سے اونچا ہے اور محتاج اولاد ہونا تو ادنیٰ ترین وجود کی خصوصیت ہے، فنا پذیر موجودات کو اولاد کی ضرورت ہوتی ہے شرکت ملکیت کاملہ کے منافی ہے اور ناقص ملکیت کی علامت ہے۔

لَسْتَبِحُّ لَكَ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۗ وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ

تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔ یعنی ہر چیز لوازم امکان، خصوصیات حدوث اور ان تمام امور سے اللہ کی ذات کے پاک ہونے کا اعتراف کرتی ہے جو شان الوہیت کے خلاف ہیں اور اللہ کے جمال ذات، کمال صفات اور انعامات متواترہ کا اپنی اس نوعی زبان سے اقرار کرتی ہے جو اللہ نے خاص طور پر اس کو عطا فرمائی ہے اور اس کو سنتا اور سمجھتا بھی وہی ہے جس کے دل کو اللہ نے اس زبان و قول کو سننے اور سمجھنے کی قابلیت دی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہم آیات (معجزات) کو برکت جانتے تھے اور تم لوگ ان کو خوف انگیزی کا سبب خیال کرتے ہو، ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے پانی کی کمی پڑ گئی، حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ بچا کھچا ہو پانی ہو وہ میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ نے ایک برتن لا کر حاضر کر دیا جس میں قدرے پانی تھا آپ نے دست مبارک اس میں ڈال دیا اور فرمایا برکت والے پاک (پانی) کی طرف آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا اور کھانا کھلایا جاتا تو کھانے کے اندر سے ہم سُبْحَانَ اللہ کی آواز سنا کرتے تھے (یعنی کھانا سُبْحَانَ اللہ کہتا تھا) رواہ البخاری۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے یعنی سُبْحَانَ اللہ و بِحَمْدِهِ کہتی ہے۔

ابراہیم غنمی نے کہا ہر چیز خواہ جاندار ہو یا جماد (بے جان) حمد کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یہاں تک کہ دروازے کی چرچاہٹ اور چھت کے ٹوٹ کر گرنے کی آواز بھی تسبیح و تحمید کا اظہار کرتی ہے۔ بعض علماء نے کہا شیشی سے مراد ہے، ہر زندہ چیز یعنی زندہ چیزیں سُبْحَانَ اللہ پڑھتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جن و انس، ملائکہ اور تمام جانور تسبیح خواں ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ قنادہ نے کہا تمام حیوانات اور نباتات تسبیح کا اقرار کرتے ہیں (یعنی ہر نمونہ پذیر چیز سُبْحَانَ اللہ پڑھتی ہے، جمادات مراد نہیں ہیں)۔

عکرمہ نے کہا درخت تسبیح پڑھتا ہے اور (اسی درخت کی لکڑی سے بنا ہوا) ستون تسبیح نہیں پڑھتا۔ میرے نزدیک یہ تخصیص غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب خطبہ کے وقت ستون سے ٹیک لگانی چھوڑ دی اور منبر پر خطبہ دینے لگے تو آپ کی جدائی کی وجہ سے اس ستون کا بچوں کی طرح رونا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

آیت میں آیا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا يَا جِبَالُ اُوِّبِيْنَ مَعَهُ وَالطَّيْرَ۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پکار کر

دریافت کرتے ہیں کیا تیرے اوپر سے کوئی آدمی اللہ کا ذکر کرتا گزرا ہے، جب وہ پہاڑ ہاں کہہ دیتا ہے تو پوچھنے والا پہاڑ خوش ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ہر چیز بزبان حال تو تسبیح میں مشغول رہتی ہی ہے۔ ہر چیز ممکن ہے، حادث ہے اور ہر ممکن و حادث ایک ایسے صالح کا محتاج ہے جو واجب الوجود ہو، قدیم بالذات ہو، ہر نقص عیب، فنا اور زوال سے پاک ہو، صفات کمالیہ سے متصف ہو۔ لہذا تسبیح سے صرف تسبیح حالی مراد لینا غلطی ہے، ہر چیز تسبیح حالی اور تسبیح مقالی میں مشغول ہے۔

ولیکن لا تفقہون تسبیحہم  
 سمجھتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان کی تسبیح مقالی کو نہیں سمجھتے (تسبیح حالی کو تو تمام عقلمند انسان سمجھتے ہیں کون دانشور مصنوع کو بغیر صالح کے اور مخلوق کو بغیر خالق کے اور اثر کو بغیر مؤثر کے کہہ سکتا ہے۔

ہاں مشرک چونکہ کور بصیرت اور دماغی نابینا ہوتے ہیں (وہ تسبیح حالی کو بھی نہیں سمجھتے)۔  
 بلاشبہ اللہ حلم والا اور بخشنے والا ہے۔ گناہ کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور جو توبہ کرتا ہے اس کو بخش دیتا ہے۔

ابن منذر نے ابن شہاب زہری کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قریش کے مشرکوں کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا اور اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی تو انہوں نے مذاق بناتے ہوئے کہا قُلُوبُنَا فَنِي اَكِنَّةٍ بِمَحَاتَدٍ عُونَا اِلَيْهِ وَفِي اَذَانِنَا وَقُرُورٍ مِّنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا  
 اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے، ایک ایسا پردہ حائل کر دیتے ہیں جو قرآن کو سمجھنے سے آڑ بن جاتا ہے۔ قنادہ نے کہا حجاب سے مراد آکنتہ ہے (یعنی وہی غلاف اور پردہ مراد ہے جو مشرکوں نے قُلُوبُنَا فَنِي اَكِنَّةٍ میں کہا تھا) حجاب یعنی ایسا پردہ جو دلوں کو قرآن فہمی سے روک دے اور فائدہ نہ اٹھانے دے۔

مَسْتُورًا یعنی وہ پردہ حسی نہیں ہوتا، خواہ اس سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ وہ پردہ دوسرے پردوں کے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے (یعنی پردے کے اوپر ایک اور پردہ ہوتا ہے)  
 بعض علماء نے کہا اس جگہ مَسْتُور اسم مفعول سَاتَرَ اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی چھپانے والا۔ جیسے آیت كَانَ وَعَدُهُ مَاتِيًا مِّنْ مَّاتِيًا سے مراد ہے آنے والا۔

بعض نے کہا حجاب سے مراد ہے ایسا پردہ جو رسول اللہ ﷺ کی رسولی شخصیت کو ظاہری آنکھوں سے چھپا دینے والا تھا، بغوی نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب تَبَّتْ يَدَايِي لَهَيْبِ نَازِلِ هُوِي تَوَابُوهِبِ كِي بِيُوِي اِيَكِ پَتْرَلِي كَر (رسول اللہ ﷺ کو مارنے کے لئے) آئی، آپ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے لیکن عورت کو رسول اللہ ﷺ نظر نہیں آئے، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم وہ تو شعر نہیں پڑھتے، نہ شعر کہتے ہیں پھر جو کس طرح کی۔ عورت یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی، میں تو اس پتھر سے اس کا سر پھاڑنے آئی تھی اگر مل جاتا تو سر پھاڑ دیتی۔ حضرت ابو بکرؓ نے عورت کے جانے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کو نہیں دیکھ پائی، فرمایا ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان آڑ کئے رہا۔

میں کہتا ہوں سعید بن جبیرؓ کی روایت کے بموجب آیت کا تعلق ایک مخصوص واقعہ سے قرار پائے گا، ایسا ہمیشہ

حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا جانوروں کے منہ پر نہ مارا کرو۔ ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے۔ میمون بن مهران کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں ایک کوآپیش کیا گیا جس کے بازو سٹے ہوئے تھے، آپ نے اس کے بازوؤں کو پھیلا یا اور فرمایا کسی شکار کو بھی نہیں شکار کیا جاتا اور کسی درخت کو بھی نہیں کاٹا جاتا مگر اسی وقت جب کہ وہ تسبیح خوانی کھوچکا ہو۔ زہری کی روایت سے اسی طرح منقول ہے۔ (ازالہ الحفاء)

نہیں ہوتا تھا کہ آپ قرآن پڑھتے ہوں اور کافر آپ کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔

وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ  
اور ان کے دلوں پر قرآن فہمی سے روکنے  
والے پردے ڈال دیتے ہیں یعنی ایسے پردے جو دلوں کو چھپا لیتے ہیں اور حق کو سمجھنے اور قبول کرنے سے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔  
وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا  
اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں تاکہ گوش قبول سے نہ سن سکیں (معنی کا  
فہم دل سے ہوتا ہے اور الفاظ کانوں سے نہ جاتے ہیں) اور قرآن اپنی معنویت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے اور لفظی ساخت کے  
اعتبار سے بھی اس لئے مشرکوں کے دلوں پر بھی اللہ نے پردہ ڈال دیا کہ معنوی اعجاز کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بھی گرانی پیدا کر  
دی کہ لفظی اعجاز کو سن نہ سکیں۔

وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدًا وَلَوَّا عَلَى آذَانِهِمْ نُفُورًا ﴿۱۹﴾  
اور جب  
آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔  
یعنی اگر اللہ کے ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر نہ ہو تو وہ محض توحید کا ذکر سن کر پدکتے اور بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔  
نُفُورًا، بھاگنا، بدکنا، نفرت کرنا۔ یہ لفظ مفعول لہ ہے یا مفعول مطلق یا نافر کی جمع، جیسے عاقد کی جمع عقود ہے۔  
عَنْ أَعْلَمَ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ  
جس وقت یہ لوگ آپ کی  
طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں۔ یعنی جس سبب سے اور جس استہزائیہ طریقے سے وہ  
قرآن سنتے ہیں اور آپ کا اور قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔

وَإِذْ هُمْ نَجْوَى إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ﴿۲۰﴾  
اور جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا  
ساتھ دے رہے ہو جو جادو زدہ ہے۔

نَجْوَى مصدر بمعنی فاعل ہے یا نَجْوَى کی جمع ہے، یعنی جب آپ کی طرف کان لگا کر قرآن سنتے ہیں تو ہم ان کی  
اس غرض کو جو وہ دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں خوب جانتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جب وہ باہم کانا پھوسی اور سرگوشیاں کرتے ہیں  
تو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کیا باتیں کہہ رہے ہیں۔ الظَّالِمُونَ سے مراد ہے ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی۔ رسول اللہ ﷺ کو  
سحر زدہ قرار دینا آپ پر ظلم تھا اور ولید بن مغیرہ وغیرہ اس ظلم کے مرتکب تھے۔ مَسْحُورٌ سحر زدہ کا جادو کی وجہ سے اس کی عقل  
ٹھکانے سے نہ رہی ہو۔ مجاہد نے مَسْحُورٌ کا ترجمہ کیا ہے فریب خوردہ۔ بعض علماء نے کہا یہ لفظ مَسْحَرَكَ سے ماخوذ ہے،  
مَسْحَرَكَ کا معنی ہے تجھے کس چیز نے پھیر دیا، اس وقت مَسْحُورٌ کا ترجمہ ہو گا حق سے برگشتہ۔ ابو عبیدہ نے مَسْحُورٌ کا  
ترجمہ کیا سحر والا اور سحر کا معنی ہے پھیڑہ۔ مراد یہ ہے کہ یہ شخص تو تم جیسا پھیڑوں والا آدمی ہے کھاتا ہے پیتا ہے سانس لیتا ہے۔  
دیکھو ان لوگوں نے آپ کے لئے کیسے کیسے القاب  
اَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا  
تجویز کئے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔ کسی نے شاعر کہا، کسی نے جادو گر، کسی نے سحر زدہ اور مسحور، کسی نے کاہن، کسی نے جن  
رسیدہ دیونہ۔ یہ باتیں کہنے کی وجہ سے یہ حق سے بھٹک گئے کیونکہ ان باتوں میں سے کسی میں سچائی تو ہے نہیں، کوئی بات حق  
نہیں ہے۔

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿۲۱﴾  
اب راستہ ہی نہیں پاسکتے۔

یعنی حق و ہدایت کے راستے پر چل نہیں سکتے، کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ  
حسب مراد کسی مدلل، مناسب طعن کا ان کو راستہ نہیں ملتا کبھی کبھی کہتے ہیں کبھی کہتے ہیں، بے دلیل، اندھا دھند ہاتھ مارتے  
ہیں۔ جیسے حیران پر آگندہ بدحواس آدمی ہوتا ہے۔ بدحواسی کی وجہ سے اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ کیا کرے۔

وَقَالُوا عَزَّازُكُنَّا عِظَامًا وَرَفَاعًا إِنَّا كَالْمَبْعُوثِينَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿۲۲﴾

اور مشرکوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور بوسیدہ ریزے ہو گئے تو کیا ہم کو پھر بھی از سر نو تخلیق کر کے اٹھایا جائے گا۔  
رُفَات فرسودہ، بوسیدہ، ریزے ریزے۔ فَنَات اور حِطَام کا بھی یہی معنی ہے۔ قاموس میں ہے رَفَاتٌ يَرَفُتٌ (نَصْرُ  
يَنْصُ) توڑ دیا، ٹوٹ گیا، ریزہ ریزہ ہو گیا اور ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ لفظ لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ رُفَاتٌ بروزن غُرَاب، فرسودہ  
بوسیدہ، ریزہ ریزہ۔ مجاہد نے رُفَاتًا کا ترجمہ کیا ہے، خاک، مٹی۔ زندہ آدمی کے بدن میں تروتازگی اور شادابی ہوتی ہے اور بوسیدہ  
ہڈیاں خشک ہوتی ہیں، دونوں حالتوں میں تضاد ہے اس لئے مشرکوں کو بوسیدہ ہڈیوں کے از سر نو تروتازہ ہو کر زندہ ہو جانے کا  
انکار تھا۔

قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۖ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۗ

آپ کہہ دیجئے تم لوگ پتھر یا لوہا کوئی ایسی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو۔ یعنی پتھر بن جاؤ یا لوہا  
بن جاؤ یا کوئی اور اس سے بھی بڑھ کر ایسی چیز بن جاؤ۔ جو تمہارے خیال میں قبول حیات سے بہت دور ہو، مثلاً آسمان، زمین، پہاڑ  
وغیرہ کچھ بھی ہو جاؤ، مرنے کے بعد کچھ بھی بن جانا فرض کر لو۔ تم کو ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا عرض (یعنی مختلف احوال)  
کو قبول کرنے میں تمام اجسام برابر ہیں (ہر جسم عرض یعنی مختلف کیمت کیفیت وغیرہ کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے) بوسیدہ  
ہڈیاں ہو جانے کے بعد از سر نو زندہ ہو جانا تو زیادہ دشوار نہیں ہے۔ ہڈیاں تو پہلے زندہ ہی تھیں۔ تروتازگی کے بعد ان میں خشکی  
آتی ہے۔ جس میں ایک بار تازگی ہو چکی ہے اس کا دوبارہ تازگی کو قبول کرنا آسان ہے۔

کُونُوا حِجَارَةً الخ سے مراد امر لفظی نہیں ہے۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ تم کو پتھر یا لوہا بن جانا لازم ہے یا اس کا تم کو  
اختیار ہے بلکہ مراد امر تقدیری ہے، یعنی فرض کر لو کہ تم پتھر ہو جاؤ گے یا لوہا بن جاؤ گے یا کسی اور اس سے بھی زیادہ چیز میں تبدیل  
ہو جاؤ گے۔ اور جمادیت میں اتنے آگے بڑھ جاؤ گے جو تمہارے خیال میں زندگی سے بہت ہی زیادہ دور ہے۔

فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ  
سو (یہ بات سن کر) وہ کہیں گے کہ (مرنے کے بعد) دوبارہ ہم کو زندہ کرے گا کون (یعنی مان لیا کہ ہر جسم قبول حیات کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر جسم میں ہر  
عرض کے توار کی قابلیت ہے لیکن ہر جسم پر ہر عرض آتا تو نہیں ہے جب تک کوئی موثر نہ ہو محض صلاحیت واستعداد تو اس  
کے لئے کافی نہیں ہے کسی زبردست موثر اور فاعل کی ضرورت ہے اور ایسا کرنے والا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا) آپ کہہ دیجئے  
کہ جس نے تم کو اول بار پیدا کیا (اس کی قدرت تم کو معلوم ہو چکی ہے) وہی دوبارہ بھی تخلیق کر دے گا (پہلے تو تم مٹی تھے زندگی کو  
قبول کرنے سے بہت دور اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے میں تو فقط پہلی حالت کو لوٹا کر لانا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم محض  
سے وجود میں لانا معدوم کر کے موجود کر دینے سے زیادہ دشوار ہے)۔

فَسَيَذْكُرُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ  
یہ سن کر وہ تمہارے سامنے (تعبیر یا استہزاء کے طور پر) سر مٹا کر کہیں گے اچھا تو ایسا ہو گا کب یعنی اگر ہم مان لیں کہ دوبارہ زندہ ہو جانا ممکن نہیں ہے اور  
یہ بھی مان لیں کہ جس نے اول بار پیدا کیا ہے وہی دوبارہ پیدا کر سکتا ہے) تو یہ بتاؤ کہ دوسری زندگی کب ہو گی (اس میں تاخیر  
کیوں ہے، کروڑوں مر گئے اور آج تک کوئی دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آیا یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے)۔

قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۖ  
آپ کہہ دیجئے کہ امید ہے (ہو سکتا ہے) کہ دوسری زندگی قریب ہی ہو  
(آخر دوسری زندگی ہو گی ضرور اور جو چیز آئندہ ضرور ہونے والی ہے وہ قریب ہی ہے) ایسا یہ مطلب ہے کہ قریب اور قلیل وقت  
میں ہی ایسا ہو جائے گا یہ مطلب ہے کہ ابتداء تخلیق عالم سے دوسری زندگی زیادہ دور نہیں ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِ اللَّهِ  
یہ اس روز ہو گا جس روز اللہ تم کو پکارے گا اور تم (بلا  
اختیار) اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرو گے۔

یعنی اسرائیل کی زبانی جب اللہ تم کو قبروں سے میدان قیامت کی طرف حساب نہیں کے لئے طلب فرمائے گا تو تم (تعمیل

حکم اور عمل سے) دعوت کو قبول کرو گے۔ یا (دعوت اور استجابت سے مراد ہے قبروں سے اٹھایا جانا اور اٹھنا اس صورت میں) یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو قبروں سے اٹھائے گا اور تم اٹھو گے یعنی فوراً حسابِ فہمی کے لئے اٹھ کر میدانِ قیامت میں آ جاؤ گے۔ بِحَمْدِهِ کا یہ مطلب ہے کہ قبروں سے اٹھتے وقت تم اللہ کی حمد کرو گے اس وقت اقرار کرو گے کہ اللہ ہی تمہارا خالق ہے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے والا ہے یا بِحَمْدِهِ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح حمد کرنے والے اطاعت کرتے ہیں تم بھی قبروں سے اٹھنے کے وقت ایسی ہی اطاعت کرو گے۔ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب مومنوں کو ہے قبروں سے اٹھتے وقت مومن اللہ کی ثناء کریں گے، کافر حمد نہیں کریں گے وہ تو قبروں سے اٹھتے وقت ہائے وائے کریں گے اور کہیں گے یٰوَيْلِنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ يَا حَسْرَتِي عَلِيٌّ مَأْفَرٌ طُتُّ رَفِي جَنْبِ اللَّهِ ہائے ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے اٹھا دیا۔ یہ وہی ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ ہائے افسوس، ہم نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی کی۔

ختلی نے الدیباج میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے جبرئیل نے اطلاع دی ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مومنوں کے لئے مرنے کے وقت اور قبروں میں قبروں سے نکلنے کے وقت انس ہوگا (یعنی یہ کلمہ وحشت دور کرنے اور سکون بخشنے کا ذریعہ ہوگا) اے محمدؐ اگر آپ دیکھیں گے تو تعجب ہوگا کہ یہ مومن تو قبروں سے سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کے چہرے گورے ہوں گے اور یہ کافر پکاریں گے ہائے افسوس میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اس وقت ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

طبرانی ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا اله الا الله کا اقرار کرنے والوں کو نہ مرتے وقت وحشت ہوگی، نہ قبروں کے اندر، نہ قبروں سے نکلنے وقت، گویا میرے سامنے ہے وہ منظر کہ چیخ یعنی صور کی آواز ہوتے ہی مومن سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي آذَهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ کہہ رہے ہیں۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔  
وَتُظُنُّونَ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۶﴾  
اور تم خیال کرو گے کہ (دنیا میں یا قبروں میں) تم بہت ہی کم رہے۔ قنادہ نے کہا قیامت کے مقابلہ میں وہ دنیا کی مدت کو حقیر سمجھیں گے۔

کلبی کا بیان ہے کہ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو زیادہ دکھ پہنچانے شروع کئے تو مسلمانوں نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ اَحْسَنُ  
اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہے۔ یعنی اسلام کی دعوت اور کلمہ توحید کی تبلیغِ نرمی کے ساتھ مدلل طور پر خیر خواہی کا اظہار کرتے ہوئے، مشرکوں کی جہالت سے ٹکر اڑنے کریں۔ حسن نے کہا مثلاً مشرکوں سے یوں کہیں اللہ آپ کو سیدھا راستہ دکھا دے۔ اس آیت کا حکم قتال کی اجازت سے پہلے تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عمر بن خطابؓ کے متعلق ہوا تھا آپ کو کسی کافر نے گالی دے دی تھی اس پر آپ کو اللہ نے درگزر کرنے کا حکم اس آیت میں دے دیا۔ بعض علماء نے کہا حسن الکلمہ کلمہ اخلاص یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک آیت کا حکم تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے اللہ نے سب کو حکم دیا ہے کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو اور وہ خصلت اختیار کریں جو سب سے افضل ہو۔

اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۵۷﴾

بے شک شیطان لوگوں میں فساد ڈلوادیتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

یعنی شیطان آدمیوں میں شر اٹھاتا ہے، بگاڑ پیدا کرتا ہے وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے کافروں کو تو بہرہ کا کر جہنم میں لے جاتا ہے اور مسلمانوں میں باہم فساد اور شر اٹھاتا رہتا ہے، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ کوئی بات ایسی نہ کہیں جس سے شیطان کو شر اور بگاڑ پیدا کرنے کا موقع مل جائے۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنَّ يَشَأْ يُرْحِمَكُمُ أَوْ أَنْ يَشَأْ يُعَذِّبَكُمُ  
احوال سے خوب واقف ہے وہ اگر چاہے گا تو (ایمان کی توفیق دے کر) تم پر رحم کرنے گا یا اگر چاہے گا تو (حالت کفر پر تمہارا خاتمہ کر کے) تم کو عذاب دے گا۔

ابن جریج نے کہا یہ آیت الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کی تشریح ہے (یعنی کلمہ أَحْسَنُ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ الخ ہے) درمیانی کلام بطور جملہ معترضہ کے ہے، مطلب یہ ہے کہ کافروں سے تم یہ بات کہو کہ تمہارا رب تمہارے احوال سے بخوبی واقف ہے الخ، تم ان سے گالی گلوں نہ کرو اور جاہلانہ جواب نہ دو۔ اور صراحتہ ان کو دوزخی نہ کہو۔ اس سے شر بڑھے گا، پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ جو اس وقت کافر ہیں ان کا خاتمہ کس حالت پر ہوگا ممکن ہے وہ ایمان لے آئیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ خاتمہ کا علم تو صرف اللہ کو ہے۔ کبھی نے کہا یہ خطاب اللہ کی طرف سے مومنوں کو ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے گا تو مکہ والوں کے پنجہ سے تم کو بچالے گا، اور چاہے گا تو ان کے ہاتھوں سے تم کو دکھ پہنچوائے گا، اور ان کو تم پر قابو دے دے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلاً ﴿۵۴﴾  
اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ ان کے معاملات آپ کے ہاتھ میں نہیں دے دیئے کہ آپ زبردستی ان کو مومن بنادیں اور ان کے کافر رہنے کی آپ کے لئے کوئی اہمیت ہو، آپ کو تو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس لئے ان سے نرمی کیجئے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیجئے کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کو برداشت کریں۔

وَسَاءَلُكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
اور آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہیں ان کے احوال سے آپ کا رب ہی خوب واقف ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون نبوت اور ولایت کے قابل ہے کس کی تخلیق سعادت پر ہوئی اور کون پیدا کنی شقی ہے۔

قریش اعتراض کرتے تھے کہ ابو طالب کا یتیم نبی کیسے ہو سکتا ہے اور بلال و صہیب جیسے محتاج لوگ اللہ کے ولی اور جنتی کس طرح ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے شرفاء مکہ دوزخی کیسے بن سکتے ہیں، اس آیت میں ان بیہودہ خیالات کی تردید کر دی گئی (کہ اہلیت اور صلاحیت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں، دولت اور ظاہری عزت معیار قابلیت نہیں، فطری جوہر قابل کس کو دیا گیا اور کون اس سے محروم ہے اس سے اللہ ہی واقف ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلَىٰ بَعْضٍ عَطَاكِي۔ یعنی اخلاقی اور نفسانی فضائل سے نواز اور جسمانی اور مادی آلودگیوں سے پاک صاف کیا اور اسی کو معیار فضیلت بنایا، مال و اولاد وغیرہ کی کثرت و قلت کو انبیاء کی فضیلت کا ذریعہ نہیں قرار دیا، اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں قتادہ نے کہا اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا، موسیٰ سے کلام کیا، عیسیٰ کی پیدائش (بغیر باپ کے) صرف لفظ کن سے کی۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں جب عیسیٰ گوارے کے اندر شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس وقت ان سے کلام کیا اور ان سے فصیح زبان میں بات کروائی اور ان کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور توریت و انجیل کا علم مرحمت فرمایا اور روح القدس کو ہر وقت ان کی امداد پر مامور فرمایا (قتادہ نے کہا) اور سلیمان کو ایسی حکومت عنایت کی جو آپ کے بعد کسی کو ملنا مناسب نہیں یعنی جن و انس کو ان کا تابع حکم بنا دیا اور شیطانوں کو سلیمان کے حکم سے زنجیروں میں مقید کر دیا۔ اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ﴿۵۵﴾  
اور داؤد کو ہم نے زبور دی یعنی وحی کے ذریعے سے ان کے پاس کتاب بھیج کر فضیلت و بزرگی سے نوازا، حکومت (بھی دی مگر حکومت) کو وجہ برتری نہیں قرار دیا۔

مکہ کے کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار اس وجہ سے کیا کہ اگر کسی کو نبی بنایا جاتا ہے تو ایسے آدمی کو کیوں بنایا گیا جس کو کوئی وجہ برتری حاصل نہیں۔ نہ مال و دولت اس کے پاس ہے نہ دنیوی و جاہت و اقتدار۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے اس کی تردید کر دی اور فرمادیا کہ بعض انبیاء کو بعض پر ہم نے برتری عطا کی تھی، یعنی اخلاقی بلندی، نفسانی بزرگی، جسمانی آلودگیوں سے پاکی، وہی علوم، عمومی ہدایت اور مراتب قرب کے لحاظ سے ایک کو دوسرے سے اونچا کیا تھا، مال و اولاد کی کثرت وجہ برتری نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاء سے برگزیدہ بنایا، آپ پر نبوت کو ختم کر دیا، آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا، کیونکہ زبور میں صراحت فرمادی تھی کہ میری زمین کے وارث اصحاب صلاح ہوں گے اور امت محمدیہ کو زمین کا وارث بنایا، معلوم ہوا کہ یہ امت سب امتوں سے برتری رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید عطا کیا جو حجم میں اگرچہ کم ہے مگر علم و افادیت و اعجاز میں سب سے زائد ہے، رسول اللہ ﷺ کو آخری درجہ قرب پر پہنچایا اور اس قرب کو آیت دَنِّی فَتَدَلِّی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں ظاہر فرمایا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ زبور اللہ کی کتاب ضرور تھی جو حضرت داؤد کو دی گئی تھی اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں اور سب سورتیں دعا اور حمد و ثنا سے بھری ہوئی تھیں۔ نہ ان میں حرام و حلال کا بیان تھا نہ فرائض و حدود کا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کرتے تھے جب وہ جن مسلمان ہو گئے، تب بھی یہ مشرک لوگ اپنی جنات سے چٹھے رہے، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِیْ فَلَا یَمْلِكُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جن جنات کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارا دکھ دور کرنے یا منتقل کرنے یعنی تمہارے اوپر سے ٹال کر دوسروں کو اس دکھ میں مبتلا کرنے پر قابو نہیں رکھتے۔ یعنی جن جنات کو تم معبود قرار دیتے ہو وہ تمہارے افلاس اور قحط سالی وغیرہ کو دور نہیں کر سکتے۔

جن کو یہ لوگ پکارتے

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ  
ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

وہ خود اللہ کا قرب ایمان اور اطاعت کے ذریعہ سے چاہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وسیلہ خاص ہے اور وسیلہ عام۔ وسیلہ کا معنی ہے کسی چیز سے اتصال اور وسیلہ کا معنی ہے رغبت کے ساتھ کسی چیز تک پہنچنا۔ وسیلہ الی اللہ سے مراد ہے علم اور عمل کے لحاظ سے اللہ کی قائم کی ہوئی راہ کی نگہداشت اور مکارم شریعت کے حصول کا ارادہ اور کوشش۔ گویا وسیلہ الی اللہ کا مرادوی معنی ہوا قرب خداوندی۔ قاموس میں ہے، وسیلہ اور واسلہ بادشاہ کے دربار میں خاص مرتبہ، درجہ، قربت۔ وَسَّلَ اِلٰی اللّٰهِ تَوَسَّلًا کا معنی ہے ایسا عمل کیا کہ جس سے اللہ کے قرب میں پہنچ گیا۔

ان کا جو ان میں سب سے زیادہ قرب (خداوندی) رکھتے ہوں۔

اَیُّہُمْ اَقْرَبُ

یعنی ان میں جو سب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں وہ خود بھی وسیلہ کے طلب گار ہیں، قربت نہ رکھنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ (زجاج) بعض اہل تفسیر نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ وہ ایسے شخص کو طلب کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اس کا وسیلہ پکڑتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرب الی اللہ ہونے کی بڑی شدت سے خواہش رکھتے ہیں، یعنی کثرت طاعت کے سبب اللہ کے مقرب ترین بندے ہو جانا چاہتے ہیں۔

اور امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهُ

اس کے عذاب سے۔ یعنی جب وہ معبود خود ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو کس بنیاد پر مشرک ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔

آپ کے رب کا عذاب حقیقت میں ہے ہی ڈرنے کی چیز۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

یعنی ایسا خوفناک ہے کہ اس سے فرشتوں اور پیغمبروں کو بھی ڈرنا چاہیے۔

بیضاوی نے کہا مطلب یہ ہے کہ جن کو تم معبود خیال کرتے ہو جیسے فرشتے اور مسیح اور عزیران میں سے کوئی بھی تمہارا دکھ دور نہیں کر سکتا، یہ تو خود اللہ کا مقرب ترین بندہ بننے کے لئے وسیلہ کے خواست گار ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ نے کہا، عیسیٰ، ان کی والدہ، عزیر، ملائکہ، چاند، سورج اور ستارے سب اپنے رب کی جانب وسیلہ کے طلب گار ہیں، اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (پھر ان کو کار ساز معبود کس طرح بناتے ہو) بغوی نے لکھا ہے ایک بار مشرک سخت کال میں مبتلا ہوئے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مردار تک کھا گئے، مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ سے دعا کرنے کی درخواست کی اس پر آیت قُلْ لِلْمُشْرِكِينَ اِذْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ اَنَّهَا اِلٰهَةٌ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفِ الضُّرِّ عَنْكُمْ نازل ہوئی۔ آپ مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا تم جن کو معبود خیال کرتے ہو انہیں سے دعا کرو، وہ تمہارا دکھ دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

وَلَنْ مِّنْ قَرِيْبَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْدِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مَعَدَّ بُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا

اور (کفار کی) ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا (قیامت کے دن) اس کو سخت عذاب نہ دیں۔ یعنی جو بستی کفر و معصیت کرنے والی ہے ہم اس کو یا تو قیامت سے پہلے ہلاک اور تباہ کر دیں گے یا سخت عذاب دیں گے۔ مقاتل وغیرہ نے کہا، ہلاک کرنے سے مراد ہے مار ڈالنا، موت کو مسلط کر دینا، یعنی بستی والے اگر مومن ہوں تو ہم ان پر موت کو مسلط کر دیں گے، زندگی ختم کر دیں گے اور کافر ہوں تو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے (یا علی الاعلان لوگ زنا کرتے اور سود کھاتے ہیں) تو اللہ اس بستی کو تباہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا ۝۵۱

کتاب میں یہی لکھا ہوا ہے۔ الْكِتَابِ سے مراد ہے لوح محفوظ۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے اول اللہ نے جس کو پیدا کیا وہ قلم تھا پھر اس سے فرمایا لکھ، قلم نے کہا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر کو لکھ، حسب الحکم قلم نے ہر اس چیز کو لکھا جو ہو چکی ہے یا اب تک ہونے والی ہے۔ رواہ الترمذی، ترمذی نے اس حدیث کی سند کو غریب کہا ہے۔

طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور طبرانی و ابن مردویہ نے حضرت ابن زبیرؓ کے حوالہ سے ایک حدیث ذرا تفصیل کے ساتھ اسی طرح نقل کی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی آپ کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ (میدانی زمین نکل آئے اور) ہم اس میں کھیتی کریں، اللہ نے اپنے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی درخواست پوری کرنے میں ڈھیل کر دوں (ٹال دوں) اور آپ چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں، لیکن سوال پورا کرنے کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو میں ان کو اسی طرح تباہ کر دوں گا جس طرح ان سے پہلے والوں کو تباہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا، نہیں، تو ان کو ڈھیل دے (درخواست پوری نہ کر) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔

وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْآيٰتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ

اور ہم کو (مطلوبہ) نشانیاں بھیجنے سے صرف یہ امر مانع ہے کہ (ایسے مطلوبہ معجزات ہم نے گزشتہ قوموں کے لئے ظاہر کئے تھے پھر ان) پہلے لوگوں نے ان آیات کی تکذیب کی (اور ہم نے ان کو تباہ کر دیا) یعنی مکہ کے کافر بھی طبیعت اور خود خصلت میں گزشتہ کافروں کی طرح ہیں۔ انہوں نے بھی اسی طرح کی نشانیاں طلب کی تھیں اور جب ہم نے ان کی مطلوبہ نشانیاں ظاہر کر دیں تو انہوں نے نہ مانا اور ہم نے ان کو عذات کر دیا۔ یہ کافر بھی انہیں کی طرح ہیں، اگر ان کے مطلوبہ معجزات ظاہر کر دیئے جائیں گے اور یہ نہ مانیں گے



تو ان کو تباہ کر دیا جائے گا اور ہم اس امت کو تباہ کرنا چاہتے نہیں مہلت دینا چاہتے ہیں۔

اور ہم نے (قوم) ثمود کو (ان کی درخواست پر) اونٹنی (پتھر کے اندر سے نکال کر) دی تھی جو کھلی ہوئی نشانی تھی، پھر انہوں نے اس پر ظلم کیا، یعنی کفر کیا، یا اس کو قتل کر کے خود اپنے اور ظلم کیا۔

اور ہم ایسے معجزات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔ یعنی تیغ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے عذاب دنیا سے۔ ڈرانے کے لئے جب خوف دلانا ان پر اثر انداز نہ ہو تو دنیا میں ہی عذاب آپہنچا، یا یہ مطلب ہے کہ (غیر مطلوبہ) معجزات جو ہم ظاہر کرتے یا قرآنی آیات بیان کرتے ہیں وہ صرف عذاب آخرت سے ڈرانے کے لئے۔

اور (یاد کرو) جب ہم نے آپ سے کہا تھا (آپ کے پاس وحی بھیجی تھی) کہ آپ کا رب سب لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے یعنی اللہ کی ذات علم قدرت سب کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے لہذا تم کسی کی پروا نہ کرو اور جو پیام آپ کو دے کر بھیجا گیا وہ پہنچا دیا (الناس سے مراد قریش ہیں) مطلب یہ ہے کہ اللہ قریش کو گھیرے ہوئے ہے یعنی ان کو ہلاک کر دے گا (احاطہ بہہم ان کو ہلاک کر دیا) اس مطلب پر یہ آیت واقعہ بدر کی بشارت ہو گی اور چونکہ آئندہ واقعہ بدر کا ظہور پذیر ہونا یقینی تھا اس لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کر دی گئی (گویا ایسا ہو چکا) ابو یعلیٰ نے حضرت ام ہانی کی روایت سے اور ابن المنذر نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات کو معراج ہوئی تو اس کی صبح کو قریش کے چند آدمیوں کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا، قریش آپ کی ہنسی اڑانے لگے، اور حضور ﷺ سے سیر معراج کی کوئی نشانی دریافت کی (بیت المقدس کا نقشہ اور اپنے قافلہ کی خبر دریافت کی) آپ نے بیت المقدس کی حالت اور نقشہ بیان کر دیا اور قافلہ کی کیفیت بھی ظاہر کر دی، اس پر ولید بن مغیرہ بولا یہ شخص جادو گر ہے اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل کی۔

اور جو تماشا ہم نے آپ کو (شب معراج میں) دکھایا تھا اس کو بس ہم نے لوگوں کے لئے موجب گمراہی کر دیا، لوگوں کے لئے معراج کا واقعہ ایک جانچ کی حیثیت رکھتا تھا کافروں نے تو انکار کر ہی دیا، لیکن بعض کمزور ایمان والے بھی ایمان سے پھر گئے۔ اس آیت میں سیر معراج کو رؤیا (خواب) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی آیت سے تائید ہوتی ہے، حضرت عائشہؓ کے اس قول کی کہ معراج روحانی تھی جسمانی نہ تھی (رواہ البخاری) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رؤیا سے مراد ہے رؤیت یعنی آنکھوں سے دیکھنا۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج اور اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے۔ عرب کہتے ہیں، رَأَيْتُ بِعَيْنِي وَرَأَيْتُ وَرُؤْيَا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ رؤیت اور رؤیا، ہم معنی ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور کو دو مرتبہ معراج ہوئی تھی ایک بار آنکھوں سے دیکھنے کی اور ایک بار دل سے دیکھنے کی۔ حضرت امام حسینؓ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ صبح کو کچھ غمگین تھے، سبب دریافت کرنے پر فرمایا، میں نے دیکھا کہ میرے اس منبر پر گویا بنی امیہ باری باری سے آرہے ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ فکر مند نہ ہوں یہ دنیا ہے جو ان کو مل جائے گی۔ اس پر آیت وَمَا جَعَلْنَا الرَّءْيَا الْبَصِيحَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ نازل

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے حکم بن عاص کی لولاد کو منبر پر بندروں کی طرح (اچھلتے) دیکھا اور اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الرَّءْيَا الْبَصِيحَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ یعنی اس آیت میں جس خواب کا ذکر ہے اس کا تعلق حکم اور اس کی لولاد سے ہے (حکم اس کا بیٹا مروان اس کے بیٹے عبد الملک وغیرہ سارے لوگوں کے لئے فتنہ تھے اور خلافت پر قابض ہو گئے تھے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو دکھادی گئی تھی۔ حضرت سہیل بن سعد، یعنی بن مزرہ، حضرت حسین بن علیؓ، حضرت عائشہؓ اور سعید بن مسیب کی روایت سے بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث آئی ہے۔ (مفہم)

ہوئی۔ اس روایت کے بموجب لفظ فتنہ سے مراد ہو گا بنی امیہ کے دور اقتدار میں بدعات اور فسق و فجور کا پھیل جانا۔ یہ حدیث شیخ ابن جریر نے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت سے بھی بیان کی ہے اس روایت کے بموجب حدیث کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ نے بنی فلاں (یعنی بنی امیہ) کو خواب میں دیکھا کہ وہ آپ کے منبر پر بندروں کی طرح کود رہے ہیں (کبھی ایک آتا ہے کبھی دوسرا) حضور ﷺ کو اس خواب سے دکھ ہوا اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عمر و بن عاص اور حضرت یعلیٰ بن مرہ کی روایت سے نیز ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں سعید بن مسیب سے مرسل نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں بنی امیہ کو منبر پر دیکھا جس سے آپ کو دکھ ہوا اللہ نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ ان کو تو یہ دیا گیا ہے (یعنی اللہ کا یہی فیصلہ ہے) اس سے آپ کو سکون ہو گیا۔ مذکورہ بالا تمام احادیث ضعیف ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ الرء یا سے مراد وہ خواب ہے جو حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے دیکھا آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مکہ میں داخل ہو گئے ہیں، آپ مقررہ میعاد سے پہلے مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، جب مشرکوں نے حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ کو روک دیا تو آپ لوٹ آئے پہلے تو آپ نے لوگوں سے بیان کیا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور پھر اسی سال حدیبیہ سے واپس لوٹنا پڑا اس سے لوگ فتنہ میں پڑ گئے اور بعض لوگوں میں شک پیدا ہو گیا، پھر جب دوسرے سال مکہ میں (صلح کے ساتھ حسب معاہدہ) داخل ہو گئے تو آیت لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءُ يَا بِالْحَقِّ نازل ہوئی، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وہ خواب سچ کر دکھایا۔ بیضاوی نے اس روایت پر یہ شبہ وارد کیا ہے کہ آیت مکی ہے (اور حدیبیہ کا واقعہ تو ہجرت کے بعد کا ہے) ہاں اگر مکہ میں خواب دیکھا ہو اور اقامت مدینہ کے زمانہ میں اس کو بیان کیا ہو تو شبہ کا جواز ہو سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے، شاید اس خواب کا تعلق واقعہ بدر سے ہو۔ جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے وَإِذِ يُرِيكُهُمُ اللَّهُ فِي مَنَايِكَ فَلْيُنَادَا۔ روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ بدر کے پانی پر اترے تو فرمایا، میں لوگوں (یعنی مشرکوں) کی قتل گاہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے، یہ فلاں کی قتل گاہ۔ قریش نے یہ بات سنی تو اس کا مذاق اڑایا۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ  
موجب گمراہی کر دیا) شجرہ ملعونہ سے مراد ہے زقوم (تھوہر) کا درخت یعنی اللہ نے اس درخت کو بھی لوگوں کے لئے جانچ کی چیز بنا دیا۔ درخت زقوم کا فتنہ ہونا دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) ابو جہل نے کہا ابن ابوبکیر (محمد بن عبد اللہ) تم کو ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو بھی جلا دے گی لیکن خود ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں ایک درخت اُگے گا (جس کو آگ نہیں جلائے گی) تم لوگ جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا ہی دیتی ہے، اس بے وقوف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ جو سمندل کی پشت کی کھال کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھتا ہے اور جس نے شتر مرغ کے شکنسی اعضاء کو یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ لوہے کے پتے دکتے ٹکڑے نکل لیتا ہے اور اس کی آنتیں نہیں جلتیں، نہ حلق میں سوزش ہوتی ہے کیا وہ دوزخ میں ایسا درخت نہیں پیدا کر سکتا جو آگ سے نہ جلے۔ مفسر مدارک نے لکھا ہے کہ سمندل ترکستان میں ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے جس کی کھال کے رومال بنائے جاتے ہیں، جب رومال میلے ہو جاتے ہیں تو ان کو آگ میں ڈال دیا جاتا ہے، آگ سے ان کا میل جل کر صاف ہو جاتا ہے اور کھال پر آج بھی نہیں آتی، صاحب قاموس نے لکھا ہے سمندل ہندوستان میں ایک پرندہ ہوتا ہے جو آگ میں نہیں جلتا (مشہور یہ ہے کہ سمندل جس کو سمندر کہا جاتا ہے ایک ایسا جاندار ہوتا ہے جو آگ میں ہی پیدا ہوتا ہے اور آگ میں ہی جیتا اور زندگی گزارتا ہے، آگ سے باہر نکالا جائے تو مر جاتا ہے۔ مترجم)

(۲) ابن الزبیری نے کہا تھا محمدؐ ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں اور ہم تو زقوم کا معنی مکھن اور چھوارے ہی جانتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ہم کو معلوم نہیں۔ یہ سن کر ابو جہل نے لوٹدی کو آواز دے کر کہا يَا جَارِيَةَ تَعَالَى زَقِيمِنَا جَارِيَةَ ہمارے

لئے زقوم لا، باندی فوراً مکھن اور چھوڑے لے آئی، ابو جہل بولا، لوگوز قوم کھاؤ، محمد تم کو اسی سے ڈراتے ہیں۔ زقوم کا ذکر اللہ نے سورت الصافات میں کیا ہے

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے البعث میں حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے زقوم کا ذکر کیا اور قریش کو زقوم سے ڈرایا تو ابو جہل نے قریش سے کہا جس زقوم سے محمد تم کو ڈراتے ہیں وہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں، ابو جہل نے کہا شرب میں عمدہ قسم کی کھجوریں مکھن کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس مجموعہ کو زقوم کہا جاتا ہے، ہم کو اگر وہ (زقوم) مل جائے تو ہم تو اس کو خوب کھائیں لَنْ نَزَقْمَنهَا تَرْقَمًا اس پر آیت وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ فِي الْقُرْآنِ اور آیت إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ نازل ہوئی حقیقت میں ملعون تو زقوم کھانے والا ہو گا بطور مبالغہ آیت میں درخت کی ہی صفت مَلْعُونَةُ ذکر کی ہے کیونکہ یہ درخت حکیم کی جڑ میں ہو گا اور وہ ایسا مقام ہے جہاں پہنچنے والے رحمت خداوندی سے بہت ہی زیادہ دور ہوں گے۔ یا یوں کہا جائے کہ مَلْعُونَةُ کا معنی ہے بہت برا ضرر رساں، ناگوار۔ ہر ناگوار، ضرر رساں کھانے کو عرب ملعون کہتے ہیں۔

بعض کے نزدیک زقوم سے مراد شیطان یا ابو جہل یا حکم بن العاص ہے۔ یہ محض تاویل ہے۔ اور ہم ان کو ڈراتے ہیں لیکن ڈرانے سے

وَنَحْوَهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴿۱۰﴾

ان کی بڑھی ہوئی سرکشی میں اور اضافہ ہی ہوتا ہے۔ طغیان، سرکشی اور تمرد۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ﴿۱۱﴾

اور یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کے لئے (یعنی ان کی طرف) سجدہ کرو فوراً سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، ابلیس بولا کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے گارے سے بنایا ہے۔ ابلیس نے اپنے انکار کی وجہ آدم کی تخلیق (گری ہوئی) حالت کو قرار دیا، بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک مٹھی زمین کی خاک لی، شیریں بھی اور نمکین بھی اس سے آدم کا پتلا بنایا، پس جس کو مٹھی خاک سے بنایا وہ تو خوش نصیب ہو گیا، خواہ اس کے ماں باپ کافر ہوں اور جس کی تخلیق نمکین خاک سے کی وہ بد بخت ہو خواہ وہ انبیاء زادہ ہو۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے ایک مٹھی خاک تمام زمین سے لی اس سے آدم کو بنایا۔ پس اولاد آدم زمین کے مطابق ہوئی، سرخ، سفید، سیاہ یا درمیانی رنگ، نرم، سخت، خراب، عمدہ اخلاق والے اسی وجہ سے ہو گئے۔

اور ابلیس نے کہا بھلا بتا تو یہ وہی ہے جس کو تو نے مجھ پر برتری عطا کی ہے۔ اور مجھے اس کو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔

قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْت عَلَيَّ

پر برتری عطا کی ہے۔ اور مجھے اس کو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔

لَئِنِ أَخَّرْتَنِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۲﴾

تو نے مجھے مہلت دے دی تو سوائے چند لوگوں کے میں اس کی ساری اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا، یعنی اگر تو مجھے مہلت دے گا اور قیامت تک زندہ رکھے گا تو اغواء کر کے میں اس کی نسل کی بیخ کنی کر دوں گا۔ اِحْتَنَكَ الْجَرَادُ الزَّرْعَ محاورہ ہے مٹی نے ساری کھیتی کھالی۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں اس کو جھڑپا ہوں گا کھینچ کر لے جاؤں گا اور اس پر تسلط قائم رکھوں گا۔ حَنْكَ الدَّابَّةَ گھوڑے کا نچلا جبر (اوپر سے ملا کر) سی سے باندھ دیا تاکہ جس طرف چاہے مالک اس کو کھینچ کر لے جائے۔ قاموس میں ہے اِحْتَنَكَ اس پر غالب آگیا، تسلط جمالیہ۔ اِحْتَنَكَ الْجَرَادُ الْأَرْضَ مٹی نے زمین کی ساری سبزی کھالی۔

قلیلًا سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے (یعنی انبیاء اور خاص خاص اشخاص) انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا تھانَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔

بیضاوی نے لکھا ہے نسل آدم کو بھکانے پر قادر ہونے کا علم ابلیس کو شاید ملائکہ کے قول سے ہو گیا تھا، ملائکہ نے کہا،

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا يَا حَضْرَتِ آدَمُ كِي بِنَاوْثِ سِے وَہ سَچھ گِیا ہو گا کہ اس کے اندر قوتِ غضب و شہوت اور وہم کی پیدائش کر دی گئی ہے (لا محالہ اس کو اغواء کرنا سہل ہے)

قَالَ أَذْهَبَ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا ۱۳

اللہ نے فرمایا جا اور ان میں سے جو بھی تیرے پیچھے چلے گا، جہنم تم سب کی کامل سزا ہوگی۔ یعنی جا اور جو تیرا دل چاہے کر۔ یہ اللہ کی طرف سے دھتکار اور نکل جانے کا حکم تھا اور نفس کے کہے پر چلنے کی خود مختاری تھی۔ مَوْفُور بمعنی وافر ہے، یعنی مکمل پوری پوری۔ عرب بولتے ہیں وَقِرْلِيصًا حَبِيبًا عَرَضَهُ أَيْنِ سَاھَمِي كِي پوری پوری عزت کر۔

وَاسْتَفْزِزُ مَنْ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمُ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ

اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی پیچ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا۔ اسْتَفْزِزُ۔ ابھارا دینا، پھسلا دینا، بے وقوف بنالینا۔ قاموس میں ہے اسْتَفْزِزُہُ اس کو ابھارا دے کر اکھاڑ دیا اور گھر سے نکال دیا۔ بِصَوْتِكَ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک صوت سے اس جگہ دعوت گناہ مراد ہے۔ جو بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ ابلیس کی جماعت میں شامل ہے۔ ازہری نے اسْتَفْزِزُ بِصَوْتِكَ سے یہ مراد لی ہے کہ ان کو اپنی طرف بلانا اور اکھاڑ کر اپنی جانب مائل کر لینا۔ مجاہد نے کہا صوت سے مراد ہے گانا بجانا۔ أَجْلِبْ عَلَيْهِمْ۔ جَلَبَ (باب نصر) اجْتَلَبَ (قاموس) حدیث میں آیا ہے لَا جَلَبَ لِعِنِي اِيك جَلَبَ كَاغْلَه (جب کہ اس جگہ بھی ضرورت ہو دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ جَلَبُ دُو طَرَحٍ كَا هُو تَاہ۔

(۱) زکوٰۃ کا محصل جا کر کسی خاص مقام پر فروکش ہو جائے اور اپنے کارندوں کو جا بجا ہر طرف بھیج دے تاکہ زکوٰۃ دینے والے خود اپنا مال لا کر جمع کرائیں۔ اس کی شرعاً ممانعت کر دی گئی اور زکوٰۃ کے تحصیلداروں کو حکم دیا گیا کہ خود لوگوں کے گھروں اور قیامگاہوں پر جا کر زکوٰۃ کا مال وصول کریں۔

(۲) گھوڑوں کی دوڑ کے موقع پر کوئی شخص اپنے گھوڑے کے پیچھے کسی اور کو لگا دے تاکہ وہ آدمی گھوڑے کو چیخ چیخ کر زور سے تیز دوڑنے پر بھڑکاتا رہے اور گھوڑا نہیں ستر فغان نہ ہونے پائے اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔

قاموس میں أَجْلَبَ عَلَى الْفَرَسِ كَا يِي مَعْنِي اِيَاہ۔ جَلَبَہُ كَا مَعْنِي اِيَاہ بِيہ۔ قاموس میں ہے رَعَدَ فَجَلَبَ لِرِزَا اِيَاہ۔ أَجْلَبَ عَلَيْهِ اس پر چیخ کر اس کو بھڑکایا اور ابھارا۔ قَتِيْبِي نے کہا جَلَبَ جَلَبَہُ كِي جَمْعُہ۔ اِيَاہ، شور۔ جَلَبَ بمعنی اجتماع بھی آیا ہے۔ نہایہ میں ہے اَجْلَبُوا عَلَيْهِ اس پر جمع ہو گئے، أَجْلَبَہُ اس کی مدد کی۔ اس تنفیح پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا، اپنے تمام لشکر کو اور اغواء و مکر کے تمام ذرائع کو جمع کر لینا۔

یایہ مطلب ہے کہ گناہوں پر آمادہ کرنا، بھڑکانا یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کی طرف ان کو ہنکانا یا چلانا یا یہ مطلب ہے کہ گناہ کرنے میں ان کی مدد کرنا۔

بِخَيْلِكَ وَرَجَلِكَ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ گناہوں کے راستے پر چلنے والا ابلیس کا لشکر کی سے سوار ہو کر چلے یا پیادہ۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا جنات اور انسانوں میں سے کچھ اشخاص ابلیس کے سوار بھی ہیں اور پیادے بھی، جو بھی معصیت کے راستے میں لڑے وہ ابلیس کا لشکر ہے، بیضاوی نے آیت کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ اپنی طرف سے اغواء کر کے لوگوں کو بھڑکانا، سوار ہوں یا پیادے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ عبارت کا حقیقی مفہوم مراد نہ ہو بلکہ اللہ نے جو شیطان کو اغواء پر تسلط عنایت فرمایا تھا کہ وہ کامل طور پر گمراہ کر سکتا تھا اور ہدایت انسانی کو بیخ و بن سے اکھاڑ سکتا تھا اس کو ایسے سپہ سالار..... سے تشبیہ دی جو اپنے پورے لشکر کے ساتھ دشمن کی بستی پر حملہ کر کے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

وَسَارِكُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْتُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۱۴

اور ان کے مال و اولاد میں اپنا سا جھا کر لینا اور ان سے وعدے کرنا اور شیطان ان سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا

ہے۔

مجاہد، حسن بصری اور سعید بن جبیر کے نزدیک شرکت فی الاموال سے مراد یہ ہے کہ حرام کمائی کرنے اور اس کو جمع کر رکھنے پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور حرام مال خرچ کرنا۔ عطا نے کہا اس سے مراد (سود کالین دین) ہے اور بتوں اور دیوتاؤں کے ناموں پر چھوڑے ہوئے یا خود ساختہ قوانین مذہب کے زیر اثر آزاد کئے ہوئے جانور بھی مراد ہیں، جن کو کھانا اور بعض اوقات ان سے سواری لینا بھی مشرک حرام قرار دیتے ہیں۔ ضحاک نے کہا غیر اللہ کے نام جانوروں کی بھینٹ چڑھانا مراد ہے۔ شرکت فی الاولاد سے حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک زندہ دفن کی ہوئی لڑکیاں مراد ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا اولاد زنا مراد ہے۔ حسن اور قتادہ نے کہا اولاد کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنانا مراد ہے (جب کہ یہ مذاہب منسوخ ہو چکے) حضرت ابن عباسؓ کا قول دوسری روایت میں آیا ہے، کہ اولاد کے ناجائز نام رکھنا مراد ہے جیسے عبد الحارث، عبد الشمس، عبد العزیز، عبد الدار وغیرہ۔

حضرت امام جعفر بن امامزین العابدین نے فرمایا جب انسان بیوی سے قربت کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذکر پر بیٹھ جاتا ہے اب اگر وہ شخص بغیر بسم اللہ کے کام شروع کر دیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسان کی طرح عورت کے اندام نہانی میں شیطان بھی انزال کرتا ہے (اس طرح اولاد کی پیدائش میں شیطان شریک ہو جاتا ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم میں کچھ لوگ مغرب ہیں، دریافت کیا گیا مغرب کون لوگ ہیں۔ فرمایا، جن (کی پیدائش) میں شیطان شریک ہوتے ہیں۔ وعدہ دلانے سے مراد ہے جھوٹی، غلط امیدیں دلانا مثلاً بتوں کی شفاعت، باپ دادا کی بزرگی پر بھروسہ، توبہ میں تاخیر، یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ دوزخ اور قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

### ..... ایک شبہ ..... ❁

استغفر۔ اجلب۔ شاریک۔ عد۔ یہ سب امر کے صیغے ہیں تو کیا اللہ نے ابلیس کو معصیت کا حکم دیا تھا، اللہ تو گناہ کا حکم

نہیں دیتا۔

### ..... ازالہ ..... ❁

صیغے امر کے ضرور ہیں لیکن مفہوم تہدید مراد ہے یا امر سے مقصود تو بین ابلیس ہے کہ تو کچھ بھی کر لے، تیری کسی حرکت سے میری حکومت میں فرق نہیں آسکتا۔

غرور بمعنی فریب دھوکہ، باطل کو بصورت حق دکھانا۔

بغوی نے لکھا ہے آثار اقوال صحابہ میں آیا ہے کہ ابلیس کو جب نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے عرض کیا اے میرے رب آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکال دیا، اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر قابو عطا فرمادے (کہ میں جس طرح چاہوں ان کو بے راہ کر دوں) اللہ نے فرمایا تجھے قابو دے دیا گیا، ابلیس نے کہا، مجھے تیرے بغیر تو اس کی طاقت نہیں، اللہ نے فرمایا، اِسْتَفِزْزِ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصُوتِكَ الْخ۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب تو نے ابلیس کو مجھ پر اور میری نسل پر مسلط کر دیا اور تیرے بغیر میں اس سے محفوظ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا، اللہ نے فرمایا، تیری جو بھی اولاد ہوگی، میں اس کی حفاظت کے لئے محافظ مقرر کر دوں گا، آدم نے عرض کیا، میں اس کلام کی مزید تفصیل چاہتا ہوں، اللہ نے فرمایا، ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جائے گا، آدم نے عرض کیا اور کیا۔ اللہ نے فرمایا جب تک روح جسم میں رہے گی توبہ کی قبولیت سامنے رہے گی (یعنی توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا) آدم نے عرض کیا اور کچھ، اللہ نے فرمایا يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے عرض کیا اے رب تو نے انبیاء بھیجے اور (ان کے پڑھنے کو) کتابیں نازل کیں، میرے پڑھنے کے لئے کیا (مقرر کیا) ہے اللہ نے فرمایا شعر، ابلیس نے عرض کیا میری تحریر (رسم خط) کیا ہوگی، فرمایا (اعضاء جسم کو) گودنا (گویا گودنا اور گدوانا شیطانی تحریر اور رسم خط ہے) ابلیس نے کہا میرے پیغامبر کون ہیں۔ فرمایا کاہن، عرض کیا میرے رہنے کا مقام کونسا ہے، فرمایا حمام (جہاں لوگ برہنہ غسل کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں) عرض کیا میرے بیٹھنے کا مقام کہاں ہے، فرمایا بازاروں میں عرض کیا میرا کھانا کیا ہے فرمایا وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، عرض کیا میرے پینے کی چیز کیا ہے، فرمایا ہر نشہ آور چیز، عرض کیا میرا جال کونسا ہے۔ فرمایا، عورتیں، عرض کیا میرا سامان (تفریح) کیا ہے، فرمایا

باہجے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَّكَفٰى بِرَبِّكَ وَكَيْلًا ۝۱۵  
(مخلص) بندوں (کے اغواء) پر تجھے قدرت نہ ہوگی اور تیرا رب (ان کی حفاظت کا) ذمہ دار ہونے کے لئے کافی ہے۔ یعنی جو مخلص بندے اللہ پر بھروسہ رکھیں گے اس کی پناہ کے خواستگار ہوں گے اور اپنے تمام امور اس کے سپرد کر دیں گے، اللہ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ (ان پر تیری دست رس نہ ہوگی)

رَبُّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۱۶

تمہارا رب وہی ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا رزق تلاش کرو۔ بے شک وہ تمہارے حال پر بہت مہربان ہے۔ یزجی ہنکاتا ہے، چلاتا ہے۔ فضل تجارتی نفع اور طرح طرح کا وہ رزق جو تمہارے پاس نہیں ہوتا۔ اللہ تم پر مہربان ہے اسی نے تمہارے لئے تمام ضرورت کی چیزیں فراہم کر دی ہیں اور تمہاری مشکلوں کو آسان کر دیا ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا يَأْتِيهِمْ  
کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بجز خدا کے تم جنہوں کی عبادت کرتے تھے، سب غائب ہو جاتے ہیں۔  
الضُّرُّ، یعنی ڈوبنے کا سخت خوف۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے خوف کے وقت تم اللہ کے سوا کسی معبود کو یاد نہیں کرتے، سب باطل معبود تمہارے ذہن سے غائب ہو جاتے ہیں، یہاں یہ مطلب ہے کہ تمام باطل معبود تمہاری مدد کرنے سے غائب ہو جاتے ہیں اور سوائے اللہ کے کوئی تمہاری فریادرسی نہیں کرتا۔

فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۱۷

پھر جب اللہ تم کو ڈوبنے سے بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اللہ کی توحید سے کتر اجاتے ہو اور کافر انسان بڑا ناشکر ہوتا ہے۔ کفوْر نعمتوں کا منکر اور ادائے شکر نہ کرنے والا۔

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَاكِلًا ۝۱۸

سو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے کہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی ایسی آندھی بھیج دے جو کتھر پتھر برسانے لگے پھر کسی کو تم اپنا کار ساز نہ پاؤ۔

یعنی خشکی کے جس حصہ پر تم موجود ہو اللہ اس کو الٹ دے یا تمہاری وجہ سے اس کو الٹ دے اور تم کو اس طرح ہلاک کر دے۔ حَاصِبٌ، وہ آندھی اور طوفان، جس میں سنگریزے بھی اڑ جاتے ہیں اور کہیں سے کہیں جاگرتے ہیں۔ وَرَكِيْلٌ سے اس جگہ مراد ہے بچانے والا، حفاظت کرنے والا، روک دینے والا۔

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا

تَجِدُوا لَكُمْ عَلِيْنًا بِهِ تَبِيْعًا ۝۱۹

یا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دوبار دریا میں ہی لے جائے، پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تم کو



میکائل، اسرافیل اور ملک الموت کے علاوہ سب پر انسان کو فضیلت دے دی گئی ہے۔ کچھ ایگ ہیں کہ آیت میں لفظ کثیر سے کل مراد لیتے ہیں یعنی تمام ملائکہ پر بھی انسان کو فضیلت دی گئی ہے، ایسا استعمال دوسری آیت میں بھی ہوا ہے وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ میں اکثر سے مراد کل لوگ ہیں۔ اس مضمون کی تائید حضرت جابرؓ کی روایت کردہ مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ نے آدم کو اور ان کی ذریت کھپیدا کر دیا تو فرشتوں نے عرض کیا اے رب تو نے ان کو پیدا کر دیا (اس طرح اور ان طاقتوں کے ساتھ کہ) وہ کھائیں گے، پیئیں گے غورتوں سے صحتی قربت کریں گے اور سواریوں پر سوار ہوں گے، پس ان کے لئے تو دنیا (کے عیش) کر دے اور ہمارے لئے آخرت خاص کر دے، اللہ نے فرمایا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کے اندر اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا، اس کو میں اس مخلوق کی طرح نہیں کروں گا جس کو پیدا کرنے کے لئے میں نے کن کہا اور وہ ہو گئی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

### ..... تحقیقی فیصلہ ..... ❁

عام مومن یعنی صالح مومن جو اللہ کے ولی ہیں عام ملائکہ سے افضل ہیں اور جو مومن گنہگار ہیں اولیاء نہیں ہیں تو گناہوں سے پاک صاف ہو جانے کے بعد عام فرشتوں سے افضل بنادئے گئے ہیں کیونکہ گناہوں سے صفائی توبہ کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے اور بغیر توبہ کے مغفرت کے ذریعے سے بھی اور بقدر گناہ سزا پانے کے بعد بھی ہوتی ہے، بہر حال صفائی کے بعد ان کو بھی اولیاء کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا اور جنت میں ان کا داخلہ ہو جائے گا..... اس طرح ان کو بھی عام فرشتوں سے برتری حاصل ہو جائے گی، رہے خاص مومن یعنی انبیاء تو وہ تمام خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں دیکھو اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ سب مخلوق سے بہتر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن اللہ کے نزدیک ان ملائکہ سے بھی جو اس کے پاس ہیں زیادہ عزت والا ہے کذا ذکرہ البغوی۔ ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح آیا ہے مؤمن (یعنی نفس مومن خواہ کسی درجہ کا ہو) اللہ کے نزدیک بعض ملائکہ سے زیادہ عزت والا ہے۔

حضرت مفسر نے فرمایا آیت مذکورہ میں کثیر کا لفظ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں بعض ملائکہ کا لفظ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ بعض مومنین یعنی انبیاء کو تمام ملائکہ پر فضیلت نہیں دی گئی ہے، ہاں بطور مفہوم یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کثیر مخلوق پر بنی آدم کو فضیلت دی گئی اور انبیاءؑ بھی بنی آدم ہیں ان کو بھی کثیر مخلوق پر برتری عطا کر دی گئی۔ سب مخلوق پر فضیلت نہیں دی گئی، یعنی کل ملائکہ پر فضیلت نہیں عطا کی گئی، مگر یہ نفی کل، مفہوم مخالف کے طور پر مترشح ہو رہی ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالف غیر معتبر ہے اور یہاں تو یقیناً مفہوم مخالف مراد ہی نہیں ہے کیونکہ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ میں الْبَرِيَّةِ کا لفظ تمام مخلوق کو شامل ہے جس میں خواص ملائکہ بھی داخل ہیں۔ حقیقت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمام مومنوں کو یعنی ہر مومن کو کثیر مخلوق پر فضیلت عطا کی ہے (یعنی استغراق مجموعی سے مراد ہے استغراق افرادی، اس صورت میں مطلب واضح ہے کہ ہر فرد مؤمن کو کثیر مخلوق پر برتری عطا کی گئی ہے عام مومن کو عام ملائکہ پر اور خاص مومن کو خاص

۱۔ شاید حضرت مفسر سے اس جگہ کچھ تسامح ہوا کہ آیت إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کو انبیاء کی فضیلت عامہ کے ثبوت میں پیش کیا، یہ آیت انبیاء کے لئے مخصوص نہیں، اس میں تمام مومنین صالحین شامل ہیں، انبیاء ہوں یا اولیاء، مومن صالح تو ولی بھی ہوتا ہے۔ پھر حضرت مفسر نے تائید میں جو دو حدیثیں نقل کی ہیں، ان میں بھی صرف انبیاء کا ذکر نہیں ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ مؤمن سے مراد مؤمن صالح ہو۔ قرینہ عبارت یہی بتا رہا ہے لیکن انبیاء کی خصوصیت تو احادیث میں بھی مذکور نہیں، اولیاء بھی تو مومن صالح ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ حضرت مفسر کے نزدیک تو المؤمنین سے مراد جنس مومن ہے جس میں گناہگار مومنوں کا بھی شمول ہے مومن معصوم یا غیر معصوم، تائب یا غیر تائب، عاصی یا غیر عاصی کسی کا بھی ذکر نہیں۔ نفس مومن سب ہی ہیں۔ (مترجم)



ملائکہ پر بھی)۔

اہل سنت کے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خاص خاص انسان ہر فرشتے پر فضیلت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ ملائکہ پر مومنوں کی برتری کا سبب یہ ہے کہ بہائم میں شہوت (یعنی جذبہ) ہے عقل (یعنی حواس سے بالاتر فہم کی طاقت) نہیں ہے اور ملائکہ میں عقل ہے شہوت نہیں ہے ان کی سرشت ہی طاعت پر ہوئی ہے (کوئی داعی معصیت ان کے اندر موجود ہی نہیں ہے) اور انسان کے اندر عقل بھی ہے اور شہوت بھی۔ اب جو عقل سے راہ راست اختیار کرتا اور فرماں بردار بن جاتا ہے اور شہوت کا عقل سے مقابلہ کرتا ہے وہ حقیقت میں راہ خدا کا مجاہد ہے (داعی معصیت کو رد کر دیتا ہے یہ مجاہدہ ہے) اور مجاہدین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ اور جو عقل کو بے کار چھوڑ کر تقاضا شہوت کو پورا کرتا ہے اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ایسے (مفلوج العقل) لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں (چوپایوں کے پاس تو شہوت سے روکنے والی عقل موجود ہی نہیں ہے وہ تو فطر نامعذور ہیں اور ہوا پرست انسانوں کے پاس عقل فطری ہے) اور عقل سے یہ لوگ کام نہیں لیتے۔

یوم نداء کُلِّ اُنَّاسٍ بِاِمَامِهِمْ  
 کریں گے۔ یعنی یاد کرو اس دن کو یا اس روز لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جب سب لوگوں کو ہم حساب فرضی کے لئے طلب کریں گے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا امام سے مراد ہے ہر امت کا نبی۔ ابو صالح اور ضحاک نے کہا وہ الہی کتاب مراد ہے جو ہر امت کو دی گئی تھی۔ ابن مردویہ نے حضرت علیؑ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر امت کو ان کے امام اور ان کے رب کی کتاب کے ساتھ طلب کیا جائے گا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ امام سے مراد ہے ہر قوم کا وہ امام وقت جو اپنی قوم کو گمراہ کرنا یا ہدایت کی طرف بلاتا تھا، اللہ نے دونوں کے متعلق ائمہ کا لفظ فرمایا ہے ایک آیت ہے وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُونَ بِآيَاتِنَا لَعَلِّيَنَّا اَئِمَّةً يَّذْعَبُونَ اِلَى النَّارِ لَعَلِّيَنَّا اَئِمَّةً ضَلَّالَت۔ بعض نے کہا امام سے مراد ہے (باطل فرضی) معبود۔ سعید بن مسیب نے کہا ہر قوم اپنے سردار کے پاس جمع ہوگی، خیر کا سردار ہو یا شر کا۔ حسن اور ابو العالیہ نے کہا امام سے مراد ہیں وہ اعمال جو زندگی میں انسان پہلے ہی بھیج دیتا ہے۔ قتادہ نے کہا آیت بتا رہی ہے کہ امام سے مراد ہے اعمال نامہ، کتاب کو امام کہا جاتا ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَكُلُّ شَيْءٍ اَخَصَيْنَاهُ فِى اِمَامٍ مُّبِين۔ بعض کے نزدیک امام سے مراد وہ طاقتیں ہیں جو انسان کو غلط یا صحیح عقائد و اعمال پر آمادہ کرتی ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا امام ام کی جمع ہے جیسے خفاف خف کی یعنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ لوگوں کو پکارا جائے گا، اس میں حضرت عیسیٰ کا اکرام و اعزاز اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسینؑ کی عظمت کا اظہار مقصود ہو گا اور یہ مصلحت بھی ہوگی کہ اولاد زنا سوانہ ہونے پائے۔ یا مابہم کا مطلب یہ ہے کہ جس نبی یا کتاب یا قائد خیر و شر کی پیروی کی ہوگی، اس کی ساتھ پیروی کرنے والے ہوں گے یا اپنے اپنے اعمال نامے اور صحفے ہاتھوں میں اٹھائے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ امام کے نام کے ساتھ ان کو پکارا جائے گا، مثلاً یوں کہا جائے گا، اے فلاں شخص کی امت اے فلاں شخص کی پیروی کرنے والو، اے فلاں مذہب والو، اے فلاں کتاب والو، اے فلاں نکال اعمال والو، اے مریم کے بیٹے، اے فاطمہ کے بیٹے وغیرہ۔

فَمَنْ اَوْتِيَ كِتَابَهُ بِسَيِّئِهِ فَاُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۱۰﴾

پس جن لوگوں کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے اور ان کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ فتیل (بٹا ہوا) کوہ باریک سونتا جو کھجور کی کھٹلی کے شکاف میں ہوتا ہے، یا وہ میل کی بتی جو آدمی چٹکی سے بٹ کر پھینک دیتا ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ فتیل برابر بھی ان کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ آیت میں صرف ان

لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے دائیں ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن لوگوں کے بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اعمال نامے دیئے جائیں گے (ان کی حالت کچھ اور ہوگی) وہ جب اپنے اعمال نامے پڑھیں گے تو شرمندگی اور حیرت ان پر چھا جائے گی، اتنی کہ زبانوں کو گنگ کر دے گی اور وہ صحیح جواب دینے کے بجائے کہیں گے کاش یہ کتاب مجھ کو نہ دی گئی ہوتی۔ کافروں کا تذکرہ اس آیت میں نہیں نہ ان کے اعمال نامے دینے کا بیان ہے کیونکہ اگلی آیت خود کافروں کی حالت کا اظہار کر رہی ہے۔ فرمایا ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ  
رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔

اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا

بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔ کہ ہذہ سے مراد ہیں اللہ کی وہ نعمتیں جن کا اظہار اللہ نے رَبُّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمْ الْفُلْكَ سے تفضیلاً تک کیا ہے اور فنی الْآخِرَةِ سے مراد آخرت کے معاملے ہیں۔ یعنی اللہ کی ان کھلی ہوئی نعمتوں کو دیکھتے ہوئے جو شخص نابینا رہا، وہ آخرت کے معاملے میں تو بہت ہی زیادہ اندھا ہو گا کیونکہ آخرت کو تو اس نے دیکھا ہی نہیں۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک ہذہ سے دنیا کی طرف اشارہ ہے یعنی جو شخص اس دنیا میں دلائل توحید و حق کو دیکھنے (پچھتم عقل معائنہ کرنے) سے نابینا ہے وہ آخرت میں نجات کا راستہ دیکھنے سے تو بہت زیادہ نابینا ہو گا، نجات کا راستہ اس کو بالکل دکھائی نہ دے گا۔

لفظ اعمیٰ اسم تفصیل کا صیغہ ہے اور تفصیلی معنی ہی مراد ہے، یعنی بہت زیادہ اندھا۔

### ..... ایک شبہ .....

(ثلاثی مجرد سے) اسم تفصیل کا صیغہ افعل کے وزن پر اس وقت آئے گا جب اس کے معنی میں نہ کوئی عیب کا مفہوم ہو نہ رنگ۔ اور اندھا ہونا کھلا ہوا عیب ہے اس لئے اعمیٰ اسم تفصیل کا صیغہ نہیں ہو سکتا اس کا ترجمہ صرف اندھا ہے، زیادہ اندھا ترجمہ غلط ہے۔ اگر رنگ اور عیب والے لفظ سے ثلاثی مجرد میں اسم تفصیل کا صیغہ بنانا ہوتا ہے تو اشد یا اکثر کے لفظ کو ملا کر بناتے ہیں مثلاً بہت اندھا کا عربی میں ترجمہ اشد عمیا ہو گا، اعمیٰ نہ ہو گا۔

### ..... جواب .....

اس جگہ نابینا ہونے سے مراد ہے، دل کا اندھا ہونا اور عقل ہونا اور عقل کی نابینائی معنوی اور باطنی عیب ہے اور جو عیب اسم تفصیل کا صیغہ بنانے سے روکتا ہے وہ ظاہری عیب ہے (پس اعمیٰ سے مراد اگر چشم اس کا نابینا ہو تو یہ اسم تفصیل کا صیغہ نہ ہو گا اور اگر چشم قلب کا اندھا ہونا مراد ہو جیسا کہ اس جگہ ہے تو اعمیٰ اسم تفصیل کا صیغہ ہو گا) اعمیٰ کا لفظ اسی طرح تفصیل کا صیغہ ہے جیسے احمق، ابلہ، اجہل وغیرہ (جہالت، بلاہت اور حماقت باطنی عیوب ہیں ان سے اسم تفصیل کے صغہ بنائے جاتے ہیں)

اور بہت زیادہ گمراہ۔ یعنی دنیا میں جتنا گمراہ تھا اس سے زیادہ گم کردہ راہ آخرت میں ہو گا۔ نہ استعداد ہدایت یابی ہوگی۔ نہ آلات ہدایت یابی ہوں گے۔ نہ ہدایت یابی کی مہلت ہوگی، دنیا میں تو توبہ قبول ہو سکتی تھی آخرت میں توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ یہیہ مطلب ہے کہ اندھے سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہو گا۔

ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے بطریق ابن اسحاق بوساطت محمد بن ابی محمد عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام اور کچھ دوسرے قریشی جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور عرض کیا محمد تم ہمارے معبودوں کو (تعظیماً ذرا) ہاتھ لگا دو ہم سب تمہارے مذہب میں داخل ہو جائیں گے، حضور ﷺ کو اپنی قوم کا مسلمان ہو جانے سے مطلوب تھا، اس لئے دل میں کچھ نرمی پیدا ہونے لگی تھی، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اور یہ کافر لوگ آپ کو اس چیز سے

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ

بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے۔

مؤلف لباب النقول فی اسباب النزول نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ کے نزول کے سبب کے متعلق روایت مندرجہ بالا صحیح ترین روایت ہے جس کا سلسلہ سند کھرا ہے اور اس کی تائیدی شہادتیں دوسری روایات سے بھی ملتی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حجرِ اسود کو چومتے تھے۔ مشرکوں نے کہا ہم آپ کو سنگِ اسود کو چومنے نہ دیں گے تا وقتیکہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں، رسول اللہ ﷺ نے خیال کیا اگر میں ایسا کر لوں تو میرا کیا حرج ہو جائے گا، جب کہ اللہ واقف ہے کہ میں دل سے اس کے خلاف ہوں۔ بغوی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اس روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ حجرِ اسود کو بوسہ کی یہ اجازت دے دیں گے اس کے بعد میں نفرت تو کرتا ہی رہوں گا۔ ابن ابی حاتم نے زہری کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے جبیر بن نفیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اگر آپ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے تو یہ نچلے کمین لوگ اور غلام جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو اپنے پاس سے نکال دیجئے، اس وقت ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے دل میں رسول اللہ ﷺ کچھ ان کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ آیت مذکورہ نازل ہو گئی۔

ابن ابی حاتم نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی نماز میں سورۃ النجم تلاوت کی اور اس میں یہ آیت پڑھی أَفَرَأَىٰ أَنتُمُ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ اس میں شیطان نے آگے آپ ﷺ پر القاء کر دیا تِلْكَ الْغُرَانِيقُ الْعُلَىٰ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَكُنَّ رَجْوَىٰ اس پر آیت مذکورہ الصدر نازل ہوئی، حضور والا برابر عمکین رہنے لگے (کہ یہ کیا الفاظ میری زبان سے بلا اختیار نکل گئے) آخر آیت وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ الْخ نازل ہوئی (اس کے بعد آپ کو تسکین خاطر ہوئی)

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے، لیکن کچھ لوگ اس کو مدنی کہتے ہیں اور مندرجہ ذیل واقعہ کو سبب نزول قرار دیتے ہیں۔ ابن مردویہ نے بوساطت عوفی حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ ثقیف والوں نے خدمت گرامی میں عرض کیا تھا، ہم کو ایک سال کی مہلت عطا فرمادیجئے (ہمارے معبودوں پر نذریں چڑھائی جاتی ہیں) جب ہمارے قبضہ میں وہ بدلیا اور چڑھاوے آچکیں گے جو لوگ ان پر چڑھاتے ہیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مہلت دینے کا ارادہ کر لیا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے (اس لئے ناقابل اعتبار ہے)

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف نسبت کر کے یہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت تین شرطوں پر کرنے کو تیار ہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا وہ کیا شرطیں ہیں وفد والوں نے کہا، پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نماز کے اندر جھکیں گے نہیں۔ دوسری یہ ہے کہ ہم اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم لات (پر چڑھائے جانے والے نذرانوں) سے ایک سال تک تمتع اندوز ہوتے رہیں گے۔ البتہ اس کی پوجا نہیں کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا جس (دین کی عبادت) کے اندر رکوع و سجود نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ رہی یہ بات کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے بتوں کو نہیں توڑو گے تو اس کا اختیار تم کو ہے۔ باقی طاغیہ یعنی لات و عزیٰ پر چڑھائے جانے والے نذرانوں کے تمتع اندوز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے، یا رسول اللہ ﷺ ہماری خواہش ہے کہ عرب یہ کہیں کہ کچھ خصوصی چیز آپ نے ہم کو عطا فرمادی ہے جو دوسروں کو عطا نہیں فرمائی، اب اگر آپ

کو یہ اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے آپ نے ثقیف والوں کو وہ خاص اجازت دے دی جو دوسروں کو نہیں دی تو آپ جو اب میں فرمادیں کہ اللہ نے یہی حکم دیا تھا، حضور ﷺ یہ بات سن کر خاموش ہو گئے.... ان لوگوں نے حضور کے سکوت کو رضامندی سمجھ لیا اور خیال کر لیا کہ آپ ایسا کر دیں گے، اس پر آیت **وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ أَلْعَنَّا لِمَنْ نَزَلَ هُوَ**۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بیچے ہوئے احکام سے نیچے اتار کر آپ کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے قریب پہنچ گئے تھے۔

**لِتَفْتَرِي عَلَيْنَا غَيْرَهَا ۖ وَإِذَا آتَاخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدَّتْ تَرُكُنَ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝**

تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کریں ایسی حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنا دیا ہوتا تو آپ ان (کے مقصد) کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ **لِتَفْتَرِي عَلَيْنَا** کہ آپ ہم پر وہ بات باندھ دیں جو ہم نے وحی کے ذریعے سے آپ کے پاس نہیں بھیجی۔ **إِذَا** اس وقت یعنی جب ایسا کر گزرتے تو وہ آپ کو اپنا رفیق بنا لیتے۔ **وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ** اور اگر ہم آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے اور جمائے نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کے مقصد کو ماننے کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے کیونکہ ان کا قریب سخت اور مکر شدید تھا اور آپ کو ان کے مسلمان ہو جانے کی بہت زیادہ خواہش تھی لیکن ہماری طرف سے آپ کا بچاؤ کر دیا گیا اور آپ ان گوں کے مقصد کی طرف مائل ہونے کے قریب سے بھی بچ گئے، مائل ہو جانا تو بجائے خود رہا **شَيْئًا قَلِيلًا** کا لفظ بتا رہا ہے کہ بجائے خود صلاح و استقامت کی استعداد اور رسول اللہ ﷺ کے اندر اتنی کامل تھی کہ اگر اللہ کی طرف سے عصمت واجبہ نہ بھی ہوتی اور اللہ آپ کو ہر شر سے بچانے کا فیصلہ نہ بھی کر دیتا، تب بھی آپ کی فطرت سلیم اگر گناہ کی طرف مائل ہوتی تو بہت ہی کم میلان ہوتا اور یہ ضروری نہیں کہ گناہ کی طرف ادنی جھکاؤ ہونے کے بعد گناہ کا صدور ہو ہی جاتا اور اب تو احتمال ہی نہیں رہا کہ گناہ کی طرف مائل ہونے کے قریب بھی آپ پہنچ سکتے۔

**إِذَا آذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝**

پھر اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دہرا عذاب چکھاتے پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا۔ یعنی اگر آپ ان کی طرف مائل ہونے کے قریب بھی پہنچ جاتے تو دنیا اور آخرت میں ہم دوسروں سے دو گنے عذاب کا مزہ آپ کو چکھاتے۔ مقصد یہ کہ اس فعل کے مجرموں کو جتنا عذاب ہو گا اس سے دو گنا عذاب آپ پر ہوتا، بڑے مرتبے والے کی تھوڑی فرو گذاشت بھی بڑی ہوتی ہے۔ عذاب حیات سے مراد ہے عذاب دنیوی اور عذاب ممات سے مراد ہے مرنے کے بعد کا عذاب۔ بعض علماء کے نزدیک **ضِعْفَ الْحَيَاتِ** سے عذاب آخرت اور **ضِعْفَ الْمَمَاتِ** سے مراد عذاب قبر ہے۔

یہی نے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے بروایت شہر بن حوشب، عبدالرحمن بن غنم کا بیان نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اگر آپ نبی ہیں تو شام کو جائیے وہ انبیاء کی سر زمین ہے اور محشر کا مقام بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے قول کی تصدیق کی اور غزوة تبوک (سرحد شام) پر تشریف لے گئے۔ تبوک جانے سے آپ کا مقصد شام کو جانا تھا جب تبوک کو پہنچ گئے تو سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

**وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا**  
اور وہ لوگ اس سر زمین سے آپ کے قدم ہی اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔

پھر اللہ نے مدینہ کو واپس جانے کا حکم دیا۔ جبریل نے کہا اپنے رب سے کچھ مانگو ہر نبی کا کوئی ایک سوال قبول ہی کیا جاتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا مجھے مشورہ دیجئے میں کیا دعا کروں، حضرت جبریل نے کہا کہ **قُلْ رَبِّ اذْخُلْنِيْ مَدْخَلَ**

صِدْقٌ وَ آخِرُ جَنِي مُخْرَجٌ صِدْقٌ وَاجْعَلْ لِي مِن لَّدُنكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۔ اس آیت کا نزول شام سے مدینہ کو واپس آنے کے زمانے میں راستہ میں ہوا۔ یہ روایت مرسل اور ضعیف ہے، لیکن ابن ابی حاتم نے سعید بن زبیر کی مرسل روایت اس کی تائید میں نقل کی ہے۔ سعید بن جبیر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، انبیاء تو شام میں رہتے تھے آپ مدینہ میں کیسے ہیں۔ (یہ بات سن کر) رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے (بالکل) روانہ ہو جانے کا ارادہ کر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر کی ایک اور مرسل روایت میں مشرکوں کی جگہ یہودیوں کا لفظ آیا ہے۔ بغوی نے کلبی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینے میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو جلن کی وجہ سے آپ کا مدینہ میں قیام ناگوار ہو اور انہوں نے عرض کیا ابو القاسم آپ واقف ہیں کہ یہ انبیاء کی سر زمین نہیں ہے انبیاء کی سر زمین تو شام ہے وہ مقدس زمین ہے، وہیں پر ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء رہتے تھے، اگر آپ بھی انہی کی طرح نبی ہیں تو شام کو چلے جائے آپ جو شام کی سکونت پسند نہیں کرتے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کو رومیوں سے ڈر لگتا ہے (اور روم کی شام میں حکومت ہے) لیکن اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ رومیوں سے آپ کی ضرور حفاظت کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینے سے نکل کر تین میل کے فاصلے پر اور بقول بعض ذی الحلیفہ میں لشکر گاہ قائم کی تاکہ آپ کے صحابی وہاں جمع ہو جائیں (اور سب تبوک یا شام کی طرف روانہ ہو جائیں) اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مجاہد اور قتادہ کے قول پر یہ آیت مکی ہے اور الارض سے مراد مکہ ہے، مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو روک دیا آخر کار خود ہی ہجرت کا حکم نازل فرما دیا اور آپ نے مدینہ کو ہجرت کر لی۔ بغوی نے کہا یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے مکہ والوں ہی کا حال بیان فرمایا ہے اور سورت بھی مکی ہے۔ یہ قرینہ اس آیت کو مکی قرار دے رہا ہے۔ بعض نے کہا نہ یہودیوں کے ساتھ اس آیت کی تخصیص ہے نہ مشرکوں کے ساتھ بلکہ سارے کافر مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو سر زمین عرب سے اکھاڑ کر باہر نکال پھینکنا چاہتے تھے مگر اللہ نے ان کو ناکام کر دیا اور اپنے رسول کو محفوظ رکھا۔

اور ایسی صورت میں (جب کہ وہ آپ کو ابھار کر مدینہ سے نکال دیتے) وہ بھی بس تھوڑی مدت آپ کے پیچھے یہاں ٹھہرتے زیادہ نہ ٹھہر سکتے اللہ ان کو سخت و بن سے اکھاڑ دیتا۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ جس بات کی پیشین گوئی آیت میں کی گئی ہے ایسا ہو بھی گیا۔ مدینہ کے یہودیوں میں سے بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا اور بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں خیبر کے یہودیوں کو بھی نکال دیا گیا اور مکہ سے رسول اللہ ﷺ کے نکل آنے کے بعد مشرکین مکہ کو بدر میں قتل کر دیا گیا بالآخر تمام غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے نکال باہر کر دیا گیا۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ایسا واقع نہیں ہوا اگر وہ رسول اللہ ﷺ کو ابھار کر مدینہ سے نکال دیتے تو ان کو بھی جڑ سے

اکھاڑ دیا جاتا۔

سُنَّةٌ مِّنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُلْتِنَا تَحْوِيلًا ۝

اور یہی ہمارا ان لوگوں کے ساتھ قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، اور آپ ہمارے اس قاعدے میں تغیر نہیں پائیں گے۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ جاری کر دیا ہے کہ جس امت نے اپنے پیغمبر کو اپنے اندر سے نکال باہر کر دیا، اللہ نے بھی اس امت کو تباہ کر دیا اور چونکہ اللہ کا یہ طریقہ عمل پیغمبروں کی وجہ سے جاری تھا اور آپ بھی پیغمبر ہیں اس لئے اگر آپ کے ساتھ بھی وہ لوگ ایسا سلوک کرتے تو اللہ بھی ان کو تباہ کر دیتا۔ تحویل کا معنی ہے تغیر و تبدل۔

دلوک آفتاب کے وقت نماز قائم کرو۔ حضرت ابن عباسؓ،  
اقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوٰكِ الشَّمْسِ  
حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، عطاء، قتادہ، حسن بصری اور اکثر علماء تابعین کے نزدیک دلوک کا اس جگہ معنی ہے زوال، سورج

ڈھلنا۔ ابن مردویہ نے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے۔ ابن مردویہ اور بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اس کو مرفوع کہا ہے لیکن دلوک سے مراد زوال ہونے کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس لفظ سے ہوتی ہے جو حضرت ابو مسعود انصاری کی روایت سے اسحاق بن راہویہ نے مسند میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے المعرفۃ میں نقل کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل دلوک آفتاب کے وقت جب سورج ڈھل گیا تھا، میرے پاس آئے اور مجھے ظہر کی نماز پڑھائی۔ الحدیث

ذَلِكُ كَالغَوِيِّ مَعْنَى هُوَ مُلْنَا، زَوَالِ كِ وَتِمْتِ وَالْأَشْعَاعُونَ كِ تَابِ نَحْنِ لَا تَاوِرَ آتِمْتِ كِ كُوْلَتَا هِ  
اس لئے دلوک کا معنی ہو گیا زوال۔

بعض علماء کے نزدیک دلوک سے مراد ہے غروب۔ بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول بیان کیا کہ دلوک کا معنی ہے غروب۔ ابراہیم نخعی، مقاتل بن حبان، ضحاک اور سدی کا یہی قول ہے۔ لفظ دلوک کا مفہوم لغوی (جھلنا، ایک طرف کو میلان) زوال کو بھی شامل ہے اور غروب کو بھی، سورج کا جھکاؤ دونوں اوقات میں ہوتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ذَلِكُ الشَّمْسِ دَلُوْكَ سُوْرَجِ ذُوْبِ گِیَا، زَرْدِ پُرْ گِیَا، وَسَطِ آسْمَانِ سِے ڈھل گیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس لفظ کی اصل ساخت انتقال کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہے، دلوک مالش کرنے کو بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ مالش کرنے والے کا ہاتھ ایک جگہ رکتا نہیں۔ جس لفظ کا پہلا حرف دال اور دوسرا حرف لام ہو اس کے معنی میں انتقال کا مفہوم ضرور ہوتا ہے خواہ تیسرا حرف کوئی ہو جیسے دج، دح، دلف، دلہ۔ بغوی نے کہا اول الذکر قول کے قائل بکثرت علماء ہیں اس لئے وہی قابل ترجیح ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر دلوک سے مراد زوال لی جائے تو اس آیت کے اندر نماز کے پانچوں اوقات مجملًا آجائیں گے دلوک شمس سے غروب اللیل تک چار نمازیں اور قرآن الفجر پانچویں نماز۔

إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ  
رات چھا جانے تک، یعنی شفق کے غائب ہو جانے اور تاریکی بھر جانے کے وقت تک۔  
غسق کا معنی ہے بھر جانا۔

قاموس میں ہے غسق شروع رات کی تاریکی۔ غاسق چاندیا رات جب کہ شفق غائب ہو گئی ہو۔ اس آیت میں مجملًا مہما چار نمازوں کا ذکر آگیا، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور وقت فجر کا ذکر آگے کے فقرہ میں کر دیا۔

وَقُرْآنَ الْفَجْرِ  
اور فجر کا قرآن یعنی فجر کی نماز، قرآن کی قرأت نماز کا جزء اہم ہے، اس لئے صلوٰۃ فجر کی تعبیر قرآن الفجر سے کر دی گئی، جیسے رکوع یا سجود بول کر پوری نماز مراد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں اجزاء صلوٰۃ بھی بہت اہم ہیں۔ سورہ نساء کی آیت اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا كِ تفسیر کے ذیل میں ہم نے اوقات نماز کا ذکر کر دیا ہے۔

اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۱۷۰﴾  
بے شک فجر کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے، فجر کے قرآن کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ مشہود حاضر ہونا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جماعت کی نماز تہا نماز پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے اور نماز فجر میں رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اگر تم اس کا ثبوت قرآن سے چاہتے ہو تو پڑھو وَقُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ ط كَانَ مَشْهُودًا (رواہ البخاری وغیرہ)

بیضاوی نے لکھا ہے، صلوٰۃ الفجر کو مشہود کہنے کی یہاں وجہ ہے کہ اس وقت قدرتی شواہد بہت نمایاں طور پر سامنے آجاتے ہیں تاریکی پھٹ کر روشنی نکل آتی ہے اور نیند جس کو اخ الموت کہا گیا ہے، بیداری سے بدل جاتی ہے، یا مشہود کہنے کی یہ وجہ ہے کہ بہت نمازی اس میں حاضر ہوتے ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ کثیر جماعت کو اس میں حاضر ہونا چاہئے۔

بعض علماء نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے نماز کو یعنی مغرب کی نماز کو قائم کرو، غروب آفتاب کے

بعد سے لے کر غَسَقِ اللَّيْلِ یعنی شفق کے غائب ہونے تک۔ اس تفسیر پر آیت میں وقت مغرب کی ابتداء اور اتہام کا بیان ہو جائے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مغرب کا وقت شفق کے ڈوبنے تک باقی رہتا ہے، گویا پوری آیت میں اللہ نے دو نمازوں کا حکم دیا مغرب اور فجر اور (چونکہ یہ دونوں نمازیں دن اور رات کے دونوں کناروں کے اوقات میں واقع ہیں اس لئے) یہ دونوں زیادہ اہم ہیں۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ

اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھو جو تمہارے لئے زائد چیز ہے۔ یعنی نماز کے لئے نیند کو ترک کر دو۔ یہ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے (اور قرآن سے مراد ہے نماز) صاحب قاموس نے لکھا ہے تَهَجَّدَ بِجُودًا (ثلاثی مجرد) اور تَهَجَّدَ (باب تفعیل) سو گیا اور بیدار ہو گیا دونوں معنی کے لئے مستعمل ہے، لغات اضداد میں سے ہے۔ تَهَجَّدَ تَهَجُّدًا (باب تفعیل) بیدار کر دیا اور سلا دیا یہ بھی اضداد میں سے ہے۔ اَتَهَجَّدَ (باب افعال) تَهَجَّدَ کی طرح سو گیا اور سلا دیا (لازم بھی ہے اور متعدی بھی) حاصل بیان یہ ہے کہ جیم کی تشدید اگر (سلب ماخذ اور) ازالہ کے لئے قرار دی جائے تو نیند کو زائل کرنا اور بیدار ہونا مراد ہو گا اور اگر متعدی بنانے کے لئے قرار دی جائے تو سلا دینے کا معنی ہو گا۔

بغوی نے لکھا ہے تہجد جب بیدار ہو جانے کو کہتے ہیں تو یہ سونے کے بعد ہی ہو گا۔ (رات بھر جاگتے رہنے اور نمازیں پڑھنے کو تہجد نہیں کہا جائے گا) میں کہتا ہوں جب تہجد سے مراد ہے نماز کے لئے نیند کو ترک کرنا تو اس کی تینوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بالکل رات کو نہ سونا اور نماز پڑھتے رہنا، شروع رات میں بیدار رہ کر نماز پڑھنا، سو جانا اور پھر بیدار ہو کر نماز پڑھنا۔ مؤخر الذکر صورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزے رکھتے رہے اور آپ نے رات کو کبھی اٹھ کر ہم کو نماز نہیں پڑھائی جب (آخری عشرہ کی) سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چوبیسویں رات آئی) تو آپ ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہوئے یہاں تک کہ نماز میں ایک تہائی رات گزر گئی۔

دوسری رات یعنی (تیس کی طرف سے شمار کرنے میں) چھٹی رات ہوئی تو آپ نہیں اٹھے (تیس کی طرف سے الٹی گنتی کرنے میں) پانچویں رات آئی تو پھر آپ ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کاش حضور ﷺ ہم کو ساری رات یہ نفل نماز پڑھاتے فرمایا آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس ہو جاتا ہے تو پوری رات کا قیام اس کے حساب میں لکھ دیا جاتا ہے جب چوتھی رات (یعنی تیسویں کی طرف سے گنتی کرنے کے بعد جو چوتھی رات پڑتی ہے) ہوئی تو آپ نے ہم کو نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ مہینہ میں تین راتیں رہ گئیں تو تیسری رات کو آپ ﷺ نے سب گھر والوں کو اور بیویوں کو اور دوسرے لوگوں کو جمع کیا اور ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے (اور اتنی طویل نماز پڑھائی) کہ ہم کو فلاح کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا۔ راوی نے حضرت ابو ذرؓ سے دریافت کیا، فلاح سے کیا مراد۔ فرمایا سحری۔ اس کے بعد (باقی دونوں راتوں کو) آپ نے نماز نہیں پڑھائی، رواہ اصحاب السنن۔ ترمذی کی روایت میں ایک لفظ کا تغیر ہے۔

سائب بن یزید نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو جماعت سے گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ (حسب الحکم) امام (نماز میں) پڑھتا تھا اور اس حد تک طول قیام کرتا تھا کہ ہم لاٹھی کا سہارا لیتے تھے اور فجر کے آثار نمودار ہونے کے وقت فارغ ہوتے تھے، رواہ مالک فی الموطأ۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے تھے ہم رمضان میں نماز شب سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ خادم صبح ہو جانے کے اندیشے سے جلد جلد کھانا تیار کرتا تھا۔ رواہ مالک۔ رسول اللہ ﷺ صبح کے قریب تک سفر جاری رکھتے تھے (یعنی سواری پر صبح کے قریب تک نقلیں پڑھتے رہتے تھے)

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ سفر کی حالت میں رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر ہی رات کی نماز پڑھتے تھے، اونٹنی کا

رخ جدھر کو ہوتا (پرواہ نہیں کرتے) اور (رکوع سجود کے لئے) اشارہ کرتے تھے۔ وتر بھی اونٹنی پر ہی پڑھتے تھے ہاں فرائض کے لئے اونٹنی روک کر نیچے اترتے تھے صحیحین۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگوں کی شروع رات کی نماز نفس کو خوب مرتاض بنانے والی ہوتی ہے، کیونکہ سونے کے بعد آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کب بیدار ہوگا۔ البتہ آخر رات میں تہجد پڑھنے کا ثواب شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزولِ رحمت فرماتا ہے۔ (الحدیث)

عبدالرحمن بن عبدالقاری نے بیان کیا ہے کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک رات رمضان کے مہینہ میں مسجد کی طرف گیا، کچھ لوگ الگ الگ متفرق نمازیں پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر جماعت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میں ان سب کو ایک قاری کی امامت پر جمع کر دوں تو بہت ہی اچھا ہوگا، چنانچہ آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو سب کا امام بنا دیا۔ پھر ایک اور رات جو آپ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نئی بات اچھی ہے۔ لوگ رات کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھ کر سو جلیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نماز سے تم سو جلیا کرتے ہو (یعنی آخر شب میں بیدار ہو کر نماز نہیں پڑھتے) وہ اس نماز سے بہتر ہے جو تم پڑھتے ہو (یعنی شروع رات کی نماز سے آخر رات کی نماز افضل ہے) رواہ البخاری۔

### مسئلہ

شروع میں رات کی نماز رسول اللہ ﷺ پر بھی فرض تھی اور امت پر بھی، اللہ نے فرمایا تھایا نایہا المزید فی اللیل الا قلیلاً نصف الخ پھر حکم میں تخفیف کر دی گئی اور پنج وقتہ نماز کی وجہ سے رات کی نماز کی فرضیت امت کے سر سے ساقط کر دی گئی۔ البتہ نماز شب مستحب رہ گئی۔ اللہ نے فرمایا فاقراءوا ما تیسر منہ۔ کیا تہجد کی نماز رسول اللہ ﷺ پر فرض رہی یا آپ کے لئے بھی فرضیت منسوخ ہو گئی، اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر تہجد کا وجوب قائم رہا، منسوخ نہیں کیا گیا، حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے سنت۔ وتر، مسواک اور نماز شب (تہجد) اس قول پر آیت میں تہجد کا حکم وجوبی ہو گا اور نافلة لک کا یہ معنی ہو گا کہ تم پر یہ مزید فرض ہے (دوسروں پر نہیں ہے) میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تہجد کی فرضیت رسول اللہ ﷺ سے بھی ساقط کر دی گئی تھی اور آپ کے لئے تہجد کی نماز مستحب ہو گئی تھی، آیت کا صراحت یہی مفہوم ہے، کیونکہ اگر نافلة کا معنی مزید فرض ہوتا تو لک کی جگہ علیک (تم پر) کہا جاتا جو جب کے بعد علی آتا ہے، لام نہیں آتا۔

### ایک شبہ

تہجد کی نماز نفل تو سب ہی کے لئے ہے پھر آیت میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ہی ذکر کیوں کیا گیا۔

### ازالہ

نوافل سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، یہ حکم ساری امت کے لئے عام ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ معصوم تھے، آپ مرتکب گناہ نہیں ہو سکتے تھے۔ رہیں وہ لغزشیں جن کو ذنوب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ بھی تمام اگلی پچھلی اللہ نے معاف فرمادی تھیں، اب آپ کے نوافل کا کفارہ گناہ بننا تو ممکن ہی نہیں، ہاں آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ تہجد جو آپ کے لئے بھی نافلہ تھی وہ صرف آپ کے لئے ترقی درجات کا ذریعہ تھی (نہ کہ معافی گناہ کا۔ اسی لئے آپ ﷺ کے لئے تہجد کو نافلہ خصوصیت کے ساتھ قرار دیا گیا)

رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی تہجد کا نفل ہونا حضرت مغیرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے، حضرت مغیرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قدر قیام شب کیا کہ آپ کے قدموں پر رزم آگیا، عرض کیا گیا، حضورؐ کو ایسا کرنے کی کیا



ضرورت، اللہ نے آپ کو تو اگلی پچھلی ساری لغزشیں معاف فرمادی ہیں۔ فرمایا، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ حضور ﷺ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ میرے اوپر قیام شب فرض ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ سفر میں رسول اللہ ﷺ علاوہ فرائض کے باقی نمازیں اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وتر بھی سواری پر ہی پڑھتے تھے، اونٹنی کا رخ جس طرف کو ہوتا (کچھ پروانہ کرتے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کے لئے بھی اونٹنی سے نہیں اترتے تھے اور تہجد آپ کے لئے بھی نفل تھا فرض نہ تھا)

### مسئلہ

امت کے لئے تہجد سنت ہے۔ کیا سنت موکدہ ہے یا مستحبہ، میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ تہجد سنت موکدہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس کو پابندی سے ادا کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا اور بیان کیا گیا کہ وہ صبح تک برابر سوتا رہا (تہجد کے لئے) نماز کو نہیں اٹھا، فرمایا، اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ متفق علیہ۔ اگر تہجد سنت موکدہ نہ ہوتا تو اس کو ترک کرنے والا عتاب اور ملامت کا مستحق نہ قرار پاتا۔ تارک مستحب مستحق ملامت نہیں ہوتا۔

### رسول اللہ ﷺ کے تہجد کی کیفیت

حضرت زید بن خالد جہنیؓ کا بیان ہے میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کو غور سے دیکھنا چاہتا تھا اس لئے حضور کے دروازے کی دہلیز پر تکیہ لگائے دیکھتا رہا، آپ اٹھے اور دو خفیف رکعتیں پڑھیں، پھر دو طویل رکعتیں پڑھیں دو طویل رکعتیں، دو طویل رکعتیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اس سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں پھر دو رکعتیں جو ان سے بھی چھوٹی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے بھی کم تھیں اس کے بعد وتر پڑھے یہ کل تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ رواہ مسلم۔ بغوی نے اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب مشکوٰۃ نے پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی والی رکعتوں سے چھوٹی تھیں۔ یہ الفاظ چار بار نقل کئے ہیں (اس طرح کل رکعتیں پندرہ ہو جائیں گی) مشکوٰۃ میں یہ روایت کتاب الحمیدی اور موطا مالک اور سنن ابوداؤد اور جامع الاصول سے لی گئی ہے اس صورت میں وتر سے مراد ایک رکعت ہوگی اور بغوی کی روایت میں تین وتر مراد ہوں گے، غرض کل رکعات تیرہ ہی رہیں گی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رمضان اور غیر رمضان سب میں رسول اللہ ﷺ (رات کی نماز) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پہلی چار رکعتوں کی خوبی اور طول کا حال تو کیا کہنے پھر دوسری چار رکعتوں کی خوبی اور طول بھی ناقابل بیان ہے پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا وتر پڑھنے سے پہلے آپ سو جاتے ہیں، فرمایا، عائشہؓ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ رواہ البخاری و مسلم۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد فجر تک رات میں رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے، اور آخر میں ایک رکعت پڑھتے تھے اور دو سجدے کرتے تھے۔ جن کی مقدار سر اٹھانے سے پہلے اتنی ہوتی تھی کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے۔ اور موذن اذان فجر کہہ کے جب خاموش ہو جاتا اور فجر نمودار ہو جاتی تو آپ اٹھ کر دو خفیف رکعتیں پڑھتے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔ پھر موذن آکر نماز کی اطلاع دیتا، اور آپ نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ کذا ذکر فی الصحیحین۔

حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں جب بھی رسول اللہ ﷺ کو نماز شب میں مشغول دیکھنا چاہتے دیکھ سکتے تھے (یعنی رات میں نماز بھی پڑھتے تھے اور سوتے بھی تھے) یہ بھی حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ کسی مہینے میں آپ اتنے روزے رکھتے کہ ہم خیال کرتے اب اس مہینے میں ناغہ نہیں کریں گے اور روزہ نہ رکھتے تو اتنے ناغہ کرتے کہ ہم کہتے اب اس ماہ میں روزہ نہیں رکھیں گے۔ رواہ النسائی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے وتر اور فجر کی دو رکعتیں اس میں شامل تھیں۔  
رواہ مسلم۔

مسروق کا بیان ہے، میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز شب کے متعلق دریافت کیا، فرمایا فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کبھی سات رکعتیں، کبھی نور کعتیں، کبھی گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں۔ رواہ البخاری۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے رات کو اٹھتے تو دو خفیف رکعتوں سے آغاز کرتے تھے۔ رواہ مسلم۔  
حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ رات کو تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو دو خفیف رکعتوں سے نماز کا آغاز کرے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے گھر سویا، آپ ﷺ نے بیدار ہو کر مسواک کی، پھر آیات **إِن فِی خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** ختم سورت تک تلاوت کیں پھر (وضو کر کے) نماز کو کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں پڑھیں، جن میں قیام، رکوع اور سجود بہت طویل کیا، پھر نماز ختم کر کے سو گئے (اتنی گہری نیند سے) کہ سانس چلنے کی آواز آنے لگی، پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ ایسا تین مرتبہ کیا، کل چھ رکعتیں ہو گئیں، ہر مرتبہ میں اٹھ کر مسواک بھی کرتے تھے اور وضو بھی اور آیات مذکورہ کی تلاوت بھی کرتے تھے، آخر میں تین وتر پڑھے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک بھاری پڑ گیا تو زیادہ تر رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ متفق علیہ۔ حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز شب پڑھتے دیکھا، آپ نے اول تین بار اللہ اکبر فرمایا پھر پڑھا **ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْجَبْرُوتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَۃِ** اس کے بعد نماز شروع کی اور سورہ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا اور تقریباً قیام کے برابر کیا جس میں پڑھتے رہے **رَبِّیْ الْحَمْدُ** پھر سجدہ کیا اور تقریباً قیام کے برابر طویل سجدہ کیا اور سجدے میں **سُبْحَانَ رَبِّیْ الْاَعْلٰی** پڑھتے رہے پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان تقریباً سجدہ کے برابر بیٹھے **رَبِّ اغْفِرْ لِی رَبِّ اغْفِرْ لِی** پڑھتے رہے اس طرح چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورہ بقرہ، آل عمران، النساء اور ماتدہ یا الانعام پڑھیں۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک آیت یعنی آیت **إِن تَعَذَّبْتَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِیزُ الْحَكِیْمُ** پڑھتے رہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ دیر کو لیٹ گئے پھر بیدار ہوئے اور آسمان کے کناروں کی طرف دیکھ کر پڑھا **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا..... إِنَّكَ لَا تَخْلُقُ الْمِیْعَادَ**۔ تک۔ پھر بستر کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسواک نکالی اس کے بعد ایک لوٹے سے پیالہ میں پانی الٹا اور دانتوں پر مسواک کی، پھر نماز کو کھڑے ہو گئے اور میری نظر میں اتنی دیر نماز پڑھی جتنی دیر سوئے تھے۔ نماز کے بعد پھر لیٹ گئے اور میرے خیال میں جتنی دیر نماز پڑھی تھی اتنی ہی دیر سوتے رہے، پھر بیدار ہو کر وہی کیا جو پہلی بار کیا تھا اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ یہ عمل حضور ﷺ نے فجر کی نماز سے پہلے تین بار کیا۔ رواہ النسائی۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ اتنی ہی دیر سوتے جتنی دیر نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر سوتے اتنی ہی دیر نماز پڑھتے پھر نماز کے بقدر سو جاتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی تشریح فرماتے ہوئے ایک ایک حرف الگ الگ پڑھ کر سنایا۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی۔

امید ہے (یعنی امید رکھو) کہ تمہارا رب تم کو مقام **عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝۹** محمود میں جگہ دے گا۔

مقام محمود یعنی ایسا مقام جس کی ستائش اگلے پچھلے سب ہی لوگ کریں گے۔ بغوی نے ابوالکل کی وساطت سے بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنالیا تھا اور تمہارا ساتھی اللہ کا خلیل اور اس

کے ہاں سب مخلوق سے زیادہ عزت والا ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ اس کو عرش پر بٹھالے گا، حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا اللہ کرسی پر متمکن کر دے گا۔ (اول روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود عرش ہے اور دوسری روایت میں صراحت ہے کہ وہ کرسی ہے) صحیح یہ ہے کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔ احمد ابن ابی حاتم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مقام محمود وہ مقام ہے، جہاں میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا۔ حضرت انس کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن مسلمانوں کو روک دیا جائے گا، جس کی وجہ سے ان کو فکر ہوگی اور وہ کہیں گے، کاش ہم کسی سے اپنے رب کے دربار میں سفارش کرا سکتے اور اللہ اس مقام سے ہم کو بچا دیتا، چنانچہ لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر کہیں گے، آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی جنت میں آپ کو جگہ دی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھادیئے آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ اس جگہ سے ہم کو رہائی عطا فرمادے، آدم فرمائیں گے، میں تمہارے لئے اس مقام پر نہیں ہوں، آپ کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے کا اپنا قصور یاد ہوگا، فرمائیں گے تم لوگ نوح کے پاس جاؤ (طوفان کے بعد) وہ پہلے پیغمبر تھے جن کو اللہ نے زمین والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوح فرمائیں گے۔ میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنا وہ قصور یاد ہوگا کہ نادانی میں اپنے بیٹے کے لئے نجات کی درخواست کی، پھر آپ فرمائیں گے تم لوگ ابراہیم خلیل الرحمن کے پاس جاؤ، لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے، آپ فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنے وہ تین جھوٹ یاد ہوں گے جو آپ کی زبان سے نکلے تھے (شاہ مصر کے سامنے حضرت سارہ کو اپنی بہن قرار دینا اور قوم کے ساتھ میلے میں شرکت نہ کرنے کے لئے اپنے کو بیمار کہنا اور بتوں کو خود توڑنے کے بعد قوم کے سامنے یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھو اس نے ایسا کیا ہے) آپ کہیں گے تم لوگ موسیٰ کے پاس جاؤ، ان کو اللہ نے توریت عنایت فرمائی تھی، ان سے کلام کیا تھا، ان کو اپنا مقرب بنا کر خطاب کیا تھا۔ لوگ موسیٰ کے پاس جائیں گے۔ حضرت موسیٰ فرمائیں گے میں اس مرتبے پر نہیں ہوں، آپ کو اپنی وہ غلطی یاد ہوگی کہ ایک آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا تھا، فرمائیں گے تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ، وہ عبد اللہ تھے، رسول اللہ تھے، روح اللہ تھے، کلمہ اللہ تھے، لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے۔ آپ جواب دیں گے، میں اس مقام پر نہیں ہوں، تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرمادی تھیں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب سے اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت کا طلب گار ہوں گا اور اجازت ملنے پر اس کے پاس داخل ہوں گا، اور جوں ہی میری نگاہ اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا محمد سر اٹھا اور (جو کچھ کہنا ہے) بیان کر، تیری بات سنی جائے گی۔ مانگ (جو کچھ مانگنا چاہے) تیرا سوال پورا کیا جائے گا میں سجدے سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد و ثناء کروں گا جو مجھے وہ سکھادے گا، پھر شفاعت کروں گا۔ اللہ میرے لئے ایک حد مقرر کر دے گا (یعنی محدود تعداد کی رہائی کا حکم دے دے گا) میں جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دوں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا اور دوبارہ بارگاہ الہی میں داخلے کی اجازت کا خواستگار ہوں گا اور اجازت مل جائے گی تو اندر داخل ہوں گا اور جو نہی میری نظر اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا، محمد سر اٹھاؤ (اپنا مقصد) بیان کرو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو، تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں سر اٹھاؤں گا اور حسب تعظیم الہی اپنے رب کی حمد و ثنا کروں گا، پھر شفاعت کروں گا، اللہ میرے لئے (دوزخ سے لوگوں کو باہر نکال لانے کی) حد مقرر فرمادے گا، میں بارگاہ خداوندی سے باہر آ کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا (تیسری مرتبہ بارگاہ خداوندی میں داخل ہونا، سجدہ میں گر پڑنا، اللہ کی طرف سے خطاب ہونا، سجدے سے سر اٹھا کر حمد و ثنا کرنا، قیدیوں کی محدود تعداد کو رہا کرنے کا حکم ملنا اور جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دینا بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس حدیث میں

حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہاں تک کہ دوزخ کے اندر سوائے ان لوگوں کے جن کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے جانے کی قرآن نے صراحت کر دی ہے اور) قرآن نے ہمیشہ کے لئے ان کو دوزخ میں روک دیا ہے اور کوئی باقی نہیں رہے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ ہی وہ مقام محمود ہوگا، جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی کے لئے کر لیا ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث شفاعت ذکر کی گئی ہے اس روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح آئے ہیں۔ میں اپنے رب کے پاس داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ میرے دل میں کچھ کلمات حمد القاء کر دے گا، جن سے میں اپنے رب کی حمد کروں گا، اس وقت وہ الفاظ میرے سامنے نہیں (یعنی جو کلمات حمد میں قیامت کے دن مقام شفاعت میں پہنچ کر استعمال کروں گا وہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں) میں انہی الفاظ سے اپنے رب کی حمد کروں گا، پھر سجدہ میں گر پڑوں گا، اللہ فرمائے گا محمد ﷺ سر اٹھاؤ اور جو کچھ گزارش کرنا چاہتے ہو بیان کرو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا یا رب امتی امتی۔ حکم ہوگا جاؤ اور جس کے دل میں جو برابر ایمان ہو اس کو نکال لاؤ۔ میں جا کر حکم کی تعمیل کروں گا۔ پھر واپس آ کر وہ کلمات ثنائیہ حسب سابق عرض کروں گا۔ پھر سجدے میں گر پڑوں گا حکم ہوگا جا کر اس کو نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو۔ میں جا کر ایسا ہی کروں گا۔ پھر حضور ﷺ نے تیسری اور چوتھی مرتبہ جانے اور شفاعت کرنے کا ذکر فرمایا اور فرمایا، میں عرض کروں گا اے میرے رب مجھے ان لوگوں کے نکال لینے کی اجازت دے دے جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے قائل تھے، اللہ فرمائے گا قسم ہے اپنی عزت و جلال کبریا اور عظمت کی جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا قائل تھا میں اس کو ضرور ضرور (دوزخ سے) نکال دوں گا۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ علماء نے اس روایت کی صحت میں قوی شبہ کیا ہے۔ کیونکہ حدیث کا شروع حصہ تو موقف کی تکالیف سے تعلق رکھتا ہے اور آخری حصہ میں شفاعت کا اور دوزخ سے لوگوں کو نکالنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت اور دوزخ سے برآمدگی کا واقعہ تو سب سے آخر میں ہوگا، اس سے پہلے موقف حشر سے جدا ہونا، پل صراط پر گزرنا اور گرنے والوں کا دوزخ میں گرنا ہو چکا ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ کی صحیح روایت میں اس شفاعت کے بعد صراط سے گزرنے کا ذکر آیا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت ابو سعیدؓ کی روایات میں آیا ہے کہ ہر امت کو حکم ہوگا کہ جس کی عبادت کرتے تھے اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ پھر منافقوں کو چھانٹ کر مومنوں سے الگ کر دیا جائے گا، پھر پل صراط قائم کیا جائے گا اور لوگ اس پر سے گزریں گے، پھر شفاعت کرنے اور دوزخ سے نکالنے کا حکم ہوگا، گویا سب سے پہلے حکم ہوگا کہ ہر امت اپنے معبود کے پیچھے چلی جائے اس کے بعد موقف کی تکالیف سے نجات اور دوزخ سے نکالنے کا اور شفاعت کا حکم ہوگا، قاضی عیاض اور نووی نے یہی ترتیب ذکر کی ہے۔

میں کہتا ہوں حدیث مذکورہ الصدر میں کچھ اختصار ہے اول اس شفاعت کا ذکر ہے جو میدان قیامت اور موقف کی شدتوں سے رہائی دلانے کے لئے ہوگی اور آخر میں دوزخ سے رہائی کے لئے شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے دو قسم کی شفاعتوں کا ذکر دوسری احادیث میں بھی آیا ہے۔

میرے نزدیک حدیث میں جو فی دَارِہِ آیا ہے اس سے مراد جنت ہے اللہ کا دیدار صرف جنت میں ہی ہوگا (یعنی میدان حشر مراد نہیں ہے) اللہ کا مکان یا بارگاہ جنت سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اللہ کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑنا یقیناً جنت کے اندر ہی ہوگا۔ بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ لوگ تیزی کے ساتھ ادھر سے ادھر جائیں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گی اور اس سے شفاعت کی خواستگار ہوگی آخر میں شفاعت کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہوگا یہ وہی ہوگا کہ اللہ آپ کو مقام محمود میں کھڑا کر دے گا۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ سورج قریب آجائے گا اتنا کہ (اس کی گرمی سے) پسینہ آدھے کانوں تک آجائے گا، اسی

حالت میں لوگ حضرت آدمؑ سے فریاد کریں گے۔ حضرت آدمؑ فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں، پھر آخر میں محمدؐ کی نوبت آئے گی اور وہ شفاعت کریں گے اور اللہ فیصلہ کرے گا، محمدؐ جا کر جنت کا دروازہ پکڑ لیں گے اس روز اللہ ان کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا، یہ مقام ایسا ہو گا کہ میدانِ قیامت میں جمع ہونے والے سب لوگ اس کی تعریف کریں گے۔

بزار اور بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا مگر کوئی کسی سے بات نہیں کرے گا، سب سے پہلے محمدؐ کو پکارا جائے گا آپ جواب دیں گے لَبَّيْكَ میں حاضر ہوں وَسَعَدَيْكَ اور حاضری کی سعادت حاصل کر رہا ہوں وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ (اور ہر بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے) وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ (اور کسی شر کی نسبت تیری طرف نہیں ہے) وَالْمَهْدِيُّ مِنْ هُدَيْتٍ (اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تونے ہدایت کر دی) وَعَبْدُكَ بَيْنَ يَدَيْكَ (اور تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے) وَبِكَ وَالْإِيكَا (اور تیرے ہی سبب سے وہ موجود ہوا اور تیری ہی طرف اس کا رجوع ہے یعنی مخلوق کا آغاز بھی تجھی سے ہے اور سب کی واپسی بھی تیری ہی طرف ہے) لَا مَنجَاءَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ (تجھ سے کسی کو مفر نہیں تجھ سے بھاگ کر ہر ایک کا تیری ہی طرف فرار ہے) تَبَارَكَتَ وَتَعَالَيْتَ رَبُّ النَّبِيِّتِ (اے کعبے کے مالک تو برکت والا اور سب سے بالاتر ہے) اس وقت آپ شفاعت کریں گے، یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا۔

ترمذی نے باسناد حسن اور ابن خزیمہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا، میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور (میرا یہ قول) فخر نہیں ہے۔ اور (قیامت کے دن) حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا اور یہ قول بھی فخر نہیں ہے اس روز ہر بنی آدم ہوں یا دوسرے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ زمین پھٹ کر سب سے پہلے میں ہی برآمد ہوں گا اور یہ بات بھی (میری طرف سے) فخر نہیں ہے (اس روز) لوگوں پر تین ہیبتیں اور گھبراہٹیں ہوں گی، لوگ آدم کے پاس جائیں گے اور شفاعت کے خواستگار ہوں گے اور کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں ہماری سفارش کر دیجئے، حضرت آدمؑ جواب دیں گے میں نے ایک بڑا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے زمین پر اتار دیا گیا تم نوح کے پاس جاؤ، نوح کے پاس جب لوگ جائیں گے تو وہ جواب دیں گے میں نے سب زمین کے باشندوں کے ہلاک کرنے کی بددعا کی تھی اور وہ میری بددعا سے ہلاک بھی کر دیئے گئے تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ، لوگ ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے، حضرت ابراہیمؑ فرمائیں گے، میں نے تین باتیں جھوٹی کہی تھیں۔ رسول اللہؐ نے اس جگہ فرمایا، انہوں نے کوئی بات جھوٹی نہیں کہی بلکہ جو بات بھی بشکلِ کذب کہی اس کا مقصد بنی انہی کی طرف سے مدافعت تھی تم موسیٰ کے پاس جاؤ موسیٰ کہیں میں نے کونسا کوئی گناہ کیا ہے؟ اور حضرت عیسیٰ کہیں گے میری تو اللہ کے سوا پوجا ہونے لگی تھی لوگوں نے مجھے میرے بعد معبود بنا لیا تھا تم لوگ محمدؑ کے پاس جاؤ، لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا اور جنت کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر کھٹ کھٹاؤں گا، دریافت کیا جائے گا کون ہے میں کہوں گا محمدؐ، دروازہ کھول دیا جائے گا اور (فرشتے) کہیں گے مرحبا، میں سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ میرے دل میں اپنی حمد و ثنا اور مجد القاء فرمادے گا اور حکم ہو گا اپنا سر اٹھاؤ۔ مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، اظہارِ مدعا کرو تمہاری بات سنی جائے گی، یہ ہی مقام مقام محمود ہو گا۔

قرطبی نے کہا تین ہیبتیں اور گھبراہٹیں میرے خیال میں اس وقت ہوں گی جب دوزخ کو لگاموں میں پکڑ کر کھینچ کر لایا جائے گا اور لوگ اس کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں گے۔

ابن خزیمہ اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سلمان کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی (مجموعی) گرمی دے دی جائے گی اور کھوپڑیوں کے قریب لے آیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث میں آیا ہے کہ لوگ رسول اللہؐ سے آکر ملیں گے اور شفاعت کی خواہش کریں گے، حضورؐ فرمائیں گے ہاں میں تمہارا ساتھ دوں گا، چنانچہ آپ چل کر جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کھٹ کھٹائیں گے، دریافت کیا

جائے گا کون ہے، آپ جواب دیں گے محمد ﷺ۔ دروازہ کھول دیا جائے گا، آپ ﷺ اللہ کے سامنے جا کر کھڑے ہو جائیں گے اور سجدہ کریں گے، ندا آئے گی اپنا سر اٹھاؤ مانگو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ یہ ہی وہ مقام محمود ہوگا (جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے)

قرطبی نے یہ حدیث نا تمام ذکر کی ہے لیکن ابن ابی حاتم نے السنۃ میں اور ابن ابی شیبہ نے پوری حدیث بیان کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ جس کے دل میں گہبوں کے دانہ کے بقدر یا جو کے دانہ کے برابر یا انی کے دانہ کے برابر ایمان ہو گا اس کے حق میں شفاعت قبول کر لی جائے گی پس یہی مقام محمود ہوگا۔ طبرانی نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ لوگوں کو اٹھائے گا۔ میں اور میری امت اس روز ایک ٹیلہ پر ہوں گے اور میرا رب مجھے ایک سبز جوڑا پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور میں اللہ کی ثناء کروں گا ان الفاظ کے ساتھ جن کا وہ مستحق ہے، مقام محمود یہ ہی مقام ثناء ہے۔

### فائدہ

شفاعت کبریٰ کے متعلق متعدد احادیث مفصل آئی ہیں۔ بزار، ابو عوانہ، ابو یعلیٰ اور ابن حبان نے حضرت ابو بکر صدیق کی روایت سے، شیخین وغیر ہم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے، احمد اور ابو یعلیٰ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے مسلم اور حاکم نے حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے طبرانی، ابن مبارک اور ابن جریر نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے یہ احادیث بیان کی ہیں۔ سورۃ ابراہیم کی آیت وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ كَيْفَ تَصْرَعُ هُمْ نے کر دی ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے یہ ہی شفاعت عامہ جس کا حق صرف رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث میں مراد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، ہر نبی کو ایک مقبول دعا کا اختیار دیا گیا، چنانچہ ہر نبی نے اسی زندگی میں اپنی دعا میں عجلت کر لی، لیکن میں نے اپنی امت کی شفاعت کے لئے اپنی دعا کو بچائے رکھا اور یہ شفاعت موقف والوں کے لئے ہو گی (یعنی میدان حشر میں جن کو روک لیا گیا ہو گا ان کی رہائی کے لئے شفاعت ہو گی) قرطبی نے کہا یہ شفاعت اس لئے ہو گی کہ ان کو موقف کی ہولناکی سے نجات مل جائے اور جلد حساب فہمی ہو جائے۔

میرے نزدیک اس شفاعت سے جو رسول اللہ ﷺ نے امت کے لئے بچائے رکھی ہے تیسری شفاعت مراد ہے جو گناہ گاروں کو دوزخ سے نکلنے کے سلسلے میں ہو گی، رسول اللہ ﷺ کو تین شفاعتوں کا حق ہو گا۔ ابن جریر نے تفسیر میں، طبرانی نے المطولات میں، ابو یعلیٰ نے مسند میں، بیہقی نے البعث میں، ابو موسیٰ مدینی نے المطولات میں، علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ و العصیان میں اور ابوالشیخ نے کتاب العظمتہ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں صور کی پیدائش کا، پھونکے جانے کا، نفخہ خوف و بیہوشی کا، قبروں سے اٹھنے کا اور آخر میں اہل جنت کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخلے کا بیان ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کی گردنوں پر لکھا ہو گا یہ وہ دوزخی ہیں جن کو رحمن نے خود دوزخ سے آزاد کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس حدیث کو مختصراً نقل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں کو ایک جگہ روک کر کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کا مدت تک کچھ فیصلہ نہ ہو گا، لوگ چیخ پڑیں گے اور سفارش کے طلب گار ہوں گے۔ پہلے آدم کے پاس جائیں گے۔ حضرت آدم فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں، غرض یہ لوگ ایک کے بعد دوسرے نبی کے پاس اور دوسرے کے بعد تیسرے نبی کے پاس اس طرح متعدد انبیاء کے پاس جائیں گے اور ہر ایک شفاعت کرنے سے انکار کر دے گا، یہاں تک کہ میرے پاس آئیں گے، میں ان کے ساتھ چل دوں گا اور عرش کے سامنے پہنچ کر سجدہ میں گر پڑوں گا، باوجود یہ کہ اللہ بخوبی عالم ہے، لیکن دریافت فرمائے گا تیری کیا ضرورت ہے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب، تو نے مجھ سے (حق) شفاعت عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا اب اپنی مخلوق کے سلسلے میں میری سفارش قبول فرما اور ان کا فیصلہ کر دے (انتظار میں روکے نہ رکھ) اللہ فرمائے گا میں نے تیری سفارش قبول کی، میں آخر تمہارا

فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ اس طویل حدیث میں چوپایوں اور وحشی جانوروں کے فیصلہ کا بھی ذکر ہے۔ پھر انسانوں کے باہمی حقوق اور قتل و خون کا فیصلہ ہوگا (یہ بھی حدیث میں مذکور ہے) پھر حکم ہوگا، ہر شخص یا ہر امت اپنے اپنے معبودوں سے جا ملے، سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ ہو جائیں گے صرف مومن رہ جائیں گے جن میں منافق بھی شامل ہوں گے۔ یک دم اللہ اپنی پنڈلی کھول دے گا تو مومن فوراً سجدہ میں گر پڑیں گے اور ہر منافق گدی کے بل پیچھے گرے گا (اس کی کمر نہیں جھکے گی) گائے کی پشت کے مہروں کی طرح اس کی پشت ہو جائے گی۔ پھر پل صراط قائم کیا جائے گا اور لوگ اس پر سے گزریں گے۔ کچھ لوگ تو بالکل بے داغ بیچ جائیں گے، بعض لوگوں کے کچھ خراشیں لگ جائیں گی مگر بیچ وہ بھی جائیں گے اور پل کے پار ہو جائیں گے اور کچھ آدمیوں کے چہرے آنکڑوں سے زخمی ہو جائیں گے اور وہ آگ میں گر پڑیں گے۔ جب اہل جنت جنت تک پہنچ جائیں گے تو اندر داخل ہونے کے لئے پھر کسی شفیع کے طلب گار ہوں گے کہ کوئی سفارش کر کے ان کو جنت میں داخلے کی اجازت دلوادے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے باپ آدم کے پاس پہنچیں گے۔ حضرت آدم اپنے گناہ کو یاد کر کے کہیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں ہے، تم نوخ کے پاس جاؤ۔ لوگ نوخ کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوخ بھی حضرت آدم کی طرح جواب دے دیں گے، پھر لوگ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کے پاس جائیں گے اور ہر ایک ایسا ہی جواب دے دے گا بالآخر میرے پاس آئیں گے۔ مجھے اللہ سے تین شفاعتوں کا حق ملا ہوا ہے اس نے مجھ سے اس کا وعدہ فرمایا ہے، میں جنت کی طرف جا کر دروازے کی زنجیر پکڑ کر دروازہ کھولنے کی درخواست کروں گا دروازہ کھول دیا جائے گا اور جو نہی نظر اٹھا کر اپنے رب کی طرف دیکھوں گا، فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اللہ مجھے اپنی حمد و ثنا اور بزرگی بیان کرنے کی ایسی مخصوص اجازت عطا فرمائے گا جو کسی کو نہیں دی ہوگی، پھر فرمائے گا، محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا، میں عرض کروں گا اے میرے رب تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے۔ اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا۔

اسی حدیث میں ہے کہ جب دوزخ میں گر جائیں گے اور ایک کثیر مخلوق اس میں چلی جائے گی جن کو ان کے اعمال نے وہاں باندھ رکھا ہوگا تو ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے کہ صرف قدموں تک ان کے آگ ہوگی، اس سے اوپر نہ ہوگی۔ کچھ لوگوں کے نصف پنڈلیوں تک آگ ہوگی، کسی کے زانو تک آگ ہوگی، کسی کی کمر تک ہوگی اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ سوائے چہروں کے باقی تمام بدن کو آگ نے پکڑ لیا ہوگا۔ صرف ان کے چہرے اللہ نے آگ کے لئے حرام کر دیئے ہوں گے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت کے کچھ لوگ آگ میں ہیں، اللہ فرمائے گا جن کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو۔ حسب الحکم وہ لوگ نکال لئے جائیں گے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، اس کے بعد اللہ شفاعت کی اجازت دے دے گا اور کوئی پیغمبر اور شہید ایسا نہ ہوگا جو شفاعت نہ کرے، اللہ حکم دے گا جن دلوں میں تم دینار برابر ایمان پاؤ ان کو نکال لو۔ پھر (توبت بنوبت) فرماتا جائے گا، جس کے دل میں دو تہائی دینار، نصف دینار، چہارم دینار، ایک قیراط۔ رانی کے ایک دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو بھی نکال لو یہاں تک کہ دوزخ کے اندر جب کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا، جس نے اللہ کے لئے کوئی بھلائی کبھی کی ہو اور ہر شفاعت کا حق رکھنے والا شفاعت کر چکے گا تو اللہ فرمائے گا، اب میں رہ گیا اور میں ارحم الراحمین ہوں۔ یہ فرمانے کے بعد اللہ اپنا ہاتھ جہنم میں ڈال دے گا اور بے شمار مخلوق کو جہنم سے نکال لے گا۔ ان کے جسم سوختے ہو کر کونلے کی طرح ہو گئے ہوں گے (الحدیث)

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کے بعض اجزاء میں نکارت ہے اور روایت کا مدار اسماعیل بن رافع قاضی مدینہ پر ہے۔ اس حدیث کی روایت کی وجہ سے اسماعیل بن رافع کے ثقہ ہونے میں بھی لوگوں کو کلام ہو گیا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ متفرق اسنادوں اور طریقوں سے روایت کئے ہوئے مختلف اجزاء کو اسماعیل نے یکجا کر دیا ہے اور مسلسل ایک حدیث بنا دیا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ مدینی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اس کی سند میں بھی گو بعض راوی ایسے ہیں جن کے متعلق کلام کیا گیا ہے

لیکن حدیث کے متفرق اجزاء جن اسنادوں سے نقل کئے گئے ہیں وہ سندیں بجائے خود ثابت ہیں۔

ابن عربی اور قرطبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تصویب کی ہے۔ لیکن بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ صحیح بن سلام بصری نے اپنی تفسیر میں کلبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جا چکیں گے تو اہل جنت یعنی اہل ایمان کا ایک آخری گروہ دوزخ میں رہ جائے گا جن کو آگ کامل طور پر جلا چکی ہوگی دوزخی کافر مشرک منافق کہیں گے ہم تو شک اور کفر کی وجہ سے پکڑے گئے مگر تم کو بھی تمہارے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا یہ (طنز) سن کر وہ لوگ چیخ پڑیں گے جن کی آواز جنت والے بھی سن لیں گے اور حضرت آدمؑ کے پاس جا کر شفاعت کے طلب گار ہوں گے۔ اہل آخر الحدیث۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ وہ لوگ محمد ﷺ کے پاس جائیں گے، محمد ﷺ بارگاہ رب العزت میں پہنچ کر سجدہ کریں گے اور عرض کریں گے تیرے کچھ بندے ایسے ہیں جو ہیں تو گناہ گار مگر تیری توحید میں انہوں نے شک کبھی نہیں کیا۔ مشرکوں نے ان کو تیرے پرستار ہونے کا طعنہ دیا۔ اللہ فرمائے گا اپنی عزت کی قسم میں ان کو دوزخ سے ضرور ضرور باہر لے آؤں گا۔ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ (یعنی جنت میں پہنچنے کے بعد لوگوں کا موحد گناہ گاروں کے لئے شفاعت کا طلب گار ہونا) اگر ثابت ہو جائے تو دور اور دی نے جو حدیث شفاعت پر شبہ کیا ہے کہ موقف کی شدت سے بچانے کے لئے شفاعت ہوگی وہ شبہ حل ہو جائے گا، لیکن حقیقت میں یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح احادیث کے صراحتہ خلاف ہے۔ انبیاء سے درخواست شفاعت تو اس وقت کی جائے گی، جب لوگ موقف قیامت میں ہوں گے، اور مومن جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوئے ہوں گے۔ سیوطی نے لکھا ہے دونوں روایتوں کا تعارض اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار موقف کی شدت سے رہائی کے لئے مومن طلب گار شفاعت ہوں گے اور دوسری بار جنت کے اندر پہنچ کر دوزخی مومنوں کو دوزخ سے نکلوانے کے لئے سفارش کی درخواست کریں گے۔

میں کہتا ہوں تین مرتبہ لوگ شفاعت کے طلب گار ہوں گے ایک بار موقف سے رہائی کے لئے، دوسری بار جنت میں داخل ہونے کے لئے اور تیسری بار دوزخ کے اندر باقی ماندہ مومنوں کے خلاصی کے لئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ میرے رب کے سامنے تین شفاعتوں کا حق ہوگا، جن کا اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تین بار آپ شفاعت کریں گے اور مقام محمود مقام شفاعت کا ہی نام ہے، خواہ کوئی سی شفاعت ہو (گویا شفاعتیں متعدد ہوں گی مقام شفاعت ایک ہی ہوگا اور اسی کو مقام محمود کہا گیا ہے)۔

### مسئلہ

معتزلہ کافر کہ اور خوارج شفاعت کے منکر ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کے مر جائے گا تو ہمیشہ کے لئے دوزخی ہو جائے گا، اس کی کوئی شفاعت نہ ہوگی نہ کبھی اس کو دوزخ سے رہائی ملے گی۔ لیکن ثبوت شفاعت کے لئے اتنی کثرت سے صحیح احادیث آئی ہیں کہ حد تو اتر کے قریب پہنچ گئی ہیں، بلکہ تو اتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

مسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول ذکر کیا ہے رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول ذکر کیا ان تَعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا، امتی امتی، پھر رو دیئے۔ اس پر اللہ نے فرمایا جبرئیلؑ جا کر محمد ﷺ کو یہ پیام پہنچادے کہ تمہاری امت کے معاملے میں تم کو راضی کر دیں گے، دکھ نہیں پہنچائیں گے۔

بزار نے الاوسط میں اور ابو نعیم نے اچھی سند کے ساتھ حضرت علیؑ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا، یہاں تک کہ میرا رب پکار کر فرمائے گا محمدؐ کیا تو خوش ہو گیا، میں عرض کروں گا جی ہاں میرے رب، میں راضی ہو گیا۔



ایک حدیث ہے، حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کو انتخاب کر لینے کا اختیار عطا فرمایا، ایک یہ کہ وہ میری آدمی امت کو بلا حساب کے جنت میں داخل فرمادے گا دوسری یہ کہ وہ مجھے حق شفاعت عطا فرمادے گا۔ میں نے حق شفاعت کو لینا پسند کر لیا، اب میری شفاعت ہر مسلمان کے لئے ہوگی۔ دوسری روایت میں آیا ہے، میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہوگی جو شرک پر نہ مراہو (مرتے وقت مشرک نہ ہو) یہ حدیث عوف بن مالک انجمی کی روایت سے ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان، بیہقی اور طبرانی نے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور امام احمد، بزار اور طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس روایت کے آخر میں ہے کیا تم متقیوں کے لئے میری شفاعت خیال کرتے ہو، نہیں شفاعت تو گناہ گاروں، خطاکاروں اور معصیت کے ساتھ آلودہ لوگوں کے لئے ہوگی۔

ایک حدیث میں فرمایا، میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جو کبیرہ گناہوں والے ہوں گے، رواہ ابو داؤد و الترمذی و الحاکم و بیہقی عن انس بن مالک و الطبرانی و ابو نعیم عن عبد بن بشر بمعناہ۔ و الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمرؓ نحوہ و الطبرانی فی الکبیرہ عن ام سلمہؓ بمعناہ و الترمذی و الحاکم عن جابرؓ بمعناہ و عن کعب بن عجرہ عن طاؤس۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل حسن ہے۔ شِفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ كِي عِبَارَتٍ تَالِعِينَ فِيهَا بَهْتٌ زِيَادَةٌ شَالِحٌ تَحِي۔ ان الفاظ سے اصل روایت کی تائیدی شہادت ہو جاتی ہے۔

ابن ابی حاتم نے السننہ میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں برابر اپنے رب سے شفاعت کرتا رہوں گا اور وہ میری سفارش قبول فرماتا جائے گا یہاں تک کہ آخر میں عرض کروں گا، اے میرے رب جو لوگ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے قائل تھے ان کے متعلق میری شفاعت قبول فرمالے۔ اللہ فرمائے گا، محمدیہ اختیار نہ تمہارا نہ کسی اور کا یہ صرف میرا اختیار ہے قسم ہے اپنی عزت و جلال اور رحمت کی۔ میں کسی ایسے شخص کو جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا تھا دوزخ میں نہیں چھوڑوں گا۔

ایک حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا، میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے بہترین آدمی ہوں میری امت کے جو برے لوگ ہیں ان کو میری شفاعت سے اللہ جنت میں داخل فرمادے گا اور جو اچھے لوگ ہیں ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے جنت میں لے جائے گا۔

طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں قیامت کے دن (سب) لوگوں کا سردار ہوں گا۔ (اور میرا یہ قول) بغیر فخر کے ہے قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشائش کا امیدوار ہوگا میرے ساتھ لوئے الحمد ہوگا، لوگوں کو ساتھ لے کر میں جنت کے دروازہ تک جاؤں گا اور دروازہ کھلوانے کی درخواست کروں گا، دریافت کیا جائے گا کون ہے، میں عرض کروں گا محمدؐ ہے، حکم ہوگا، خوش آمدید محمدؐ۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اداء شکر کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا، حکم ہوگا اپنا سراٹھاؤ، اظہارِ مدعا کرو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا۔ شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی، مجرم اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جہنم کی طرف جا کر اس کا دروازہ بجاؤں گا، دروازہ کھول دیا جائے گا۔ میں اندر چلا جاؤں گا۔ اور اللہ کی ایسی ثنا کروں گا کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے ثنا کی ہوگی نہ میرے بعد کوئی کرے گا پھر اس کے اندر سے ہر اس شخص کو نکال لاؤں گا جو خلوص کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا قائل تھا کچھ قریشی میری طرف اپنا رشتہ قرابت بتاتے ہوئے بڑھیں گے لیکن میں ان کو دوزخ میں ہی چھوڑ دوں گا۔ بخاری نے حضرت

عمران بن حصینؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ کہ کچھ لوگ محمد ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے وہ جنت والوں میں جہنمی کہلائیں گے۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت آئی ہے کہ شفاعت کی وجہ سے اللہ کچھ لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اس قبلہ والوں میں سے اتنے لوگ اپنی گناہ گاری اور معصیت کوشی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے کہ ان کی گنتی سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی تو میں سجدہ میں پڑ کر اللہ کی ویسی ہی ثنا کروں گا جیسی کھڑا ہو کر کروں گا حکم ہو گا اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو جو کچھ مانگنا چاہو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔

احمد اور طبرانی نے ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرمائے گا۔ محمد ﷺ میں نے جو بھی نبی یا رسول بھیجا اس نے مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگا اور میں نے وہ مانگ اس کی پوری کی، محمدؐ تم بھی مانگو تم کو تمہاری مانگ دی جائے گی۔ میں عرض کروں گا میری مانگ اپنی امت کے لئے قیامت کے دن شفاعت کرنے کی ہے، حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شفاعت کیسی۔ فرمایا میں عرض کروں گا، اے میرے رب مجھے وہ شفاعت عطا فرما، جو میں نے تیرے پاس محفوظ رکھی تھی، اللہ فرمائے گا ہاں پھر میری باقی امت کو بھی جنت میں داخل فرمادے گا۔

صحیحین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت انسؓ و حضرت جابرؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے اور بزار و بیہقی نے حضرت عبد الرحمن بن عقیلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے، چنانچہ ہر نبی نے اپنی دعا میں عجلت کی (اور وہ قبول کر لی گئی) مگر میں نے اپنی دعا امت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھ چھوڑی۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث معنی کے لحاظ سے متواتر ہے۔

صحیحین میں حضرت عمر فاروقؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو (کتھرا زانی و زانیہ کو) سنگ سار کرنے کے حکم کی اور خروج دجال کی تکذیب کریں گے اور مغرب کی جانب سے آفتاب کے طلوع ہونے کی خبر کو بھی نہیں مانیں گے اور عذاب قبر کے بھی منکر ہوں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے اور اس بات کو بھی نہیں مانیں گے کہ کچھ دوزخیوں کو دوزخ کے اندر سوختہ ہو جانے کے بعد نکالا جائے گا۔ اور پھر ان کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

سعید بن منصور اور بیہقی اور ہناد نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا کہ جو شفاعت کا قائل نہ ہو گا اس کو شفاعت نصیب نہ ہوگی اور جو رسول اللہ ﷺ کے حوض کو نہ مانے گا اس کو حوض سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

ابو نعیم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی۔

(۱) مرجہم (وہ فرقہ جو کہتا ہے کہ اعمال ہیچ ہیں اگر ایمان دل میں ہے تو کوئی بد عملی آخرت میں ضرر رساں نہ ہوگی، کوئی مومن خواہ کتنا ہی بد کردار ہو دوزخ میں نہیں جائے گا)

(۲) قدریہ (وہ فرقہ جو قائل ہے کہ ہم اپنے اعمال کے خود خالق ہیں اور تقدیر اعمال کوئی چیز نہیں ہم جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں خیر ہو یا شر)

بیہقی نے شیب بن ابی فضلہ مکی کی روایت سے بیان کیا کہ لوگوں نے حضرت عمران بن حصینؓ کے سامنے شفاعت کا تذکرہ کیا ایک شخص بولا ابو نعیم (حضرت عمران کی کنیت) آپ لوگ کچھ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہم کو

قطعاً نہیں ملتا۔ حضرت عمران کو غصہ آگیا اور فرمایا تو نے قرآن پڑھا ہے اس شخص نے کہا جی ہاں فرمایا کیا قرآن میں تو نے نماز عشاء کی چار کعتیں، مغرب کی تین کعتیں، فجر کی دو کعتیں، ظہر کی چار کعتیں اور عصر کی چار کعتیں، کہیں پائی ہیں اس شخص نے کہا نہیں فرمایا پھر کس سے تم نے یہ باتیں سیکھیں کیا ہم سے نہیں لیں۔ ہم نے یہ تفصیل رسول اللہ ﷺ سے ہی تو حاصل کی، کیا تم نے ہر چالیس درہم میں زکوٰۃ کا ایک درہم اور اتنی بکریوں میں سے ایک بکری اور اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ قرآن میں کہیں لکھایا، اس شخص نے کہا نہیں۔ فرمایا تم نے قرآن میں وَلَيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ تو دیکھ لیا لیکن کیا یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ سات مرتبہ طواف کرو اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھو یہ باتیں تم نے کس سے لیں کیا ہم سے نہیں لیں اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیں، لوگوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہے، فرمایا کیا قرآن میں تم نے کہیں پایا کہ شہر سے باہر نکل کر دیہات سے غلہ لانے والوں کا غلہ راستے میں ہی نہ خرید لیا کرو۔ جلب کی اجازت نہیں اور نہ تور کا نکاح صحیح کونئی شخص اپنی بہن بیٹی کا نکاح اس شرط پر کسی سے کر دے کہ وہ اپنی بہن بیٹی کا نکاح معاوضہ میں اس کے ساتھ کر دے، اور میر کسی عورت کا کچھ نہ ہو اس کو شغاریا تور کا نکاح کہتے ہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں (لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اللہ نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (رسول اللہ ﷺ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو) ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سے ایسے مسائل و احکام حاصل کئے جن کا تم کو علم بھی نہیں ہے۔

بغوی نے بیان کیا کہ یزید بن صہیب فقیر نے کہا خوارج کی رائے نے مجھے فتنہ میں ڈال دیا تھا (یعنی بعض مسائل میں میں ان کا ہم خیال ہو گیا تھا) ایک بار حج کے ارادے سے ایک جماعت کے ساتھ ہم چلے اور مدینہ کی طرف سے گزرے تو وہاں جابر بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہے تھے اور جہنیوں کا انہوں نے ذکر کیا تھا، میں نے حضرت جابر سے کہا اے رسول اللہ ﷺ کی صحابی آپ یہ کیا بیان کر رہے ہیں اللہ نے تو فرمایا ہے اِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ اَخْرَجْتَهُ۔ كَلِمًا اَرَادُوا اَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا اَعْيَدُوا فِيهَا۔ (بے شک تو جس کو آگ میں داخل کر دے گا اس کو رسوا کر دے گا۔ اور دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو ان کو دوزخ کے اندر ہی لوٹا دیا جائے گا)۔

حضرت جابر نے فرمایا جو ان! تم قرآن پڑھتے ہو میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم نے محمد کے مقام محمود کا ذکر پڑھا ہے جس میں آپ کو اللہ کھڑا کرے گا، میں نے کہا جی ہاں فرمایا، بس یہی مقام محمود محمد ﷺ کا مقام ہوگا، جس کی وجہ سے اللہ جس دوزخی کو نکالنا ہوگا۔ نکال دے گا پھر حضرت جابر نے پل صراط کی حالت بیان کی اور پل صراط پر سے لوگوں کے گزرنے کی تشریح کی اور فرمایا کچھ لوگ دوزخ کے اندر سے نکال لئے جائیں گے۔

## فصل

### شفاعت انبیاء و غیرہ کا بیان

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عثمان کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء۔ بزار کی روایت میں اس سے آگے اتنا زائد ہے پھر موذن.... ویلی نے حضرت ابن عمر کی موقوف روایت نقل کی ہے کہ عالم سے کہا جائے گا اپنے شاگردوں کی شفاعت کر خواہ ان کی تعداد آسمان کے تاروں کو پہنچ جائے۔ ابو داؤد اور ابن حبان نے حضرت ابو درداء کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ احمد اور طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت مقدم بن معد یکرب کی روایت سے اور بیہقی نے بروایت حسن بصری اور حاکم و بیہقی و ہناد نے حضرت حارث بن قیس کی روایت سے اور احمد نے حضرت ابو بردہ کی روایت سے اور ہناد نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور احمد و طبرانی و بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کی ہے ان سب حضرات نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے قبائل ربیعہ و مضر سے بھی زیادہ

تعداد جنت میں داخل ہو جائے گی۔

بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء، اولیاء، علماء بھی شفاعت کریں گے۔

ایک شبہ

جب رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے ہر گناہ گار دوزخ سے رہا کر دیا جائے گا اور کوئی دوزخ میں باقی نہیں رہے گا تو پھر دوسرے انبیاء اور اولیاء کی شفاعت کا کیا اثر ہوگا۔

ازالہ

ممکن ہے دوسرے انبیاء کی شفاعت اپنی اپنی امتوں کے لئے مخصوص ہو۔ شفاعت عامہ نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت صرف اپنی امت کے لئے خاص نہ ہو، دوسری امتوں کو بھی شامل ہو رہے انبیاء کے لئے علاوہ دوسرے لوگ تو ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ حضور ﷺ سے شفاعت کر دیں یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے ان کو شفاعت کرنے کی اجازت مل جائے گی۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ شِفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي (میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جو مرتکب کبیرہ ہوئے ہوں گے) یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ملائکہ اہل کبائر کی شفاعت نہیں کریں گے، ہاں چھوٹے گناہوں کی معافی اور لوگوں کے درجات کی ترقی کے لئے شفاعت کریں گے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے فرمایا اول اللہ نے فرمایا وَبَيْنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ اس کے بعد فرمایا عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔ اس ترتیب ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی نماز کو مقام شفاعت حاصل ہونے میں بڑا دخل ہے۔

ترمذی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے پھر آپ کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا اور آیات ذیل کا نزول ہوا۔

وَقُلْ رَبِّ ادْخُلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ  
میرے رب مجھے خوبی کے ساتھ پہنچانا اور مجھے خوبی کے ساتھ لے جانا۔

مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مدینہ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد مکہ ہے۔ حسن اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ مُدْخَلَ اور مُخْرَجَ اسم ظرف ہیں۔ داخل اور خارج ہونے کی جگہ۔ یہ دونوں مصدر ہیں اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ مجھے مدینے میں اس طرح داخل فرما کہ میرے سامنے کوئی ناگوار صورت نہ آئے اور مکہ سے ایسے پسندیدہ طریقہ سے نکال کہ میری قلبی توجہ اور میلان خاطر بھی مکہ کی سکونت کی جانب باقی نہ رہے۔ ضحاک نے تشریح معنی اس طرح کی ہے کہ مجھے مکہ سے امن کی حالت میں نکال کہ مشرک مجھے دکھ نہ پہنچا سکیں اور مدینہ میں اس طرح داخل فرما کہ مجھے وہاں اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ مجاہد نے کہا داخل کرنے سے مراد ہے فریضہ نبوت کی ادائیگی میں داخلہ اور خارج کرنے سے مراد ہے فرض نبوت کی انجام دہی سے فراغت۔ یعنی جو امر نبوت تو نے میرے سپرد کیا ہے۔ اس میں صدق کے ساتھ مجھے داخل فرما، اور صدق ہی کے ساتھ مجھے اس فرض کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما۔ جب میں دنیا سے جاؤں تو نبوت کے فریضے کو کامل طور پر ادا کر چکا ہوں۔ حسن نے کہا مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد ہے جنت اور مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد ہے مکہ۔

میں کہتا ہوں جب مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد جنت ہو تو مُخْرَجَ صِدْقٍ سے دنیا سے جانا اگر مراد لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ بیضاوی نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجھے قبر میں خوشگوار طریقے سے داخل فرما اور قیامت کے دن قبر سے عزت کے ساتھ اٹھا، بعض نے اس طرح تشریح مطلب کی، مجھے اپنی طاعت میں داخل فرما اور ممنوعات سے نکال دے۔ بعض نے کہا کسی جگہ میں داخلہ خارج ہو یا امر میں بہر حال صدق کا لفظ ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ مجھے داخل کرنے میں ہو یا خارج

کرنے میں، دونوں صورتوں میں دور خا اور ڈوغلانہ بنا۔ دور خا آدمی اللہ کے نزدیک باعزت نہیں ہوتا۔ یا داخل و خارج کرنے سے مراد ہے غار میں داخل کرنا اور وہاں سے نکالنا۔ صدق اور کذب اصل میں کلام خبری کی صفات ہیں۔ کوئی خبر یا اطلاع ہی سچی یا جھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن انشاء (یعنی امر، استفہام، نہی وغیرہ) کو بھی کبھی صادق و کاذب کہہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے انشاء کے اندر اگر خبر کا معنی ہوتا ہے تو اس کو بھی سچایا جھوٹا کہہ لیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی دریافت کرتا ہے، کیا زید گھر میں ہے۔ یہ جملہ اگرچہ سوالیہ انشائیہ ہے لیکن اس سے پتہ چلتا ہے سوال کرنے والا کہہ رہا ہے کہ گھر کے اندر زید کے موجود ہونے نہ ہونے کا مجھے علم نہیں، اس لئے دریافت کر رہا ہوں، پس دریافت کرنا اس بات کو ظاہر کر رہا کہ سوال کرنے والا اپنی لاعلمی کی خبر دے رہا ہے، یہ تو قول اور کلام کے لئے صدق و کذب کا استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی صدق و کذب کسی عمل اور فعل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص لڑائی کا حق کامل طور پر ادا کر دے اور خوب لڑے، کوشش میں کمی نہ کرے تو عرب کہتے ہیں **هُوَ صَادِقٌ فِي الْقِتَالِ**۔ اللہ نے فرمایا ہے **رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ** یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کر رکھا تھا اس کو پورے طور پر ادا کیا۔ **صَدَقَ اللَّهُ رُسُولَهُ الرُّسُولِيًّا** اللہ نے اپنے رسول کو وہ خواب سچ کر دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ہر عمدہ، اعلیٰ و افضل کام کو صدق کہہ دیا جاتا ہے اور پھر کسی عمل یا چیز کی صدق کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے، جیسے **فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ**۔ **لَهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ**۔ **وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ**۔ اسی محاورہ کے مطابق **أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ** **وَآخِرُ جَنِّي مُخْرَجِ صِدْقٍ** ہے یعنی مجھے ایسا دخول و خروج عنایت فرما کہ اگر کوئی اس کو دیکھ کر تعریف کرے تو اس کی تعریف سچی ہو۔

اور اپنے پاس سے مجھے ایسا غلبہ دینا جس کے ساتھ

**وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا** ۱۰

نصرت ہو۔

مجاہد نے **سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا** کا ترجمہ کیا کھلی ہوئی غالب دلیل۔ حسن نے کہا، ایسی طاقتور حکومت جس سے مخالفوں پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ اور ایسی نمایاں طاقت جس سے دین کا قیام و استحکام ہو جائے۔ اس دعا کے نتیجے میں اللہ نے فارس اور روم وغیرہ کی حکومتیں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا (اور چند ہی روز میں اقتدار کامل عطا فرمادیا)۔

قائد نے کہا، رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ بغیر اللہ کی مدد کے اقامت دین اور احکام قرآنی کا قیام نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ ﷺ نے سلطان نصیر کی درخواست کی۔

میں کہتا ہوں اللہ نے آپ کو یہ بتا دیا تھا اور اس بات کا علم عطا فرمادیا تھا کہ اقامت دین کے لئے من جانب اللہ نصرت کی ضرورت ہے اسی لئے حکم دے دیا تھا کہ اللہ سے مدد کی درخواست کریں۔

بعض علماء نے کہا کہ کفر پر اسلام کو فتح یاب بنانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دلیل واضح اور اقتدار حکومت کی درخواست کی تھی اور اللہ نے آپ ﷺ کی اس دعا کو قبول فرمایا، اور ارشاد فرمایا، **فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ**۔ **لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** اور فرمایا **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ**۔

وقل اور (اے محمد فتح مکہ کے وقت جب آپ شہر میں داخل ہوں تو) کہیے۔

**جَاءَ الْحَقُّ** حق (یعنی اسلام یا قرآن یا خالص اللہ کی عبادت کا وقت) آگیا۔

اور باطل گیا، یعنی شرک برباد ہو گیا، بتوں کی پوجا کا دور گیا **زَهَقَ** کا معنی ہے **خَرَجَ**۔

**وَزَهَقَ الْبَاطِلُ** **زَهَقَ رُوحُهُ** اس کی روح نکل گئی۔

باطل بلاشبہ برباد ہونے والا ہی ہے یعنی باطل اس قابل ہی ہے کہ فنا

**إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا** ۱۱

ہو جائے قائم نہ رہے۔ باطل ہوتا ہی بے بنیاد ہے۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن کعبہ میں داخل ہوئے اس زمانہ میں کعبہ کے گرد اگر د

۳۶۰ استھان تھے، اس وقت دست مبارک میں لکڑی تھی، آپ اس لکڑی کی نوک سے ہر بیت کو کچھ کا دیتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ - وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلَ وَمَا يُعِيدُ رواہ البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی۔ طبرانی نے الصغیر میں اور ابن مردویہ نے الدلائل میں اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ لَا تَأْزِلُ كَرْتِے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں۔ یعنی کفر و جہالت کی بیماری کے لئے شفا اور دلوں کی تاریکی کو دور کرنے والی روشنی ہے۔ روحوں کی کثافت کو زائل کرنے کے لئے جلاء ہے۔ قلبی اور نفسانی میل کو صاف کرنے والی ہے اور اندرونی اخلاق رذیلہ کو دفع کرنے والی ہے۔ اس صورت میں مِنَ الْقُرْآنِ میں بیانہ ہوگا۔ بعض علماء کے نزدیک من تبعیضیہ ہے اور شفاء سے مراد ہے امراض جسمانی کی شفاء یعنی قرآن کا کچھ حصہ مثلاً سورہ فاتحہ وغیرہ جسمانی بیماری کو دور کرنے والا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائِينَ الْعَسَلُ وَالْقُرْآنُ تم دونوں (اسباب) شفاء کو اختیار کرو شہد اور قرآن (ظاہر ہے کہ شہد بعض جسمانی بیماریوں کی دوا ہے اور شہد کے ساتھ قرآن کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ قرآن بھی جسمانی مرض کی شفاء ہے۔ یہ مطلب اور استنباط کمزور ہے۔ مترجم)۔

مومنوں کے لئے رحمت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اس کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں ان کو قرآن سے دنیوی اور اخروی فوائد حاصل ہوں گے۔

وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿۸۶﴾ اور جو ظالم یعنی قرآن کے منکر ہیں ان کے لئے اس سے نقصان اور بڑھے گا۔ کفر اور تکذیب کی وجہ سے ان کے نقصان میں مزید اضافہ ہوگا۔ قنادہ کا قول ہے اس قرآن کے ساتھ جو کوئی بیٹھتا ہے وہ کچھ اس سے لے کر اٹھتا ہے یا کچھ نقصان کر کے۔ اللہ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ قرآن مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور کفار کے لئے موجب خسارہ۔

وَإِذَا أَلْمَنَّا عَلَى الْإِنْسَانِ اعْرَضَ اور آدمی کو جب ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے۔ نعمت سے مراد ہے جسمانی صحت، مالی وسعت اور نزول قرآن۔ اعراض کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

وَنَا بَجَانِبِهِ ۚ اور پہلو پھیر لیتا ہے۔ یعنی اپنی گردن نیوڑا لیتا ہے۔ پہلو کو موڑ لیتا ہے، گویا وہ اس کا ضرورت مند نہیں ہے، مستغنی ہے۔

وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا ﴿۸۷﴾ اور جب اس کو کوئی برائی (ناداری یا بیماری) چھو بھی جاتی ہے تو بالکل نراس ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی نہیں رہتا۔

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ ۚ آپ کہہ دیجئے ہر شخص (شکر گزار ہو یا ناشکر) اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے شَاكِلَةٌ کا ترجمہ کیا اپنی سمت اور اپنے رخ پر جس کی طرف اس کا جھکاؤ ہو، خواہ ہدایت ہو یا گمراہی۔ قنادہ اور حسن نے کہا اپنی نیت پر یعنی جو شخص دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اپنے عمل سے دنیوی بہبود حاصل ہونے کا خواستگار ہوتا ہے اور جو آخرت کا طلبگار ہوتا ہے، وہ اپنے عمل میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی بہتری کی نیت رکھتا ہے۔ مقاتل نے شَاكِلَةٌ کا ترجمہ کیا جبلت سرشت۔ فراء نے کہا خلقی اور سرشتی طریقے پر ہر شخص کام کرتا ہے۔

قتیبی نے طبیعت اور پیدائشی حالت کہا ہے۔ الفاظ مختلف ہیں مطلب سب کا ایک ہے، سب اقوال میں وہ پیدائشی صلاحیت و استعداد مراد ہے جو اللہ نے ہر شخص کے اندر رکھ دی ہے، یہی مفہوم ہے رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کہ ہر شخص کو اسی بات کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ متفق علیہ عن علی بن ابی طالب مرفوعاً۔

حضرت ابوودراءؓ کا بیان ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور باہم گفتگو کر رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا، لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی شخص اپنی سرشت سے بدل گیا ہے تو نہ ماننا کیونکہ وہ (عارضی طور پر) اگرچہ اپنی سرشت کو چھوڑے ہوئے نظر آئے گا۔ لیکن بالآخر اسی جبلت کی طرف لوٹ آئے گا جس پر اس کی تخلیق ہوگی۔ رواہ احمد۔

### استعداد فطری کیا ہے

ہر شخص کے اندر ایک خاص کیفیت ابتداء آفرینش سے موجود ہے جو پیدا کرنے والے کی صفت کا عکس اور پر تو ہے، خالق کے اندر ہادی ہونے کی صفت بھی ہے اور مفضل ہونے کی بھی، جس صفت کا پر تو جس شخص پر پڑتا ہے وہی کیفیت فطر تا اس شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر ہر شخص کی مزاجی ترکیب چار عناصر سے ہوئی ہے اور عناصر کی طبیعتوں میں تضاد ہے پس جس عنصر کی خاصیت کا جس شخص پر فطر تا غالبہ ہوتا ہے اسی کے مناسب فطری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اجزاء زمین کی خصوصیات بھی گونا گوں ہیں۔ سرخ، سفید، سیاہ اور متوسط، نرم، سخت، بری، اچھی اس اختلاف ارضی کی وجہ سے بھی اختلاف تخلیقی ہو جاتا ہے ایک حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے۔ پس فاعل مطلق کی خصوصی صفات کی اثر اندازی اور مادہ تخلیقی کی مختلف طور پر اثر پذیری سے جو پیدائشی صلاحیت میں اختلاف ہو جاتا ہے یہی استعداد فطری کا اختلاف ہے۔

بعض علماء نے علی شاکلہ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ ہر شخص اسی راستہ پر چلتا ہے جو اس نے اپنے لئے اختیار کر لیا ہوتا ہے۔

بیضاوی نے کہا ہر شخص اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کی حالت کے مناسب ہوتا ہے مگر ابھی کا ہو یا ہدایت کا یا اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کے جوہر روح اور ان احوال کے مناسب ہوتا ہے جو اس کے مزاج جسمانی کا تقاضا ہیں۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے شاکلہ شکل، صورت، مثل۔ ہر وہ حالت جو مناسب ہو۔ کسی چیز کی محسوس یا وہی صورت، سمت، نیت، طریقہ مذہب۔

فَرِيحِكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ﴿١٥﴾  
 زیادہ سچ راستہ پر ہے، یعنی کس کے عقیدے اور عمل کا راستہ حق تک پہنچانے والا ہے اور کس کا عملی اور اعتقادی راستہ ٹیڑھا ہے اور کجی ہے تو کتنی ہے کم یا زیادہ۔

بخاری نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے کھیتوں میں ایک بار جا رہے تھے، میں بھی ساتھ تھا، آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی آپ اس پر ٹیک لگائے چل رہے تھے، چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گزرے۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر یہودی باہم کہنے لگے، ان سے روح کے متعلق دریافت کرو۔ ایک شخص بولا کچھ مت پوچھو، کہیں ایسا جواب نہ دے دیں جو تم کو ناگوار ہو، دوسرے نے کہا ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر روح کے متعلق حضور ﷺ سے دریافت کیا، آپ کچھ دیر خاموش رہے، میں سمجھ گیا کہ وحی ہونے والی ہے میں بھی کھڑا ہو گیا، کچھ دیر میں جب وحی کی حالت دور ہو گئی تو آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَيْسَلُونَاكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي

اور یہ لوگ آپ سے (بطور امتحان) روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے، یعنی روح اس کائنات میں سے ہے جس کی ایجاد بغیر مادہ کے صرف لفظ کن سے ہوئی ہے۔ اعضاء جسم کی پیدائش کی طرح اس کی پیدائش کسی مادی اصل سے نہیں ہے۔ سوال کرنے والوں کے سمجھ کے اندازے کے مطابق جواب دے دیا گیا جس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ دوسری مادی مخلوق کی طرح روح کی ہستی نہیں ہے، بلکہ سب سے الگ ہے لیکن یہودیوں نے تو روح کی حقیقت دریافت کی تھی اور حقیقت روح اس

جواب سے واضح نہیں ہوئی۔ اس لئے آگے فرمایا۔

وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا ⑩

اور (غیر مادی) اشیاء کا تم کو علم نہیں دیا گیا ہے مگر تھوڑا سا۔ یعنی اتنا جتنا تم اپنے حواس کے ذریعہ حاصل کر سکو۔ نظری حقائق کا علم بدیہیات سے حاصل ہوتا ہے اور بدیہیات کا علم احساس جزئیات سے (اس طریقے کے علاوہ نظری علوم حاصل کرنے کا اور کوئی راستہ نہیں) اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے حس کو کھو دیا اس نے علم کو کھو دیا، یہی وجہ ہے کہ اکثر غیر محسوس چیزوں کے اجزاء اور ذاتیات تک جس کی رسائی نہیں ہے ان کا علم محض امتیازی اوصاف اور خواص کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور الفاظ کی وضع یا تو محسوس چیزوں کے لئے کی جاتی ہے یا ان نامحسوس چیزوں کے لئے جن کے حصول علمی کا ذریعہ محسوس اشیاء ہوتی ہے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ سے کہا مَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔ رب العالمین کون۔ اس کی کیا حقیقت ہے تو جواب میں حضرت موسیٰ نے رب العالمین کے بعض خصوصی اوصاف کا ذکر کیا (حقیقت نامعلوم تھی اس کو بتانے کے لئے الفاظ ہی نہ تھے اس لئے حقیقت کا کامل بیان نہ کر سکے) لیکن اس آیت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقت روح کا علم رسول اللہ ﷺ اور بعض مخصوص روشن بصیرت رکھنے والے اولیاء کے لئے بھی ناممکن تھا کیونکہ انبیاء اور مخصوص اولیاء کا علم کسب نہیں ہوتا، ان کو علم کے لئے وساطت حواس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا علم محض الہامی اور انکشافی ہوتا ہے۔ غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ نورانی اور لمعاتی ہوتا ہے وہ دلوں کے کانوں سے وہ آوازیں سنتے ہیں جو چہرے کے کانوں سے سنائی نہیں دیتیں اور چشم بصیرت سے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو چشم بصیرت سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے فرمایا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے برابر میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور جب مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے (یعنی اس کا سننا میرا سننا اور اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہو جاتا ہے، وہ کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے تو گویا میں پکڑتا ہوں اور وہ اپنے قدموں سے چلتا ہے تو گویا میں چلتا ہوں۔ مترجم)

اصحاب بصیرت کو حقیقت روح کا علم ہوتا ہے۔ ارباب انکشاف نے صراحت کی ہے کہ روح سفلی ایک ہے جس کو نفس کہا جاتا ہے اور علوی ارواح پانچ ہیں قلب، روح، سر، تخی، انخی، ان سب میں ذاتی فرق بھی ہے اور صفاتی بھی۔ ہر ایک کی ذات دوسرے کی ذات اور ہر ایک کے اوصاف دوسرے کے اوصاف سے ممتاز ہیں کسی کا کسی سے اشتباہ نہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو ان میں باہم اشتباہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ تمام علوی ارواح اتنی لطیف ہیں کہ مراتب و جوب کے ساتھ ان کا اشتباہ ہو جاتا ہے اسی اشتباہ کی وجہ سے بعض لوگ کہہ اٹھے تھے، میں نے تیس برس روح کی عبادت کی۔ تیس برس کے بعد اللہ نے روح کی حقیقت کا اور روح کے ممکن و حادث ہونے کا اس پر انکشاف کر دیا اور وہ بول اٹھا۔ لَا اُحِبُّ الْاَفْلٰحِيْنَ۔

### ایک شبہ

ابن مردویہ نے عکرمہ کی روایت سے (مرسلًا) بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ صحابہؓ کے سامنے پڑھی تو صحابہؓ نے عرض کیا یہ (حکم یعنی روح کا علم نہ ہونا) تو ہمارے لئے مخصوص ہے (آپ کو تو روح کی حقیقت معلوم ہوگی) فرمایا نہیں بلکہ ہم بھی اور تم بھی سب ہی مخاطب ہیں کسی کو بھی حقیقت روح معلوم نہیں صحابہؓ نے عرض کیا، عجیب بات ہے ایک وقت تو آپ فرماتے ہیں وَمَنْ يُّوْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی) اور دوسرے وقت آپ یہ بات فرماتے ہیں (کہ حقیقت روح مجھے معلوم نہیں۔ روح کو جاننے سے زیادہ حکمت اور خیر کثیر اور کیا ہوگی) اس پر آیت وَلَوْ اَنْ مَّافِي الْاَرْضِ مِنْ شَجْرَةٍ اَقْلَامٌ نَّازِلٌ هُوَتْ۔ یہ روایت بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی۔



## ازالہ

یہ روایت اگر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مَا أَوْتَيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا کا خطاب عام ہے۔ صحابہ اور رسول سب ہی مخاطب ہیں اور سب ہی کو روح کا تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے اور یہ بات سے بھی صحیح۔ انبیاء اور ملائکہ کے علوم ہوں یا دوسری مخلوق کے سب کے علوم کی مقدار اللہ کے علم کے مقابلہ میں نہایت حقیر اور قلیل ہے آیت وَلَوْ أَنَّ مَلَائِكَةَ الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ الْخ سے اس کی تائید ہو رہی ہے لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں کہ جو حکمت و معرفت انبیاء اور ان کے مخلص متبعین کو عطا فرمائی گئی ہے (جن کے اندر حقیقت روح کا علم بھی داخل ہے) وہ خیر کثیر نہیں ہے یقیناً جو حکمت انبیاء کو عطا کی گئی ہے (گو وہ اللہ کے علم کے مقابلے میں کتنی ہی حقیر و قلیل ہو پھر بھی) خیر کثیر ہے انسان کے ظاہری و باطنی کمال کی جامع ہے کوئی انسانی کمال اس سے خارج نہیں ہے۔

## فائدہ

آیت مذکورہ کی جو تشریح اور شان نزول ہم نے بیان کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے، لیکن بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد ﷺ ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت و سچائی کے حامل رہے ہیں کبھی ہم نے کسی جھوٹ کا ان پر شبہ بھی نہیں کیا، لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینہ کے یہودیوں کے پاس بھیج کر دریافت کرو، وہ اہل کتاب ہیں دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ چند آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینہ میں بھیجا گیا، لوگوں نے جا کر یہودیوں سے دریافت کیا یہودیوں نے جواب دیا، محمدؐ سے جا کر تین باتیں پوچھو، اگر وہ تینوں کا جواب دے دیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر دو باتوں کا جواب دیں اور تیسری کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی ہیں۔

(۱) ان سے دریافت کرو وہ نوجوان کون تھے جنہوں نے بھاگ کر کہیں پناہ پکڑی تھی ان کا کیا واقعہ تھا۔

(۲) وہ کون شخص تھا جو مشرق اور مغرب تک پہنچ گیا تھا اس کا کیا واقعہ تھا۔

(۳) روح کیا ہے۔ اس کے متعلق بھی جا کر دریافت کرو۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ سے یہ تینوں سوال کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں کل کو تمہارے سوالوں کے جواب دے دوں گا۔ آپ ﷺ نے انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس لئے وحی آنے میں تاخیر ہو گئی۔ مجاہد کے قول میں بارہ دن، بعض اقوال میں پندرہ دن اور عکرمہ کے نزدیک چالیس دن تک تاخیر وحی کی صراحت آئی ہے۔ اہل مکہ کہنے لگے، محمد ﷺ نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا، لیکن اتنی مدت ہو گئی کچھ بھی نہیں بتلایا، ادھر نزول وحی میں تاخیر ہوئی ادھر اہل مکہ ایسی باتیں کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا رنج ہوا (اور سخت رنج ہوا) اسی انشاء میں اچانک ایک روز جبرئیلؑ یہ وحی لے کر آئے وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكْ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ پھر اول سوال کے متعلق نازل ہوا۔ اَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا۔ دوسرے سوال کے جواب میں نازل ہوا اَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْقُرْنَيْنِ الْخ اور روح کے متعلق ارشاد ہوا قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ ترمذی نے یہ قصہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ابن کثیر نے دونوں حدیثوں کا تعارض دور کرنے کے لئے تکرار نزول کا قول اختیار کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اور اتنا زائد بھی لکھا ہے، یا یہودیوں کے سوال کے وقت رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اس امید پر کہ شاید بیان میں کچھ زیادتی کر دی جائے اگر دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کوشش نہ کی جائے تو لازمی طور پر کسی روایت کو ترجیح دینی پڑے گی اور

ظاہر ہے کہ صحاح کی روایت ہی قابل ترجیح ہے۔ اس کی علاوہ بخاری کی روایت کے راجح ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود (جو راوی ہیں) یہودیوں کے وقت اسی جگہ موجود تھے اور بغوی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی دورانِ قصہ میں موجودگی مذکور نہیں۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی بھی نسبت کی ہے کہ جس روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس سے مراد حضرت جبرئیلؑ تھے (یعنی جبرئیلؑ کے متعلق یہودیوں نے دریافت کیا تھا) حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول منقول ہے۔ میں کہتا ہوں ضحاک کا قول عبد بن حمید اور ابوالشیخ نے اور ایک روایت میں حضرت علیؑ کا قول بغوی نے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور تمام زبانوں سے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے، مجاہد نے کہا روح ایک اور مخلوق ہے جو ہیں تو آدمی کی شکل کے، ان کے ہاتھ بھی ہیں، پاؤں بھی ہیں اور وہ کھانا بھی کھاتے ہیں لیکن وہ آدمی نہیں ہیں فرشتے بھی نہیں ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا عرش کے سوا اللہ نے روح سے بڑی اور کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اگر وہ چاہے تو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کی ساری موجودات کا ایک لقمہ بنا کر نکل سکتا ہے، اس کی جسمانی ساخت تو فرشتوں جیسی ہے اور چہرے کا ڈول آدمیوں کے چہروں کی طرح ہے، قیامت کے دن وہ عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوگا اور تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے قریب ستر حجابوں کے پاس موجود ہوگا اور اہل توحید کی شفاعت کرے گا۔ اگر اس کے اور ملائکہ کے درمیانی نور کا حجاب حائل نہ ہو تو آسمانوں والے اس کے نور سے سوختے ہو جائیں۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر نے عکرمہ کا قول بیان کیا کہ روح فرشتوں سے بھی بڑی مخلوق ہے اور کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ روح ضرور ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ روح سے مراد قرآن ہے اور **مِنْ أُنثُرٍ رَبِّي** کا معنی ہے **مِنْ وَحْيِ اللَّهِ**۔ بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ مراد ہیں۔ اس قول پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ عیسیٰؑ ویسے نہیں جیسا یہود ان کو جانتے ہیں اور ان کی والدہ پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور نہ ابن اللہ ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ ان کی پیدائش محض اللہ کے حکم سے کلمہ کن سے بغیر باپ کے ہوئی تھی۔

آیت مندرجہ بالا میں اللہ نے سارے جہان کے علم کا اپنے علم کے مقابلے میں قلیل اور حقیر ہونا ظاہر فرمادیا، آئندہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی طرف سے پہنچنے والے دکھ پر صابر رہنے کی تلقین فرمانے کی غرض سے نعمت وحی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

**وَلَكِنْ شِئْنَا لَنذَّهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝۱۹**

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر وحی ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے سب سلب کر لیں پھر (اس کو واپس لانے کے لئے) آپ کو ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ ملے۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کو واپس لے لیں اور لوگوں کے سینوں سے اس کو نکال دیں اور تحریروں سے منادیں، پھر آپ کو کوئی ایسی ہستی نہیں ملے گی جو ہم سے قرآن واپس لینے کی ذمہ داری لے سکے۔

مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسا نہیں کیا) اس آیت کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے (۱) مگر اللہ کی رحمت اگر ہو تو وہ ہی واپس دلوا سکتی ہے (۲) استثناء منقطع ہے، یعنی اللہ کی رحمت نے اس قرآن کو باقی رکھا ہے تمہارے دلوں میں تحریروں میں قائم رکھا ہے، اس مطلب پر اللہ کی طرف سے احسان ہونے کی دوہری صراحت کی گئی ہے، قرآن کا نازل کرنا اور پھر اس کو باقی رکھنا۔ **إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝۲۰**

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کا فضل آپ پر بڑا ہے کہ اللہ نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا اور اپنی کتاب نازل فرمائی، پھر اس کو تحریروں اور دلوں میں جمع کر لیا اور لوگوں سے بیان کرنے کا حکم دیا اور محمود اور حوض کوثر آپ کو عطا فرمائی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ



قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝۸۸

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (سب) انسان اور جنات متفق ہو کر ایسا قرآن لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو اس جیسا قرآن نہیں لاسکیں گے خواہ (باہم مل کر ایک) دوسرے کے مددگار ہو جائیں (اور سب مل کر کوشش کریں) یعنی اگرچہ یہ لوگ بڑے بڑے بلیغ، زبان داں، شاعر اور خالص عرب ہیں لیکن بلاغت، حسن ترتیب اور محاسن معنوی کے لحاظ سے قرآن جیسی عبارت نہیں پیش کر سکتے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے کہا تھا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہہ لیں۔ اللہ نے اس آیت میں کافروں کے اس قول کو غلط قرار دیا، یہ اللہ کی طرف سے ایک معجزہ تھا کہ ویسا ہی ہو جیسا اس آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا۔ باوجود انتہائی کوشش کے کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی مقابلہ میں قرآن جیسی نہیں پیش کر سکے۔

بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں ملائکہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ کوئی کلام قرآن کی طرح اپنا بنایا ہوا پیش بھی کر دیں، تب بھی یہ قرآن انسانوں اور جنات کے لئے تو معجزہ رہے گا اور اس کے معجزہ ہونے میں فرق نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ ملائکہ کے توسط سے تو یہ قرآن پہنچا ہی ہے (انسان اور جن کو وساطت میں کوئی دخل نہیں ہے) میں کہتا ہوں قرآن کی مانند کلام پیش کرنے کی دعوت کا یہ معنی ہے کہ خود بنا کر لاؤ جس میں وحی خداوندی کو کوئی دخل نہ ہو۔ اور فرشتے خود ایسا کلام لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جس کے خالق وہ خود ہوں اور وہ غیر مخلوق کلام کی طرح ہو، کلام اللہ کے مقابلہ میں کلام بنانے کی کوشش تو کفر ہے اور ملائکہ سے کفر و انکار کا ظہور ممکن نہیں، وہ معصوم ہیں۔

یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ آیت سابق آیت **لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا** کے مفہوم کی تاکید ہو۔ اور ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے۔

**صَرَّفْنَا** یعنی بار بار، طرح طرح سے وضاحت اور تاکید کر کے ہم نے بیان کیا۔

**مِنْ كُلِّ مَثَلٍ** ہر مقصد اور معنی، عبرتیں، احکام، وعدہ، وعید وغیرہ۔

**مَثَلٍ** کہات اپنے اندر ندرت رکھتی ہے قرآن کے اندر بھی ندرت ہے حسن ہے، دل نشینی ہے، یہ بھی ان اوصاف میں مثل کی طرح ہے۔

**فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝۸۹** پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کیسے نہ رہے۔ یعنی اکثر لوگوں نے سوائے کفر و انکار کے قرآن کی ہدایت میں سے کسی بات کو قبول کرنا پسند نہیں کیا۔

بغوی نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا مندرجہ ذیل بیان نقل کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اور قبیلہ عبد الدار کا ایک اور آدمی (بقول بغوی نصر بن حارث) اور ابو البختری اور بنی المطلب،

زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبد اللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ سب کے سب غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پشت کے پاس جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ کسی کو محمد ﷺ کے پاس بھیج کر ان کو بلو اور ان سے بات چیت کرو اور جھگڑا طے کر لو تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور پھر تم جو کچھ

کر دو تم کو معذور سمجھا جائے، چنانچہ ایک شخص کو بھیج کر یہ پیام کہلوا لیا کہ تمہاری قوم کے سردار تم سے گفتگو کرنے جمع ہوئے ہیں آکر بات چیت کر لو۔ رسول اللہ ﷺ کو خیال ہوا کہ لوگوں کی رائے میں کوئی نئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے آپ تو دل سے چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کو ہدایت ہو جائے پیام ملتے ہی فوراً چلے آئے جب آکر بیٹھ گئے تو حاضرین نے کہا محمد ﷺ ہم نے آدمی

بھیج کر تم کو اس غرض سے بلوایا ہے کہ تمہارے متعلق ہم حجت تمام کر دیں کوئی عربی شخص آج تک اپنی قوم پر وہ مشکلات

نہیں لایا جو تم اپنی قوم پر لائے ہو، تم نے اسلاف کو گالیاں دیں، ان کے مذہب کو برا کہا، اہل عقل کو سبک سر قرار دیا، ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا، جماعت میں پھوٹ ڈال دی، کوئی ایسی قبیح بات باقی نہیں جو تم نے اپنے اور ہمارے درمیان پیدا نہ کر دی ہو اگر اس چیز (قرآن اور اسلام) کو پیش کرنے سے تمہارا مقصد حصول زر ہے تو ہم آپس میں چندہ کر کے تم کو اتنا مال دینے کو تیار ہیں کہ تم سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ۔ اور اگر تم عزت کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنا لیں گے اور حکومت چاہتے ہو تو اپنا حاکم بھی تم کو قرار دے سکتے ہیں اور اگر کوئی جن تم پر مسلط ہو گیا ہے جو یہ کلام تم کو بتاتا ہے اور تم اس کو لوٹا نہیں سکتے تو ہم تمہارے علاج کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں (کسی کا ہن یا عامل کو روپیہ دے کر اس کا اتار کر ادیں گے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنی باتیں تم نے کہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ میں یہ قرآن پیش کر کے نہ زر کا طلبگار ہوں، نہ عزت و سیادت کا، نہ حکومت و اقتدار کا، مجھے تو اللہ نے تمہارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے ایک کتاب عطا فرمائی اور مجھے حکم دیا ہے کہ ماننے والوں کو جنت کی خوش خبری دے دوں اور (نہ ماننے والوں کو دوزخ سے) ڈراؤں، اب میں اللہ کا پیام پہنچا چکا اور تم کو نصیحت کر چکا اگر مان لو گے تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہوگی۔ رد کر دو گے تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا اور منتظر رہوں گا کہ اللہ میرا اور تمہارا کیا فیصلہ کرتا ہے۔ کہنے لگے، محمدؐ جو کچھ ہم نے پیش کیا اگر تم کو وہ قبول نہیں تو اپنی پیغمبری کا ثبوت پیش کرو تم واقف ہو کہ ہماری یہ بستی بہت تنگ ہے ہر طرف سے پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں ہم اس کو کسی طرف بڑھا نہیں سکتے اور ہمارے پاس مال بھی سب (یعنی اہل یمن و شام) سے کم ہے اور ہماری زندگی بھی بہت زیادہ دکھی ہے پس تم اپنے رب سے درخواست کر کے ان پہاڑوں کو جنہوں نے ہماری بستی کو تنگ کر رکھا ہے یہاں سے ہٹا دو کہ ہمارا یہ شہر پھیل جائے اور شام و عراق کی طرح ہمارے ملک میں بھی ہمارے لئے دریا بہا دو اور یہ بھی اپنے رب سے کرادو کہ ہمارے آباء و اجداد زندہ ہو جائیں جن میں قصی بن کلاب (قریش کا مورث اعلیٰ) بھی ضرور ہو وہ بڑا سچا آدمی تھا، پھر ہم ان سب سے دریافت کریں کہ جو کچھ تم کہہ رہے وہ سچ ہے یا جھوٹ اگر وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے تو ہم بھی تم کو سچا مان لیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس لئے نہیں بھیجا گیا ہے۔ جو پیام مجھے دے کر بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا اگر مان لو گے تو دنیا و آخرت میں یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی قبول نہ کرو گے تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کروں گا۔ کہنے لگے اچھا اگر تم یہ نہیں کرتے تو اپنے رب سے کہہ کر اتنا ہی کرادو کہ وہ تمہاری تصدیق کرنے کے لئے ایک فرشتے کو بھیج دے اور تم کو کچھ باغ اور سونے چاندی کے خزانے دے دے کہ جس تکلیف اور افلاس میں ہم تم کو دیکھ رہے اس سے تم بے غم ہو جاؤ، تم بازاروں میں کھڑے ہماری طرح روزی کی جستجو میں لگے رہتے ہو پھر اس کی فکر تم کو نہ رہے، حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا، مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے کہنے لگے اچھا تو ہمارے اوپر آسمان کو ہی گروادو کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اختیار اللہ کو ہے اگر وہ تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہے گا تو کر دے گا، ایک شخص بولا، ہم تو تمہاری بات اس وقت تک نہ مانیں گے، جب تک اللہ اور فرشتوں کو تم ہمارے سامنے لا کر شہادت نہ دلوادو۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا عبد اللہ بن ابی امیہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور راستہ میں کہنے لگا محمد ﷺ! تمہاری قوم نے چند باتیں تمہارے سامنے رکھیں اور تم نے کسی بات کو قبول نہیں کیا پھر انہوں نے چند باتیں طلب کیں جن سے معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے ہاں تمہارا مرتبہ خصوصی ہے تم نے ان کو بھی نہ مانا پھر انہوں نے تم سے کہا کہ جس عذاب سے تم ڈرا رہے ہو وہ جلد لے آؤ تم نے ایسا بھی نہیں کیا اب بخدا میں تمہاری اس بات کا صرف اس وقت ہی یقین کر سکوں گا کہ تم میری نظر کے سامنے بیٹھ کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ پھر میرے سامنے وہاں سے ایک کھلی ہوئی کتاب لے کر آ جاؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں جو تمہاری تصدیق کریں۔ اور میرا تو خیال ہے کہ اگر تم ایسا کر بھی گزرو گے تب بھی میں تمہاری تصدیق نہیں کر سکوں گا۔ کافروں کی اتنی نفرت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ غمگین ہو کر اپنے گھر لوٹ آئے اور آیات ذیل بَشِّرْ اَرْسُولًا تَكُنْ نَازِلًا ہوئیں۔

ابن جریر نے بطریق ابن اسحاق ایک مصری شیخ (مجمول الاسم) کی وساطت سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے اور سعید بن منصور نے بھی سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ان آیات کا نزول حضرت ام سلمہ کے بھائی عبد اللہ بن امیہ کے متعلق ہو صاحب لباب النقول نے لکھا ہے یہ روایت مرسل ہے مگر صحیح ہے۔ سابق روایت میں جو ابہام تھا اس کی توضیح اس سے ہو جاتی ہے۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ  
اور (کفار مکہ نے) کہا کہ ہم ہرگز آپ کا قول سچا نہیں مانیں گے۔ یعنی قرآن کا معجز ہونا ان کو ثابت ہو گیا اور دوسرے معجزات بھی دیکھ لئے، پھر بھی ازراہ عناد انہوں نے کہا۔

حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۖ أَوْ تَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَافَهَا تَفْجِيرًا ۙ

جب تک آپ مکہ کی زمین سے ہمارے لئے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں، یا خاص آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کر دیں۔

الْأَرْضِ یعنی ارض مکہ۔ يَنْبُوعٌ ایسا چشمہ جو کبھی خشک نہ ہو، یہ لفظ نَبْعُ الْمَاءِ (پانی پھوٹ نکلا) سے ماخوذ ہے۔  
أَوْ تَسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتِ عَلَيْنَا كَيْفًا  
یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں آسمان کے ٹکڑے آپ ہم پر نہ گراویں یعنی آسمان پھٹ جائے اور اس کے ٹکڑے ہم پر گر پڑیں۔ كَيْفًا كَيْفًا کی جمع ہے جیسے قِطْعَةٌ قِطْعَةٍ کی جمع ہے كَيْفًا بمعنی قِطْعَةٍ کے ہے پارہ ٹکڑا۔

أَوْ تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۙ  
یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لانا کھڑا کر دیں۔ حضرت ابن عباس نے قبیل کا ترجمہ کفیل کیا ہے یعنی اللہ اور ملائکہ کو اپنے دعوے کی صداقت کا ذمہ دار، کفیل بنا کر پیش کرو جو شہادت دیں کہ تمہاری بات صحیح ہے اگر اس بات کو ماننے سے ماننے والوں کو کچھ نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار اللہ اور ملائکہ ہوں گے۔ قنادہ نے قبیل کا ترجمہ کیا مقابلاً آمنے سامنے یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ۔ فراء نے کہا عرب بولتے ہیں لَقِيْتُ فُلَانًا قَبِيلًا وَقَبِيلًا میں نے فلاں شخص سے رُودر رُودقات کی۔ اس ترجمہ پر قَبِيلًا الْمَلَائِكَةُ سے حال ہوگا۔ مجاہد نے کہا قبیل قبیلہ کی جمع ہے قَبِيلًا سے مراد ہے قسم یعنی قسم قسم کے ملائکہ کو پیش کرو۔

أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ نُنزِلَ عَلَيْكَ كِتَابًا نَقْرُوهُ ۙ

یا تمہارے لئے کوئی سونے کا مکان ہو یا تم آسمان کے زینہ پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے صرف چڑھنے کا بھی یقین نہیں کریں گے جب تک تم ایک ایسی کتاب لے کر ہم پر نازل نہ ہو جس کو ہم پڑھیں زُخْرٍ کا اصل لغوی معنی ہے سجاوٹ۔ اس جگہ مراد ہے سونے کا مکان۔ یہ قول عبد اللہ بن امیہ کا تھا۔ كِتَابًا نَقْرُوهُ سے یہ مراد ہے کہ اس کتاب کے اندر تمہاری تصدیق ہو اور ہم کو تمہارا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔

قُلْ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے یعنی ان کے سوالات و مطالبات پر تعجب کرتے ہوئے کہہ دیجئے۔ یا اللہ کو اس کمزوری سے پاک قرار دیتے ہوئے کہہ دیجئے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۙ  
سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں مگر پیغمبر ہوں اور کچھ نہیں ہوں۔ یعنی تمہارا سوال پورا کرنا انسانی اور بشری طاقت سے خارج ہے، ہاں اگر اللہ چاہے تو تمہاری خواہشات پوری کر دے لیکن فرمائشی معجزات کا اظہار اللہ کا دستور نہیں، اپنے رسول کے ہاتھ پر اللہ اتنی آیات و معجزات کا اظہار کر چکا ہے کہ تمہاری ان فرمائشات کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں، قرآن مجید اس نے اتار دیا، رسول ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے اور طرح طرح کے معجزوں کا ظہور ہو چکا۔ اس آیت میں کافروں کے سوالات کا ایک مجمل جواب دیا گیا ہے۔ تفصیلی جواب دوسری آیات میں آیا ہے فرمایا ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَابٍ الْخ - وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ - وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ  
الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٌ بِهِ الْمَوْتَىٰ - یعنی کچھ بھی ہو جائے قرآن کے ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگیں یا زمین کی  
طنائیں کھینچ دی جائیں، یا مردے زندہ ہو کر بولنے لگیں وہ ایمان نہیں لائیں گے ہر کام کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ﴿۹۴﴾

اور ہدایت یعنی رسول یا قرآن کے آچکنے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے سے سوائے اس کے  
اور کوئی وجہ مانع نہیں کہ انہوں نے تعجب کیا اور کہا کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی وحی نازل ہو گئی، حق ظاہر ہو گیا  
اب رسول اور قرآن پر ایمان نہ لانے کی اور کوئی معقول قابل قبول وجہ سوائے اس کے نہیں کہ ان کو آدمی کا پیغمبر ہونا عجیب نظر  
آیا اور انہوں نے نبوت بشری کا انکار کر دیا لیکن ان کا یہ تعجب و انکار بے جا ہے عقل اور نقل کی شہادت ہے کہ رسول اللہ کو اسی  
نوع میں سے ہونا چاہئے جو مرسل الیہ کی ہو۔ تاکہ رسول ان کو پیام دے سکے اور وہ رسول کی رسالت سے فائدہ اندوز ہو سکیں غیر  
جنس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مُلْكٌ يَبْشُرُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿۹۵﴾

آپ کہہ دیجئے اگر زمین پر فرشتے چین کے ساتھ چلتے پھرتے (فرشتوں  
کی آبادی ہوتی اور یہیں ان کی سکونت ہوتی آسمان تک پہنچنے کا ان کو اختیار نہ ہوتا) تو ہم آسمان سے ان کے لئے رسول بنا کر کسی  
فرشتہ کو اتار دیتے (لیکن زمین پر تو آدمی آباد ہیں، آسمان پر جا کر یہ خود احکام حاصل نہیں کر سکتے ان کی ہدایت کے لئے تو آدمی کو  
ہی رسول بنا کر بھیجنا ضروری تھا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ مترجم)

آپ کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان بس  
قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ابْنِي وَبَيْنَكُمْ  
اللہ ہی شہادت کے لئے کافی ہے یعنی میرے رسول ہونے کا اللہ شاہد ہے اور اسی کی شہادت بس کافی ہے اسی نے میرے ہاتھ پر  
معجزات میرے دعویٰ کی تصدیق کے لئے ظاہر فرمادئے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی شہادت اس امر پر کافی ہے کہ میں نے فرض  
رسالت ادا کیا اس کا پیام تم کو پہنچا دیا اور ظہور حق کے بعد بھی از روئے عناد تم نے مخالفت کی۔ وہی میرا تمہارا فیصلہ کرے گا جو حق  
پر ہو گا اس کو ثواب دے گا اور جو باطل پر ہو گا اس کو سزا دے گا۔

إِنَّكَ كَانَ يَعْبادُهُ خَيْرًا أَبْصِيرًا ﴿۹۶﴾  
ڈرانے والے پیغمبر ہوں یا وہ امت جس کو ڈرایا جاتا ہے، سب کے ظاہری اور باطنی احوال سے اللہ واقف ہے اور ان کے احوال کے  
موافق سزا و جزا دے گا۔ اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین اور کافروں کے لئے عذاب کی ہمدید ہے۔

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ عَوْمَنْ يُضِلُّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ

اور جس کو اللہ راہ راست پر لگا دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جن کو اللہ گمراہ چھوڑ دے یعنی بے مدد چھوڑ دے  
اور کج راہی سے محفوظ نہ رکھے اور شیطانی اغواء اندرونی کو وہ قبول کر لیں) تو ان لوگوں کے لئے تم کو بجز خدا کے اور کوئی حمایتی  
نہیں ملے گا جو ان کو راہ راست پر ڈال سکے۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِيَآ وَبُكْمًا وَصَمَاتًا

اور  
قیامت کے دن ہم ان کو اندھا، گونگا، بہرا اٹھائیں گے کہ وہ منہ کے بل چلیں گے یا منہ کے بل ان کو گھسیٹا جائے گا۔ حضرت انس  
کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کافر منہ کے بل قیامت کے دن کیسے چلے گا فرمایا، جس خدا نے اس کو ٹانگوں  
کے بل چلایا ہے کیا وہ منہ کے بل اس کو چلا نہیں سکتا۔ متفق علیہ۔

ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کا حشر  
تین طریقے پر ہوگا، کچھ لوگ سوار ہوں گے، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل گھسٹتے ہوئے، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول





(۲) پھر روزِ نخی کہیں گے رَبَّنَا ابْصُرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوقِنُونَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا فذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا اِنَّا نَسِينَاكُمْ الخ

(۳) پھر روزِ نخی کہیں گے۔ رَبَّنَا اٰخِرْنَا اِلٰی اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّحِبُّ دَعْوَتَكَ وَتَتَّبِعِ الرَّسُوْلَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا اَوْلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ۔

(۴) پھر روزِ نخی کہیں گے رَبَّنَا اٰخِرْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ اللہ جواب میں فرمائے گا اَوْلَمْ نَعْمِرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَن تَذَكَّرَ الخ

(۵) پھر روزِ نخی کہیں گے رَبَّنَا عَلَّمْنَا سِقْوَتَنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ط رَبَّنَا اٰخِرْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظَالِمُوْنَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا اِحْسُوْا فِيْهَا وَلَا تَكْلِمُوْنَ اس کے بعد روزِ نخی بھی کلام نہیں کریں گے۔

مَّا وَاٰهُمْ جَهَنَّمَ ط كَمَا خَبَتْ زِدْنَهُمْ سَعِيْرًا ۝۹۰

(پھر) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ جب ذرا دھیمی ہونے لگے گی تب ہی ان کے لئے اور زیادہ بھڑکادیں گے۔ یعنی جب ان کی کھالیں اور گوشت جل چکیں گے اور آگ کی بھڑک میں کچھ سکون پیدا ہو جائے گا تو دوبارہ ان کو کھالیں اور گوشت پہنا دیا جائے گا اور اس ایندھن سے پھر آگ بھڑکائی جائے گی اور یونہی برابر ہوتا رہے گا۔ چونکہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھائے جانے کے وہ منکر تھے اس لئے اللہ بھی ان کو یہ سزا دے گا کہ بار بار مریں گے اور بار بار جنیں گے، اور یہ سلسلہ قائم رہے گا، اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا۔

ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْا اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرَفَاتًا عَرٰتًا لَّسَبْعُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝۹۱

یہ ان کی سزا اس لئے ہوگی کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا (تھا) اور کہا (تھا) کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کر دے۔ یعنی آسمانوں اور زمین کی بناوٹ تو بہت زیادہ بڑی اور قوی ہے اور یہ انسان صغیر الجثہ بھی ہے اور کمزور بھی اور اللہ نے بغیر سابق نمونے اور نظیر کے یہ آسمان و زمین بنائے ہیں تو وہ انسانوں کو کیونکر دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا۔ ایجاد سے تو دوبارہ تخلیق آسان ہے۔

وَجَعَلْ لَهُمْ اَجَلًا

لَّا سَرِيْبَ فِيْهِ ط

اور ان کے عذاب کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔

جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ بعض کے نزدیک اجل سے مراد موت ہے اور بعض کے نزدیک روزِ قیامت۔

فَاَبٰى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۹۲

پس باوجود یہ کہ حق واضح ہے پھر بھی ظالم لوگ بغیر انکار کئے نہ رہے۔ لفظ ظالمین بتا رہا ہے کہ ان کا کفر و انکار بے جا ہے۔

قُلْ لَوْ اَنْتُمْ تَهْتَكُوْنَ خَزَايِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ اِذَا الَاْمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝۹۳

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) کے خزانوں (یعنی کمالات) کے مختار ہوتے تو اس صورت میں تم اس کے خرچ کرنے کے اندیشے سے ضرور ہاتھ روک لیتے اور

آدمی ہے بڑا تنگ دل۔ حضرت مولانا تھانویؒ کے نزدیک رحمت سے مراد نبوت اور خزانے سے مراد کمالات ہیں، لیکن حضرت مولف کے نزدیک رحمت رب سے مراد رزق ہے یا ہر نعمت مراد ہے اور خَشْيَةُ الْاِنْفَاقِ سے مراد ہے ناداری کا خوف۔ یا ختم ہو جانے کا اندیشہ نَفَقُ الشَّيْئِیْ وہ چیز ختم ہوگئی، عربی محاورہ ہے۔ قَتُوْرٌ کا معنی ہے بخیل، کنجوس۔ انسان حاجت مند ہے اور جس چیز کی اس کو حاجت ہوتی ہے اس کو خرچ کرنے میں کنجوسی کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو معاوضہ کے لالچ میں، مگر اللہ

عنی ہے۔ کسی چیز کا محتاج نہیں، جتنا بھی وہ عطا فرمادے اس سے ہزاروں گنا زیادہ پیدا کر سکتا ہے، اس لئے اس کے خزانے بھی ختم نہیں ہو سکتے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو نو کھلے ہوئے نشانات (قدرت یعنی معجزات) دیئے تھے۔ تعین معجزات میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور ضحاکؓ کے نزدیک نو معجزات یہ تھے۔ عصا، ید بیضا، زبان کی گرہ کھل جانا، سمندر کا لالٹھی کی ضرب سے پھٹ جانا، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون۔ عکرمہ، مجاہد اور عطاء کے نزدیک نو معجزات یہ تھے۔ طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضا، قحط، پھلوں کی کمی۔ قبطیوں میں سے ایک شخص اپنی بی بی کے ساتھ ایک بستر پر سو رہا تھا (شاید حضرت موسیٰ کی بددعا سے) دونوں پتھر بن گئے۔ ایک عورت کھڑی روئی پکار رہی تھی (شاید حضرت موسیٰ کی شان میں گستاخی کرنے سے) وہ بھی پتھر کی ہو گئی۔ محمد بن کعب قرظی نے طمس (صورتوں کو بدل دینا یا بگاڑ دینا) اور سمندر کو پھاڑنے اور طور کے سروں پر معلق ہو جانے کو بھی تسع آیات میں شمار کیا ہے۔

حضرت صفوان بن عسال کا بیان ہے ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس نے کہا ارے نبی نہ کہو اگر اس نے یہ لفظ سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ غرض دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نو واضح آیات دریافت کیں حضور نے فرمایا (نو کھلی ہوئی آیات یعنی احکام یہ ہیں)۔ (۱) کسی چیز کو اللہ کا سا جھمی نہ قرار دو۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو۔ (۴) ناحق ناجائز خون نہ کرو۔ (۵) کسی بے قصور کو (قتل یا بغاوت وغیرہ کی تہمت لگا کر) حاکم کے پاس قتل کرانے کے لئے نہ لے جاؤ۔ (۶) جادو نہ کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) جہاد میں مقابلہ کے وقت بھاگنے کے لئے پشت نہ پھيرو۔ اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر یہ حکم تھا کہ سینچر کے دن کی حرمت میں (حدود شرعیہ سے) تجاوز نہ کرو (کہ ظاہری حیلہ بہانہ کر کے سینچر کے دن اپنے معاشی کاروبار جاری رکھو اور کوئی شرعی حیلہ اس کے لئے تلاش کر لو) یہ سن کر دونوں یہودیوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پاؤں چوم لئے، اور بول اٹھے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، پھر میرا اتباع کرنے سے تمہارے لئے کون سی چیز مانع ہے۔ کہنے لگے، حضرت داؤدؑ نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ انہی کی نسل سے اللہ ہر پیغمبر مبعوث فرمائے اب اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو ہم کو ڈر ہے کہ یہودی ہم کو قتل کر دیں گے۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ و الترمذی والحاکم۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ اس کو معلول قرار دینے کی ہم کو کوئی وجہ معلوم نہیں۔ بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا، آؤ ہم اس نبی سے کچھ سوال کریں۔ ساتھی نے کہا اس کو نبی نہ کہو اگر وہ سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، غرض دونوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے آیت وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ کی تشریح دریافت کی۔

بہر حال اس روایت کی روشنی میں آیات سے مراد احکام ہوں گے اور یہ احکام وہ ہیں جو ہر قوم اور ہر شریعت میں موجود ہیں اس روایت میں جو یہودیوں کے لئے حرمت شنبہ کی خصوصیت ظاہر کی گئی اس کا شمار آیات تسع میں نہیں ہے۔ یہ حکم صرف یہودیوں کے لئے تھا اور اصل جواب سے یہ آخری جملہ زائد ہے۔

فَسئَلُ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ  
پھر ہم نے (موسیٰ سے) کہا (کہ فرعون سے) بنی اسرائیل کو مانگ لو (یعنی فرعون سے کہو کہ بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ چھوڑ دے اور موسیٰ سے یہ بات ہم نے اس وقت کہی) جب وہ فرعون اور اس کے آدمیوں کے پاس پہنچے تھے (اس تشریحی ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ فسئَلُ میں خطاب حضرت موسیٰ کو ہے اور قُلْنَا لِمُوسَى ہم نے موسیٰ سے کہا۔ کا جملہ محذوف ہے اور إِذْ جَاءَهُمْ کا بھی قُلْنَا محذوف سے تعلق ہے) اس تشریح

کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو سعید بن منصور نے سنن میں اور امام احمد نے الزہد میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فَنَسْتَلُّكَ كِي جگہ فَسَأَلَ (بصیغہ ماضی) پڑھا تھا۔

یا خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مطلب اس طرح ہے اے محمدؐ آپ بنی اسرائیل سے وہ واقعات دریافت کیجئے جو فرعون و موسیٰ کے درمیان ہوئے تھے اور آیات بینات کے متعلق بھی ان سے پوچھیے (وہ آپ کی تصدیق کریں گے) تاکہ مشرکوں کو بھی آپ کی سچائی معلوم ہو جائے۔ یا اس لئے دریافت کیجئے کہ آپ کو بجائے خود بھی تسلی ہو جائے اور آپ جان لیں کہ بنی اسرائیل کی تمام فرمائش بھی اگر پوری کر دی جائیں تو عناداً انکار پر جسے رہیں گے، ایمان نہیں لائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ گزر گئے (کہ آیات بینات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے) یا یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل سے دریافت کر لیجئے تاکہ آپ کو یقین اور اطمینان خاطر کامل طور پر پیدا ہو جائے۔ اس تشریح پر اذْجَاءَ هُمْ كَا تَعْلُقَ اَيْتِنَا سے ہوگا۔

فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّي لَا اظُنُّكَ بِمُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿۱۱﴾  
فرعون نے موسیٰ سے کہا موسیٰ میرا تو یہ قطعی خیال ہے کہ تیرے اوپر یقیناً جادو کیا گیا ہے تو بلاشبہ سحر زدہ ہے۔ تیرا دماغی توازن بگڑ گیا ہے کہ ایسی ناممکن باتوں کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ اپنے کو اللہ کا رسول کہتا ہے۔ کلبی نے مَسْحُورًا کا ترجمہ کیا حق سے برگشتہ کیا ہوا۔ فراء اور ابو عبیدہ نے کہا مَسْحُورٌ بمعنی ساجر ہے جادوگر۔ محمد بن جریر نے کہا سحر کی تعلیم دیا ہوا یعنی تجھے جادو سکھا دیا گیا ہے اور تمام عجیب باتیں جو ظاہر کر رہا ہے سحر کا کرشمہ ہیں۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَمَا اَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ اِلَّا رُبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِصَاۤءِرٍ وَاِنِّي لَا اظُنُّكَ يَفِرُّعُونَ مَثْبُورًا ﴿۱۲﴾  
قَارَادَ اَنْ يَسْتَفِزَّ هُمْ مِّنَ الْاَرْضِ  
موسیٰ نے کہا تو جانتا ہے (یعنی دل میں) کہ یہ (عجائبات) خاص آسمان و زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو بصیرت حاصل کرنے کے کافی ذرائع ہیں، اور میرے خیال میں ضرور تیری کم سختی کے دن آگئے ہیں، پھر اس نے چاہا کہ اس سرزمین سے بنی اسرائیل کا قدم اکھاڑ دے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، فرعون حضرت موسیٰ کو برحق جانتا تھا، لیکن عناد کی وجہ سے انکار کرتا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہے وَجَحَدُوْا اِيْهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ اِنهٗمْ اِنهٗمْ اِنهٗمْ انہوں نے معجزات کا انکار کیا مگر دل سے یقین رکھتے تھے۔  
بصائر بصیرت کی جمع ہے یعنی یہ آیات و معجزات میری سچائی کو تیرے سامنے ظاہر کر رہے ہیں مگر تو عناداً انکار کر رہا ہے۔

مَثْبُورًا کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے ملعون کیا ہے اور مجاہد نے ہلاک شدہ، لور قتادہ نے ہلاک کردہ۔ فراء نے کہا عرب کہتے ہیں مَثْبُورٌ كَعَنْ هٰذَا اس سے تجھے کس چیز نے روک دیا۔ اس صورت میں مَثْبُورٌ کا ترجمہ ہو ایسا شخص جو سرشتی شریر ہو جو فطری طور پر خیر سے برگشتہ ہو۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کے ظن کا مقابلہ اپنے ظن سے کیا فرعون کا ظن غلط تھا اولہ قطعہ کے خلاف تھا اور حضرت موسیٰ کا ظن ایسی علامات پر مبنی تھا جو مفید یقین تھیں۔

اَنْ يَسْتَفِزَّ هُمْ اِنْ كُوَا كَهَاڑ دے موسیٰ کو اور ان کی قوم کو نکال دے۔  
الْاَرْضِ سے مراد ہے زمین مصر۔ یا تمام روئے زمین، فرعون چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کو قتل کر کے روئے زمین سے ان کو نکال دے۔

فَاَعْرَقْنٰهٗ وَهَمَّ مَّعَهُ جَمِيْعًا ﴿۱۳﴾  
پس ہم نے اس کو اور جو اس کی ساتھی تھے سب کو ڈبو دیا، یعنی مصر سے ہم نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی جڑ اکھاڑ دی۔  
وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهَا لِبَنِيۤ اِسْرٰٓءِٖلَ اَسْكُنُوْا الْاَرْضِ  
اور فرعون کو ڈبونے کے بعد

ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم اس زمین میں (جہاں سے تم کو فرعون نکالنا چاہتا تھا) رہو۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿۱۳﴾  
پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم سب کو جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔

الْآخِرَةُ یعنی دوسری مرتبہ یا دوسری زندگی۔ یا دوسری ساعت یا دارِ آخرت۔ بہر حال قیامت مراد ہے۔ لَفِيفًا مخلوط، باہم آمیختہ، یعنی تم اور وہ دونوں قیامت کے دن مخلوط ہو کر آؤ گے۔ پھر اہل شقاوت کی جماعت الگ کر دی جائے گی۔ لَفِيفٌ مختلف متعدد قبائل کا مجموعہ، قیامت کے دن بھی ایسا ہی ہوگا، شروع میں مومن، کافر، نیک، بد مخلوط ہوں گے۔ کلبی کے نزدیک وعدہ آخرت آنے سے مراد ہے، حضرت عیسیٰ کا آسمان سے آنا اور جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا کا یہ مطلب ہے کہ ادھر ادھر ہر طرف سے مختلف اقوام آئیں گی۔

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَّلَ  
اور حق ہی کے ساتھ ہم نے اس کو اتارا ہے اور حق ہی کے ساتھ وہ نازل ہوا ہے۔ اول الحق سے مراد ہے وہ حکمت و مصلحت جو نزول قرآن کی مقصدی تھی اور دوسرے الحق سے مراد ہے دانائی اور سچائی جو قرآن کے اندر ہے۔ بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم نے قرآن کو ملائکہ کی نگرانی میں آسمان سے اتارا ہے اور ملائکہ کی حفاظت میں ہی وہ رسول پر نازل ہوا ہے۔ شیاطین کی دست رس سے قرآن محفوظ ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۱۴﴾  
اور (اے محمد) ہم نے آپ کو صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، فرماں برداروں کو جنت کی خوش خبری دینے والا اور نافرمانوں کو دوزخ سے ڈرانے والا۔ یعنی آپ کا کام صرف بشارت اور تحویف ہے، ہدایت پر مجبور کرنا آپ کا کام نہیں۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ﴿۱۵﴾  
اور قرآن میں جا بجا ہم نے فصل رکھنا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھیر ٹھیر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔

فَرَقْنَاهُ یعنی ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے متفرق طور پر اتارا پورا قرآن بیس برس میں اترا، لہذا یہ مطلب ہے کہ قرآن کو ہم نے تفصیل دار اور کھول کر بیان کیا ہے۔ حسن نے کہا فرقنا کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کے اندر حق کو باطل سے الگ کر دیا، حق و باطل میں امتیاز کر دیا۔

مُكْثٍ مہلت۔ قرآن کو وقفہ وقفہ سے تھوڑا تھوڑا اتارنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو۔

قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّ  
(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ تم قرآن کو سچا مانو یا نہ مانو۔ یعنی تمہارے ایمان سے قرآن کو کوئی فائدہ نہیں اور انکار سے اس کا کچھ ضرر نہیں، تمہارے ایمان سے خود تم کو فائدہ پہنچے گا۔ قرآن کے کمال میں اضافہ نہ ہوگا اور انکار سے تمہارا نقصان ہوگا۔ قرآن کے کمال میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلآذِقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۶﴾  
جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا جب یہ قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

۱۔ معلوم نہیں حضرت مفسر کو بیس سال کی روایت کہاں سے پہنچی، تاریخی حقیقت اس کے خلاف ہے چالیس سال کی عمر میں بعثت ہوئی اور نزول قرآن کا آغاز ہو اور ۶۳ یا ۶۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی اور قرآن کا نزول ختم ہوا، اس حساب سے ۲۳ یا ۲۴ سال میں پورا قرآن اترا۔ مترجم۔

یعنی اگر تم ایمان نہ لائے تو نہ لاؤ دوسرے لوگ اس پر ایمان لے آئے، جو تم سے بہتر ہیں ان دوسرے ایمان لانے والوں سے مراد ہیں اہل کتاب کے علماء جو کتب سابقہ پڑھتے، حقیقت وحی کو جانتے اور علامات نبوت سے واقفیت رکھتے تھے اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتے تھے، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے اوصاف اور حالات سابقہ کتابوں میں پڑھے تھے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے اَلَّذِينَ اَوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے دین حق کی جستجو میں لگے ہوئے تھے جو نبی رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی وہ ایمان لے آئے، جیسے حضرت زید بن عمرو بن ثقیل، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری وغیرہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں منکروں کو تہدید کرنی مقصود نہ ہو بلکہ رسول اللہ ﷺ کو تسکین و تسلی دی گئی ہو کہ یہ جاہل ایمان نہیں لائے تو آپ پریشان نہ ہوں، اہل علم تو ایمان لے آئے آپ ان منکروں کی روگردانی کی پروا نہ کیجئے۔ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گرنے سے مراد ہے منہ کے بل سجدہ میں گرنے۔ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔

یعنی حکم الہی کی تعظیم کے لئے اور اس شکر یہ میں کہ اللہ نے جو سابق کتابوں میں وعدہ فرمایا کہ انقطاع رسل کی مدت میں ہم محمد ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجیں گے اور ان پر قرآن نازل کریں گے وہ وعدہ اللہ نے پورا کیا۔

اور کہتے ہیں ہمارا رب وعدہ  
 وَيَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾  
 خلائی سے پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ یقیناً پورا ہونے والا ہے یعنی کتب سابقہ میں اللہ نے جو وعدہ کیا تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجے اور قرآن نازل کرنے کی بشارت دی تھی، لامحالہ اس کو پورا ہونا تھا۔

اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں، ٹھوڑیوں کے بل گرنے کا  
 وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ  
 دوبارہ ذکر اس لئے کیا کہ سجدہ کرنے کے سبب میں اختلاف تھا، پہلا تو سجدہ شکر تھا کہ اللہ نے وعدہ پورا کیا اور دوسرا سجدہ اس تاثر کا نتیجہ تھا جو قرآنی ہدایات پڑھ کر ان کے دلوں میں پیدا ہوا تھا۔

اور قرآنی برکات کا جو نزول ان کے دلوں پر ہوتا ہے اس کی وجہ سے قرآن سننا  
 وَيَزِيْدُوْنَهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۹﴾  
 ان کے اندر خشوع، علم اور یقین بڑھنے کا موجب ہوتا ہے۔

### مسئلہ

قرآن سننے کے وقت رونا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے خوف سے رو یا وہ دوزخ میں داخل نہ ہو گا یہاں تک کہ دودھ گھن میں لوٹ جائے (اور تھنوں کے اندر دودھ کا لوٹنا جانا تو محال ہے، پس خوف خدا سے رونے والے کا دوزخ میں داخل ہونا بھی محال ہے) اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں مسلمان کے تھنوں میں جمع نہیں ہوگا (یعنی جس مسلمان کے بدن پر راہ خدا میں غبار پڑا، وہ جہنم کا دھواں بھی نہ سونگھے گا) رواہ ابویغوی والحاکم، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ بیہقی کی روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، دو (قسم کی) آنکھوں کو دوزخ کی آگ کا پالینا حرام کر دیا گیا ہے (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی (دوسری) وہ آنکھ جو رات بھر (بیدار رہ کر) اسلام اور اہل اسلام کی کافروں سے حفاظت کرتی رہی۔ حضرت حکیم بن حزام کا بیان ہے، میں نے خود حضور ﷺ کو فرماتے سنا تین (طرح کی) آنکھوں پر آگ حرام کر دی گئی ہے، (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی، (تیسری) وہ آنکھ جو ممنوعات خداوندی سے بند رکھی گئی۔

یعنی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کے خوف سے روئی اور اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی اور اس آنکھ پر دوزخ حرام ہے جو اللہ کی ممنوعات سے بند رکھی گئی، یا فرمایا اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں پھوڑی گئی۔ طبرانی نے اس روایت کو الکبیر میں لکھا ہے اور صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اللہ نے آگ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ رواہ ابن ماجہ۔ ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نماز پڑھی اور دعا کی یا اللہ یا رحمن۔ مشرک یہ الفاظ سن کر کہنے لگے اس بے دین کو دیکھو ہم کو تو دو معبودوں کو پکارنے سے منع کرتا ہے (اور خود دو کو پکارتا ہے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا وَالرَّحْمٰنَ اَيْمَا مَا تَدْعُوۤا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کو (لفظ اللہ کہہ کر) پکارو یا رحمن جس سے بھی پکارو۔

(دونوں درست ہیں) کیونکہ اس کے اچھے اچھے نام بہت سے ہیں۔ بغوی کے بیان میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے آیا ہے کہ مکہ میں ایک رات کو نماز کے اندر سجدے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ یا رحمن۔ ابو جہل بولا محمد ﷺ ہم کو تو ہمارے معبودوں کو پکارنے سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکارتا ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی ذات کے دونوں نام ہیں، بولنے میں تعدد ہے مگر یہ تعدد وحدت ذات سے مانع نہیں۔ وہی ذات مستحق عبادت ہے کوئی دوسرا مستحق معبودیت نہیں۔ آیت میں لفظ او تخمیر کے لئے ہے (یعنی تم کو اختیار ہے کہ ایک ذات کو لفظ اللہ کہہ کر پکارو یا لفظ رحمن کہہ کر) بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا آپ لفظ رحمن (اللہ کے لئے) کہتے ہیں (یہ لفظ تو توریت کا ہے) اللہ نے توریت میں بکثرت ذکر کیا ہے اس پر آیت بالا کا نزول ہوا، مطلب یہ ہے کہ دونوں لفظ برابر ہیں، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ پکارنے سے مراد ہے نام لینا۔ اللہ کے سب نام اچھے اچھے ہیں کیوں کہ ان سے صفات جلال و جمال کا ظہور اور ہر عیب و نقص سے پاکی کا مظاہرہ ہوتا ہے، اللہ کے اسماء کی تفصیل اور اس سے متعلق مباحث سورہ اعراف کی آیت وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا کی تفسیر میں لکھ دیئے ہیں۔

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۰

اور اپنی نماز نہ تو بہت پکار کر پڑھو اور نہ بالکل چپکے چپکے ہی پڑھو اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کرو۔ یعنی نماز میں قرأت اتنی اونچی آواز سے نہ کرو کہ (دور رہنے والے) مشرک بھی اس کو سن لیں اور نہ اتنی ہلکی آواز سے پڑھو کہ پیچھے صف اول کے مسلمان (شركاء نماز) بھی نہ سن پائیں، بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو۔ متوسط درجہ ہر چیز کا بہتر ہوتا ہے (افراط و تفریط دونوں برخ فتنج ہیں) الصلوة سے مراد قرأت کی نماز ہے، فرض ہو (مغرب، عشاء، یا نفل، تہجد وغیرہ) کیونکہ دن کی نمازیں تو باجماع امت سری ہیں ظہر و عصر میں قرأت جہری نہیں، جمہور امت اسلامیہ تمام کی تمام دن کی نمازوں میں قرأت سری کرتی چلی آئی ہے۔ یا متوسط راہ اختیار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ دن کی نمازوں میں اور جہاں مشرک سن سکتے ہوں وہاں سری قرأت اختیار کرو۔ اور رات کی نماز میں متوسط جہر سے قرأت کرو۔

بغوی نے بطریق بخاری ابو بشیر کی وساطت سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں مکہ میں چھپے ہوئے تھے، اس دور میں جب صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے تو قرأت اونچی آواز سے کرتے تھے، جب مشرک قرآن کو سنتے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے کو اور جس پر اتارا گیا تھا اس کو سب کو برا کہتے تھے، اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ یعنی قرأت اونچی آواز سے نہ کرو کہ مشرک سن کر قرآن کو گالیاں دینے لگیں۔ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا۔ اور نہ اتنی پست آواز سے پڑھو کہ ساتھی بھی نہ سن پائیں۔ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيْلًا اور درمیانی راہ اختیار کرو کہ صحابہ سن لیں اور مشرکوں تک قرأت کی آواز نہ پہنچے۔ بغوی نے لکھا ہے کچھ علماء کا خیال ہے کہ آیت کا نزول دعا کے متعلق ہوا تھا (یعنی صلوة سے مراد اس آیت میں دعا ہے) ام المومنین حضرت عائشہؓ، مخمسی، مجاہد اور مکحول کا یہی قول ہے، بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آیت وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا کے متعلق فرمایا یہ دعا کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ابن جریر نے بطریق ابن عباسؓ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن اول روایت کو قوی الاسناد ہونے کی وجہ سے ترجیح دی ہے، نووی

کے نزدیک اول روایت راجح ہے۔ شیخ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعا کے متعلق غالباً اس آیت کا نزول ہوا۔

ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس جب نماز پڑھتے تو دعا اونچی آواز سے کرتے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضرت مفسر نے فرمایا مجھے تطبیق کی یہ کوشش پسند نہیں کیونکہ نماز کے اندر پڑھنے کی جو دعائیں اب تک منقول چلی آئی ہیں جو قعدہ میں پڑھی جاتی ہیں اور نوافل میں بحالت قیام و سجود بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آیا ہے وہ سب با اتفاق روایت سری ہی پڑھی جاتی رہی ہیں۔ صرف دعائوت میں اختلاف ہے کہ اس کو جہر اُپڑھا جائے یا سر۔ اس کے علاوہ آیت اذْعُوا رَبِّكُمْ نَضْرَعًا وَخَفِيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ کا حکم عام ہے نماز کے اندر ہو یا باہر ہر دعا کو چپکے چپکے پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لئے اگر روایات میں مطابقت پیدا کرنی ہی ہے تو مناسب ترین یہ توجیہ ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ روایت میں دعا سے مراد سورہ فاتحہ ہے کیونکہ اس کے اندر آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ دعا ہی ہے۔ آیت مذکورہ کے سبب نزول کے متعلق دو روایتیں اور بھی آئی ہیں، لیکن چونکہ یہ روایت صحیح اور اجماعی روایت کے خلاف ہیں، اس لئے قابل قبول نہیں۔ ابن جریر اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ اَرْحَمِنِي اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ لَا تَخَافْتُوْا وَلَا تَجْهَرُوْا۔

بغوی نے حضرت عبد اللہ بن شداد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے اعرابی رسول اللہ ﷺ کے سلام کے جواب میں بلند آواز سے کہتے تھے اَللّٰهُمَّ اَرْزُقْنَا مَالًا وَّوَلَدًا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایات قابل قبول نہیں۔

بغوی نے بطریق ترمذی حضرت عبد اللہ بن رباح انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تم پست آواز سے قرأت کر رہے تھے میں تمہاری طرف سے گزرا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا میں جس سے خطاب کر رہا تھا اس کو ہی سن رہا تھا، فرمایا ذرا آواز اونچی رکھا کرو۔ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا، میں تمہاری طرف سے گزرا تھا تو تم قرآن پڑھنے میں آواز بلند کر رہے تھے (یعنی بہت اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں (اپنی قرأت سے) سوتے کو جگہ ہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، فرمایا ذرا آواز کو نیچی رکھا کرو۔

حضرت ابو داؤد وغیرہ نے حضرت ابو قتادہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ قرأت جہری اور سری کے کچھ مسائل ہم نے سورہ اعراف کی آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ میں بیان کئے ہیں اور جہر و اخفاء کا ذکر اذْعُوا رَبِّكُمْ نَضْرَعًا وَخَفِيَةً کی تفسیر میں کیا ہے۔

## فصل

### رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ قرأت میں رسول اللہ ﷺ کبھی آواز کو اٹھاتے تھے اور کبھی پست کرتے تھے، رواہ ابو داؤد۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر کے اندر ہوتے تھے تو آپ کی قرأت اتنی آواز سے ہوتی تھی کہ حجرہ کے اندر والے سن لیتے تھے۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی کیفیت خود پڑھ کر بتائی اور ایک ایک لفظ کھول کھول کر پڑھ کر بتلایا، رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی۔

حضرت ام ہانی کا بیان ہے میں اپنے بالاخانہ پر رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی آواز سنا کرتی تھی (یعنی مسجد سے بالکل متصل) حضرت ام ہانی کے مکان کی بالائی منزل تک قرأت کی آواز پہنچتی تھی (رواہ الترمذی و النسائی و ابن ماجہ) حضرت عبد اللہ بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی بابت دریافت کیا کہ

حضور ﷺ کیا چپکے چپکے قرأت کرتے تھے یا جہر کے ساتھ فرمایا، ہر طرح پڑھتے، کبھی چپکے چپکے پڑھتے تھے، کبھی جہر کے ساتھ۔  
ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔

وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۖ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ ۖ وَكَوْنُ لَهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الدَّٰلِ ۚ وَكِبْرًا ۖ تَكْبِيرًا ۝

اور کہو کہ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے خاص ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کرو۔  
(حضرت مفسر کے نزدیک) الْمُلْك سے مراد ہے الوہیت، اذل کمزوری۔ وَلِيٌّ، حامی، مددگار۔ یعنی اس کے اندر کوئی کمزوری نہیں کہ اس کو اپنی کمزوری دفع کرنے کے لئے مددگار کی ضرورت ہو۔ اول جنسی اور غیر جنسی شریک کی نفی کی اور اختیاری شریک یعنی اولاد اور غیر اختیاری شریک یعنی سلطنت میں کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہونے کی صراحت فرمائی، پھر کسی مددگار کے ہونے اور کمزوری کو دور کرنے والے حامی کی نفی کی یعنی اس امر کی صراحت کی کہ اس کے اندر کوئی کمزوری ہی نہیں ہے جس کو دور کرنے کے لئے مددگار کی ضرورت ہو، نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور تینوں اوصاف پر حمد کو مرتب کیا کیونکہ جب وہ کامل الذات، خلاقیت میں منفرد اور منعم علی الاطلاق ہے تو ہر حمد کا وہی مستحق ہے اس کے سوا تمام مخلوق ناقص، مملوک اور نعمت یافتہ ہے پس مخلوق کی جو حمد بھی کی جائے وہ حقیقت میں اللہ ہی کی طرف لوٹتی ہے۔

امام احمد نے مسند میں نیز طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت معاذ جہنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۖ آخر سورہ تک تک آیت عزت ہے۔

آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ بندہ اللہ کی تزیینہ اور تجمید کتنی بھی کرتا ہو۔ اور کتنی ہی اللہ کی حمد و ثنا کرے اور کتنی ہی عبادت کرے پھر بھی اس کو اقرار کرنا چاہئے کہ حق ادا کرنے سے قاصر رہا۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن جن کو جنت کی طرف سب سے پہلے بلایا جائے گا وہ وہی لوگ ہوں گے جو دکھ سکھ ہر حالت میں اللہ کی بہت زیادہ حمد کرتے ہیں، رواہ الطبرانی والبیہقی والحاکم۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حمد شکر کی چوٹی یعنی مدار ہے جو بندہ اللہ کی حمد نہیں کرتا وہ شکر نہیں کرتا۔ رواہ البیہقی وعبد الرزاق فی الجامع۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑھیا دعا الْحَمْدُ لِلَّهِ ہے، اور سب سے اعلیٰ ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کو سب سے زیادہ پیارے چار جملے ہیں، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور سُبْحَانَ اللَّهِ اور اللَّهُ أَكْبَرُ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ جس سے شروع کرو، کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) رواہ مسلم واحمد بسند صحیح۔ بغوی نے مذکورہ بالا چاروں احادیث ذکر کی ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت طبرانی نے ذکر کی ہے کہ قیامت کے دن سب بندوں میں بڑھیا درجہ والے وہ لوگ ہوں گے جو بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔

حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ بندہ کا سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ کہنا اللہ کو بہت ہی محبوب ہے۔ رواہ احمد و مسلم و الترمذی۔  
حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نسل عبد المطلب کے بچے کی جب زبان کھل جائے تو اس کو تعلیم دو اور کہو الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۖ الخ۔ یہ حدیث ابن سنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں نقل کی ہے۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے حوالہ سے عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے اپنے مصنف میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔ سورہ نبی اسرائیل کی تفسیر ۳ رمضان ۱۲۰۲ھ کو اللہ کی مدد و توفیق سے ختم ہوئی۔

الحمد لله والشكر له که سورہ بنی اسرائیل کا ترجمہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ کو بعونہ تعالیٰ پورا ہوا۔



## سورة الکہف

سورة الکہف مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابن جریر نے بطریق اسحاق ایک مصری شیخ کے حوالہ سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے، قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے علماء کو یہود کے پاس بھیجا اور ہدایت کی کہ محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں اور ان کے جو احوال ہیں وہ تم یہودی عالموں سے جا کر بیان کرو، وہ اہل کتاب ہیں ان کے پاس جو علمی ذخیرہ ہے ہمارے پاس نہیں ہے جو کچھ وہ فیصلہ کریں آکر ہم کو بتاؤ۔ دونوں قاصد حسب مشورہ مدینہ پہنچے، یہودی علماء سے ملے رسول اللہ ﷺ کی کچھ باتیں اور احوال ان سے بیان کئے، یہودی علماء نے کہا، تم جا کر محمدؐ سے تین باتیں دریافت کرو۔ اگر وہ بتادیں تو یقیناً وہ خدا کے فرستادہ نبی ہیں، نہ بتائیں تو سمجھ لو جھوٹے ہیں۔

(۱) ان سے دریافت کرو، وہ چند نوجوان کون تھے جو پچھلے زمانے میں گزر گئے اور ان کے واقعات دنیا سے بالکل انوکھے تھے وہ واقعات کیا تھے۔

(۲) وہ کون آدمی تھا جو زمین کے سارے مشرق و مغرب میں گھوما تھا، اس کے واقعات اور حالات کیا تھے۔

(۳) ان سے پوچھو، روح کی کیا حقیقت ہے۔

دونوں نمائندے مدینہ سے مکہ واپس آگئے اور قریش سے کہا ہم ایک فیصلہ کن امر لے کر آئے ہیں جو تمہارے اور محمد ﷺ کے درمیان قطعی فیصلہ کر دے گا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ سے مذکورہ بالا تینوں سوال کئے، حضور ﷺ نے فرمایا، تمہارے سوالوں کا جواب میں کل کو بتا دوں گا، حضور ﷺ نے بتا دینے کا وعدہ تو کر لیا مگر انشاء اللہ اس کے ساتھ نہیں فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پندرہ روز کی تاخیر ہو گئی، اس مدت میں نہ کبھی جبرئیل آئے، نہ اللہ نے کوئی وحی بھیجی۔ آخر وحی نہ آنے سے آپ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اہل مکہ بری خبریں اڑانے لگے اور قریش کی طرف سے طعن و تشنیع کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ آخر اللہ کی طرف سے جبرئیل سورۃ الکہف لے کر نازل ہوئے۔ اس سورۃ میں دونوں سوالوں کا جواب ہے اور روح کے متعلق آیت **يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ الخ** بھی ہے، اور کافروں کی ہدایت کے غم میں گھلتے رہنے پر کچھ عتاب بھی ہے۔

تعریف ہے اس اللہ کی جس نے اپنے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ

(خاص) بندے پر قرآن مجید اتارا۔ قرآن اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے یہ بندوں کو تکمیل انسانیت کا راستہ بتاتا ہے، معاش و

معاد کو درست کرنے والی تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہی نے بندوں کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس لئے اس نے انعام قرآن کا ذکر کر کے خود اپنی ثنا کی اور اس میں بندوں کو حمد خداوندی کرنے کی (درپردہ) تعلیم بھی دے دی۔  
 وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ①  
 اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

معانی میں کجی کو عِوَج بکسر عین اور خارجی چیزوں کی کجی کو عِوَج بفتح عین کہا جاتا ہے۔ رفی رَاہِ عِوَج اور رفی عِصَاهُ عِوَج بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے نہ الفاظ میں کوئی خرابی اور اختلال ہے، نہ معانی میں کوئی تعارض و اختلاف، نہ اللہ کی طرف دعوت دینے میں کسی جگہ مقصد سے انحراف ہے، نہ کسی آیت میں حکمت و مصلحت سے خروج۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرِ ذِي عِوَجٍ کا ترجمہ غیر مخلوق کیا ہے۔ اس تفسیر کی روشنی میں بعض علماء نے لَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا کا ترجمہ اور مراد یہ معنی یہ بیان کیا کہ اللہ نے قرآن کو مخلوق نہیں کیا، یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

قِيَمًا استقامت کے ساتھ متصف فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یعنی معتدل جس کے احکام میں نہ افراط (شدت) ہے نہ تفریط (زیادہ نرمی) فراء نے کہا تمام آسمانی کتابوں کی صحت کا شاہد اور ان کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا تمام انسانوں کے مصالح کا درست کرنے والا۔

کجی نہ ہونا اور مستقیم ہونا دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، لیکن کچھ سیدھی مستقیم چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان میں کسی قدر کجی ہوتی ہے (جو محسوس نہیں ہوتی) اس لئے کجی نہ ہونے اور مستقیم ہونے کی تاکید صراحت کر دی۔

لِيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا لِّمَنْ كَفَرَ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ② مَّا كَثِيرٍ فِيهِ اِبْدَاءٌ ③  
 تاکہ وہ (بندہ قرآن کے ذریعہ سے

کافروں کو) اللہ کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے (جو دوزخ کے اندر ہوگا) اور جو مومن نیک کام کرتے ہیں ان کو اچھے ثواب کی بشارت دے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اچھے ثواب سے مراد ہے جنت اور اللہ کی خوشنودی۔ مَّا كَثِيرٍ مقیم رہیں گے۔ اِبْدَاءٌ اتنی مدت جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ④ مَّا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُورَتْ كَلِمَةٌ تَخُوجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ⑤  
 اور تاکہ ان لوگوں کو

ڈرائے جو کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ اولاد رکھتا ہے نہ تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھی، بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں۔

اللہ کو صاحب اولاد قرار دینا شدید ترین کفر ہے اسی شدت کفر کو ظاہر کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرانے کا ذکر کیا جو کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

مَّا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ یعنی اللہ کی (مفروضہ) اولاد کا یا اولاد قرار دینے کا یا اس (کفریہ) بات کا ان کو کوئی علم نہیں۔ مطلب یہ کہ جو بات زبان سے نکالتے اور جو عقیدہ رکھتے ہیں اس کی حقیقت کا ان کو کوئی علم نہیں، محض جہالت یا تو ہم پرستی یا

دوسروں کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں، خود ان کو اپنے کلام کی مراد معلوم نہیں باپ (اب) بیٹے (ابن) کا اطلاق ان کے نزدیک موثر اور اثر پر بھی ہوتا ہے اور نسب باپ بیٹے پر بھی۔ اگر ان کو اس لفظ کی مراد معلوم ہوتی اور نسب باپ بیٹا مراد ہوتا تو ایسا لفظ کبھی نہیں

بولتے، یہ بات جو ان کی زبانوں سے نکل رہی ہے، بڑی کفریہ ہے۔ اس سے مخلوق کا خالق جیسا ہونا، اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک کرنا اور اللہ کا محتاج ہونا اور اپنا جانشین بنانے کا ضرورت مند ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## ..... ایک شبہ .....

نادانی میں کوئی جرم ہو جائے تو قابل مواخذہ نہ ہونا چاہئے، خطا اجتہادی قابل عفو ہے پس بے علمی کی وجہ سے کچھ لوگ کفر یہ الفاظ زبان سے نکالتے ہیں اور خدا کو صاحب ولد کہتے ہیں تو کیوں ان کو عذاب کی وعید دی گئی۔

## ..... ازالہ .....

کسی چیز کا علم نہ ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں (۱) وہ چیز موجود ہو اور اس کے احوال کا علم نہ ہو۔ (۲) وہ چیز معدوم ہو بلکہ اس کا وجود ہی ناممکن ہو اس لئے اس کی کسی حالت کا علم نہ ہو۔ اول صورت میں ناواقفیت کبھی کبھی عذر بن سکتی ہے، لیکن دوسری قسم کی جہالت کا کوئی عذر قابل پذیرائی نہیں۔ اس جگہ ناواقفیت اور جہالت کی دوسری صورت مراد ہے جو بہر حال قابل مواخذہ ہے۔ کِبْرُت کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ کفر کے اعتبار سے یہ کفر یہ بات بڑی ہے۔ دوسرا معنی کِبْرُت کا بَشَسْت ہے یعنی یہ بات بری ہے۔ کلمہ کا استعمال پورے کلام بلکہ پورے قصیدہ کے لئے بھی ہوتا ہے، اس جگہ کلام (بات) ہی مراد ہے بات کی آواز تو منہ سے ہی نکلتی ہے اس آیت میں تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ کا لفظ بڑھا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی جرات کفر بہت زیادہ ہے کہ کلمہ کفر اپنے منہ سے (دانستہ) نکالتے ہیں۔ جھوٹ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اس بات کی واقع میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ قریش کی ایک جماعت جس میں ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ابو جہل بن ہشام اور نضر بن حارث اور عاص بن وائل اور اسود بن مطلب اور ابوالبختری شامل تھے جمع ہوئے (اور رسول اللہ ﷺ کو بلوایا اور آپ سے وہ گفتگو کی جو اوپر شروع میں نقل کر دی گئی ہے اور بالآخر رسول اللہ ﷺ مایوس ہو کر مجلس سے اٹھ آئے) تو ان لوگوں کی مخالفت اور نصیحت سے سر تابی حضور ﷺ کو بہت کھلی اور قلبی تکلیف ہوئی، اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝۶

اگر انہوں نے اس کلام یعنی قرآن کو نہیں مانا تو شاید آپ ان کے پیچھے انتہائی غم سے اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے۔ اَسَفٌ انتہائی غم و غصہ جیسے کسی کے دوست اس کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں اور فراق پر وہ صبر نہ کر سکے اور غم سے گھل گھل کر مر جائے، یہی حالت رسول اللہ ﷺ کی تھی، آپ کو سرداران قریش کے ایمان لے آنے کی انتہائی فکر و خواہش تھی اور ان کی سر تابی سے بہت زیادہ اندوہ و ملال تھا آپ کے انتہائی اندوہ و حسرت کو اس فراق زدہ کے غم سے تشبیہ دی، جس کو فراق احباب نے جان ہار بنا دیا ہو۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا  
 (حیوان) اس کو ہم نے زمین اور اہل زمین کے لئے سجاوٹ بنا لیا ہے۔  
 زمین پر جو کچھ ہے (خواہ کانیں ہوں یا نباتات یا جاندار

ایک شبہ: سانپ، بچھو، موزی جانور اور شیطان زمین کی زینت کس طرح ہیں۔  
 جواب: سانپ، بچھو وغیرہ بھی اپنے بنانے والے کے کمال قدرت و صنعت اور وحدت ذات و صفات پر دلالت کر رہے ہیں، اس لئے یہ بھی زمین کی زینت ہی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَا عَلَى الْأَرْضِ سے صرف انسان مراد ہیں، بعض اہل تفسیر کے نزدیک صرف علماء اور صلحاء مراد ہیں، بعض علماء کے نزدیک صرف وہ زینت مراد ہے جو آب و ہوا اور سرسبز لہلہاتے درختوں سے زمین پر ہو جاتی ہے، دوسری آیت میں اس کو زینت ارض قرار دیا گیا ہے، فرمایا حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازْبَيَّتْ۔ بعض کے

نزدیک صرف وہ چیزیں مراد ہیں جن سے اس دنیا کی آرائش ہو رہی ہے (کوٹھیاں، اونچے محلات، اعلیٰ فرنیچر، چمنستان، باغات وغیرہ)

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں مَا عَلَى الْأَرْضِ سے اگر ہر موجود ارضی مراد ہو تو ناممکن نہیں ہے کیونکہ مجموعی طور پر بحیثیت اجمال پورا نظام حسین ہے یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز کو تحسین میں دخل ہے کیونکہ ہر (ذاتی حسین) چیز کا حسن اضافی ہے اگر قبیح کا وجود نہ ہو تو حسین کا جمال معلوم نہ ہو (پس قبیح کو بھی زینت ارض میں دخل ہے)۔

لِنَبْلُوهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۶﴾ تاکہ ہم جانچ لیں کہ (زمین کی چیزوں کا استعمال) کون (مومن) ہو یا کافر (اچھے طور پر کرتا ہے۔ سب سے بہتر استعمال کرنے والا وہی ہو گا جو ان چیزوں کا حریص اور ان پر فریفتہ نہ ہو اور قدر ضرورت پر قناعت کر لے اور صحیح راستہ میں ان کو صرف کرے، حدیث میں آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کوئی شک نہیں کہ دنیا سرسبز اور شیریں ہے اور اللہ تم کو (پچھلوں کا) جانشین اس دنیا میں بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جَدْرًا ﴿۷﴾ اور ہم زمین پر کی تمام چیزوں کو ایک چٹیل میدان بنا دیں گے۔

یعنی جس حیوان و نبات وغیرہ کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے اس کو یقیناً ہم خاک بنا دیں گے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيعِ كَانُوا مِن آيَاتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ کہف و رقیم والے ہمارے عجائبات میں سے کوئی عجیب چیز تھے۔ استفہام تقریری ہے یعنی کیا تم کو معلوم ہے کہ کہف و رقیم والے مجملہ آیات خداوندی کے ایک عظیم الشان نشانی تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ اصحاب کہف و رقیم اللہ کی قدرت کی عجیب نشانی تھے یا استفہام انکاری ہے یعنی کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ کہف و رقیم والے کوئی عجیب نشانی تھے، ایسا نہیں ہے، زمین اس کی مختلف الانواع، متعدد الاجناس موجودات جن کی کوئی گنتی نہیں اور اللہ نے ان کو زمین کی زینت بنایا ہے کہیں زیادہ تعجب آفرین ہیں پھر ان کا خاک میں مل جانا اور اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا بہت ہی عجیب آیت قدرت ہے۔

کہف پہاڑی کشادہ غار۔ رقیم سے کیا مراد ہے سب سے اچھا قول اس سلسلہ میں سعید بن جبیر کا ہے کہ رانگ یا پتھر کی ایک تختی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کا قصہ لکھا ہوا تھا، اس قول پر رقیم، رقیم سے مشتق ہو گا، اور رقیم کا معنی ہے لکھنا۔ اور رقیم بمعنی مرقوم ہو گا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ رقیم اس وادی کا نام تھا جس میں اصحاب کہف کا غار تھا، اس قول پر رقیم کا اشتقاق رقیمۃ الوادی (وادی کا کنارہ) سے ہو گا۔ کعب احبار نے کہا رقیم اس بستی کا نام ہے جہاں سے اصحاب کہف برآمد ہوئے تھے۔ بعض نے رقیم اس پہاڑ کا نام بتایا ہے جس میں اصحاب کہف کا غار تھا۔ ان تمام اقوال پر اصحاب الکھف اور اصحاب الرقیم دونوں ایک ہی تھے الگ الگ نہ تھے، لیکن بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اصحاب الکھف الگ تھے اور اصحاب الرقیم الگ۔

عبد بن حمید، ابن المنذر، طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت نعمان بن بشیر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اصحاب الرقیم کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ تین شخص تھے جو ایک غار میں جا گھسے تھے۔

امام احمد اور ابن المنذر نے حضرت انس کی مرفوع روایت بیان کی کہ گزشتہ لوگوں میں تین آدمی تھے جو گھر والوں کے لئے معاش کی جستجو میں چل دیئے راستے میں بارش آگئی، وہ ایک غار میں پناہ گیر ہو گئے۔ جو نہی غار کے اندر داخل ہوئے ایک چٹان (دروازے کی طرف) آپڑی اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ ایک شخص بولا (بھائیو) جس کسی نے جو بھی کوئی نیک کام کیا ہو اس وقت اس کو یاد کر کے اللہ سے دعا کرے، شاید اللہ اس کی برکت سے ہم پر رحم فرمادے۔ چنانچہ ایک نے کہنا شروع کیا میں نے ایک روز کچھ مزدور کام کرانے کے لئے رکھے۔ ایک مزدور دوپہر کو آیا لیکن اس نے باقی آدھے دن میں اتنا کام کیا جتنا دوسروں نے پورے دن میں کیا تھا، میں نے اس کو مزدوری دوسروں کے برابر دے دی۔ دوسرے مزدوروں میں سے ایک شخص کو اس پر غصہ

آگیا، اور وہ اپنی مزدوری میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری گھر کے کسی گوشے میں رکھ دی، کچھ مدت کے بعد میں نے اس مزدوری سے بکری کا ایک بچہ خرید لیا اور اس کی نسل بڑھتے بڑھتے اللہ کی مشیت کے مطابق بہت ہو گئی، مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس لوٹ کر آیا، بوڑھا اور کمزور ہو گیا تھا، میں نے اس کو پہچانا بھی نہیں کہنے لگا میرا آپ کے پاس کچھ حق ہے پھر اس نے اپنے حق کی یاد دہانی کی، اس وقت میں نے اس کو پہچانا اور میں نے سارا مال یعنی بچہ کی نسل کے سارے جانور اس کو دے دیئے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ محض تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس کو کھول دے، چنانچہ پتھر میں اتنا شگاف ہو گیا کہ روشنی نظر آنے لگی۔

دوسرے نے کہا میرے پاس دولت تھی ایک بار سخت قحط پڑا لوگ تنگ حال ہو گئے ایک عورت میرے پاس آئی اور کچھ خیرات مانگی۔ میں نے کہا تیرے معاوضہ میں دے سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں دے سکتا۔ اس نے انکار کیا اور واپس چلی گئی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا آخر اس نے اپنے شوہر سے جا کر اس کا ذکر کیا، شوہر نے کہا اپنے بچوں کی مدد کے لئے اس کی درخواست مان لے۔ عورت میرے پاس آئی اور اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا، میں نے اس کا کپڑا اکھولا اور کچھ کرنا چاہا تو وہ کانپنے لگی۔ میں نے لرزہ کی وجہ دریافت کی، کہنے لگی مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے کہا تو اس سختی میں اس سے ڈرتی ہے، اور میں فرار خ حالی میں اس سے نہ ڈروں ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر میں نے اس کو یونہی چھوڑ دیا اور جو کچھ اس نے مانگا تھا، وہ دے دیا، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس کو کھول دے فوراً پتھر اتنا پھٹ گیا کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ تیسرے نے کہا میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میرے پاس بکریاں تھیں۔ میں والدین کو کھلا پلا کر بکریاں لے کر جنگل کو جاتا تھا، ایک روز بکریوں کے گم ہونے یا منتشر بکریوں کو جمع کرنے کی وجہ سے میں رات سے پہلے نہ لوٹ سکا پھر گھر آ کر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے یونہی صبح تک کھڑا انتظار کرتا رہا آخر صبح کو وہ بیدار ہوئے تو میں نے ان کو پلایا اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری خوشنودی کے لئے کیا ہے تو اس کو ہم سے کھول دے چنانچہ اللہ نے وہ چٹان کھول دی اور سب باہر نکل آئے واللہ اعلم۔

إِذْ أَوْى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ  
تھی.... یہاں سے اصحاب کہف کا قصہ شروع ہے۔ اوی فلان الی موضع فلان شخص نے اس جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔ بغوی نے لکھا ہے یہ غار بیجلوس پہاڑ میں تھا۔ اس غار کا نام تھا حیرم۔

انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم کو اپنے پاس سے  
فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً  
رحمت عطا فرما۔ رحمت کا لفظ عام ہے دین کی ہدایت، گناہوں کی مغفرت، رزق کی وسعت، امن وغیرہ سب کو شامل ہے۔  
وَهَيِّجْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رِشْدًا ۝۱۰  
اور ہمارے لئے اس کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔ یعنی ایمان اور مفارقت کفر پر قائم رہنے کی کوئی صورت ہمارے لئے تیار کر دے (اس مطلب پر ائمہ سے مراد ہو گا ایمان اور ترک کفر) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے تمام معاملات میں ہم کو حق پر استقامت عطا فرما، اس وقت ائمہ سے تمام معاملات زندگی مراد ہوں گے۔ رایت و سنک رُشْدًا عربی محاورہ ہے یعنی میں نے تیری طرف سے حق پر استقامت اور پختگی دیکھ لی۔ کذافی القاموس۔ رُشْدًا باب نصر و سمع دونوں سے آتا ہے اس کا مصدر رُشِدٌ اور رُشِدٌ اور رُشَادٌ ہے رُشِدٌ ہدایت یاب ہو گیا۔ باب استفعال سے بمعنی رُشِدٌ کے بھی آتا ہے اور طلب رُشِدٌ بھی اس کا معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ کی صفات میں رُشِدٌ کا استعمال ہادی کے معنی میں ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اصحاب کہف غار کے اندر پناہ گیر ہونے پر کیوں مجبور ہوئے، علماء نے اس کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا عام عیسائیوں کی دینی حالت بہت بگڑ گئی تھی، بت پرستی تک نوبت پہنچ گئی تھی، بتوں پر چڑھاوے چڑھانے اور ان کے نام پر قربانیاں کرنے کا بھی رواج ہو گیا تھا، بادشاہ بھی سرکش اور بے دین ہو گئے تھے، لیکن کچھ لوگ صحیح دین عیسوی پر قائم تھے اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے، بے دین مخالف توحید بادشاہوں میں سے دقیانوس نام کا بھی

ایک بادشاہ تھا اس کی حکومت بلا دروم پر تھی، یہ بت پرستی کرتا اور بتوں کے نام کی قربانیاں کرتا تھا اور جو لوگ توحید پر قائم رہتے تھے ان کو قتل کر دیتا، اپنے ملک کی مختلف بستیوں میں جاتا اور وہاں کے باشندوں کی جانچ کر تاجوبت پرستی اختیار کر لیتا اس کو چھوڑ دیتا اور جو انکار کرتا اس کو قتل کر دیتا تھا، حسب عادت ایک بار یہ شہر افسوس میں جا کر اتر اچھوڑا اور اہل ایمان تھے ڈر کے مارے وہ چھپ گئے اور جدھر کو جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلے جو اہل ایمان پکڑے جاتے ان کو بت پرستی کی ترغیب دی جاتی اگر وہ توحید چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے لگتے تو ان کو چھوڑ دیا جاتا، ورنہ قتل کر دیا جاتا۔ اور مقتولین کے ٹکڑے کر کے شہر پناہ کی دیواروں پر اور دروازوں پر لٹکا دیا جاتا۔ چند مومن نوجوان جن کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے، ایمان میں بڑے پختہ اور نماز روزے کے بہت پابند تھے اور سب رومی امراء کے لڑکے تھے، سخت گھبرا گئے اور مضطرب ہو کر زاری کے ساتھ انہوں نے دعا کی رَبَّنَا رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْخِ هَمَّارِبِ وَهِيَ هِيَ جِوَزِ مِیْنِ وَاَسْمَانِ کَارِبِ هِيَ هَمَّاسِ كِ سِوَا كِ سِ مَعْبُودِ كِ عِبَادَتِ هِرْ كِزِ نِهْیَسِ كِرِیَسِ كِ وَرَنَهْ یِهْ بُزِیْ زِیَادِیْ اُورِ حَقِّ سِ تَحَاوُزِ هُوْگَا، اے رب اپنے ایماندار بندوں سے اس فتنہ کو دور کر دے، ان کی مصیبت دفع کر دے کہ وہ تیری عبادت علی الاعلان کر سکیں۔ یہ لوگ مسجد کے اندر سجدوں میں پڑے یہ دعا کر رہے تھے کہ سرکاری آفیسر آہنچے اور سب کو گرفتار کر کے دقیانوس کے پاس لے گئے اور کہا آپ دوسرے لوگوں کو تو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لئے قتل کراتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ ہی کے خاندان کے ہیں آپ کے حکم کے خلاف کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا ان کو پیش کر دو۔ یہ نوجوان پیش کئے گئے۔ سب کے چہرے غبار آلود تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بادشاہ نے کہا تمہارے شہر کے سردار ہمارے معبودوں کی پرستش کرتے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے ہیں تم ان کی طرح کیوں نہیں کرتے اور ان کا رنگ ڈھنگ کیوں نہیں اختیار کرتے، میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو ہمارے معبودوں پر بھینٹ چڑھاؤ اور ان کی پوجا کرو، ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔ مکسلینا نے جو سب میں بڑا تھا کہا ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت سے تمام آسمان بھرے ہوئے ہیں، ہم اس کے سوا کبھی کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اسی کے لئے حمد، بزرگی اور پائی ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی سے نجات اور خیر کے طلب گار ہیں، آپ جو چاہیں کریں ہم آپ کے بتوں کی پوجا نہیں کر سکتے۔ مکسلینا کے دوسرے ساتھیوں نے بھی دقیانوس کو یہی جواب دیا، یہ جواب سن کر دقیانوس نے حکم دیا کہ ان کے امیر انہ پکڑے اتروائے جائیں۔ حکم کی تعمیل کر دی گئی، پھر کہنے لگا میں ذرا (دوسروں سے) فارغ ہو لوں تو تم کو وہ سزا دوں گا جو تمہارے لئے میں نے تجویز کی ہے، تم ابھی نوجوان ہو تم کو قتل کرنا میں نہیں چاہتا اسی لئے میں تم کو سزا دینے میں جلدی نہیں کر رہا ہوں اور تم کو مہلت دیتا ہوں کہ تم اپنے معاملہ پر غور کر لو۔ اس کے بعد ان کے سارے امیرانہ زیورات اتار لئے گئے اور دربار سے نکال دیا گیا اور دقیانوس اس بستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کو چل دیا اور واپسی تک کی ان کو سوچنے کی مہلت دے گیا۔ جب وہ شہر سے چلا گیا تو سب نے باہم مشورہ کیا کہ اس کی واپسی سے پہلے پہلے کچھ تدبیر کرنی ضروری ہے، چنانچہ باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر سے کچھ روپیہ لے کر آئے اس میں سے کچھ تو غریبوں کو بانٹ دے اور کچھ کھانے پینے کے لئے رکھ لے پھر سب شہر کے قریب کوہ بیجلوس کے غار میں جا کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دقیانوس کی واپسی تک وہیں ٹھیرے رہیں، جب دقیانوس آجائے تو اس کے سامنے آکر کھڑے ہو جائیں پھر وہ جو کچھ چاہئے کرے (یعنی ہر ایک کو قتل ہونے کے لئے تیار ہو کر دقیانوس کے پاس جانا چاہئے حسب مشورہ ہر شخص اپنے باپ کے گھر جا کر کچھ روپیہ لے آیا، اس میں سے کچھ خیرات کر دیا اور باقی اپنی گزر بسر کے لئے رکھ لیا اور ایک غار میں داخل ہو گئے، ایک کتا بھی ان کے پیچھے ہو لیا وہ بھی غار میں چلا گیا۔ سب غار میں جا کر ٹھیر گئے۔ کعب احبار کا بیان ہے انشاء راہ میں ایک کتا ان کے پیچھے ہو لیا، انہوں نے بھگادیا لیکن وہ پھر لوٹ آیا، انہوں نے پھر بھگادیا کتا پھر لوٹ آیا ایسا چند مرتبہ کیا تو کتا بولا لوگو! تم چاہتے کیا ہو، میری طرف سے اندیشہ نہ کرو۔ جن کو اللہ سے محبت ہے مجھے ان سے محبت ہے تم وہاں سونا میں تمہارا چوکیدار کروں گا۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے یہ لوگ رات کو دقیانوس سے بھاگے تھے، کل سات آدمی تھے ایک چرواہے کی طرف

سے گزرے جس کے پاس کتا تھا چرواہا بھی ان کا ہم مذہب ہو گیا اور ساتھ ہو لیا اور کتا بھی پیچھے پیچھے آگیا، سب لوگ شہر سے نکل کر ایک قریبی غار کی طرف چلے گئے اور اس میں داخل ہو گئے اور وہیں قیام پذیر ہو کر نماز، روزے، تحمید، تسبیح اور تکبیر اللہ کی حمد کرنے، اس کی پاکی بیان کرنے اور عظمت کا اقرار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس کے علاوہ ہر شغل کو چھوڑ دیا اور کل روپیہ اپنے ایک ساتھی جس کا نام تملیخا تھا کے پاس رکھ دیا، تملیخا بڑا ہی خوش تدبیر، خوبصورت اور بہادر تھا شہر کو چھپ کر جاتا اور سب کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتا تھا، تملیخا جب شہر کو جانا چاہتا تو اپنے بڑھیا خوب صورت کپڑے اتار کر فقیروں اور بھیک منگوں کے جیسے کپڑے پہن لیتا اور سکہ لے کر شہر میں جا کر کھانے پینے کی چیزیں خریدتا اور ٹوہ لگاتا کہ دقیانوس یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے ان لوگوں کا کچھ تذکرہ کیا نہیں، پھر لوٹ کر آجاتا اور ساتھیوں کو مطلع کر دیتا۔ اس طرح غار کے اندر یہ لوگ مدت تک رہے، مدت کے بعد دقیانوس شہر میں واپس آیا اور سردار ان شہر کو بتوں پر قربانیاں چڑھانے کا حکم دیا، اہل ایمان میں پھر کھلبلی مچ گئی، تملیخا ابھی اس وقت شہر کے اندر ہی تھا، ساتھیوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خریدنے گیا تھا، غریب تھوڑا سا کھانا لے کر روتا ہوا لوٹ آیا اور آکر ساتھیوں کو بتایا کہ وہ ظالم شہر میں آگیا ہے وہ اور اس کے ساتھی اور شہر کے بڑے لوگ ہماری جستجو میں ہیں، یہ بات سن کر سب گھبرا گئے اور سجدہ میں پڑ کر گڑ گڑا کر اللہ سے دعا کرنے اور فتنہ سے پناہ مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ تملیخا نے کہا یارو! سروں کو اٹھاؤ کھانا کھاؤ اور اللہ پر توکل رکھو، سب نے سجدے سے سر اٹھائے آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر سب نے کھانا کھایا، یہ واقعہ غروب آفتاب کے وقت کا تھا کھانے کے بعد آپس میں باتیں کرنے اور پڑھنے پڑھانے اور باہم نصیحتیں کرنے میں مشغول ہو گئے، غار کے اندر باتوں میں ہی مشغول تھے کہ یکدم اللہ نے سب پر نیند کو مسلط کر دیا، سب سو گئے۔ کتا دروازے پر پاؤں پھیلائے پڑا تھا جو نیند اللہ نے ان لوگوں پر مسلط کی تھی وہی کتے پر بھی مسلط کر دی، اس وقت ان کا سارا روپیہ سرہانے پڑا ہوا دوسرے دن صبح ہوئی تو دقیانوس نے ان کو تلاش کر لیا لیکن کسی کو نہ پاس کا کہنے لگا مجھے ان جوانوں کے کیس نے پریشان کر رکھا ہے، انہوں نے خیال کیا کہ میں ان پر ناراض ہوں (اور ضرور قتل کرادوں گا اس لئے چھپ گئے) وہ اپنی نادانی کی وجہ سے میرے سلوک سے واقف نہ تھے اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں ان پر کسی قسم کا بار نہیں ڈالتا، شہر کے سرداروں نے کہا آپ کو ان سرکشوں، نافرمانوں، بدکاروں پر رحم کرنا ہی نہیں چاہئے تھا (وہ اس قابل ہی نہیں تھے) آپ نے ان کو ایک محدود مہلت دے دی تھی اگر وہ چاہتے تو اس مدت کے اندر توبہ کر لیتے اور (فرماں برداری کی طرف) لوٹ آتے لیکن انہوں نے توبہ ہی نہیں کی۔ بادشاہ یہ بات سن کر سخت مشتعل ہو گیا اور اصحاب کھف کے باپوں کو بلوایا اور ان کے بیٹوں کے متعلق جواب طلب کیا اور دریافت کیا تمہارے وہ سرکش بیٹے کہاں ہیں جنہوں نے میرے حکم سے سرتابی کی۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کی نافرمانی کی نہیں، پھر ان سرکشوں کے جرم کی وجہ سے آپ ہم کو قتل نہ کریں وہ تو ہمارا بھی مال لے گئے اور لے جا کر بازاروں میں برباد کر دیا یعنی فقیروں کو بانٹ دیا۔ یہ معذرت سن کر بادشاہ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ آدمیوں کو کوہ بیجلوس کی طرف بھیجا اور اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ جس غار کے اندر اصحاب کھف داخل ہوئے تھے، اس کا منہ بند کرادے، اللہ کی مشیت تھی کہ اصحاب کھف کو عزت عطا فرمادے اور آنے والی قوموں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنا دے اور لوگوں کو دکھادے کہ قیامت ضرور آئے گی اور (جس طرح اس غار کے اندر نیند کی حالت میں اللہ نے ان کو سینکڑوں برس رکھ کر پھر زندہ اٹھایا اسی طرح) اللہ قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ غرض دقیانوس نے غار کا منہ بند کر دیا اور کہا جس غار کو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے اسی غار کو ان کے لئے قبریں بنا دو۔ وہیں گھٹ گھٹ کر بھوکے پیاسے مر جائیں، اس کا خیال تھا کہ اصحاب کھف بیدار ہیں اور غار کے بند ہو جانے کا ان کو علم ہے، حالانکہ اللہ نے نیند کی حالت کی طرح ان کی روحوں کو قبض کر لیا تھا، کتا غار کے دروازے پر اگلے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا اور جس طرح نیند اصحاب کھف پر مسلط کر دی گئی تھی اسی طرح کتے پھر بھی نیند چھا گئی تھی۔ اللہ کے حکم سے اصحاب کھف سونے میں دائیں بائیں کروٹیں بھی لیتے تھے (اگر ایک پہلو پر پڑے رہتے تو ممکن تھا گوشت گل جاتا اس لئے کروٹ لینا ضروری تھا)





گزارنے کا ارادہ کر لیا اور طے کر لیا کہ آج رات یہیں رہو، صبح ہوگی تو کچھ سوچیں گے۔ چنانچہ اندر پہنچ کر رات کو بے خبر سو گئے، بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کی جستجو میں نکلا اور غار پر جا پہنچا، معلوم ہوا وہ لوگ اندر جا چکے ہیں، بادشاہ کے ساتھیوں میں سے کسی شخص نے اندر گھسنے کا ارادہ کیا مگر دہشت زدہ ہو گیا پھر کسی میں اندر گھسنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک شخص نے بادشاہ سے کہا اگر وہ آپ کے ہاتھ آجاتے تو کیا آپ کا ارادہ ان کو قتل کر دینے کا نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا بلاشبہ یہی ارادہ تھا۔ اس شخص نے کہا تو اب غار کے دروازے کو بند کر کے کوئی دیوار بنا دیجئے کہ اندر بھوکے مر جائیں (بہر حال قتل کر دینا تو مقصد ہی ہے) بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔

وہب کا بیان ہے، دروازے کی بندش کو اس کے بعد طویل زمانہ گزر گیا، ایک دور کے بعد دوسرا دور آیا اور گزر تا چلا گیا مدت کے بعد اتفاقاً جنگل میں کسی چرواہے کو بارش نے آگھیرا وہ بکریاں بھڑیس لے کر پناہ لینے کے لئے اس غار کی طرف آیا اور بکریوں کو سایہ میں محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کر کے اس نے دروازہ کھول دیا ادھر صبح ہوئی تو اللہ نے ان کی روحیں لوٹا دیں (یعنی ان کو بیدار کر دیا اور ایسا معلوم ہوا کہ رات بھر سو کر صبح کو بیدار ہوئے ہیں)۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے مدت کے بعد وہاں کی حکومت ایک نیک آدمی کے ہاتھ آگئی اس شخص کا نام بیدو سیس تھا، اس کی حکومت کو جب ۶۸ سال گزر گئے تو لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ مومنوں کا تھا جو اللہ پر ایمان رکھتا اور قیامت کو حق جانتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا جو اللہ اور قیامت کا منکر تھا، بیدو سیس کو یہ پھوٹ اور گمراہی کا پھیلاؤ دیکھ کر بڑا رنج ہوا وہ اللہ کے سامنے رو دیا، زاری کی اور اس کو اس بات سے بڑا دکھ ہوا کہ اہل باطل حق پرستوں پر غالب ہوتے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اہل باطل حشر جسمانی کے قائل نہیں تھے صرف حشر روحانی کو مانتے تھے اور دنیوی زندگی پر ہی رتھے ہوئے تھے، بیدو سیس نے ان لوگوں کو بلوایا جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ ائمہ حق اور اصحاب خیر ہیں جب وہ آئے تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بھی قیامت کے قائل نہیں ہیں اور لوگوں کو حواریوں کے دین و مذہب سے مرتد بنا دینے اور لوٹا دینے کے خواستگار ہیں یہ دیکھ کر بادشاہ اپنے کمرے میں چلا گیا، دروازہ بند کر لیا، کبیل کا لباس (یعنی فقیرانہ لباس) پہن لیا اور راکھ بچھا کر اس پر بیٹھ گیا اور مدت تک رات دن مسلسل اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتا اور دعا کرتا رہا کہ الہی تو ان لوگوں میں تفرقہ پڑ جانے سے واقف ہے کوئی ایسی نشانی ظاہر کر دے، جس سے ان لوگوں کو اپنے عقیدہ کا غلط اور باطل ہونا واضح ہو جائے۔ یوں بھی اللہ رحمن و رحیم ہے اس کو اپنے بندوں کا تباہ ہونا پسند نہیں، اس نے اپنے نیک بندے بیدو سیس کی دعا قبول فرمائی اور اصحاب کھف کی حالت کو ظاہر کرنا اور ان کو منکرین قیامت کے خلاف بطور دلیل پیش کرنا اور ثبوت قیامت اور مردوں کی بعثت پر یقین دلانے کے لئے ایک نشانی نمایاں کرنا چاہا۔ اس کی یہ بھی مرضی ہوئی کہ مسلمانوں کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر مجتمع ہو جائے جس کی صورت اس نے یہ پیدا کی کہ جس بستی میں اصحاب کھف کا غار تھا وہیں ایک باشندہ کے دل میں یہ ارادہ پیدا کر دیا کہ غار کے دروازے پر جو عمارت بنائی گئی تھی اس کو ڈھا کر اپنی بکریوں کے لئے ایک باڑہ بنا دے اس شخص کا نام اولیاس تھا، اولیاس نے دو مزدور رکھ کر غار کے دروازے کی عمارت کے پتھر اکھڑانا اور اپنی بکریوں کے لئے باڑہ بنوایا شروع کر دیا آخر دروازہ کی ساری عمارت صاف کر دی اور دروازہ کھل گیا، پھر اللہ نے اصحاب کھف کو اٹھا کر بٹھا دیا وہ خوش خوش شگفتہ رو، ہشاش بشاش اٹھے اور خیال کیا کہ حسب معمول ہم رات کو سوئے تھے اور صبح ہوئی تو بیدار ہو گئے۔ پھر معمول کے مطابق انہوں نے نمازیں پڑھیں اور کوئی ایسی علامت ان کے چہروں پر نمودار نہیں ہوئی جس سے اجنبیت یا انوکھا پن ظاہر ہوتا وہ یہ ہی سمجھتے رہے کہ بادشاہ و قیانوس ہماری جستجو میں لگا ہوا ہے۔ اتنی بات ضرور تھی کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ ہم آج کچھ زیادہ سوئے اسی لئے انہوں نے باہم پوچھنا شروع کیا ہم کتنی دیر سوئے کسی نے کہا ایک دن، دوسرے نے کہا کچھ کم ایک دن سوئے ہوں گے (یعنی کے ساتھ صحیح مقدار خواب کوئی نہ بتا سکا) بالآخر بول اٹھے اللہ ہی جانے ہم کتنے وقت سوئے رہے۔ نماز کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے جس کا نام تملیخا تھا اور جس کے پاس سب کا خرچ تھا، کہا ذرا جا کر خبر لاؤ کہ اس ظالم کے سامنے شام کو (ہمارے آنے کے بعد) لوگوں نے کیا باتیں کہیں۔ تملیخا نے کہا کیا

تم شہر میں نہیں ہو، وہ ظالم چاہتا ہے کہ تم کو پکڑو لے اور تم اس کے بتوں پر قربانیاں چڑھاؤ اور انکار کرو تو وہ تم کو قتل کر اٹھے۔ جو اللہ چاہے گا وہ ہو گا فکر کس بات کی ہے مکسلمینا بولا، دوستو! خوب سمجھ لو کہ تم سب کو اللہ کے سامنے جانا ہے اللہ کے اس دشمن کے کہنے سے اپنا ایمان چھوڑ کر کافر نہ بن جانا، اس کے بعد سب نے تملیخا کو مامور کیا کہ شہر کو جا کر خبر لائے کہ وہاں کیا مذکرے ہو رہے ہیں اور دقیانوس سے کیا باتیں کہی جا رہی ہیں اور ذرا چالاکی سے جانا کسی کو تمہارا پتہ نہ چل جائے اور وہاں سے کھانے کے لئے بھی کچھ زیادہ خرید کر لانا ہم سب بھوکے ہیں۔ تملیخا تیار ہو گیا اور بھیس بدلا، کپڑے اتار کر دوسرے پہنے اور دقیانوس سے لے کر باہر نکلنے کے لئے چل دیا، غار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا دروازے کے پتھر اکھڑے ہوئے ہیں دیکھ کر تعجب کیا لیکن کچھ زیادہ پرواہ نہیں کی اور چھپتا چھپاتا اور راستے سے کتر اتا شہر کے دروازے پر پہنچ گیا وہ دقیانوس ہی کا زمانہ سمجھا تھا، اس لئے ڈرتا تھا کہ کوئی اس کو پہچان نہ لے۔ اس کو معلوم ہی نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تین سو برس ہو گئے۔ شہر کے دروازے پر پہنچا اور دروازے کے اوپر نظر پڑی تو ایسی علامتیں دکھائی دیں کہ ایمان والوں کو یہاں آزادی ہے، علامات سے اس بستی کا ایمانداروں کی بستی ہونا ظاہر ہو رہا تھا یہ دیکھ کر بڑا تعجب کیا اور پوشیدہ طور پر حیرت سے دروازے کو دیکھنے لگا پھر اس دروازے کو چھوڑ کر شہر کے دوسرے دروازے کی طرف گیا، وہاں بھی وہی علامتیں دکھائی دیں جو پہلے دروازے پر تھیں خیال کیا کہ یہ وہ شہر ہی نہیں ہے کوئی دوسرا شہر ہے جو میری شناخت میں نہیں آ رہا ہے، وہاں کچھ لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے پایا تو وہ لوگ بھی غیر نظر آئے، غرض تعجب میں پڑ گیا اور خیال کیا کہ راستہ بھٹک گیا پھر لوٹ کر پہلے دروازہ پر آ گیا اور حیرت کرنے لگا کہ یہ وہی چیزیں ہیں جو کل رات تھیں یہ نشانیاں تو مسلمانوں کی ہیں جن کو وہ پوشیدہ رکھا کرتے تھے اور آج یہ نظروں کے سامنے ہیں کیا میں سوتے میں خواب دیکھ رہا ہوں پھر خود ہی کہتا تھا میں تو جاگ رہا ہوں آخر اپنی چادر سر پر ڈالی اور شہر میں داخل ہو گیا، چلتے چلتے بازار میں پہنچا تو وہاں کچھ لوگوں کو حضرت عیسیٰ بن مریم کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا اس کے دل میں اور زیادہ ڈر پیدا ہوا اور یقین کر لیا کہ میں راستہ بھول کر کہیں اور آ نکلا ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا، کل شام تو سوائے چند آدمیوں کے اس سر زمین پر عیسیٰ بن مریم کا نام لینے والا کوئی بھی نہ تھا، آج صبح کیا بات ہو گئی کہ جس سے سنتا ہوں وہ بے دھڑک عیسیٰ کا ذکر کر رہا ہے، شاید میں کسی انجان شہر میں آ گیا۔ مگر ہمارے شہر کے قریب تو کوئی اور بستی بھی نہ تھی، پھر ایک جوان سے ملاقات ہوئی اور اس سے تملیخا نے اس شہر کا نام پوچھا، جوان نے کہا اس شہر کا نام افسوس ہے۔ تملیخا نے دل میں کہا شاید میں مسلوب الحواس اور بے عقل ہو گیا، اب تو میرے لئے یہی مناسب ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اس سے پہلے کہ میری بے عزتی کی جائے یا کوئی اور افتاد مجھ پر پڑے اور میں مارا جاؤں پھر ذرا ہوش آیا تو کہنے لگا قبل اس کے کہ لوگ مجھے جان لیں، یہاں سے بہت جلد نکل جانا ہی مناسب ہے یہ سوچ کر فوراً انان فروشوں کے پاس گیا اور چاندی کا سکہ جو ساتھ لیا تھا نکال کر ایک نان فروش کو دے کر کھانا طلب کیا، نان فروش نے روپیہ لے کر اس کو غور سے دیکھا، مہر اور سکہ کی ضرب پر نظر کی اور تعجب کیا پھر ایک اور آدمی کی طرف پھینک دیا اس نے بھی غور سے دیکھا، اس طرح چند آدمی دیکھنے لگے، ایک دوسرے کی طرف پھینک دیتا، اور وہ دیکھ کر تیسرے کی طرف پھینک دیتا۔ اب ان لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کیا، پرانے زمانے کا گڑا ہوا کوئی پوشیدہ دہنیہ اس شخص کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ تملیخا نے جوان لوگوں کو سکے کے متعلق گفتگو کرتے دیکھا تو اس کو بڑا ڈر لگا۔ خوف کے مارے کانپنے لگا اور سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھے پہچان گئے اور شاہ دقیانوس کے پاس مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے ہیں کچھ دوسرے لوگ اور بھی آگئے اور تملیخا کو انہوں نے پہچاننے کی کوشش کی مگر پہچان نہ سکے۔ تملیخا نے ان لوگوں سے ڈرتے ڈرتے کہا، مجھ پر مہربانی کرو تم نے میرا روپیہ بھی لے لیا اور کھانا بھی نہیں دیا اب مجھے تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں اور روپیہ بھی تم ہی رکھ لو، لوگوں نے پوچھا اے شخص تو بے کون اور واقعہ کیا ہے یقیناً گزشتہ لوگوں میں سے کسی کا کوئی دہنیہ تجھے مل گیا ہے تو اس کو ہم سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم کو اپنے ساتھ لے کر چل اور دہنیہ دکھا اور ہم کو بھی اس میں حصہ دار بنا۔ اس صورت سے تو ہم تیرا معاملہ پوشیدہ رکھیں گے، ورنہ جاکم کے پاس لے جائیں گے اس کے سپرد کر دیں گے اور تو مارا جائے

گا، تمہلجانے ان کی باتیں سن لیں تو کہا اسی مصیبت میں پھنس گیا جس کا مجھے اندیشہ تھا، لوگوں نے کہا اے شخص خدا کی قسم اب تو ہم سے چھپا کے تو نہیں رکھ سکتا، تمہلجا کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان باتوں کا کیا جواب دے، ڈر کے مارے خاموش رہا، کچھ بھی نہیں بتایا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ بولتا ہی نہیں تو سر سے چادر کھینچ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے شہر کی گلیوں میں لے گئے، گلیوں والے وجہ پوچھتے تو بتاتے یہ شخص اس لئے پکڑا گیا ہے کہ اس کے پاس پرانا دینہ ہے، غرض شہر کے تمام باشندے چھوٹے بڑے جمع ہونے لگے اور تمہلجا کو دیکھ کر کہنے لگے یہ آدمی اس شہر کا رہنے والا تو ہے نہیں، ہم نے اس کو کبھی نہیں دیکھا، تمہلجا ڈر کے مارے خاموش تھا، بات ہی نہیں کرتا تھا، لیکن یہ اس کو یقین تھا کہ اس کا باپ، بھائی اور قرابتدار اسی شہر میں موجود ہیں اور اس شہر کے بڑے لوگ ہیں جب وہ سنیں گے تو یقیناً آئیں گے اور یہ لوگ اگر پکڑ کر لے جانا چاہیں گے تو گھر والے آکر چھڑا لیں گے، بے چارہ اسی انتظار میں تھا کہ لوگ اس کو شہر کے دو حاکموں کے پاس لے جانے لگے۔ یہ دونوں حاکم شہر کے منتظم تھے اور نیک آدمی تھے، ایک کا نام اریوس اور دوسرے کا نام اشطیوس تھا۔ تمہلجا واقف نہ تھا، راستہ میں گھر والوں کے انتظار میں دائیں بائیں دیکھتا جاتا تھا اور لوگ پاگل کی طرح اس کی ہنسی بنا رہے تھے۔ تمہلجانے روتے ہوئے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے اللہ تو آسمانوں کا اور زمین کا مالک ہے۔ آج میرے دل میں صبر ڈال دے اور اپنی طرف سے میرے ساتھ روح (جبرئیل) یا اور کوئی نبی مددگار کو بھیج دے جو اس ظالم کے سامنے میری مدد کرے، غریب تمہلجا آنسو بہا رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا دوستوں سے مفارقت ہو گئی، میں ان سے بچھڑ گیا۔ جو کچھ مجھے پیش آیا کاش اس کی ان کو اطلاع ہو جانی تو وہ یقیناً آجاتے اور سب مل کر اس ظالم کے سامنے جاتے کیونکہ ہم نے آپس میں معاہدہ کر لیا تھا کہ کوئی جدانہ ہو، سب ساتھ رہیں گے زندگی میں بھی اور مرنے میں بھی۔ وہ اپنے دل میں یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ لوگ دو نیک حاکموں یعنی اریوس اور اشطیوس کے پاس لے پہنچے جب تمہلجانے دیکھا مجھے دقیا نوس کی پاس نہیں لے جایا جائے گا تو ہوش درست ہو گئے اور رونامو قوف کر دیا اریوس اور اشطیوس نے روپیہ لے کر دیکھا چنھے میں پڑ گئے اور دریافت کیا اے شخص جو دینہ تجھ کو ملا ہے وہ کہاں ہے۔ تمہلجانے کہا مجھے تو کوئی دینہ نہیں ملا یہ روپیہ تو میرے باپ دادا سے میرے پاس آیا ہے ضرب اور نکسال اسی شہر کی ہے لیکن میری سمجھ میں خود اپنی حالت نہیں آتی کہ میں کہاں ہوں، کل میں نے کیا دیکھا تھا اور آج کیا دیکھ رہا ہوں، کہوں کیا۔ حاکم نے پوچھا تم کون ہو تمہلجانے جواب دیا، میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے اور تم کو کوئی پہچاننے والا بھی ہے، تمہلجانے باپ کا نام بتلایا لیکن حاضرین میں کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس کے باپ کو جانتا ہو۔ حاکم نے کہا تو جھوٹا ہے، سچی بات نہیں بتاتا، تمہلجانے سر جھکا لیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ جواب کیا دے۔ ایک شخص بولا یہ دیوانہ ہے، دوسرا بولا دیوانہ نہیں ہے چھوٹے کے لئے دیوانہ بن رہا ہے، حاکم نے تمہلجا کو سخت نظر سے دیکھا اور کہا کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں گے اور تیری اس بات کو مان لیں گے کہ یہ نیک تھے باپ دادا سے ملا ہے اس کی ضرب اور نقوش تو تین سو برس سے بھی زیادہ پہلے کے ہیں۔ تو جوان لڑکا ہے ہم سے باتیں بنا کر ہماری ہنسی اڑانا چاہتا ہے، حالانکہ ہمارے بال سفید ہو چکے ہیں اور تیرے گرداگرد شہر کے سردار اور کرتادھر تا ہیں۔ اس شہر کے تمام دینے ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں کوئی درہم و دینار اس ضرب کا نہیں ہے میرا خیال ہو رہا ہے کہ تجھے سخت سزا دے کر قید کر دینے کا حکم جاری کر دوں اور اس وقت تک قید رکھوں کہ تو دینہ ملنے کا اقرار کر لے، حاکم کی یہ تقریر سن کر تمہلجانے کہا، میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر آپ اس کا جواب دے دیں گے تو جو کچھ میرے پاس ہے میں بھی وہ سچ سچ تم کو بتا دوں گا، حاضرین نے کہا پوچھو ہم تم سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ تمہلجانے کہا دقیا نوس بادشاہ کہاں گیا، لوگوں نے جواب دیا، اب روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ موجود نہیں ہے، بہت پرانے زمانے میں دقیا نوس بادشاہ تھا وہ مر گیا اور اس کے بعد صدیاں بیت گئیں۔ تمہلجانے کہا تو یقیناً میں راہ سے بھٹک گیا ہوں، کوئی شخص مجھے سچا نہیں جانے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ ہم چند جوان دین اسلام پر قائم تھے، بادشاہ نے ہم کو بت پستی پر مجبور کیا۔ ہم نے انکار کیا اور کل شام بھاگ نکلے اور غار میں جا کر سو رہے صبح کو بیدار ہوئے تو میں کھانا خریدنے اور احوال کی ٹوہ لگانے کے لئے نکلا، کوہ بیجلوس کے غار تک تم لوگ میرے ساتھ چلو، میں اپنے ساتھیوں سے

تمہاری ملاقات کر اؤں گا، تمہلجا کی یہ بات سن کر اریوس، اشطیوس اور تمام شہر والے چھوٹے بڑے اصحاب کھف کو دیکھنے کے لئے تمہلجا کے ساتھ چل پڑے۔ ادھر اصحاب کھف کے پاس کھانا لے کر جب تمہلجا واپس نہیں پہنچا اور مقررہ مدت سے زیادہ وقت گزر گیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ تمہلجا گرفتار ہو گیا اور پکڑ کر لوگ دقیانوس کے پاس لے گئے وہ یہ خیال کر ہی رہے تھے کہ کچھ آوازیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی فوراً سمجھ گئے کہ یہ ظالم دقیانوس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں اور ہم کو گرفتار کرنے کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے، فوراً نماز کو کھڑے ہو گئے اور نماز کے بعد ایک نے دوسرے کو دعا سلامتی دی اور حق پر قائم رہنے کی وصیت کی پھر آپس میں کہا چلو اپنے بھائی تمہلجا کے پاس چلیں وہ ظالم دقیانوس کے پاس ہمارے پہنچنے کے انتظار میں ہوگا وہ غار کے اندر سامنے کے رخ پر بیٹھے، یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اریوس اور اس کے ساتھی غار کے دروازے پر آکھڑے ہوئے اور تمہلجا آگے بڑھ کر روتا ہوا اندر آ گیا اس کو روتا دیکھ کر اصحاب کھف نے حالات دریافت کئے۔ تمہلجانے کل حال بیان کر دیا، اس وقت سب کی سمجھ میں آیا کہ اس پوری مدت اللہ کے حکم سے ہم سوتے رہے، اللہ ہم کو ایک نشانی اور قبروں سے مردوں کے اٹھانے کی ایک دلیل بنانا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت حق ہے اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جو اللہ تین سو برس تک سلانے کے بعد بیدار کر کے اٹھا سکتا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے تمہلجا کے پیچھے اریوس بھی اندر پہنچ گیا دروازہ پر اس کو تانبے کا ایک صندوق دکھائی دیا، جس پر چاندی کی مہر لگی تھی اریوس نے باہر سے ایک سردار کو بلا کر اس کے سامنے صندوق کھولا، صندوق کے اندر رنگ کی دو تختیاں ملیں ان پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ مکسلینا، ٹھیلینا، تمہلجا، مرطونس، بشرطونس، پیربوس، دیومس اور یطنومس۔ ظالم بادشاہ دقیانوس کے ڈر سے بھاگ گئے تاکہ بادشاہ ان کے دین سے ان کو منحرف نہ کر سکے اور یہ لوگ اس غار کے اندر گھس گئے۔ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ وہ لوگ اس غار کے اندر چلے گئے تو اس نے پتھروں سے غار کا منہ بند کر دینے کا حکم دے دیا، ہم نے ان حضرات کا حال اور واقعہ اس لئے لکھ دیا کہ بعد کو آنے والے لوگوں کو اس کا علم ہو جائے، اگر وہ اس تحریر سے واقف ہو جائیں۔ تمام حضرات کو یہ تحریر پڑھ کر تعجب ہوا اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگے جس نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی دکھادی پھر اریوس اور اس کے ساتھی غار کے اندر اصحاب کھف سے جا کر ملے۔ اصحاب کھف بیٹھے ہوئے تھے چہرے نور سے دمک رہے تھے، ان کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہونے پائے تھے، اصحاب کھف کو اس حالت میں دیکھ کر اریوس اور اس کے ساتھی اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی حمد میں رطب اللسان ہو گئے، جس نے ان کو یہ نشانی دکھائی۔ اس کے بعد اصحاب کھف نے اریوس اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرگزشت سنائی اریوس نے ایک قاصد اپنے دیندار بادشاہ بیدو سیس کے پاس بھیجا اور تحریر کیا کہ آپ فوراً آجائیں تاکہ اللہ کی قدرت کی وہ نشانی آپ بھی دیکھ لیں جو اللہ نے آپ کے دور سلطنت میں لوگوں کی ہدایت کے لئے نمودار کی ہے کہ تین سو برس مردہ رکھنے کے بعد اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھا دیا، بادشاہ نے جو نہی یہ اطلاع سنی اس کا سارا غم جاتا رہا، اور اللہ کی ستائش کرتے ہوئے اس نے کہا شکر ہے تیرا اے آسمانوں کے، زمین کے مالک میں تیری عبادت کرتا ہوں تمام عیوب و نقائص سے تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں، تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا، بڑی مہربانی کی اور جو روشنی تو نے میرے آباء و اجداد اور نیک بندے قسطنطینوس کو عطا فرمائی تھی وہ مجھے بھی مرحمت فرمائی، میرے لئے اس نور کو نہیں بچھایا، ملک والوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی شہر افسوس میں آگئے اور سب بیدو سیس کے ساتھ غار کی طرف چل دیئے۔ بیدو سیس کو دیکھ کر اصحاب کھف خوشی سے کھل پڑے اور اللہ کے سامنے سر بسجود ہو گئے، بیدو سیس ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دوزانو ہو کر ان کو گلے لگا لیا اور زمین پر ان کے پاس بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد اصحاب کھف نے بیدو سیس سے کہا اب رخصت فی امان اللہ آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہو، اللہ آپ کو اور آپ کی حکومت کو شر سے محفوظ رکھے اور جن و انس کے شر سے بچائے، ہم آپ کو اور آپ کے ملک کو اللہ کو پناہ میں دیتے ہیں بادشاہ کھڑا ہو گیا اور ابھی کھڑا ہی تھا کہ وہ لوگ اپنی خواب گاہوں کی طرف واپس چلے گئے اور سو گئے اور اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا، بادشاہ نے ان کو کپڑے لوڑھادیئے اور حکم دیا کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سونے کے صندوق میں رکھ دیا جائے۔ جب

رات ہوئی اور بادشاہ سو گیا تو خواب میں اصحاب کہف نے آکر اس سے کہا ہم کو سونے چاندی سے نہیں پیدا کیا گیا تھا، مٹی سے بنایا گیا تھا ہم مٹی ہی کی طرف منتقل ہو رہے ہیں، اس لئے قیامت تک کے لئے ہم کو مٹی پر اسی حالت میں چھوڑ دو جس حالت میں ہم غار کے اندر تھے، قیامت کے دن اللہ ہم کو اسی مٹی سے اٹھائے گا۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ نے سار کی لکڑی کے صندوق بنوادئے اور صندوقوں میں رکھوا کر ان کو وہیں چھوڑ کر چلے آئے پھر اللہ نے ان کو لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا اور خوف کی وجہ سے کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکا، بادشاہ نے غار کے اندر جاسکا، بادشاہ نے غار کے دروازے پر نماز کے لئے ایک مسجد بنوادی اور ہر سال وہاں خوشی منانے کے لئے جمع ہونے کا حکم دے دیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ تملیحی کو جب بادشاہ کے سامنے لے جایا گیا اور بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے، تملیحی نے جواب دیا میں اسی شہر کارہنے والا ہوں فلاں جگہ میرا مکان ہے فلاں فلاں لوگ میرے رشتہ دار ہیں کل شام میں یہاں سے نکلا تھا تو کسی نے نہ تملیحی کو پہچانا نہ ان ناموں کے آدمیوں کو جن کا ذکر تملیحی نے کیا تھا، بادشاہ نے پہلے کبھی سنا تھا کہ پرانے زمانہ میں کچھ نوجوان تھے، جن کے نام محافظ خانہ کے اندر کسی تختی پر لکھے ہوئے ہیں، تملیحی کی بات سن کر اس نے تختی منگوا کر دیکھی اور مندرجہ ناموں کو پڑھا تو ثابت ہوا کہ تملیحی کا نام اس کے اندر موجود ہے، باقی لوگوں کے متعلق تملیحی نے کہا یہ میرے ساتھیوں کے نام ہیں اس بات پر بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تملیحی کی نشان دہی پر چل پڑا، غار کے دروازے پر پہنچ کر تملیحی نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں پہلے اندر جا کر ان کو خوش خبری دے دوں، کیونکہ اگر تم بغیر اطلاع کے میرے ساتھ اندر جا پہنچو گے تو وہ لوگ خوفزدہ ہو جائیں گے، تملیحی اجازت ملنے کے بعد اندر گیا اور غار والوں کو خوش خبری دی خوش خبری سنتے ہی اللہ نے ان کی روئیں قبض کر لیں اور بادشاہ یا اس کے ساتھیوں کی نظروں سے اللہ نے ان کو او جھل کر دیا کسی کو ان کا نشان اور راستہ بھی نہیں ملا، آیت اِذَا وَايَ الْفِتْيَةِ اِلَى الْكَهْفِ فِي اِسِي وَاَقَعِ كِي طَرَفِ اِسْاَرَه كِيَا كِيَا هِي۔

سواہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر فَضْرَبْنَا عَلٰی اِذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۱۱  
سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا۔ یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسے پردے ڈال دیئے تھے کہ باہر کی آواز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ پردے سے مراد ہے نیند کا پردہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا کہ کسی آواز سے بیدار نہیں ہو سکتے تھے۔ سِنِينَ کے بعد لفظ عَدَدًا بڑھانے سے کثرت سنین کی طرف اشارہ ہے کم چیز کو گنا نہیں کرتے گنتی انہی چیزوں کی ہوتی ہے جو تعداد میں زیادہ ہوں۔

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ اَمْ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا ۱۲

پھر ہم نے ان کو اٹھایا، یعنی بیدار کیا۔ تاکہ ہم معلوم کر لیں کہ ان دونوں گروہوں میں کون گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا۔ الْحِزْبَيْنِ دو گروہ دو جماعتیں۔

اَمَدٌ غَايَةُ مَدْتِ۔ علم سے مراد علم حالی جس کا تعلق استقبال سے تھا۔

مَنْ نَقَضَ عَلٰیكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۱۳

ہم آپ سے ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی۔

الْحَقُّ سچ۔ فِتْيَةٌ کا مفرد فِتْيٌ ہے جیسے صِبْيَةٌ کا مفرد صَبِيٌّ۔ هُدًى سے مراد ہے۔ ایمان اور بصیرت یعنی ہم نے ان کو حقیقی ایمان عطا کیا تھا، مجازی ایمان تو زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کا نام ہے۔ اس میں نفس کا طغیان و کفر ان باقی رہتا ہے اور حقیقی ایمان کا حصول نفس کو فنا کرنے کے بعد ہوتا ہے (نفس کی سرکشی اور انا نیت فنا ہو جاتی ہے تو حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے)۔ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے۔ یعنی وطن، گھر بار، رشتہ دار، دولت مال وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ

وغیرہ کو ترک کرنے پر ان کو صابر بنایا، اظہار حق کرنے اور دقیانوس کے حکم کو ٹھکرانے کی ان میں جرات پیدا کر دی، ان کو فنا قلب کا مقام حاصل ہو گیا، ساری مخلوق کا تصور و خیال ان کے دلوں سے مٹ گیا، ہر چیز ان کی نظروں میں بچ ہو گئی اور اللہ کی محبت، عظمت اور خشیت ان کے دلوں میں جم گئی۔

إِذْ قَامُوا  
جب وہ کھڑے ہوئے یعنی دقیانوس نے جب بت پرستی ترک کرنے پر ان کو ملامت کی تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر فخر کے طور پر۔

فَقَالُوا  
انہوں نے کہا۔

رَبَّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَدْعُوْكَ مِنْ دُوْنِهَا  
ہمارا رب وہی ہے جو

آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے۔

لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطًا ۝۳  
اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً حد سے بڑھی ہوئی بے جا بات کہیں گے۔

شَطَطٌ دُورٌ هُوَ كَمَا لِيْ سِيْرًا  
یعنی ایسی بات کے قائل ہوں گے جو حق سے دور اور حد (صداقت) سے باہر اور دائرہ ظلم میں داخل ہوگی۔

هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهَا اِلٰهًا  
ہماری اس قوم نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے یعنی بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔

لَوْلَا يٰۤاَنۡتَوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسَلِّطِيْنَ بَيْنَ يَدِيْهِمْ  
بغیر واضح دلیل کے دین کے عقائد ناقابل قبول ہیں، گمان اور باپ دادا کی پیروی عقائد کی صحت کو ثابت نہیں کر سکتی، عقائد میں بلا دلیل اتباع درست نہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنۡ افْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۴  
جو شخص اللہ پر دروغ بندی کرے اس سے بڑھ کر ظالم بھلا کون ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو سا جھی مانتا ہو اور کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتا ہو اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں، یوں تو کسی پر بھی دروغ تراشی ظلم ہے لیکن اللہ پر تہمت تراشی تو سب سے بڑا ظلم ہے۔

جب ان جوانوں نے دقیانوس کو دو ٹوک جواب دے دیا (اور اس نے ان کو سوچنے غور کرنے کے لئے مہلت دے کر رخصت کر دیا) اور سب نے شہر سے بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا (بلکہ بھاگ گئے) تو آپس میں کہا۔

وَإِذۡ اَعْتٰزَلْتُمْ وُجُوْهُكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاُوۡاۤ اِلٰى الْكٰهِنِ

پرستوں) سے اور ان کے ان معبودوں (یعنی بتوں) سے جن کو اللہ کے سوا وہ پوجتے ہیں الگ ہو گئے ہو تو چل کر غار میں اپنا ٹھکانا بنا لو (تاکہ باہر والا کوئی تم کو دیکھنے ہی نہ پائے) اصحاب کہف کی قوم والے دوسرے مشرکوں کی طرح صنم پرستی کے ساتھ خدا کی بھی پوجا کرتے تھے، اس لئے اصحاب کہف کو اپنے قول میں الا اللہ کہنے کی ضرورت ہوئی (مطلب یہ کہ تم بت پرستوں اور بت پرستی سے تو الگ ہو گئے ہو مگر خدا پرستی سے الگ نہیں ہو۔ خدا پرستی میں ان کے ساتھ ہو اور بت پرستی میں ان سے بیزار)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا يٰعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ کا قول بطور جملہ معترضہ بیچ میں ذکر کر دیا ہو اور مَا نَافِيَةٌ ہو اور يٰعْبُدُوْنَ کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف راجع ہو، یعنی اللہ نے فرمایا کہ اصحاب کہف اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔

اُوۡاۤ اِلٰى الْكٰهِنِ  
یعنی غار کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ اسی کو اپنا مسکن اور ٹھکانہ بنا لو تاکہ کافروں کے سامنے رہنے سے بھی بچ جاؤ۔

يُنۡزِلۡ لَكُمْ رِزْقَكُمْ مِّنۡ رَّحْمٰتِهٖ وَ يُهَيِّئُ لَكُمْ مِّنۡ اَمۡرِكُمْ مَّرۡفَقًا ۝۵  
تمہارا رب تم کو رزق کی

فراخی عنایت کرے گا اور دونوں جہان میں اپنی رحمت سے تمہارے لئے کشائش فرمادے گا اور تمہارے تمام امور میں فائدہ کا سامان (خود) فراہم کر دے گا۔ مَرۡفُقٌ اسم آلہ و ذریعہ جس سے فائدہ حاصل ہو۔ اصحاب کہف کا ایمان پختہ اور اللہ کے فضل

پر بھروسہ اٹل تھا، اس لئے انہوں نے یہ بات کہی۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ

اور (اے رسول یا اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ دھوپ جب نکلتی ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب کو پچی رہتی ہے اور چھپتی ہے تو بائیں طرف کو ہٹی رہتی ہے اور وہ غار کے فراخ مقام میں ہیں۔

تَزُورُ مُرْجَاتَا ہے، پھر جاتا ہے۔ یہ لفظ زور سے بنا ہے زور کا معنی ہے، جھکاؤ ذَاتَ الْيَمِينِ دائیں جانب ذَاتَ الشِّمَالِ بائیں جانب یعنی غار سے دائیں بائیں جانب۔ تَقْرِضُ کترا جاتا ہے، ان کو کاٹ دیتا ہے، ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ فَجْوَةٌ کشادہ جگہ، یعنی وسط غار میں اصحاب کہف پڑے ہیں۔ نسیم و صبا کے جھونکے بھی ان کو لگتے ہیں، دھوپ کی گرمی سے بھی محفوظ ہیں اور غار کا کوئی دکھ ان کو نہیں پہنچتا۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے غار کا رخ بنات العیش کی طرف تھا، غار کے محاذات میں قریب ترین مشرق و مغرب اس سرطان کا مشرق و مغرب تھا جس وقت سورج کا مدار اور سرطان کا مدار ایک ہوتا تو سورج کا طلوع اس کے مقابل بخانب یمن ہوتا اور غروب کے وقت غار کے مقابل سورج بجانب شمال ہوتا، اس طرح غار کے دونوں پہلوؤں پر سورج کی شعاعیں پڑتیں اور عفونت سدا نہ ہونے پاتی تھی اور ہوا میں اعتدال قائم رہتا تھا اور آفتاب کی کرنیں اصحاب کہف کے جسموں پر نہ پڑنے پاتی تھیں کہ بدن جھلس جائیں، دکھ پائیں اور کپڑے فرسودہ ہو جائیں۔

بعض علماء نے ابن قتیبہ کی اس جغرافیائی وضاحت پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ بنات العیش کے سامنے غار کا ہونا خواہ اثر انداز ہو لیکن حقیقت میں اللہ کی قدرت کار فرما تھی کہ اللہ اصحاب کہف کی طرف سے سورج کو پھیر دیتا تھا۔ اس کی طرف اشارہ آئندہ آیت میں کیا گیا ہے۔

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، یعنی اللہ کی صنعت کی اعجوبہ کاری اور اس کی

ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ

قدرت کی نشانی ہے۔

یہ بھی مطلب ہوتا ہے کہ یہ یعنی اصحاب کہف کا واقعہ اور غار میں ان کا پناہ گیر ہونا اور ان کی حفاظت کے لئے سامان فراہم کرنا اور پھر صحیح صحیح قصہ بیان کرنا، اللہ کی (قدرت صنعت، علم اور قرآن کی صداقت کی) ایک نشانی ہے۔

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ

جس کو اللہ ہدایت کر دے وہی ہدایت پانے والا ہے، یعنی جس کو ہدایت یاب ہونے کی توفیق دے دے وہی کامیاب اور فلاح پانے والا ہوتا ہے، اس جملہ میں اصحاب کہف کی تعریف ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ اصحاب کہف کے واقعہ کی طرح آیات قدرت بہت ہیں لیکن ان سے فائدہ اندوز وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو غور و فکر کرنے کی اللہ توفیق عنایت فرمائے۔

وَمَنْ يُضِلِّ ۙ فَلَئِن تَجَدَّ لَهُ وَلِيٌّ مَّرْشِدًا ۗ

اور جس کو اللہ گمراہ کر دے (یعنی بے مدد چھوڑ دے اور ہدایت نہ کرے) اس کے لئے کوئی ذمہ دار مددگار اور ہدایت کرنے والا تم کو نہیں ملے گا۔

اور (آنکھیں کھلی ہونے اور کثرت سے کروٹیں لینے کی وجہ سے) اِقْبَاطُ یَقِیْظُ کی اور رُقُودُ رَاقِدٌ کی جمع ہے جیسے قُعُودُ قَاعِدٌ کی جمع ہے۔

اور (خواب میں بغیر ان کے ارادے کے) ہم ان کو وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۗ یعنی کبھی دائیں پہلو پر اور کبھی بائیں پہلو پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سوتے میں وہ لوگ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کو کروٹ بدلتے رہتے تھے تاکہ پڑے پڑے زمین ان کے گوشت کو نہ کھالے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عاشوراء کے دن وہ کروٹ لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ سال میں ایک مرتبہ ان کی کروٹ ہوتی تھی۔

وَكَلَبُهُمْ بِأَسْطِ ذُرَاعِيهِ بِالْوَصِيدِ ط

ہاتھ پھیلائے پڑا ہے۔

اور ان کا کتا غار کے دہانے کے اندر اپنے دونوں اگلے

مجاہد اور ضحاک نے وَصِيد کا ترجمہ کیا ہے غار کا صحن۔ عطاء نے ترجمہ کیا دہلیز۔ سدی نے کہا وَصِيد دروازہ کو کہتے ہیں۔ عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اصحاب کھف کا کتا واقعی کتا ہی تھا، بعض علماء نے کہا کتانہ تھا، شیر تھا، کلب ہر درندہ کو کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کو بددعا دی تھی اور فرمایا تھا، الہی اپنے کسی کلب کو اس پر مسلط کر دے (بددعا قبول ہوئی) عتبہ کو شیر نے پھاڑ کھایا۔ اول قول معروف ہے۔ اور دوسرا قول ابن جریج کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ چیت کبر اکتا تھا۔ ایک اور روایت میں آیا قَلَطِي سے بڑا اور کر دی (کتے) سے چھوٹا۔ مقاتل نے کہا اس کا رنگ زرد تھا، قرطبی نے کہا گہرا زرد مائل بسرخ تھا، کلبی نے کہا اس کا رنگ دھنی ہوئی اون یاروئی کی طرح تھا۔ بعض نے کہا جگری رنگ تھا، حضرت ابن عباسؓ کے قول پر اس کا نام قطمیر اور حضرت علیؓ کے قول پر اس کا نام ریان تھا، اوزاعی نے کہا تقور تھا۔ سدی نے کہا ثور تھا اور کعب نے کہا صہبا تھا۔ خالد بن معدان نے کہا سوائے اصحاب کے کتے اور بلعم (بن باعورا) کے گدھے کے اور کوئی چوپایہ جنت میں نہیں جائے گا۔ سدی کا قول ہے اصحاب کھف کروٹ لیتے تھے تو کتا بھی ان کے ساتھ کروٹ لیتا تھا۔ اصحاب کھف دائیں طرف کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا دایاں کان دڑ کر (دائیں) بل پر ہو جاتا تھا اور اصحاب کھف بائیں کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا بائیں کان موڑ کر (بائیں) بل پر ہو جاتا تھا۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَ لَأَمْلَيْتَ مِنْهُمْ رِعْبًا ۝۱۸

(اے مخاطب) اگر تو ان

کو جھانک کر دیکھ پائے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تیرے اندر ان کی دہشت سما جائے۔ یعنی تمہارا اول خوف زدہ ہو جائے گا اور اس میں رعب بھر جائے گا۔ خوف کی وجہ اس مقام کی وحشت اور سنسان پن ہے۔ کلبی نے کہا، اصحاب کھف کی آنکھیں بیدار آدمیوں کی طرح کھلی ہوئی ہیں، معلوم ہوتا ہے، اب بولنے ہی والے ہیں (منظر بڑا خوف آگیا ہے) بعض کا قول ہے ان کے بال بڑھے ہوئے اور ناخن لمبے ہو گئے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اسی ہولناکی اور رعب آئینی کی وجہ سے کوئی وہاں جا نہیں سکتا۔ اس مقام کی رعب آئینی مانع دخول ہے، یہی قول صحیح بھی ہے۔ سعید بن جبیرؓ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، ہم معاویہ کی معیت میں روم کے جہاد کو گئے۔ راستہ میں اصحاب کھف کے غار کی طرف سے گزر ہوا، معاویہ بولے اگر (غار کے دہانے یا بیچ کی دیوار کو) کھول دیا جاتا تو ہم اصحاب کھف کو دیکھ لیتے۔ میں نے کہا وہ ذات جو آپ سے بہتر تھی اس کو بھی اس سے روک دیا گیا تھا۔ اللہ نے فرمادیا تھا، لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا۔ معاویہ نے میری بات نہیں سنی اور کچھ لوگوں کو دیکھنے کے لئے بھیج دیا وہ لوگ جب غار میں داخل ہوئے تو اللہ نے کوئی ہوا (زہریلی گیس) ایسی پیدا کر دی کہ سب جل گئے۔ آخر جہ ابن ابی شیبہ وابن المنذر و ابن ابی حاتم۔

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ

اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا، یعنی جس طرح نشان قدرت بنا کر غار کے اندر ہم

نے طویل مدت تک ان کو سلا یا اور ان کے اجسام کو سڑنے لگنے سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح اس موت نما خواب سے ان کو بیدار کیا تاکہ ان کے بیدار ہونے سے بھی قدرت خداوندی کا مظاہرہ ہو۔

لَيَسْأَلَنَّ لَوْ اَبَيْنَهُمْ ط

تاکہ وہ آپس میں سوال (و جواب یعنی پوچھ گچھ) کریں اور اپنی حالت کا ان کو علم

ہو جائے۔ اور انے ساتھ اللہ کے سلوک کو پہچان کر قدر خداوندی کا ان کو مزید یقین ہو جائے اور وقوع قیامت کے عقیدے میں بصیرت آگیاں پختگی پیدا ہو جائے۔ اس تفسیر پر لَيَسْأَلَنَّ لَوْ اَبَيْنَهُمْ میں لام علت کے لئے ہو گا۔ یعنی بیدار کر کے اٹھانے کی علت یہ تھی کہ وہ باہم سوال و جواب کریں۔ بغوی نے اس لام کو لام عاقب (لام نتیجہ) قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے اٹھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے باہم سوال و جواب کئے اصل غرض یہ نہ تھی۔

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِئْتُمْ ط قَالَوا بَلَّيْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط

ان میں سے ایک کہنے





اس مطلب پر اعادہ کا معنی (لوٹ لینا نہ ہوگا بلکہ) داخل کرنا ہوگا)

وَلٰكِنْ تَقْلِبُوهَا اِذَا اَبَدًا ۝۱۰ اور اس وقت (یعنی اگر تم نے ان کے مذہب میں داخل ہونا قبول کر لیا تو) کبھی بھی بہودی نہیں پاؤ گے۔ (کبھی عذاب سے نجات نہیں ملے گی)۔

وَكَذٰلِكَ اَعَثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا سَآئِبَ فِيْهَا

اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ لوگ اس بات کا یقین کر لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔

یعنی جس طرح ہم نے اصحاب کہف کو سلایا اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے جگایا، اٹھلایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو بھی ان پر مطلع کر دیا تاکہ طویل نیند کے بعد بیدار کر دینے سے وہ اطلاع پانے والے سمجھ جائیں کہ موت کے بعد قبروں سے (زندہ کر کے) اٹھانے کا اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور امکان قیامت میں کوئی شک نہیں جس خدا نے اصحاب کہف کی روحوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اتنی طویل مدت تک جسموں کو گلنے سڑنے نہ دیا، پھر ان کی رو میں واپس کر دیں اور نیند سے بیدار کر دیا، وہی خدا اس بات پر قادر ہے کہ سب انسانوں کی روحوں کو اپنے پاس روک رکھے اور پھر قیامت کے دن سب کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھا دے۔

اِذۡ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْنَا مَبۡنٰٓئًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهٖمۡۗ قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِہُمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْہِمْ مَّسٰجِدًا ۝۱۱

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے، جب اس زمانے کے لوگ اصحاب کہف کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے، سو ان لوگوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنا دو۔ ان کا رب ان کو خوب جانتا تھا، جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے (یعنی حاکم وقت تھے) انہوں نے کہا ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنادیں گے (مولانا اشرف علی رحمہ اللہ) حضرت مفسر قدس سرہ، نے تفسیر آیات اس طرح کی ہے۔

اِذۡ يَتَنَازَعُوْنَ کا تعلق اَعَثَرْنَا سے ہے یعنی لوگوں کو ہم نے مطلع اس وقت کیا جب وہ باہم اپنے دین کے متعلق جھگڑ رہے تھے۔ عکرمہ نے کہا دوبارہ آدمیوں کے حشر کے متعلق ان کا آپس کا اختلاف تھا۔ غیر مسلم کہتے تھے حشر صرف ارواح کا ہوگا اجسام کا نہ ہوگا۔ مسلمانوں کا قول تھا، ارواح کا مع اجسام کے ہوگا۔ اللہ نے اصحاب کہف کو اٹھا کر دکھا دیا کہ حشر، ارواح اور اجسام دونوں کا ہوگا، پایہ مراد ہے کہ اصحاب کہف کے معاملہ میں لوگوں کا اختلاف ہو گیا جب اصحاب کہف بیدار ہونے کے بعد دوبارہ لیٹ گئے اور غافل ہو گئے تو بعض لوگوں نے کہا، اس مرتبہ بھی وہ سو گئے ہیں مرے نہیں ہیں اور کچھ لوگوں نے کہا اب کی مرتبہ تو مر گئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اصحاب کہف کے بعد مسلمانوں میں اور ان کے مخالفوں میں اختلاف رائے ہو گیا، مسلمانوں نے تو کہا ہم یہاں مسجد بنائیں گے یہ لوگ ہمارے ہم مذہب تھے، غیر مسلموں نے کہا ہم یہاں عمارتیں بنائیں گے جن کے اندر لوگ آباد ہوں گے اور ایک بستی آباد کریں گے یا غار کے دروازے پر ایسی عمارت بنائیں گے جس سے لوگوں کا اندر جانا بند ہو جائے، غار والے ہمارے رشتہ دار اور بھائی برادر تھے اس لئے تعمیر کا ہم کو حق ہے۔

رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِہِمۡ اللہ کی طرف سے ایک جملہ معترضہ ہے جو جھگڑا کرنے والوں کے کلام کے درمیان اللہ نے ذکر کر دیا ہے۔ اس جملہ کا مقصد دونوں فریقوں کے قول کی تردید ہے، ہر فریق نے اصحاب کہف کو اپنے ساتھ ملایا تھا، حالانکہ اصحاب کہف مشرکوں سے اور ان کے شرک سے جس طرح علیحدہ تھے، اسی طرح عام مسلمانوں کے گروہ میں بھی ان کا شمار نہیں تھا، ان کا درجہ بہت اونچا تھا، صوفی سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ بھی۔ شیخ رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کسے در ظن خود شدیار من وز درون من نجست اسرار من

یابہ انہی اختلاف کرنے والوں کا قول ہے جن کا اختلاف مدت قیامت کے متعلق بھی تھا اور نسب کے متعلق بھی اور اصحاب

کھف کے دوسرے احوال کے متعلق بھی لیکن جب کوئی اتحادی رائے قائم نہ ہو سکی تو بولے اللہ ہی کو ان کا صحیح علم ہے (کہ وہ کون تھے ان کے حالات کیا تھے اور کتنی مدت سوتے رہے)

مسئلہ : (حضرت مفسر کے نزدیک) یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اولیاء کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنانا جائز ہے تاکہ اولیاء کے مزارات کے قرب سے برکت حاصل ہو۔ شیخ استاد محمد فاخر محدث کے نزدیک مکروہ ہے، کراہت کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتا ہے۔

مسلم نے ابو الہیاج اسدی کا قول نقل کیا ہے، ابو الہیاج نے کہا مجھ سے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس کام پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا، تجھے جو مورتی ملے اس کو مٹا دینا اور جو اونچی قبر ملے اس کو بغیر ہموار کئے، سطح زمین کے برابر کئے نہ چھوڑنا۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

سیخین نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ پر شدت مرض ہوئی کہ (بیہوشی طاری ہو گئی) تو آپ کے چہرہ مبارک پر چادر ڈال دی گئی، لیکن دم گھٹنے لگا تو آپ نے چادر کو چہرہ سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرما رہے تھے، اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا رکھا تھا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ امت کو اہل کتاب کی طرح کرنے سے ڈرا رہے تھے۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے قبروں کو پختہ کرنے اور اونچا کرنے اور ان کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے، قبروں کے قریب مسجد بنانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کی مذمت میں فرمایا، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے قبروں کو سجدے کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت ابو مرثد غنوی کی روایت سے یہ مطلب صراحت کے ساتھ آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو اور ان کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو۔ رواہ مسلم۔

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ

بعض لوگ تو کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتاب ہے اور بعض کہیں گے وہ سات ہیں کہیں گے وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتاب ہے اور یہ (لوگ) بے تحقیق اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں اور بعض کہیں گے وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتاب ہے.... یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اصحاب کھف کی تعداد میں اختلاف کرنے والے کہیں گے کہ وہ تین تھے، چوتھا کتاب تھا اور (کچھ لوگ کہیں گے) وہ پانچ تھے، چھٹا کتاب تھا، ان کا یہ قول اندھیرے میں تیرے چلانے کے طور پر ہے کسی واقعی ثبوت پر مبنی نہیں ہے۔

بنغوی نے لکھا ہے کہ نجران کے عیسائی جن میں سید (یعقوبی فرقہ کا) اور عاقب (سطوری فرقہ کا) بھی شامل تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اصحاب کھف کی تعداد کے متعلق ان کے آپس میں اختلاف ہو گیا، سید نے کہا وہ تین تھے چوتھا کتاب تھا۔ عاقب نے کہا پانچ تھے چھٹا کتاب تھا۔ رجم تیر چلانا، پھر مارنا الغیب یعنی ایسا واقعہ جو غائب ہے ان کے علم میں نہیں یعنی ان کے یہ قول اندھیرے میں تیر چلانے کی طرح ہیں، کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ واقعہ میں وہ کتنے تھے، لیکن جبرئیلؑ کی اطلاع اور رسول اللہ ﷺ کے خبر دینے کے بعد مسلمان کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں کتاب تھا۔ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ کا جملہ وصفیہ ہے جو سَبْعَةٌ کی صفت ہے۔ صفت اپنے موصوف سے وابستہ ہوتی ہے اور حال اپنے ذوالحال سے متصل ہوتا ہے، جب معرف ذوالحال ہو اور جملہ حال تو اس کی باہم وابستگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسی صفت کی موصوف کے ساتھ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ میں واو ثانی ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ سات تک کی گنتی تو بغیر حرف

عطف کے کرتے ہیں اور آٹھویں عدد کو واو عطف سے شروع کرتے ہیں، ایک دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات اور آٹھ، قرآن میں آیا ہے۔

التَّائِبُونَ - الْعَابِدُونَ - الْحَامِدُونَ - السَّائِحُونَ - الرَّاكِعُونَ - السَّاجِدُونَ - الْأَبْرَارُ بِالْمَعْرُوفِ وَ النَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ - ایک اور آیت میں آیا ہے۔

مُسْلِمَاتٍ، مُؤْمِنَاتٍ، قَانِتَاتٍ، تَائِبَاتٍ، عَابِدَاتٍ، سَائِحَاتٍ، ثَبَّاتٍ وَأَبْكَارًا۔

آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کی (صحیح) تعداد سے بخوبی واقف ہے اور ان کو (یعنی صحیح گنتی ان لوگوں کی) صرف تھوڑے آدمی جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں میں سے تھوڑے آدمی ان کی صحیح تعداد سے واقف ہیں۔ سب لوگوں میں سے صرف تھوڑے آدمی یعنی مسلمان اصحاب کہف کی صحیح تعداد کو جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، میں ان تھوڑے آدمیوں میں سے ہوں جو اصحاب کہف کی صحیح تعداد سے واقف ہیں وہ سات تھے، رواہ ابن جریر والفریابی وغیرہ ہا۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ سات تھے، آٹھواں کتا تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ تعداد اصحاب کہف کے متعلق اللہ نے صرف تین اقوال بیان فرمائے، کوئی چوتھا قول نہیں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول ہی نہ تھا پہلے دونوں قولوں کی رَجْمًا بِالْغَيْبِ کا لفظ کہہ کے تردید کر دی اور تیسرے قول کی تردید نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ تیسرا قول ہی حق ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کے نام حضرت ابن عباسؓ کے قول میں اس طرح آئے ہیں، مکسلینا، تملیخا، مرطونس، سنونس، ساری نونس، ذونواس، کسطیونس، یہ آخری شخص چرواہا تھا (جو اصحاب کہف کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا) رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد صحیح۔ شیخ ابن حجر نے شرح بخاری میں لکھا ہے ان اسماء کے تلفظ میں بڑا اختلاف ہے، کوئی قابل اعتماد تلفظ نہیں۔

فَلَا تُنَارِفِيهِمْ إِلَّا مَرَأً ظَاهِرًا  
سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے۔

یعنی اصحاب کہف کی تعداد میں ان لوگوں سے آپ صرف سطحی اختلاف و مناظرہ کر سکتے ہیں کوئی گہرا اختلاف نہ کریں، زیادہ غور و خوض کرنے یا ان کو جاہل قرار دینے کی ضرورت نہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝  
اور اصحاب کہف کے (حالات، تعداد یا قصہ کے) متعلق ان میں سے کسی سے تحصیل علم اور صحیح معلومات کے حصول کے لئے دریافت بھی نہ کریں۔ یعنی اللہ نے جو آپ کو بتادیا ہے وہ کافی ہے ان کو اتنا بھی علم نہیں ہے پھر سوال بے سود ہے، اس کے علاوہ آپ کا مقصد سوال ان لوگوں کو لا جواب یار سوا کر دینا بھی نہیں یہ مکارم اخلاق کے خلاف ہے، اس لئے ان سے دریافت ہی نہ کریں۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کام کے سلسلے میں پختہ وعدہ کیا تھا (مگر انشاء اللہ نہیں فرمایا تھا) چالیس دن گزر گئے (اور وہ کام نہ ہوا) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَقْوَانِ لَإِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ز

اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کر دوں گا، مگر مشیت خدا کو ملا دیا کیجئے (یعنی انشاء اللہ ضرور کہہ دیا کیجئے)۔

ابن المنذر نے مجاہد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے قریش سے کہا تھا ان سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ قریش نے حضور ﷺ سے یہ سوالات کئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، کل میرے پاس آنا میں بتا

دوں گا لیکن انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ اوپر دس روز تک کوئی وحی ہی نہیں آئی۔ آپ کو اس سے بڑی بے چینی ہو گئی ادھر قریش نے کہا تم جھوٹے ہو، اس موقع پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شروع سورت کی تشریح میں اس مضمون کی ابن جریر کی روایت کردہ تفصیل ہم لکھ چکے ہیں اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ** کے ذیل میں یہ روایت ذکر کر دی گئی ہے۔

آیت مذکورہ میں انشاء اللہ کے بغیر کسی آئندہ کام کو کرنے کے وعدہ کی ممانعت رسول اللہ ﷺ کی ادب آموزی کے لئے کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کام کو پختہ طور پر کرنے کا ارادہ ہو تو کبھی بھی مشیت الہی سے وابستہ کئے بغیر اس کام کو کرنے کا وعدہ نہ کرو۔

اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے۔ یعنی اگر انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو تسبیح و استغفار کرو۔ اس جملہ میں انشاء اللہ کہنے کی مزید اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔ یہ مطلب ہے کہ اللہ کے کسی حکم کی تعمیل تم بھول جاؤ تو اللہ کو اور اس کے عذاب کو یاد کرو تاکہ نسیان کی تلافی ہو جائے۔ یہی معنی ہے کہ اگر تم کسی بات کو بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کرو، تاکہ اللہ تم کو وہ بات یاد دلا دے۔

عکرمہ نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت تم کو غصہ آئے تو اللہ کو یاد کرو۔ وہب کا بیان ہے، انجیل میں آیا ہے، اے ابن آدم تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر (غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا) جب مجھے غصہ آئے گا تو میں بھی تیری یاد کروں گا (اور تیری کمزوری پر رحم کروں گا)

ضحاک اور سدی کے نزدیک آیت مذکورہ کا حکم نماز سے تعلق رکھتا ہے (نماز میں کچھ بھول جاؤ تو اللہ کو یاد کرو یہ معنی کہ نماز پڑھنی بھول جاؤ تو جس وقت یاد آئے پڑھ لو) حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر کوئی شخص نماز پڑھنی بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے پڑھ لے۔ رواہ البغوی۔ امام بخاری، مسلم، امام احمد، ترمذی اور نسائی کی روایت میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ جو شخص نماز کو بھول جائے یا سو جائے (یا سوتا رہے) اور نماز نکل جائے تو اس کا اتار یہ ہے کہ جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص وتر کی طرف سے سو جائے یعنی سو جانے یا سوتا رہنے کی وجہ سے وتر نہ پڑھ سکے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ رواہ احمد والحاکم وصحیح۔

حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور حسن نے کہا، آیت کا معنی یہ ہے کہ انشاء اللہ کہنا اگر بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آئے انشاء اللہ کہہ لو۔ اسی تشریحی مطلب کی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک آج کے کلام سے متعلق ایک سال بعد بھی انشاء اللہ کہنا درست ہے بشرطیکہ انشاء اللہ کہنے سے پہلے کلام کے خلاف کوئی حرکت نہ کی ہو۔ اس مطلب کی تائید ابن مردویہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کچھ اوپر دس روز یا چالیس روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لیا۔

جمہور فقہاء کا فتویٰ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے خلاف ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی غیر مستقل کلام ایسا ہو جس سے پہلے کلام کے حکم میں تبدیلی آرہی ہو تو اس کو پہلے کلام کے بالکل متصل اور ساتھ ساتھ ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا ہے یا کلام کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کرنا ہے، یا غایت زمانی و مکانی کو ظاہر کرنا ہے یا کسی مبدل منہ کے بعد بدل بعض کو بیان کرنا ہے تو شرط اور انشاء اللہ اور غایت اور بدل بعض پہلے کلام کے بعد متصلاً ذکر کرنا ضروری ہے اگر دیر کے بعد لگائی ہوئی شرط یا قید کو معتبر مانا جائے گا تو نہ کوئی اقرار صحیح ہوگا، نہ طلاق، نہ غلام کی آزادی۔ نہ صدق معلوم ہوگا نہ کذب (مثلاً زید نے اقرار کیا کہ عمر کا مجھ پر اتنا روپیہ قرض ہے اور کچھری سے نکلنے کے بعد اس نے کہا بشرطیکہ عمر مجھے فلاں چیز دے دے، یا زید نے بیوی کو طلاق دے دی، یا غلام کو آزاد کر دیا، اور دو گھنٹہ کے بعد کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، اسی طرح زید

نے کوئی بات کہہ دی، اب معلوم نہیں کہ اس نے جھوٹ کہا یا سچ۔ ممکن ہے کل کو وہ اپنے گزشتہ کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط یا کسی قید کے ساتھ مقید کر دے، اور اس وقت کالج کل کو جھوٹ ثابت ہو۔ ایک واقعہ منقول ہے کہ خلیفہ منصور کو کسی نے اطلاع دی کہ امام ابو حنیفہؒ آپ کے دادا حضرت عبداللہ بن عباسؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور انشاء اللہ کی شرط کو کلام سے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں اور دیر کے بعد انشاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ خلیفہ نے امام ابو حنیفہؒ کو طلب کیا، امام ابو حنیفہؒ نے خلیفہ کے سوال کے جواب میں فرمایا، حضرت ابن عباسؒ کا فتویٰ تو آپ کے خلاف پڑتا ہے، آپ رعایا سے فرماں بردار اور وفادار رہنے کی بیعت لیتے ہیں اور لوگ بیعت کرتے ہیں لیکن آپ کے دربار سے نکلنے کے بعد اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیں تو کیا ان کی بیعت قابل اعتبار نہیں رہے گی۔ منصور نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو مان لیا اور امام کے خلاف جس نے مجبری کی تھی اس کو دربار سے نکلوا دیا۔

رہا ابن عباسؒ کا یہ استدلال کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد انشاء اللہ فرمایا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اپنی پچھلی غلطی کی تلافی نزول آیت کے بعد انشاء اللہ کہہ کر کی تھی بلکہ آیت میں جو آپ کو ہر عزم اور قول کے وقت انشاء اللہ کہنے کا حکم دیا گیا تھا آپ ﷺ نے انشاء اللہ فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ آئندہ انشاء اللہ میں اس حکم کی تعمیل کرتا ہوں گا۔ صوفیاء نے آیت **وَإِذْ كُرِّرْتُكَ إِذَا نَسِيتَ** کی ایک بہت ہی پر کیف تشریح کی ہے، آیت کا مطلب ہر قول صوفیاء یہ ہے کہ جب اللہ کے سوا تم ہر چیز کو بھول جاؤ، اس وقت خالص دل سے اللہ کی یاد کرو۔ صوفیاء کہتے ہیں اللہ کی ہمہ وقت یاد اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک ماسوا کے تصور کو دل سے مٹانہ دیا جائے، عام طور پر دل کی حالت بدلتی رہتی ہے، یکسوئی عموماً نہیں رہتی اور ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے دو دل تو ہیں نہیں کہ ایک میں یاد خدا جمی رہے اور دوسرے میں مخلوق کا ذکر قائم رہے۔ دل ایک ہی ہے، جب اس میں ماسوی اللہ کا تصور ہو گا تو اللہ کی یاد میں فتور آجائے گا اور اللہ کے سوا اگر ہر چیز کو دل فراموش کر دے گا اور ماسوی اللہ کے تصور کو مٹا دے گا تو دل ہر دم یاد الہی میں مشغول اور غرق رہے گا، اسی کو فنا قلب کہتے ہیں۔ جب تک فنا قلب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے، صوفی اس کو موحد نہیں کہتے۔ حضرت مفسر نے لکھا ہے کہ صوفیاء کی تشریح ہی کتاب اللہ کی صراحت اور عربی قوانین لغت کے زیادہ مناسب ہے۔ اس قول پر مجازی معنی کی طرف رجوع کرنا بھی نہیں پڑتا۔ دیکھو **إِذَا نَسِيتَ** کا تعلق **أَذْكُرُ** سے ہے، یعنی بھولنے کے وقت اللہ کی یاد کرو۔ بھولنا اور یاد کرنا دو متضاد فعل ہیں، ایک وقت میں دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا لامحالہ مجازی معنی مراد لینا ہو گا، دونوں فعل جدا جدا مختلف اوقات اور مختلف حالات میں ظاہر ہوں گے اور آیت میں تاویل کرنی پڑے گی، کوئی بھی تاویل کی جائے مجازی کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ کار نہ ہو گا، البتہ صوفیاء کا قول مبنی بر حقیقت ہے ذکر رب، نسیان ماسوا کے وقت ہی ہوتا ہے اور اسی کو ذکر رب کہتے ہیں جس میں ماسوا کا نسیان ہو جائے۔

وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنَّ رَبِّي لِأَقْرَبٍ مِّنْ هَذَا رَشْدًا ۝۱۷

امید ہے میرا رب نبوت کی صداقت کو اس سے بھی زیادہ قریب الوصول بنا دے گا۔ **أَقْرَبَ رَشْدًا** سے مراد ہے کوئی ایسی بہتری جو متصل ہی آنے والی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انشاء اللہ کہنا یا اللہ کے کسی حکم کی تعمیل کرنا تم بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو یعنی تسبیح و استغفار کرو اور کہو کہ امید ہے اللہ مجھے کوئی ایسی راہ بتا دے گا جو فراموش شدہ (لفظ یا حکم) سے افضل اور بہتر ہوگی یہ بہترین راہ کو نسی ہے (جس سے گزشتہ کی تلافی اور آئندہ کی ترقی وابستہ ہے) وہ ہے صرف گزشتہ پر ندامت، توبہ، استغفار اور فوت شدہ کی قضاء۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے اصحاب کھف کا واقعہ دریافت کیا اور اللہ نے اصحاب کھف کا قصہ بیان کر دیا تو آخر میں اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو یہ بات بتادیں کہ اصحاب کھف کے واقعہ سے بڑھ کر روشن دلیل اور برہان نبوت اللہ عطا فرمائے گا چنانچہ یہ وعدہ اللہ نے پورا کیا، تمام انبیاء کے علوم بلکہ ماضی و مستقبل کے سارے علمی خزانے اللہ نے آپ کو عطا فرمادیئے، اصحاب کھف کے واقعہ کے اظہار سے آپ کی نبوت کو سچائی کا اتنا قوی ثبوت نہیں ملتا جتنا تمام انبیاء و

مرسلین کے علوم اور گزشتہ و آئندہ کے واقعات و حالات کے علم عطا فرمانے سے ملتا ہے۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اور بواسطہ رسول اللہ ﷺ ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ جب انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ اور پھر یاد آجائے تو انشاء اللہ کہنے کے بعد یہ بھی کہو عَسَىٰ اَنْ يَّهْدِيَنَّ رَبِّي لِاَقْرَبٍ مِنْ هٰذَا رَشْدًا یہی گزشتہ قصور کی توبہ ہے۔ صوفیاء کی تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہو گا کہ جب اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو اور یہ بھی کہو کہ امید ہے اللہ مجھے ایسے راستے کی ہدایت کر دے گا یا ایسی چیز بتا دے گا جو اس ذکر سے بھی زیادہ اقرب ہوگی یعنی اللہ اپنی ذات تک خود پہنچا دے گا اللہ کی ذات رگ جال سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اور اصحاب کہف اپنے  
 وَلَيْسُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِاٰتٍ سِنِيْنَ وَاَزْدًا دُوًّا تِسْعًا ۝۱۵  
 غار میں تین سو برس سے نو برس زیادہ (سوتے رہے)۔ پہلے مجمل طور پر فرمایا تھا فَضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا اس آیت میں تفصیل فرمادی اور تعداد بتادی۔

قنادہ نے کہا اللہ نے اہل کتاب کا یہ قول نقل کیا ہے، اہل کتاب اصحاب کہف کے سوتے رہنے کی معین تعداد بیان کرتے تھے اس قول کو اللہ نے ذکر کیا اور پھر اس کی تردید میں فرمایا قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ وہ کتنے زمانہ تک وہاں سوتے رہے۔ اگر مذکورہ بالا آیت کو اللہ کی طرف سے تعداد مدت کی تعیین قرار دیا جائے گا تو اللہ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا کا کوئی معنی نہ ہوگا۔

حضرت مفسر نے فرمایا، تفسیر وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہے، یعنی اللہ کی طرف سے یہ تعیین مدت کی صراحت ہے، اہل کتاب کے قول کو نقل نہیں کیا گیا ہے۔ رہا بر قول جمہور آیت اللہ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا کا مطلب تو یہ پہلے قول کی تردید نہیں ہے ۳۰۹ برس کی تعیین فرمادی اور آخر میں حکم دے دیا کہ اب اگر یہ لوگ تعیین مدت میں نزاع کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو (اس جھگڑے سے کوئی فائدہ ہی نہیں) اللہ ان کی مدت قیام سے بخوبی واقف ہے (تمہارا نزاع تمہاری لئے سود مند نہیں)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کا یہی یہ قول ہے، غار میں داخل ہونے سے رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک ۳۰۹ برس کی مدت اہل کتاب کے خیال میں گزری تھی، اللہ نے آیت اللہ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا میں اس کی تردید فرمادی۔ یعنی ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد سے اب تک جس قدر مدت گزری، اللہ ہی کو اس کا علم ہے، وہی بخوبی واقف ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے اور ابن جریر نے ضحاک کی روایت سے بیان کیا کہ شروع میں وَلَيْسُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِاٰتٍ نَّازِلٌ هُوَ اَتَّهَا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تین سو سال یا تین سو مہینے اس کے جواب میں لفظ سِنِيْنَ اور نازل ہو گیا۔ وَاَزْدًا دُوًّا تِسْعًا کی تشریح میں کلبی نے کہا نجران کے عیسائیوں نے کہا تھا، تین سو برس رہنے کا علم تو ہم کو بھی ہے مزید نو برس رہنے کا علم ہم کو نہیں۔ یعنی ہماری کتاب میں نہیں ہے) اس پر۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا  
 آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے زمانہ تک وہ سوتے رہے۔  
 بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، اصحاب کہف شمسی حساب سے تین سو برس سوتے رہے اور اللہ نے قمری حساب سے تین سو نو برس رہنے کی صراحت کی ہے۔ ہر سو سال شمسی کے بحساب قمری ایک سو تین سال ہوتے ہیں۔ تین سو سال کے تین سو نو سال ہو گئے۔

(تمام دنیا کی علمی نظر سے جو  
 لَبَّ اَغْيَابِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصَرُ بِهِ وَاَسْمِعُ  
 چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں پوشیدہ ہیں) ان تمام ارضی و سماوی پوشیدہ اشیاء کا علم اللہ ہی کو ہے، سب چیزیں اسی کے دست ملکیت و تصرف میں ہیں، وہ عجیب طرح کا دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یعنی اس کی بینائی اور شنوائی دوسروں کے دیکھنے سننے سے الگ اور عجیب ہے اس کو دیکھنے اور سننے سے کوئی چیز حاجب اور مانع نہیں، انتہائی لطافت ہو یا کثافت، باریک سے باریک چیز ہو یا بڑی سے بڑی، پوشیدہ ہو یا ظاہر اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں اس کو ہر چیز کا علم سمعی و بصری ہے۔

مَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ قَوْلٍ نَّوَالٍ يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝۱۷  
 لئے اللہ کے سوا کوئی کار ساز اور ان کے امور کا ذمہ دار نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں ان میں سے کسی کو شریک کرتا ہے۔ نہ دخیل بناتا ہے۔ حکم سے فیصلہ قضاء یا امر و نہی یا علم غیب مراد ہے یعنی اپنے علم غیب میں وہ کسی کو شریک نہیں کرتا۔  
 رسول اللہ ﷺ کو اصحاب کہف کا قصہ معلوم نہ تھا وہ آپ کے لئے غیب کے حکم میں داخل تھا لیکن اللہ نے وحی کے ذریعہ سے واقف بنا دیا اور قرآن میں ذکر کر دیا گویا غائب اور غیر معلوم واقعہ کو بیان کر دینا ایک معجزہ ہو گیا جو عبارت قرآنی کی شکل میں نمودار کر دیا گیا۔ اس لئے آئندہ آیت میں تلاوت قرآن اور اصحاب قرآن کی مصاحبت کا حکم دیا گیا اور فرمایا۔

وَآتِلْ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ  
 اور آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب بذریعہ وحی بھیجی گئی ہے وہ پڑھا کریں اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔  
 یعنی قرآن کی تلاوت کرو اور اس کے مفہوم پر عمل کرو اور ان لوگوں کی بات پر کچھ دھیان نہ دو جو اس کے سوا کسی دوسرے قرآن کے خواستگار ہیں یا اسی میں تم سے کچھ ترمیم و تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا اس میں کسی طرح کی تبدیل و ترمیم کرنے کی طاقت رکھنے والا کوئی بھی نہیں ہے کوئی شخص بھی اللہ کے سوا اس کو بدل نہیں سکتا۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ گناہ گاروں، نافرمانوں کو جو قرآن کے اندر عذاب کی وعید دی گئی ہے اس کو بدلنے والا کوئی نہیں، عذاب ہو کر رہے گا۔

وَلَكِنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحِدًا ۝۱۸  
 اور اے محمد ﷺ اگر آپ قرآن پر نہ چلے تو اللہ کے سوا آپ کو کوئی پناہ کی جگہ (حضرت ابن عباسؓ) یا چھپنے کی جگہ (حسن بصریؒ) قرار نہیں ملے گی۔ لَحْدًا کا اصل معنی ہے جھکاؤ، کجی۔  
 وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ  
 اور اپنے آپ کو قائم رکھو، جمائے رکھو ان لوگوں کے ساتھ جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں دعا اور ذکر کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد صرف اپنے رب کی خوشنودی کا حصول ہوتا ہے کوئی اور غرض نہیں ہوتی۔  
 اصْبِرْ نَفْسَكَ اپنے آپ کو روکے رکھو، جمائے رکھو۔ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ صبح شام یا تمام اوقات میں۔ يُرِيدُونَ یعنی ان کی عبادت کی غرض سوائے ذات خداوندی کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ وَجْهَهُ میں لفظ وَجْه زائد ہے جیسے آیت وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ میں لفظ وَجْه زائد ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کی ذات کے سوا اور کوئی مطلوب نہیں، نہ دنیانہ آخرت۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ بالا عیینہ بن حصین فزاری کے حق میں نازل ہوئی، مسلمان ہونے سے پہلے عیینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت کچھ نادار مسلمان خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسی بھی تھے حضرت سلمان ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے تھے اور آپ کو پسینہ بھی آرہا تھا، عیینہ بولا، محمد ﷺ! کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے دکھ نہیں ہوتا، ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے لوگ ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن ہم کو آپ کی اتباع کرنے سے ایسے لوگوں کی آپ کے پاس موجودگی روکتی ہے ان کو آپ ہٹادیں تو ہم آپ کی اتباع کرنے لگیں گے یا ہمارے لئے ان سے الگ کوئی بیٹھنے کی جگہ مقرر کر دیں اور ان کی مجلس ہم سے الگ کر دیں اس پر آیت نازل ہوئی۔

قَادَهُ كَابِيَانٍ ۚ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ الْخ ۖ  
 قوادہ کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ مراد ہیں جن کی تعداد سات سو تھی یہ سب نادار لوگ تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں فروکش تھے، نہ کسی کی کھیتی تھی، نہ دودھ کے جانور، نہ کوئی تجارت، نمازیں پڑھتے رہتے تھے ایک وقت کی نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ستائش ہے اس اللہ کے لئے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے جن کی معیت میں مجھے جے رنے کا حکم دیا۔  
 اس آیت کی شان نزول کی کچھ تفصیل سورہ انعام کی آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ الْخ کی تفسیر میں ہم نے کر دی ہے۔



وَلَا تَعُدُّ عَلَيْكَ عَنْهُمْ تَرْبِيَةَ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان (غریب مسلمانوں) سے ہٹنے نہ پائیں۔ یعنی دولت مندوں کے ساتھ بیٹھنے اور مال دار دنیا داروں کی مصاحبت اختیار کرنے کے لئے تم ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرنے والے (نادار) لوگوں سے آنکھیں پھیر لو ایسا نہ کرو۔  
وَلَا تُطِغْ مَنْ أَعْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا  
اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنا دیا ہے اس کے کہے پر نہ چلو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ آیت میں جس کا کہنا ماننے کی ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد عیینہ بن حصین فزاری ہے لیکن ابن مردویہ نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف جمحی کے حق میں نازل ہوئی۔ امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان فقیروں کو اپنے پاس سے نکال دیجئے اور سرداران مکہ کو اپنے پاس بٹھائیے، اللہ کو یہ درخواست پسند نہ تھی اس لئے آیت مذکورہ نازل فرمادی۔ ربیع کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ابن بریدہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت سلمان بیٹھے ہوئے تھے کہ عیینہ بن حصین آگیا اور کہنے لگا جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ اس کو یعنی اس جیسے غریب لوگوں کو اپنے پاس سے نکال دیا کریں، اس پر آیت وَلَا تُطِغْ مَنْ أَعْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا نازل ہوئی۔

اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے۔ یعنی سرداران قریش کے لئے آپ کی مجلس سے غریب مسلمانوں کو نکال دینے کا خواستگار ہوتا ہے۔ آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کی اس درخواست کا موجب دو باتیں ہیں (۱) اس کا دل اللہ کی یاد سے غافل سے (اللہ کا تصور ہی اس کے دل میں نہیں اور خدا کی طلب ہی اس کو نہیں)۔ (۲) دنیوی لذتوں میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں کہ شرافت کا مدار ذلیل باتوں سے نفس کو پاکیزہ رکھنے، دل کو باطنی رذائل کی کثافت سے صاف رکھنے اور انوار معروف سے منور کرنے پر ہے جسمانی آرائش پر نہیں ہے جو اس کے کہے پر چلے گا وہ بھی غفلت اور حماقت میں اسی کی طرح ہوگا۔

فرقہ معززہ کے نزدیک قبیح افعال کو پیدا کرنے کی نسبت اللہ کی طرف کرنی درست نہیں اور اس جگہ لفظ أَعْفَلْنَا میں غافل بنانے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ أَعْفَلْنَا کا معنی غافل بنانا نہیں ہے بلکہ غافل پانا ہے۔ ہم نے اس کے دل کو غافل پایا، یا غفلت کی نسبت اس کے دل کی طرف کر دی، یعنی غافل چھوڑ دیا، عرب کہتے ہیں أَعْفَلَ إِبِلَهُ اس نے اپنے اونٹوں کو بغیر نشان زد کئے چھوڑ دیا۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ أَعْفَلْنَا میں اللہ کی طرف غافل کر دینے کی نسبت اور اتَّبِعْ هَوَاهُ میں اتباع ہوا کی بندے کی طرف نسبت بتا رہی ہے کہ بندہ نہ مجبور ہے نہ مختار کامل بلکہ بین بین ہے (خالق، اللہ ہے اور کاسب، بندہ) اور اس کا یہ حال حد سے گزر گیا ہے۔

وَكَانَ امْرُؤًا فَرُطًا ۝۲۸  
بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ اور مجاہد نے فُرُطًا کا ترجمہ ضیاعاً یعنی ضائع شدہ کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا اس کا امر ضائع ہو گیا اور زندگی کے دن رائگاں گئے۔ بعض نے فُرُطًا کا معنی ندامت بیان کیا ہے۔ مقاتل بن حبان اور اخفش نے ترجمہ کیا حد سے آگے بڑھا ہوا، کسی نے باطل، کسی نے مخالف حق ترجمہ کیا ہے، فراء نے متروک کہا ہے، بیضاوی نے لکھا ہے حق کو پس پشت پھینک دینے والا۔ جو گھوڑا سب سے آگے نکل جائے اور سب گھوڑے اس کے پیچھے رہ جائیں اس کو فُرُطٌ کہا جاتا ہے فُرُطٌ (پیش خیمہ، ہر اول) اسی سے بنا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَتَدْرِكُونَ  
(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں حق (وہ ہے جو) تمہارے رب کی جانب سے ہے۔ یعنی حق وہ ہے جس کو اللہ نے حق قرار دیا ہو۔ اقتضاء خواہشات حق نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ یہ یعنی قرآن یا اسلام حق ہے جو اللہ کی طرف سے آیا ہے۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ  
اب جو (ایمان لانا) چاہے ایمان لے آئے اور جو (کافر رہنا) چاہے وہ کافر رہے۔ یہ کلام وعید آگیا ہے۔ ایمان و کفر دونوں کا اختیار دیا گیا ہے جو اپنے اندر ایک خاص تمہید رکھتا ہے۔ گویا عینہ کی درخواست کا جواب ہے۔ عینہ نے کہا تھا ان لوگوں کے لباس اور بدن کی بدبو سے کیا آپ کو تکلیف نہیں ہوتی، ہم قبیلہ مضر کے شرفاء اور سردار لوگ ہیں ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے، اگر ہم ان لیں گے تو سارے لوگ ایمان لے آئیں گے، مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ سکیں اور آپ کی بات سنیں اور آپ پر ایمان لے آئیں، اللہ نے اس کے جواب میں غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کو پاس بٹھانے کی رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرمائی اور اپنی مجلس سے ان کو نکال دینے کی ممانعت کر دی اور صاف صراحت کر دی کہ حق رب کی طرف سے آگیا، ماننا چاہو اس کو مانو، نہ ماننا چاہو نہ مانو، اللہ کو کسی کے ماننے نہ ماننے کی پرواہ نہیں، ہر شخص کا اپنا نفع و نقصان ہے جو مان لے گا اسی کو ایمان کا فائدہ پہنچے گا نہ مانے گا تو کفر کی مضرت اسی پر پڑے گی۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا  
اور ظالموں یعنی کافروں کے لئے ہم نے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیر لیں گی۔ متعدد چھوٹے ڈیروں اور خیموں کے گرد اگر دو احاطہ پاڑھ کی طرح کھینچ دیا جاتا ہے اس کو سُرَادِقُ کہتے ہیں۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے دیوار ہو یا خیمہ یا کچھ اور چیز بہر حال جو پاڑھ کی طرح کسی چیز کو گھیرے ہوئے ہو وہ سُرَادِقُ ہے، سُرَادِقُ معرب لفظ ہے اور مفرد ہے۔ معرب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں کوئی مفرد لفظ ایسا نہیں جس کے ابتدائی دو حرفوں کے بعد تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف اور ہوں۔ بعض کے نزدیک سُرَادِقُ، سُرَادِقُ کی جمع ہے۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سُرَادِقُ النَّارِ (دوزخ کی قناتیں) چار دیواریں ہوں گی (ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری، تیسری کے بعد چوتھی) ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی راہ کے برابر ہوگی۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ سُرَادِقُ النَّارِ آگ کی دیوار ہوگی (جو محیط ہوگی) کلبی نے کہا آگ کی لپٹ ہوگی جو کافروں کو ہر طرف سے پاڑھ کی طرح گھیرے ہوگی۔ بعض علماء نے کہا ایک دھواں ہوگا جو کافروں کو محیط ہوگا، اللہ نے اسی کا ذکر آیت اِنْطَلِقُوا إِلَىٰ ذِي ثُلَيْثٍ شُعْبٍ میں کیا ہے۔

وَأَنْ يَسْتَسْقُوا مِنْ مَاءٍ كَالْمُهْلِ  
اور اگر (شدت پیاس کی وجہ) سے وہ پانی مانگیں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو مہل کی طرح ہوگا۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آیت بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ کی تشریح میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن ابی الدنیا، اور بیہقی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَيُسْقَىٰ مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ کی تشریح میں فرمایا، وہ سامنے لایا جائے گا تو دوزخی کو سخت ناگوار ہوگا پھر منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی اور سر کی کھال جل بھن کر گر پڑے گی جب اس کو پیے گا تو انتڑیاں کٹ کر دہر سے نکل جائیں گی، اللہ فرماتا ہے وَإِنْ يَسْتَسْقُوا مِنْ مَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ۔ ابن ابی حاتم نے ابو طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول كَالْمُهْلِ کی تشریح کے متعلق نقل کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، وہ سیاہ ہوگا جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول بغوی کی روایت میں یہ آیا ہے وہ گاڑھ پانی ہوگا، زیتون کے تیل کی گاڑھ کی طرح۔ مجاہد نے مہل کا ترجمہ کیا ہے، لہو، پیپ، خون۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ترجمہ دریافت کیا گیا تو آپ نے کچھ سونا چاندی منگوا کر پگھلایا، جب پگھل گیا تو فرمایا یہ مہل کی طرح ہے اس کے ہم شکل ہے۔

یَسْبُوِي الْوُجُوٰهَ  
اس کی گرمی سے چہرے بھن جائیں گے۔  
وہ چہروں کو بھون ڈالے گا، یعنی جب وہ منہ کے قریب لایا جائے گا تو اتنا گرم ہوگا کہ

(وہ سہل) برا مشروب ہوگا۔

اور (آگ) بری آرام گاہ ہوگی۔

وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا  
مُرْتَفَقًا کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے فرود گاہ، مجاہد نے مقام اجتماع، عطاء نے قرار گاہ اور قتیبی نے مجلس کیا ہے۔ اِرْتِفَاقٌ کا لغوی معنی ہے۔ کہنی کھڑی کر کے اس پر رخسار ٹیکنا، پس لغت کے لحاظ سے مُرْتَفَقًا اسم ظرف کا ترجمہ ہوا ٹیک کی جگہ، آرام گاہ۔ دوزخ کوئی آرام گاہ نہیں ہے لیکن جنت کو آگے آرام گاہ فرمایا ہے تقابل کے طور پر بنا کر بھی مُرْتَفَقٌ فرمایا۔  
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۲۰﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جنہوں نے اچھی طرح کام کئے، ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔  
عَدْنٌ قِيَامٌ كَرِيمًا، تُحِيرُنَا۔ عَدْنُ الْمَاءِ بِالْمَكَانِ پانی فلاں جگہ ٹھہر گیا۔ جَنَّاتُ عَدْنٍ وہ باغ اور جنتیں جہاں مومن ہمیشہ قیام کریں گے۔

يَجَلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ  
وہاں اہل جنت کو سونے کے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا۔ سیوار کنگن اس کی جمع اسْوَارٌ یا اسْوَرَةٌ ہے اور اسْوَارٌ یا اسْوَرَةٌ کی جمع اسْوَارٌ ہے۔  
أَسَاوِرٌ اور ذَهَبٌ کو نکرہ لانے سے اس طرح اشارہ ہے۔ کہ وہ کنگن اور سونا نرالی شان کا ہوگا کہ اس کے حسن کا کوئی

احاطہ نہیں کر سکتا۔ طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے اچھی سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ادنیٰ جنتی کے ادنیٰ زیور کا تمام دنیا کے زیوروں سے موازنہ کیا جائے تو جو ادنیٰ زیور آخرت میں اللہ جنتی کو عطا کرے گا وہ دنیا کے تمام زیوروں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

ابو الشیخ نے العظمتہ میں کعب احبار کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ جو اپنی پیدائش کے آغاز سے اہل جنت کے زیور ڈھال رہا ہے اور قیامت تک ڈھالتا رہے گا اگر اہل جنت کا ایک زیور بھی سامنے لے آیا جائے تو اس کے مقابلے میں سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔

وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَسْرَابِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ  
اور سبز رنگ کے مُرْتَفَقًا ﴿۲۱﴾

کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پنہیں گے (اور) وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے کیسا اچھا صلہ ہوگا اور جنت کیا ہی اچھی آرام گاہ ہوگی۔

ابن السنی اور ابو نعیم نے طب النبی ﷺ میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سب سے پسندیدہ رنگ سبز تھا۔

سُنْدُسٌ باریک ریشمی کپڑا۔ اِسْتَبْرَقٌ دبیز ریشمی کپڑا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جنت کے کپڑوں کے دبیز ہونے سے مراد ہے بناوٹ کی مضبوطی۔ عمر حربی نے کہا سندس زریفت کو کہتے ہیں۔

نسائی، ابو داؤد، بزار اور بیہقی نے سند حسن حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ارشاد فرمائیے اہل جنت کے کپڑے کس قسم کے ہوں گے، کیا (بنے بنائے) پیدا شدہ ہوں گے یا بنے ہوئے ہوں گے جن کو بن کر تیار کیا گیا ہوگا۔ یہ بات سن کر ایک شخص کو ہنسی آگئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک ناواقف جب کسی جاننے والے سے

پوچھتا ہے تو تم لوگ ہنتے ہو، پھر دوبارہ فرمایا جنت کے پھلوں سے ان کے پھٹنے پر (تیار شدہ) برآمد ہوں گے۔ بزار، ابو یعلیٰ اور طبرانی نے جابر کی روایت سے حضرت ابوالخیر مرثد بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس سے سندس آگتا ہے جنتیوں کا لباس اسی کا ہوگا۔

الْأَرْيَاكِ، الْأَرْيَاكَةُ کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اگر چاروں طرف پردہ ہو اور اندر لیٹنے کی مسہری نہ ہو یا چارپائی لیٹنے کی ہو اور گرداگرد پردہ نہ ہو تو اس کو اریکہ نہیں کہتے اریکہ پردہ والی مسہری کہتے ہیں۔ بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مسہریاں موتی اور یاقوت کی ہوں گی۔

ثواب صلہ یعنی جنت اور اس کی نعمتیں، مرتفق بیٹھنے کی جگہ اور قرار گاہ۔ یعنی جنتیں یا مسہریاں کیسی اچھی قرار گاہ ہوں گی۔

وَاضْرِبْ لَهُم مِّثْلًا مِّثْلًا رَجُلَيْنِ اور ان سے دو آدمیوں کا حال بیان کرو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مکہ میں قبیلہ بنی مخزوم کے دو بھائی رہتے تھے ایک مومن تھا، دوسرا کافر، مومن کا نام ابو سلمہ عبداللہ (ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے سابق شوہر) بن عبدالاسود بن عبدیلیل تھا اور کافر کا نام اسود بن عبدالاسود بن عبدیلیل۔ انہی دونوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھیوں کے احوال اور حضرت سلمان کے حال کو بطور تمثیل بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کے احوال سے تشبیہ دی ہے، جن میں سے ایک کا نام بر قول ابن عباسؓ یہود اور بر قول مجاہد تملیخا تھا اور دوسرے کا نام قطروس اور بقول وہب قطرف تھا، اول مسلمان تھا دوسرا کافر۔ سورۃ الصافات میں بھی انہیں کا قصہ بیان کیا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے بروایت معمر عطاء خراسانی کا بیان ان دونوں کے متعلق حسب ذیل نقل کیا ہے۔

ایک شخص کے دو بیٹے تھے، دونوں کو باپ کی وراثت سے آٹھ ہزار دینار ملے، دونوں نے تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لیا، ایک بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی، دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر دیئے اور کہا اے اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے میں تجھ سے جنت میں ایک ہزار کی زمین خریدتا ہوں، اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا، دوسرے نے ہزار دینار غریبوں کو تقسیم کر کے دعا کی، اے اللہ! اس نے ہزار دینار خرچ کر کے مکان بنایا ہے میں تجھ سے جنت کے اندر ہزار دینار کا مکان خریدتا ہوں، پھر اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کر لی۔ اور دوسرے نے ہزار دینار راہ خدا میں دے کر کہا اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جنت کے اندر کسی عورت سے میرا نکاح کر دے، پھر اول شخص نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے باندی، غلام اور گھر کا سامان خرید اور دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر کے اللہ سے جنت کے اندر خدام اور سامان ملنے کی درخواست کی۔

جب یہ دوسرا شخص سب مال خیرات کر چکا تو کچھ مدت کے بعد مال کی کوئی سخت ضرورت پیش آئی اور دل میں خیال کیا مجھے بھائی کے پاس جانا چاہیے شاید اس کی طرف سے مجھے کچھ مل جائے، یہ سوچ کر بھائی کے راستہ پر ایک طرف کو جا بیٹھا، اس طرف سے دولت مند بھائی اپنے خادموں کے جھرمٹ میں گزر اور بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا کیا حال ہے اس شخص نے کہا مجھے ایک حاجت درپیش ہے اور مفلس ہو گیا ہوں، آپ کے پاس کچھ بھلائی کی امید لے کر آیا ہوں، دولت مند بھائی نے کہا تمہارا مال کیا ہوا، تقسیم کے وقت تم نے اپنا حصہ تو لے لیا تھا، غریب بھائی نے اپنی سرگزشت بیان کر دی، دولت مند بھائی بولا، اچھا تو تم خیرات کرنے والوں میں شامل ہو گئے، چلے جاؤ، میں کچھ نہیں دوں گا، غرض اس نے غریب کو دھتکار دیا، آخر دونوں مزگئے اور ان ہی کے متعلق آیت فَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُونَ نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مال دار بھائی غریب بھائی کو ہاتھ پکڑ کر اپنے مال کی سیر کرانے لے گیا اور گھما پھرا کر سب طرح کا مال دکھایا۔

وَاضْرِبْ لَهُم مِّثْلًا مِّثْلًا رَجُلَيْنِ سے مراد ہیں وہ دو آدمی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے (حضرت ابو سلمہ مخزومی اور اسود مخزومی) یا جو کبھی پہلے گزر گئے

تھے (یعنی دو اسراہیلی بھائی یہود اور قطورس) کوئی مقرر شخص مراد نہیں ہے بلکہ دو شخص جن میں مندرجہ آیت اوصاف ہوں (عبرت دلانے اور نصیحت کرنے کے لئے) فرض کر لئے گئے ہیں اور ان کی حالت بیان کر دی گئی ہے۔

جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۝۳۱

ان دو شخصوں میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دے رکھے تھے اور ان دونوں باغوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا اور ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی پیدا کر دی تھی۔

أَحَدُهُمَا سے مراد کافر ہے۔ انگوروں کے باغوں سے مراد ہیں انگور کے درختوں کے باغ، حَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ یعنی انگور کے باغوں کے گرد اگر دباڑھ کی طرح کھجور کے درخت تھے، انگور کے باغ کھجور کے درختوں کے باڑھ کے اندر تھے۔ حَفَفْنَا الْقَوْمِ اس کو قوم نے گھیر لیا۔ حَفَفْتُهُ بِقَوْمٍ میں نے اس کو قوم سے گھیر دیا، اس کے گرد اگر د قوم کا گھیرا ڈال دیا۔ اس صورت میں بقوم میں ب زائد ہوگی کیونکہ حَفَفْتُ خود متعدی بدو مفعول ہے جن میں دوسرا مفعول فاعل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا رُومًا بَيْنَهُمَا یعنی دونوں باغوں کے درمیان واقع ہونے والی زمین بھی بنجر نہ تھی بلکہ اس میں کھیتی تھی، اس طرح ان باغوں میں پھل بھی تھے اور غلے کی پیداوار بھی تھی اور ترتیب بھی عمدہ تھی۔

كَلَّمْنَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظَلِمْنَاهُ شَيْئًا ۝۳۲  
پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا بھی کمی نہ تھی، یعنی باغوں کے پھلوں اور پیداوار میں وہ کمی نہ تھی جو معمولاً عام باغوں میں ہوا کرتی ہے کہ ایک سال پھل خوب آتے ہیں اور دوسرے سال کم۔

اور دونوں باغوں کے اندر ہم نے نہر چلا رکھی تھی اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا۔

وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا ۝۳۳ وَكَانَ لَهُ ثَمْرٌ ۝۳۴  
فَجَّرْنَا یعنی زمین سے چشمے نکال کر بہا دیئے، تاکہ باغوں میں تروتازگی اور شادابی باقی رہے۔ لَهُ ثَمْرٌ ازہری نے کہا ثَمْرَةٌ کی جمع ثَمْرٌ ہے اور ثَمْرٌ کی ثَمَارٌ اور ثَمَارٌ کی ثَمْرٌ۔  
قاموس میں ہے ثَمْرَةٌ درخت کے پھل اور مختلف انواع کا مال، ثَمْرَةٌ اور ثَمْرَةٌ واحد ہے اس کی جمع ثَمَارٌ ہے اور ثَمَارٌ کی جمع ثَمْرٌ اور ثَمْرٌ۔ سونے چاندی، مویشی اور اولاد کو بھی ثَمْرَةٌ کہا جاتا ہے۔

مذکورہ آیت کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ دو باغوں کے مالک کے پاس باغوں کے علاوہ اور بھی طرح طرح کا بکثرت مال تھا۔ ثَمْرٌ مَالٌ اس کا مال بہت ہو گیا۔ مجاہد نے کہا ثَمْرٌ سے مراد سونا چاندی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے ثَمْرٌ مِيم جن لوگوں نے پڑھا ہے تو ان کے نزدیک یہ ثَمْرَةٌ کی جمع ہوگی اور مراد ہوں گے درختوں کے پھل جو کھائے جاتے ہیں اور جن لوگوں نے ثَمْرٌ پڑھا ہے ان کے نزدیک طرح طرح کا کثیر مال مراد ہوگا۔

فَقَالَ لِيصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۵

سو اس نے اپنے ساتھی سے دوران گفتگو میں کہا میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتنا بھی میرا زبردست ہے۔ یعنی باغوں والے نے نادار مومن سے دوران گفتگو میں کہا، میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور میں نوکروں چاکروں کے اعتبار سے بھی تجھ سے زیادہ باعزت ہوں۔ نَفْرٌ سے مراد ہیں نوکر چاکر خدمت گار بعض نے کہا زینہ اولاد مراد ہے کیونکہ مومن نے اس کے جواب میں کہا تھا۔ إِنْ تَرَنْ أَنَا أَقَلُّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا أَكْرَجُ تَوْجِيحِي أَقْبَلُ مَقَابِلِي فِي كَمَالِ مَالِدَارٍ أَوْ قَلِيلِ الْوَالِدِ دِكْهُرِي ۝۳۶

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۝۳۷ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۝۳۸

اور اپنے اوپر جرم قائم کرتے ہوئے اپنے باغ میں پہنچا کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ کبھی بھی تباہ ہوگا۔ یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے، دماغ پر غفلت کے پردے پڑ جانے اور شوق و ہوس کی ہمہ گیری کے سبب وہ خیال کرنے لگا کہ جو کچھ

میرے پاس سے، وہ زندگی بھر میرے پاس رہے گا، کبھی برباد نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان نعمتوں کے ساتھ میں ہمیشہ زندہ رہوں گا کیونکہ کسی کافر کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ موت سے ہمیشہ محفوظ رہوں گا کبھی نہیں مروں گا۔ ہاں قول صحیح مراد اگر دلالت حال لی جائے تو مؤخر الذکر مطلب بھی ہو سکتا ہے، جو لوگ دنیا اور دنیا کی لذتوں میں غرق ہوتے ہیں ان کے اعمال اور خیالات زبان حال سے پکار کر کہتے ہیں کہ ایسے اعمال و خیالات رکھنے والے اپنی زندگی کو دوامی سمجھے ہوئے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ کبھی موت نہیں آئے گی اور دنیا کی یہ لذتیں ان کو ہمیشہ حاصل رہیں گی۔

وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِّدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۷﴾

اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت پانچ ہونے والی ہے اور بالفرض اگر مرنے اور جی اٹھنے کے بعد مجھے لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا جیسا کہ تمہارا خیال ہے تو یقیناً اس سے بہتر نتیجہ مجھے (وہاں) ضرور ضرور ملے گا۔  
مُنْقَلَبٌ، مقام واپسی، نتیجہ، اس کا خیال تھا کہ اللہ کی نظر میں میری عزت زائد ہے اس نے جو کچھ مجھے دیا ہے میری عزت کی وجہ سے دیا ہے اس لئے قیامت کے بعد بھی وہ مجھے ان باغوں سے بہتر مقام و مرتبہ عنایت کرے گا۔

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُكَ أَكْفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاهُ رَجُلًا ﴿۳۸﴾

اس کے مومن ساتھی نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا کیا تو اس خدا کو نہیں مانتا جس نے خاک سے تجھے پیدا کیا پھر (باپ کے) نطفہ سے (پیدا کیا) پھر تجھے پورا ٹھیک مرد بنا دیا۔ مٹی ہر شخص (کے بدن) کا مادہ ہے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر شخص خاک سے بنایا گیا ہے یا یہ کہ حضرت آدم کا پتلا خاک سے بنایا گیا تھا نطفہ ہر انسان کا مادہ قریب ہے، (مٹی سے غذائاتی و حیوانی پیدا ہوتی ہے اس لئے مٹی بعد مادہ ہے پھر غذا سے خون بنتا ہے خون بھی مادہ ہے بعدہ سے پھر خون سے نطفہ اور نطفہ سے انسان، پس نطفہ مادہ قریب ہے۔ مترجم) سَوَّاهُ تَجھے ٹھیک کر کے پورا انسان بنا دیا، رَجُلًا یعنی پورا بالغ مرد۔ وجود قیامت میں شک ہونے کی بنیاد ہے اللہ کی قدرت کا انکار تو گویا انکار قیامت حقیقت میں انکار خدا ہے جو شخص اللہ کی قدرت کی ہمہ گیری کو مانتا ہے وہ جانتا ہے کہ جس خدا نے آدمی کو اپنے علم و ارادہ کے ساتھ خاک سے پیدا کیا وہ دوبارہ بھی پیدا کر دے گا۔

لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿۳۹﴾  
لیکن (میں تو کہتا ہوں کہ) اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ (عبادت و ربوبیت میں) کسی کو ساجھی نہیں قرار دیتا۔ بقول بغوی، کسائی نے بیان کیا کہ کلام میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے، اصل کلام تھا لَكِنَّا اللَّهُ هُوَ رَبِّي اس صورت میں (میں کہتا ہوں کہ) جملہ محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ لَكِنَّا كَالْفَزَائِدِ ہوگا۔

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتِكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَأَقْوَمُ إِلَّا بِاللَّهِ  
اپنے باغ میں داخل ہوئے تھے (اور پھلوں سے لدے درخت تھے) تو مَا شَاءَ اللَّهُ لَأَقْوَمُ إِلَّا بِاللَّهِ کیوں نہیں کہا۔ لَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ یعنی داخل ہوتے وقت تم نے کیوں نہیں کہا۔ مَا شَاءَ اللَّهُ یعنی اللہ جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، باغ میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی مشیت سے وابستہ ہے اگر وہ چاہے گا، باقی رکھے گا، باقی رکھنا چاہے گا برباد کر دے گا۔

لَأَقْوَمُ إِلَّا بِاللَّهِ یعنی تو نے اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت کا اقرار کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ اللہ کی مدد کے بغیر میں اس کو محفوظ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا، جو کچھ مجھے اس باغ کو لگانے، پرورش کرنے اور انتظام کرنے کی سہولت حاصل ہوئی ہے وہ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے حاصل ہوئی ہے۔ بیہتی نے شعب الایمان میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی چیز دیکھی اور اس کے دل کو پسند آئی اور اس نے مَا شَاءَ اللَّهُ لَأَقْوَمُ إِلَّا بِاللَّهِ کہہ دیا تو پھر اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا (نہ نظر لگے گی، نہ عیبی حوادث اس چیز پر آئیں گے) ابن السنی کی روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اس کو نظر نہیں لگے گی۔

بغوی نے ہشام بن عروہ کی روایت سے بیان کیا کہ عروہ کو جب اپنا کوئی مال پسند آتا اور عجیب معلوم ہوتا تھا یا اپنے کسی باغ میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

إِنْ تَرَىٰ أَنَا أَقْلَ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۖ فَعَلَىٰ رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا

اگر تو مجھے دیکھ رہا ہے کہ (آج) میں تجھ سے مال و اولاد میں کم ہوں تو امید ہے عنقریب اللہ مجھے تیرے باغ سے بہتر اور بڑھیا چیز عنایت فرمادے اور تیرے باغ پر (تیرے کفر کی وجہ سے) کوئی تقدیری آفت آسمان سے بھیج دے۔

حُسْبَانُ کا ترجمہ قنادہ نے عذاب اور حضرت ابن عباس نے آگ اور قسبی نے پتھر یا طوفان اور بیضاوی نے کڑک کیا ہے۔ بیضاوی نے کہا حُسْبَانُ، حُسْبَانَةٌ کی جمع ہے، بعض علماء نے اس کو مصدر بمعنی حساب قرار دیا ہے اور حساب سے مراد ہے گناہوں کے برابر عذاب یا تقدیر الہی کی بھیجی ہوئی آفت۔

مِنَ السَّمَاءِ  
فَتَصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۝

پھر وہ باغ چٹیل چکنا میدان بن جائے۔ یعنی کوئی درخت اور سبزہ اس میں باقی نہ رہے، صاف میدان ہو جائے۔ مجاہد نے صَعِيدًا زَلَقًا کا ترجمہ کیا ہولناک ریگستان۔

أَوْ يُصْبِحَ مَاءً وَهَاءً غُورًا فَلَنْ يَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۝

یا اس کا پانی زمین کے اندر اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ تو اس کو تلاش بھی نہ کر سکے (ملنا اور پانا تو دور کنار) اور اس شخص کے

وَاجِبِطَ بِشَمْرِهِ فَاصْبَحَ يَقْلِبُ كَفِّيهِ عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا

(باغ کے) پھلوں یا (سامانِ تمول) کو آفت نے آکھیرا، پھر اس نے اس باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ یعنی عذاب نے اس کے باغ کے پھلوں یا ہر طرح کے مال کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور خلاف امید تباہ کر دیا، احاطہ سے مراد ہے غالب آجانا برباد و تباہ کر دینا، دشمن جب گھیر لیتا ہے تو جو بھی اس کے احاطہ میں آجائے اس پر غالب آجاتا اور تباہ کر دیتا ہے۔

يَقْلِبُ كَفِّيهِ كَفَّ افسوس ملنے لگا، ہاتھ پر ہاتھ ملنے لگا یا افسوس و حسرت کے ساتھ ہتھیلیاں اس نے الٹی کر لیں (اور پشت کف کو کاٹنے لگا) قلب کفین سے بطور کنایہ مراد ہے، پشیمان ہونا یعنی جو کچھ اس نے باغ میں خرچ کیا تھا اس کے برباد ہو جانے پر وہ (پریشان حسرت زدہ اور) پشیمان ہوا۔

وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرْوَتِهَا

چھتریاں زمین پر گر گئیں اس طرح سب بیلین زمین پر آ رہیں (اور سارا انگورستان اجڑ گیا) اور (قیامت کے دن یا قبر میں جب دیکھے گا کہ اس کا جتنی مقام دوزخ کے مقام سے بدل دیا گیا تو) کہے گا، کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دیتا (یہ ترجمہ مرادی حضرت مفسر نے کیا ہے۔ مولانا تھانوی نے ترجمہ اس طرح کیا ہے اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا اگر میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا)۔

وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۝

اور اس کے پاس کوئی ایسا مجمع نہ ہوا کہ خدا کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود ہم سے بدلہ لے سکا (مولانا تھانوی) اور قیامت کے دن عذاب کو دفع کرنے پر قدرت رکھنے والی اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ ہوگی اور نہ وہ تنہا اپنی قوت پر اللہ کے انتقام سے بچ سکے گا۔ (حضرت مفسر)

هَذَا لِكَ

وہاں اور اس وقت یعنی جب اس کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ

مدد کرنا اللہ برحق ہی کا کام ہوگا (مفسر) مدد کرنا اللہ برحق کا ہی کام ہے (مولانا تھانوی)

جزہ اور کسائی کی قرأت الْوَلَايَةِ بکسر و او بمعنی غلبہ آیا ہے اور جمہور کی قرأت الْوَلَايَةِ بِتَّوَاوَعٍ ہے، جس کا معنی ہے دوستی، مدد۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں بھی یہی مضمون ولایت (یعنی مدد اور نصرت) ظاہر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے کہا وَلَا يَتَّكِفُ كَا مَعْنٰی ہے ربوبیت اور وَلَا يَتَّكِفُ كَا مَعْنٰی ہے حکومت۔

یہ بھی جائز ہے کہ اللہ نے کافر کا یہ قول اسی وقت کا نقل کیا ہو جب اس نے اپنے باغوں کو تباہ دیکھ کر اظہارِ پشیمانی کیا تھا اور شرک سے توبہ کر لی تھی یا اپنے مومن بھائی کی نصیحت سن کر اور باغ کی اجڑی حالت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ یہ ساری مصیبت شرک کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ حقیقت سمجھ کر اس نے بے اختیار بے تابی کی حالت میں شرک سے بیزاری کا اظہار کر دیا (مولانا اشرف علی نے اسی مطلب کے موافق ترجمہ کیا ہے اور شرک سے بیزاری کی تمنا کو اسی وقت اور اسی موقعہ کا قول قرار دیا ہے جب اس کافر نے اپنے سامان تمول کو برباد اور باغ کو اجڑا ہوا دیکھا تھا) یعنی اس موقعہ پر اس اضطراری حالت میں اس کو یقین ہو گیا کہ نصرت یا حکومت اللہ برحق کی ہی ہے۔

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عَقْبًا ۝۱۴  
یعنی اللہ اپنے اطاعت گزاروں کو سب سے اچھا بدلہ دیتا ہے، کیونکہ دوسرے لوگ جو اطاعت کا دنیا میں بدلہ دیتے ہیں، وہ حقیر اور فنا پذیر ہوتا ہے اور اللہ دنیا میں تو اپنی حکمت کے مطابق اچھا بدلہ دیتا ہی ہے آخرت میں عظیم الشان لازوال ثواب عنایت فرمانے والا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيْحُ  
اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان کیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو، پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا میں اڑائے پھرتی ہوں.... یعنی دنیوی زندگی کی رونق اور اس کی زوال پذیری کی کیفیت بیان کرو، یا حیات دنیا کی عجیب حالت بیان کرو (مثل کا معنی عجیب کیفیت بھی ہے اور اس حالت کو بھی مثل کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی حالت کے مشابہ ہو خواہ اس میں کوئی ندرت نہ ہو مگر غرض تشبیہ پوری ہو رہی ہو اور مشبہ کی حالت مشبہ بہ کی حالت کے مماثل و مشابہ ہو۔ اس جگہ حیات دنیا اور بارش کے پانی سے پیدا ہونے والے سبزہ کے درمیان مشترک صفت رونق آگینی اور پھر جلد رونق کا فنا ہو جانا ہے۔ مترجم)

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ یعنی پانی کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو گیا اور اتنا زیادہ ہوا کہ باہم گتہ گیا، یا یہ مطلب ہے کہ پانی نے سبزہ کو متاثر کیا اور سبزہ پانی سے سیراب و شاداب ہو گیا۔

فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا پھر تھوڑی ہی مدت میں سبزہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔  
تَذْرُوْهُ الرِّيْحُ ابو عبیدہ نے کہا ہوائیں اس کو ادھر ادھر منتشر کرنے لگیں۔ آیت میں تشبیہ مفرد و مفرد نہیں ہے نہ پانی مشبہ بہ ہے نہ پانی کی حالت۔ بلکہ مشبہ بہ وہ کیفیت ہے جو مجموعہ سے منتزع ہوتی ہے (یعنی پانی سے سبزہ کا پیدا ہونا گھنا اور شاداب ہونا، پھر خشک ہو جانا اور اس کو ہواؤں کا ادھر ادھر اڑائے پھرنا، ان تمام چیزوں سے ایک خاص نمو اور فنا کی کیفیت منتزع ہوتی ہے، اس سے حیات دنیا کی ترقی پذیر اور پھر عنقریب فنا آگیاں کیفیت کو تشبیہ دی ہے۔ مترجم)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۱۵  
اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (یعنی قابو پائے ہوئے ہے کامل اقتدار رکھتا ہے۔ مترجم)

الْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبَقِيَّةُ الطَّيِّبَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرًا مَّمْلًا ۝۱۶  
مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالح باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بدرجہا بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بھی سب سے افضل ہیں۔



یعنی وہ مال و اولاد جس پر عیینہ بن حصین اور اس جیسے دوسرے دولت مندوں کو فخر ہے محض دنیوی رونق کی چیزیں ہیں آدمی ان پر فخر کرتا ہے، پھر یہ چیزیں عنقریب فنا ہو جاتی ہیں یہ زادِ آخرت نہیں ہیں، لیکن وہ اعمالِ صالحہ جن کا اچھا نتیجہ دوائی اور غیر فانی ہے وہ اللہ کے نزدیک اس دنیوی مال و اولاد سے ہزاروں درجہ بہتر ہیں اور سب سے بڑی تمنا کے قابل چیز ہے (دنیوی چیزوں کی امید و تمنا فانی کی تمنا ہے اور اعمالِ صالحہ کے ثواب کی تمنا باقی کی تمنا اور باقی فانی سے بدرجہا افضل ہے۔ مترجم)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمالِ صالحہ آخرت کی کھیتی اور بعض لوگوں کے لئے اللہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ اور مجاہد نے فرمایا، باقیاتِ صالحات سُبْحَانَ اللَّهِ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اللَّهُ أَكْبَرُ ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، باقیاتِ صالحات کو زیادہ بڑھا کرو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ باقیاتِ صالحات کیا ہیں، فرمایا سُبْحَانَ اللَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ پڑھنا۔ رواہ احمد و ابن حبان و الحاکم۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا ذکر بہت کیا کرو، اس سے ضرر کے ننانوے دروازے بند ہو جاتے ہیں جن میں سے ادنیٰ دروازہ گم ہے۔ رواہ لعقلی۔ عقیلی نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ہی باقیاتِ صالحات ہیں۔ طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت سعد بن عبادہؓ کی روایت سے بھی نقل کی ہے۔

سعید بن جبیر، مسروق اور ابراہیم مخمی کے نزدیک باقیاتِ صالحات سے مراد پُجگناہ نمازیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ باقیاتِ صالحات اعمالِ صالحہ ہیں، قنادہ کا یہی قول ہے۔

وَيَوْمَ نُسَبِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۗ وَعَرْضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا  
اور یاد کرو اس دن کو جب ہم پہاڑوں کو ہٹادیں گے اور آپ زمین کو دیکھیں گے کہ کھلا میدان پڑا ہے اور ہم ان سب کے سب کو (قبروں سے اٹھا کر) جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور وہ آپ کے رب کے روبرو برابر برابر کھڑے کر کے پیش کئے جائیں گے۔ یعنی ہم پہاڑوں کو اکھاڑ کر خاک بنا دیں گے جو فضا میں اڑی اڑی پھرے گی۔

وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً اور زمین چٹیل میدان کھلی ہوئی صاف نظر آئے گی، نہ اس پر کوئی عمارت ہوگی، نہ پہاڑی، نہ درخت۔ ابن ابی حاتم نے قنادہ کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے لیکن عطاء نے بارزہ کی تشریح میں کہا زمین کا اندرونی حصہ اوپر آجائے گا جو مردے وغیرہ اس کے اندر ہوں گے وہ برآمد ہو جائیں گے۔

وَحَشَرْنَاهُمْ اور ہم لوگوں کو قبروں سے اٹھائیں گے۔ فَلَمْ نُغَادِرْ اور ان میں سے کسی کو قبر سے اٹھائے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ غَادِرٌ باب مفاعلہ اور غَدَرٌ باب ضرب دونوں کا معنی ہے چھوڑ دیا، وفاء وعدہ کے ترک کو بھی اسی مناسبت سے غَدَرٌ کہا جاتا ہے۔

وَعَرْضُوا جیسے بادشاہ کے سامنے اس کی فوج لائی جاتی ہے، اسی طرح اللہ کے سامنے سب لوگوں کو صف بند شکل میں لایا جائے گا، لیکن بادشاہ کی پیشی معاینہ اور شناخت کے لئے ہوتی ہے، اور اللہ کی پیشی حکم جاری کرنے کے لئے ہوگی۔ صَفًّا یعنی سب ایک قطار میں سامنے آئیں گے، کسی سے کسی کی رکاوٹ نہیں ہوگی، کوئی دوسرے کے سامنے آنے سے مانع نہ ہو سکے گا۔

لَقَدْ جَعَلْنَاكُمْ آيَاتٍ لِّمَنْ يَعْقِلُ (دیکھو) آخر تم ہمارے پاس آئے، جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ یعنی جس طرح ہم نے تم کو برہنہ بدن، برہنہ پا، غیر محتون پیدا کیا تھا، پیدائش کے وقت تمہارے پاس دنیا کا مال و دولت کچھ بھی نہ تھا اسی طرح آج نادار، برہنہ، غیر محتون۔ ہم نے تم کو قبروں سے اٹھایا ہے۔ شیخین سے صحیحین میں اور ترمذی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے

اور فرمایا لوگو تم کو (قبروں سے) اٹھا کر اللہ کے سامنے برہنہ بدن، برہنہ پاؤں اور غیر محتون حالت میں لے جایا جائے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعْبُدُهُ پھر سب مخلوق سے پہلے ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا۔

یہ سننے والے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تم کو برہنہ پاؤں، برہنہ بدن، غیر محتون اٹھایا جائے گا، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا مرد بھی ہوں گے، عورتیں بھی۔ کیا ایک دوسرے کو دیکھے گا۔ فرمایا عائشہؓ! اس وقت کا معاملہ بہت سخت ہوگا۔ یعنی کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا۔

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اس روایت کے آخر میں کہ حضرت ام سلمہؓ نے کہا، یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے بعض بعض کو برہنہ دیکھیں گے، فرمایا لوگ اپنے ہی شغل میں ہوں گے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا وہ کس شغل میں ہوں گے، فرمایا اعمال نامے کھول کر سامنے لائے جائیں گے جن کے اندر چھوٹی چھوٹی کے برابر اور رانی کے دانہ کے برابر بھی اعمال کا اندراج ہوگا، بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بی بی نے کہا، ہم میں سے بعض بعض کی برہنگی کو دیکھیں گے، فرمایا، اری اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

طبرانی نے حضرت سہیل بن سعد کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور حضرت امام حسن کی روایت سے مرفوعاً یہ حدیث آئی ہے جس میں مذکور ہے کہ بی بی کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا ہم میں سے بعض بعض کو کیسے دیکھیں گے، آنکھیں تو پھٹی ہوئی اور کی طرف حیرت سے دیکھ رہی ہوں گی، یہ بیان کرتے وقت حضور ﷺ نے اپنی نظر اوپر کی طرف اٹھائی۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پاؤں، برہنہ بدن، غیر محتون اٹھایا جائے گا، پسینہ کا سیلاب کسی کے منہ تک لگام کی طرح آیا ہوگا اور کسی کے کانوں کی لوت تک۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے ایک دوسرے کو برہنہ دیکھے گا، فرمایا لوگ اپنی ہی حالت میں مبتلا ہوں گے ان کی اپنی حالت دوسرے کی طرف دیکھنے نہ دے گی، اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

قرطبی نے لکھا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی تو حدیث میں آیا ہے کہ مردے اپنی قبروں میں کفن پہنے ہوئے باہم ملاقات کرتے ہیں اور احادیث مذکورہ میں برہنہ اٹھائے جانے کی صراحت ہے دونوں میں کھلا ہوا تعارض ہے۔ لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں احادیث مذکورہ میں قیامت کے دن برہنہ اٹھایا جانا مذکور ہے اور اس حدیث کے اندر عالم برزخ میں کفن پوش ہونے کی حالت میں باہم ملاقات کا تذکرہ ہے، ہاں احادیث مذکورہ بالا کا تعارض مندرجہ ذیل احادیث سے ضرور ہوتا ہے۔

ابوداؤد، حاکم، ابن حبان اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے نئے کپڑے طلب فرما کر پہنے اور فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے جن کپڑوں میں مردہ مرتا ہے انہی کپڑوں میں اسے اٹھایا جائے گا۔

ابن ابی الدنیانے حسن سند سے بیان کیا کہ حضرت معاذ بن جبل نے اپنی ماں کو نئے کپڑوں کا کفن دے کر دفن کیا اور فرمایا اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ انہی (کفن کے کپڑوں میں) ان کو اٹھایا جائے گا۔

سعید بن منصور نے سنن میں بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا، اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ قیامت کے دن انہی (کفن کے کپڑوں) میں ان کو اٹھایا جائے گا۔ قرطبی نے کہا کچھ علماء نے تو ان احادیث کے ظاہر (یعنی حکم کے عموم) کا اعتبار کیا ہے اور ہر مردہ کو اچھا کفن دینے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے ان احادیث کے حکم کو شہیدوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے کیونکہ شہیدوں کو انہی کپڑوں میں دفن کرنے کا حکم ہے جن کو پہنے ہوئے وہ شہید ہوئے ہوں۔ حضرت ابو سعیدؓ نے (سمجھنے میں

کچھ غلطی کی) شہید کے متعلق حکم سنا اور عام لوگوں کے واسطے عمومی حکم سمجھ گئے۔

بیہقی نے مختلف روایات کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا کہ بعض کو برہنہ اٹھایا جائے گا، اور بعض کو کپڑے پہنے ہوئے۔ میں کہتا ہوں یہ تاویل اچھی ہے۔ رہی آیت مذکورہ بالا تو یہ صرف کفار کے لئے ہے کیونکہ آگے جملہ میں کفار ہی کو خطاب کیا گیا ہے۔

بلکہ تم یہی سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَنْ تَجْعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا ﴿۳۸﴾  
لئے کوئی وقت موعود نہیں لائیں گے۔

مَوْعِدٌ وَعِدَةٌ حشر پورا کرنے کا وقت۔ لفظ بَلْ اس جملہ میں انتقال بیان کو ظاہر کر رہا ہے۔ ایک بیان سے دوسرے بیان کی طرف منتقل ہونے کا اظہار لفظ بَلْ سے ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ برہنہ حالت میں اٹھایا جانا لوگوں کے لئے مخصوص ہو گا جو صلحاء نہ ہوں کافر ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے الْأَبْصَارِ شَاخِصَةً (نظریں اوپر کو اٹھی ہوں گی) فرمایا اور اللہ نے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ وَوَنُورٌ جگہ کافر ہی مراد ہیں خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پھٹ جانا اور اوپر کو حیرت سے دیکھتے رہنا کفار کی، خصوصیت ہو گی صلحاء کا یہ حال نہ ہو گا۔ البتہ یہ شبہ اس تاویل کے باوجود باقی رہتا ہے کہ اگر صلحاء عریاں نہیں اٹھیں گے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ سب مخلوق سے پہلے ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا، اس کے ازالہ کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں قبر سے برآمد ہونے سے پہلے کی حالت کو ظاہر کیا گیا ہے قبروں کے اندر صلحاء کو عزت افزائی کے لئے لباس پہنا دیا جائے گا اور حضرت ابراہیمؑ کو سب سے پہلے پہنایا جائے گا۔ یہ جواب ضعف سے خالی نہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ مردہ کو اسی لباس میں اٹھایا جائے گا جس میں وہ مرنے کے وقت ہو گا۔ اس حدیث میں لباس سے مراد اعمال ہیں یعنی مرتے وقت جو عملی حالت اس کی ہو گی، اسی حالت پر اس کو اٹھایا جائے گا۔ دیکھو اللہ نے آیت وَرِلْبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَلِكُمْ خَيْرٌ مِّنْ لِّبَاسِ فِرْعَوْنَ فرمایا ہے۔

وَوَضِعَ الْكِتَابُ  
اور اعمال نامے رکھے جائیں گے۔ الْكِتَابُ میں الف لام جنسی ہے (جس کا اطلاق کثیر پر بھی ہوتا ہے اور یہاں کثیر ہی مراد ہیں) لوگوں کے دائیں بائیں ہاتھوں میں یا میزان میں یا اللہ کے سامنے اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے۔

فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ لَوِيلَتَنَا مَا لِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا  
أَحْصَاهَا

پھر آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہو گا اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم سختی اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بغیر لکھے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا۔

الْمُجْرِمِينَ یعنی وہ لوگ جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔

مِمَّا فِيهِ ان گناہوں سے جو اعمال نامے میں لکھے ہوں گے۔

لَوِيلَتَنَا وِیل، بمعنی ہلاکت وہ اپنی خاص ہلاکت کو پکاریں گے، پکارنے کا مقصد موت کو بلانا نہیں ہو گا بلکہ بے قراری کا اظہار اور دوسروں کو اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت سے آگاہ کرنا مقصود ہو گا۔

مَا لِ هَذَا الْكِتَابِ یہ سوال (حقیقتہً استفہام کے لئے نہ ہو گا بلکہ) اظہار تعجب کے لئے ہو گا۔

لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صغیرہ (بے جا) تبسم اور کبیرہ قہقہہ ہے۔ سید بن جبیر نے کہا صغیرہ (نامحرم کا) چھو لینا، بوسہ لینا اور کبیرہ رنات ہے۔ دونوں بزرگوں نے صغائر و کبائر کی مثالیں دی ہیں، یہ مقصد نہیں ہے کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے۔ سورہ نساء کی آیت اِنْ تَجْتَبُوا كِبَائِرَ مَا تَنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ کی تفسیر

میں ہم نے کبار کی تفصیل کر دی ہے۔

إِلَّا أَخْصَهَا مَكْرَ عَمَلِنَا مَعَهُ نَعْنِي كُنْتِي كَرَّرْ كَعْمِي هُوَ، اس کا احاطہ کر لیا ہے یعنی کسی چھوٹے بڑے گناہ کو بغیر احاطہ کئے نہیں چھوڑا۔ حضرت سہل بن سعد کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان گناہوں سے بھی بچو جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے، حقیر گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی وادی کے اندر اترے ہوں پھر کوئی ایک لکڑی لائے، کوئی دوسری لکڑی (اور ان حقیر لکڑیوں کو جمع کر کے) لوگ روٹی پکالیں (مقصد یہ کہ حقیر اور چھوٹے گناہوں کا مجموعہ بڑا ہو جاتا ہے) حقیر گناہ (بھی) ہلاک کرنے والے کبار (ہو جاتے) ہیں۔ رواہ البغوی۔ طبرانی نے حضرت سعد بن عبادہ کا بیان نقل کیا ہے، حضرت سعد نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ حنین سے فارغ ہو گئے (اور واپس ہوئے) تو ہم ایک دیر ان بے آب و گیاہ مقام پر اترے جہاں کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو جو چیز بھی ملے وہ لے آئے یا جس کے پاس جو چیز موجود ہو وہ لے آئے، تھوڑی دیر ہی گزرنے پائی تھی کہ ہم نے (تھوڑا تھوڑا لاکر) ڈھیر کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم اس کو دیکھ رہے ہو جس طرح تم نے (تھوڑا تھوڑا) جمع کر کے یہ ڈھیر کر دیا اسی طرح آدمی پر (چھوٹے چھوٹے) گناہوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے (اور سمجھ رکھے کہ) ہر گناہ شمار کر کے اس کے ذمے قائم رکھا جاتا ہے۔ نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن گناہوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنے والا بھی (قیامت کے دن) ہوگا۔

بخاری نے بیان کیا کہ حضرت انس نے فرمایا تم لوگ کچھ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک اور حقیر ہوتے ہیں، اور ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ان کو ہلاکت انگیز گناہوں میں شمار کرتے تھے، امام احمد نے بھی صحیح سند سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا  
اور جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا (اعمال ناموں میں لکھا ہوا) موجود پائیں گے۔ یہ مطلب ہے کہ تمام اعمال کا بدلہ پائیں گے۔

اور آپ کرب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَلَا يُظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝۹

یعنی بن کیا کوئی گناہ نہیں لکھتایا عمل کے موافق سزا میں اضافہ نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی دو پیشیاں تو جھگڑنے اور اپنے اپنے عذر پیش کرنے کی ہوں گی اور تیسری پیشی وہ ہوگی کہ اعمال نامے اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے کوئی دائیں ہاتھ سے اعمال نامے کو لے گا کوئی بائیں ہاتھ سے۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کے حوالہ سے موقوف بیان کی ہے۔ حکیم ترمذی نے کہا پہلی پیشی جھگڑے کے لئے ہوگی۔ یعنی بندے اپنے گناہوں سے بری ہونے کے لئے جھگڑے کریں گے، وہ رب سے واقف نہیں ہوں گے اس لئے جھگڑے کریں گے اور خیال کریں گے کہ اس طرح ہم حجت پیش کرنے میں غالب ہو جائیں گے اور سزا سے بچ جائیں گے، دوسری پیشی میں اللہ کی طرف سے حضرت آدم اور دوسرے انبیاء کے سامنے اتمام حجت کیا جائے گا اور دشمنوں کو عذاب دینے کی حقانیت ثابت ہو جائے گی اور اللہ ان کو دوزخ میں بھیج دے گا اور تیسری پیشی صرف مومنوں کی ہوگی جو ان کی مغفرت کے لئے ہوگی البتہ تنہائی میں اللہ ان کو طلب کر کے کچھ زیادہ سرزنش کر دے گا۔ مومن کو (اپنا گناہ دیکھ کر) بڑی شرم آئے گی اور خجالت کا مزہ چکھے گا پھر اللہ ان کو معاف کر دے گا اور ان سے راضی ہو جائے گا۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے جمع ہوتے ہیں جب میدان قیامت ہوگا اور لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ سب سے اول اعمال نامہ میں یہ تحریر ہوگی۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا۔ ابن جریر نے لکھا

ہے کہ قتادہ نے بیان کیا جو شخص دنیا میں پڑھانہ ہو گا وہ بھی اس وقت نامہ اعمال پڑھ لے گا۔

اور یاد کرو اس واقعہ کو جب ہم نے فرشتوں سے  
**وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ**  
 کہا تھا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو، سو سب نے سجدہ کیا۔ بجز ابلیس کے۔ قرآن مجید میں مختلف متعدد مقامات پر مختلف مقاصد کی تمہید کے طور پر فرشتوں کو آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم اور ملائکہ کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ اس جگہ بھی خاص مقصد کے لئے اس واقعہ کا تذکرہ کیا (مال دنیا اور شرافت نسب اور عزت قومی پر) فخر کرنے والوں کی جب آیات مذکورہ بالا میں مذمت کی اور ان کی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا تو اس کو پختہ کرنے کے لئے ابلیس کے انکار اور فرشتوں کی تعمیل امر کا تذکرہ کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں غرور کرنا ابلیس کی حرکت ہے یا یوں کہا جائے کہ پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیا کے شیفتہ اور فریفتہ ہیں اور اس فریب خوردگی کا سبب ہوا نفس اور اغواء ابلیسی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے دنیوی جمال ظاہری کی طرف سے ان کو نفرت دلانی اور اس کی فنا پذیری و ناپائیداری کی طرف اشارہ کر کے اعمال صالحہ کی پائیداری و بقاء کو ظاہر فرمایا، پھر قدیمی دشمنی کا ذکر کر کے شیطان کے اغواء سے بچنے کی درپردہ ہدایت کی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سجدہ ملائکہ اور انکار ابلیس کا بار بار تذکرہ اسی حکمت کا حامل ہے۔

وہ تھا جنات میں سے یعنی اس نے سجدہ نہیں کیا اس لئے کہ وہ جنات میں سے تھا۔

پس وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اس کی اطاعت سے باہر ہو گیا۔ لفظ امر بتارہا ہے  
**كَانَ مِنَ الْجِنَّةِ**  
**فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ**  
 کہ ابلیس بھی ملائکہ کے ساتھ سجدہ کرنے پر مامور تھا۔ **فَفَسَقَ** میں فاء سبیت کے لئے ہے (یعنی ابلیس کا جنات میں سے ہونا نافرمانی کا سبب تھا۔ مترجم) اس لفظ سے (بطور مفہوم مخالف) یہ بات ظاہر ہوئی کہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، ابلیس نے جو نافرمانی کی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ جنات میں سے تھا۔ (ملائکہ میں سے نہ تھا)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ابلیس ملائکہ کے ہی ایک گروہ میں تھا اس گروہ کو جن کہا جاتا تھا، اور اس کی تخلیق لپٹ والی آگ سے ہوئی تھی۔ اس قول پر **إِبْلِيسَ** میں استثناء متصل ہوگا۔ (کیونکہ ابلیس نوع ملائکہ سے قرار پائے گا۔ مترجم) حسن بصری نے کہا ابلیس ملائکہ میں سے نہیں تھا جنات میں سے تھا اور جس طرح آدم تمام انسانوں کی اصل ہیں اسی طرح ابلیس تمام جنات کی اصل تھا اس قول پر استثناء منقطع ہوگا لیکن یہ قول بہت بعید از عقل ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ** میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ یہ آیت اور سورہٴ الرحمن اور سورہٴ جن کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی طرح کچھ جن مومن صالح ہیں اور کچھ ظالم، کافر، جہنم کا ایندھن اور ابلیس اور اس کی نسل کے تمام افراد اعداء خدا ہیں اور اعداء اولیاء خدا ہیں پھر ابلیس تمام جنات کی اصل کیسے ہو سکتا ہے۔

اس پر بھی کیا تم  
**أَفَلَا تَحْذَرُونَ** **وَذُرِّيَّتَهُ** **أُولِيَاءَ مِنْ دُونِي** **وَهُمْ كَكُمُ عَدَاوَةٌ**  
 لوگ اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا (اپنا) رفیق دوست بناتے ہو حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ استفہام انکاری ہے یعنی تم کو ایسا نہ کرنا چاہئے کہ اپنے کھلے ہوئے دشمنوں کو میرے بجائے اپنا دوست قرار دو اور میری اطاعت کی جگہ ان کی اطاعت کرو۔

یہ ظالموں کے لئے بہت برابر ہے۔

یعنی کافروں نے جو اللہ کے بجائے ابلیس اور اس کی ذریت کو دوست بنا رکھا ہے تو اللہ کے عوض کافروں کا ابلیس اور اس کی ذریت کو اختیار کرنا برابر ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے شعبی کا بیان نقل کیا، شعبی نے کہا میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا ایک قلی آیا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا کیا ابلیس کی بیوی ہے، میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں، لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ اللہ نے فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا مِنْ دُرِّيَّتِهِ أَوْلِيَاءَ** اور اولاد بغیر بی بی کے ہو نہیں سکتی (کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے **أَنْتَى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ** وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً) اللہ کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے جب کہ اس کی بی بی نہیں ہے (مفسر رحمۃ اللہ) یہ یاد آنے کے بعد میں نے کہہ دیا

ہاں (ابلیس کی بی بی ہے)

قنادہ نے کہا شیاطین میں آدمیوں کی طرح تو والد و تاسل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ ابلیس خود اپنی دم اپنے در میں داخل کر لیتا ہے اس سے انڈا پیدا ہو جاتا ہے اور ایک انڈا پھٹ کر شیطانوں کی ایک جماعت نکل پڑتی ہے۔ مجاہد نے کہا ابلیس کی اولاد میں سے مندرجہ ذیل شیطان ہیں۔ لاقین، ولہان، ہفاف، مرہ، ذلنور، اعور، مطوس، یثور، واسم۔ ولہان وضو، غسل اور نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ مرہ ہی کے نام سے ابلیس کی کنیت ابو مرہ مشہور ہے۔ ذلنور بازاروں میں جھوٹی قسمیں کھلواتا اور صاحب مال سے مال کی جھوٹی تعریف کراتا ہے۔ اعور زنا پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے۔ مرد کے عضو تاسل اور عورت کے سرینوں میں پھونک مار دیتا ہے۔ مطوس جھوٹی بے اصل افواہیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ یثور مردہ کے وارثوں کو منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ واسم وہ شیطان ہے کہ آدمی جب گھر میں جاتا ہے اور کسی کو سلام نہیں کرتا اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا تو شیطان اس آدمی کو گھر کی ہر چیز بے محل رکھی ہوئی دکھاتا ہے (جس سے آدمی کو غصہ آجاتا ہے اور وہ گھر والوں کو سخت ست کہنے لگتا ہے) اور بغیر بسم اللہ کے آدمی کھانے لگتا ہے تو واسم بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ اعمش نے کہا بعض اوقات میں بغیر بسم اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور اندر جا کر کسی کو سلام بھی نہیں کیا تو مجھے (بے جگہ رکھا ہوا) لوٹنا نظر آیا میں نے کہا اس کو یہاں سے اٹھاؤ پھر گھر والوں سے جھگڑا کرنے لگا لیکن پھر مجھے یاد آ گیا اور میں نے کہا یہ واسم ہے، واسم ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وضو (میں بہکانے والا) ایک شیطان ہے جس کو ولہان کہا جاتا ہے تم لوگ پانی (کے استعمال) کے وسوسے سے بچتے رہو۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اہل حدیث کی نظر میں اس کی سند قوی نہیں ہے۔ خارجہ بن مصعب راوی ضعیف ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شیطان میرے اور میری نماز و قرأت کے درمیان دخل انداز ہو جاتا ہے اور نماز کو مشتبه بنا دیتا ہے (مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں) فرمایا یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے جب تم ایسا محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو (یعنی اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھو) اور بائیں طرف کو تین بار تھکار دو، حضرت عثمان کا بیان ہے، میں نے اس کے بعد ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ رواہ مسلم۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے دستوں کو (اطراف عالم میں) مروانہ کرتا ہے۔ ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ کوئی آکر کہتا ہے میں نے یہ یہ کام کئے۔ ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے میں نے میاں بی بی میں علیحدگی کرادی، ابلیس کہتا ہے تو نے اچھا کام کیا پھر اس کو اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ اعمش کا بیان ہے میرا خیال ہے راوی نے یہ بھی کہا، پھر ابلیس اس کو چمٹا لیتا ہے۔ رواہ مسلم۔

مَا أَشْهَدُ تَحْمُ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ

ابلیس اور اس کی ذریعات کو نہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا اور نہ خود ان کو پیدا کرنے کے وقت۔

مقصد یہ ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے میں، میں نے ان سے مدد نہیں لی کہ وہ عبادت و اطاعت کے مستحق ہو جائیں۔ عبادت کا استحقاق اسی کو ہو سکتا ہے جو خالق ہو اور عبادت میں شرک کا معنی یہ ہے کہ خالقیت میں شرکت ہو اور خالقیت میں اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہیں تو معبودیت میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ⑤  
(یعنی مددگار) بناتا۔ اور میں ایسا (عاجز) نہ تھا گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو

الْمُضِلِّينَ (گمراہ کرنے والے) سے مراد ہیں شیاطین۔ عَصُدًا (بازو) یعنی مددگار۔  
الْمُضِلِّينَ صراحت کے ساتھ کہا ضمیر غائب ذکر نہیں کی اس سے شیاطین کی مذمت کا اظہار ہو رہا ہے۔  
بعض علماء نے کہا مَا أَشْهَدُ تَهُمَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ (شیاطین کی طرف راجع نہیں) مشرکوں کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی  
مشرکوں کو میں نے تخلیق اشیاء کا شاہد نہیں بنایا اور وہ علم عطا نہیں کیا جو دوسروں کو نہ دیا ہو۔ پھر ان کی خصوصیت ہی کیا ہے اگر  
ان کو خصوصی علم عطا کیا گیا ہوتا تو اس وقت یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے (اب تو  
ان کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے) اس لئے آپ ان کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ دیں اور ان سے دین میں مدد کرنے کی امید ہی نہ  
رکھیں۔ میں اپنے دین کا مددگار ایسے گمراہ کرنے والوں کو بنانے والا نہیں۔

کلبی نے کہا ہُمْ ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہے یعنی میں نے ملائکہ کو تخلیق عالم میں شریک نہیں کیا تھا کہ ان کی پوجا کی  
جانے لگے اور ان کو اللہ کی بیٹیاں سمجھا جانے لگے۔ اس صورت میں وَمَا كُنْتُمْ تُخِذُوا الْكُفْرَ كَهَيْئَةِ الْكِبَرِيَّاتِ عَصُدًا عَلِيحِدَةً جملہ ہو گا اور  
اس دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے تخلیق عالم میں شیاطین سے مدد نہیں لی تھی۔ خلاصہ یہ کہ نہ میں نے ملائکہ سے  
مدد لی، نہ شیاطین سے۔

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَادْعُوهُمْ فَلَمَّ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾  
جس روز اللہ فرمائے گا پکارو میرے ان (مفروضہ) شریکوں کو جن کو تم  
(میرے شریک) خیال کرتے تھے وہ ان کو پکاریں گے لیکن وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ کر دیں  
گے۔

زَعَمْتُمْ یعنی تم گمان کرتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں یا سفارش کر کے میرے عذاب سے تم کو بچالیں گے۔ بعض  
علماء کے نزدیک شُرَكَاءِ سے مراد ہیں ابلیس اور اس کی ذریعات۔  
فَدَعَوْهُمْ پس وہ ان کو فریاد رسی کے لئے پکاریں گے۔  
فَلَمَّ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ لیکن وہ فریاد رسی نہیں کریں گے۔  
وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ اور ہم کافروں اور ان کے معبودوں کے درمیان کر دیں گے۔

مَوْبِقًا ہلاکت کا مقام اَوْبِقَةُ اس کو ہلاک کر دیا۔ عطاء اور ضحاک نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا  
مَوْبِقٌ دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ مجاہد نے کہا گر مپانی کی ایک وادی ہے۔ عکرمہ نے کہا مَوْبِقٌ آگ کا ایک دریا ہے جس میں  
آگ بہتی ہے اس کے کناروں پر سیاہ نچروں کے برابر سانپ ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور  
حاجب ہو اس کو مَوْبِقٌ کہتے ہیں۔

بعض کے نزدیک مَوْبِقٌ مصدر ہے۔ فراء نے کہا بَيْنٌ کا معنی ہے وصل یعنی دنیا میں جو کافروں اور ان کے معبودوں کے  
درمیان ملاپ اور جوڑ تھا قیامت کے دن ہم اس کو ہلاکت بنا دیں گے۔ یہی مضمون دوسری آیت میں آیا ہے لَقَدْ نَقَطَعَ بَيْنَكُمْ  
تہما ابابہمی اتصال پارہ پارہ ہو گیا۔

وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرًا ﴿٥٣﴾

اور اس وقت مجرم دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے کوئی بچنے کی راہ  
نہیں پائیں گے۔

الْمُجْرِمُونَ سے مراد ہیں مشرک۔ فَظَنُّوا یعنی وہ یقین کر لیں گے۔ مُوَاقِعُوهَا یعنی اس کے اندر گرنے والے ہیں۔  
امام احمد نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَظَنُّوا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا کی تشریح میں  
فرمایا، کافر کو پچاس ہزار برس کے بقدر (یعنی قیامت کے سارے دن) کھڑا رکھا جائے گا جیسے کہ دنیا میں اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا اور





ان کو ڈرایا گیا تھا اس کو دل لگی بنا رکھا ہے۔

آیات سے مراد ہیں وہ آیات جو قرآن میں نازل کی گئی ہیں۔ ہمزوا دل لگی کی چیز مثلاً کہتے ہیں لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں۔ يُعَلِّمُهُ بَشْرًا كَوْنِي آدَمِي ان کو سکھا دیتا ہے۔ اِنْ هَذَا اِلَّا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ اگلوں کی داستانیں ہیں۔ عذاب کے متعلق کہتے تھے لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُولُ ہمارے قول پر اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیج دیتا۔ قوم کے متعلق کہتے تھے یہ تو عمدہ چھوارے اور مکھن کو کہتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاہُ

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی گئی اور اس نے آیات سے منہ پھیر لیا اور جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے اس (کے نتیجے) کو بھول گیا۔ یعنی اس شخص سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں جس کو قرآن کی آیات سے نصیحت کی گئی اور آیات کے الفاظ و معانی کا معجزہ ہونا اس پر واضح ہو گیا۔ پھر بھی اس نے آیات پر غور نہیں کیا اور نصیحت پذیر نہ ہوا اور جو گناہ پہلے کر چکا ہے اس کے انجام کو نہیں سوچا (سب کو بھولا بسر کر دیا)

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْا

اِذَا اَبَدًا ۝۵۰

ہم نے اس (حق بات) کے سمجھنے سے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور (اس کے سننے سے) ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور (یہی وجہ ہے کہ) اگر آپ ان کو راہ راست کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں وہ ہرگز کبھی راہ راست پر نہیں آئیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْہِمْ مَوْرًا اور بھولنے کی علت و سبب کا بیان ہے کہ ان کے دلوں پر کفر کی تاریکیوں کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ ان کی تخلیق ہی کفر پر ہوئی ہے۔ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ آیات رب کو سمجھنے سے کفر کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ یعنی تاریکی کے پردے ڈالنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ نہیں پاتے، سمجھ نہیں سکتے۔ آیات رب سے مراد چونکہ قرآن ہے۔ اس لئے ہضمیر واحد مذکر غائب ذکر کی۔

وَقْرًا بوجہ، گرانی۔ مراد یہ ہے کہ ان کے کانوں میں پورے طور پر سننے کی صلاحیت ہی ہم نے نہیں عطا کی۔ اِذَا اس وقت یعنی جب دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں گرانی پیدا کر دی تو ایسے وقت میں وہ ہرگز ہدایت یاب نہیں ہو سکتے۔ ہدایت یابی کی استعداد و صلاحیت ہی معدوم ہے۔ اس آیت میں وہ کافر مراد ہیں جن کا کبھی بھی ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں تھا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمٰتِ لَوْ يَّوْاْخِذُہُمْ بِمَا كَسَبُوْا الْعِجْلَ لَکَانَ الْعَذَابُ بَلْ لَہُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ

دُوْنِہِ مَوْجِلًا ۝۵۱

ہے، رحمت والا ہے اگر ان سے ان کے اعمال پر وارو گیر کرنے لگتا تو ان پر فوراً ہی عذاب واقع کر دیتا (مگر ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کے واسطے ایک معین وقت ہے کہ اس سے ورے کوئی پناہ کی جگہ نہیں پاسکتے۔

الْغَفُوْرُ (مبالغہ کا صیغہ ہے) بہت زیادہ مغفرت کرنے والا۔

ذُو الرَّحْمٰتِ (رحمت والا) یعنی جس کی صفت رحمت ہے۔

یُوْاْخِذُہُمْ الخ اللہ کے غفور و رحیم ہونے کی شہادت یہ ہے کہ قریش کو اس نے مہلت اور چھوٹ دے رکھی ہے باوجودیکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عداوت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ مَّوْعِدٌ یعنی قیامت کا دن اور (دنیا میں) جنگ بدر کا دن۔ مَوْجِلًا نجات اور پناہ کا ٹھکانہ۔ اِلَیْہِ اس کے پاس پناہ پکڑی۔

وَتِلْكَ الْقُرٰى اَہْلَکُمْ لَمَّا ظَلَمْتُمْ وَاَجَعَلْنَا لِمَنْ یَّهْدِیْہُمْ مَّوْعِدًا ۝۵۲

اور یہ بستیاں (جن کے واقعات مشہور و مذکور ہیں) جب انہوں نے شرارت کی تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا تھا۔

الْقُرٰى سے مراد ہیں قوم نوح، عاد، ثمود اور دوسری گزشتہ کافر اقوام کی تباہ شدہ بستیاں۔

لَمَا ظَلَمُوا جَب انہوں نے ظلم کیا یعنی کفار قریش کی طرح انہوں نے کفر کیا (ظلم سے مراد ہے کفر و معصیت) مہلک (مصدر میسی) ہلاک ہونا یا ہلاک کرنا۔

مَوْعِدًا یعنی معین مقرر وقت جس سے کوئی بھی آگے بڑھ سکا، نہ پیچھے ہٹ سکا۔ یعنی جس طرح گزشتہ اقوام ہالکہ کے ہلاک کرنے کا اللہ نے ایک وقت مقرر کر دیا تھا جو اٹل تھا اسی طرح کفار قریش کے لئے ایک خاص وقت مقرر کر دیا ہے جو اٹل ہے یہ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتے نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

وَاذْ قَالَ مُوسَى لِفَتْنِهِ لَا آْبْرُحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (کرو) جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں (اس سفر میں) برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔  
حضرت موسیٰ کے باپ کا نام عمران تھا، صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔ فتیٰ سے مراد ہیں یوشع بن نون بن افراتیم بن یوسف علیہ السلام (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں شاید یوشع کے باپ نون، افراتیم کے نسل میں سے تھے (بیٹے نہیں تھے) کیونکہ افراتیم کا زمانہ نون کے زمانہ سے بہت پہلے تھا۔ لَا آْبْرُحُ یعنی برابر مسلسل چلتا ہوں گا۔  
مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ دو سمندروں کا سنگم یعنی مشرقی جانب خلیج فارس و بحر روم کا سنگم (قنادہ) محمد بن کعب نے کہا اس سے مراد طنجہ ہے۔ حضرت ابی بن کعب کے نزدیک افریقیہ مراد ہے۔

أَوْ أَمْضَىٰ حُقْبًا ④ یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا ہوں گا۔ حُقْبًا یعنی طویل زمانہ تک۔ قاموس میں ہے حقبہ اسی سال یا اس سے زیادہ کی مدت، زمانہ طویل، سال، بہت سال۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے حقب طویل زمانہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا حقب اسی سال۔ بعض کے نزدیک ستر سال کو ایک حقب کہتے ہیں۔

بخاری اور مسلم نے لکھا ہے سعید بن جبیر نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا نوف بکالی کا خیال ہے کہ خضر والے موسیٰ بنی اسرائیل والے موسیٰ نہ تھے (دونوں الگ الگ تھے) فرمایا دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم سے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ (ایک روز) موسیٰ بنی اسرائیل کے سامنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے، کسی نے سوال کر لیا (آج) سب سے زیادہ عالم کون ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا میں۔ اللہ کو موسیٰ کی یہ بات ناپسند ہوئی کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف جاننے کی نسبت نہیں کی (اور یوں نہیں کہا کہ اللہ جانے کون سب سے بڑا عالم ہے) اللہ نے وحی بھیجی، موسیٰ تم سے زیادہ عالم میرا ایک اور بندہ ہے جو دو سمندروں کے سنگم میں ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا میرے رب اس سے میری ملاقات کسے ہوگی۔ اللہ نے فرمایا ایک ٹوکری میں اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو (اور کنارے کنارے چلو) جہاں مچھلی (اچھل کر پانی میں چلی جائے اور) غائب ہو جائے وہیں تمہاری ملاقات ہوگی موسیٰ توشہ دان یا ٹوکری میں ایک مچھلی (جو بھنی ہوئی تھی) لے کر چل دیئے اور ان کے خادم یوشع بن نون بھی ساتھ ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک پتھر کے قریب پہنچے، وہاں ٹھہر گئے اور پتھر پر سر رکھ کر دونوں سو گئے، مچھلی تڑپ کر ٹوکری سے نکل کر دریا میں جاگری اور پانی کے اندر اس نے اپنا راستہ (سرنگ کی طرح) بنا لیا۔ اللہ نے پانی کی رفتار کو روک دیا اور پانی کی محراب بن گئی (اس واقعہ کے وقت یوشع بیدار تھے اور ان کی نظر کے سامنے مچھلی سمندر میں جاگری تھی) موسیٰ بیدار ہوئے تو دن کے باقی حصہ میں بھی چلتے رہے (یعنی سو کر اٹھے اور پھر چل دیئے اور شام تک چلتے رہے) یوشع اس واقعہ کا حضرت موسیٰ سے ذکر کرنا بھول گئے۔ موسیٰ دن بھر چلتے رہے اور رات بھر بھی چلتے رہے دوسرے دن کی صبح ہوئی تو یوشع سے کہا ہم اس سفر سے تھک گئے کھانا لاؤ، جب تک موسیٰ مچھلی کے تڑپنے کے مقرر مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے، آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی، جب اس جگہ سے آگے بڑھے تو تھکان کا احساس ہوا، یوشع نے کہا حضرت جب ہم پتھر کے پاس ٹھہرے تھے (وہاں مچھلی تڑپ کر سمندر میں جاگری تھی) میں آپ سے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھول گیا۔ شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ مچھلی نے تو سمندر کے اندر عجیب طرح سے اپنا راستہ لے لیا تھا۔ موسیٰ نے

کہا اسی (جگہ) کی تو ہم تلاش میں تھے۔ پھر دونوں اپنے نقش قدم پر لوٹ پڑے، یہاں تک کہ مقررہ پتھر کے مقام پر آگئے، وہاں ایک آدمی ملا جو کپڑے سے منہ چھپائے ہوئے تھا موسیٰ نے اس کو سلام کیا۔ حضرت نے کہا تمہاری اس زمین میں سلام کا طریقہ کہاں ہے۔ موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ حضرت نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ۔ موسیٰ نے کہا جی ہاں۔ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو علم آپ کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی بتائیں۔ حضرت نے کہا، موسیٰ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے، مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ حضرت نے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو جب تک میں خود بیان نہ کروں آپ مجھ سے (کسی پیش آنے والے واقعہ کے متعلق) کچھ دریافت نہ کریں۔ عہد و پیمان کے بعد دونوں چل دیئے۔ چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے۔ ادھر سے ایک کشتی گزری۔ کشتی والوں سے ان بزرگوں نے سوار کر لینے کے لئے کہا، کشتی والے حضرت کو پہچانتے تھے، انہوں نے بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا۔ سوار ہو گئے (اور چل دیئے تو انشاء راہ میں) اچانک موسیٰ نے دیکھا کہ خضر بسولے سے کشتی کا ایک تختہ توڑ رہے ہیں۔ کہنے لگے آپ یہ عجیب حرکت کر رہے ہیں ان لوگوں نے تو ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کر لیا اور آپ ان کی کشتی کو پھاڑ رہے ہیں کہ سب کشتی والے ڈوب جائیں۔ حضرت نے کہا کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰ نے کہا میں بھول گیا تھا آپ بھول چوک پر میری پکڑ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی اور دشواری نہ ڈالئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ موسیٰ سے پہلی حرکت بھول کر ہوئی تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصد ابالارادہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور چونچ ڈال کر دریا سے اس نے پانی لیا۔ خضر نے موسیٰ سے کہا میرا اور آپ کا علم، علم خدا کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے چونچ سے سمندر کا پانی لیا۔ اس چڑیا نے چونچ میں پانی لے کر سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں کر دی (میرا اور آپ کا علم بھی اللہ کے علم کے بحر بے کراں میں کوئی کمی نہیں کر سکتا) پھر (کشتی سے اتر کر) دونوں چل دیئے خضر کو راستہ میں ایک لڑکا نظر آیا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر نے اس کو پکڑ کر اس کا سر اپنے ہاتھ سے اکھاڑ دیا اور قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے یہ بری حرکت کی ایک معصوم کو بے قصور قتل کر دیا، خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رک نہیں سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خضر کی یہ حرکت پہلی حرکت سے زیادہ سخت تھی (اس لئے موسیٰ نے بیتاب ہو کر دریافت کر ہی لیا) موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، آپ کے لئے میری طرف سے معذرت کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ اس کے بعد پھر دونوں چل دیئے ایک گاؤں میں پہنچے، بستی والوں سے کھانا مانگا، انہوں نے کچھ کھانے کو نہیں دیا۔ وہاں ایک دیوار نظر آئی جو گرنے ہی والی تھی، خضر نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس کو ٹھیک کر دیا، موسیٰ نے کہا ہم اس بستی میں آئے بستی والوں سے کھانا مانگا، کسی نے کھانا نہیں دیا نہ ہماری میزبانی کی (اور آپ نے ان کی دیوار ٹھیک کر دی) اگر آپ چاہتے تو اس کی مزدوری ان سے لے سکتے تھے، خضر نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے (اس کے بعد اپنی تینوں حرکتوں کی مصلحت و حکمت بیان کی) اور کہا یہ ان باتوں کی تشریح ہے جن کو پوچھے بغیر آپ رہ نہ سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش موسیٰ صبر کئے رہتے اور آئندہ اور واقعات ظہور پذیر ہوتے (یہاں تک کہ اللہ ہم کو ان کی تفصیل سے آگاہ فرماتا۔

ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے دریافت کیا (اے اللہ) تجھے اپنے بندوں میں کون بندہ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ نے فرمایا (مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے) جو مجھے یاد رکھتا ہے اور بھولتا نہیں ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا سب سے اچھا حاکم تیرے بندوں میں کون ہے۔ اللہ نے فرمایا جو نفسانی میلان پر نہیں چلتا، حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے موسیٰ نے عرض کیا تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے فرمایا جو اپنے علم کے ساتھ دوسرے لوگوں کا علم بھی ملا لیتا ہے (یعنی اپنے علم میں دوسروں سے پوچھ کر یاد دوسروں سے



کر تاکہ) مچھلی نے سمندر کے اندر (کود کر) اپنا راستہ عجیب طرح سے بنا لیا۔

الصَّخْرَةَ یعنی وہ پتھر جس کے پاس ہم سوئے تھے۔ بغوی نے ہقل بن زیاد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ پتھر وہی تھا جو دریاء زیت سے ورے تھا۔

نَسِيتُ الْحَوْتَ اس کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ایک مطلب وہی ہے جو ترجمہ میں ذکر کر دیا گیا کہ میں آپ سے مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ دوسرا ترجمہ نَسِيتُ کا تَرْكُتُ ہے یعنی میں نے مچھلی کھودی، مچھلی چھوڑ آیا، بغوی نے لکھا ہے یوشع نے مچھلی کو جب کود کر سمندر میں گرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ کو مطلع کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت موسیٰ کی بیداری کے بعد ذکر کرنا بھول گئے اور دن بھر بھولے رہے، یہاں تک کہ دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ لی اور حضرت موسیٰ نے کھانا طلب کیا تو حضرت یوشع کو مچھلی یاد آئی اور آپ نے عذر پیش کیا۔ اِلَّا الشَّيْطَانُ یعنی شیطانی وسوسہ آفرینی اور اغواء قلبی نے مجھے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوشع آیات قدرت کے مشاہدے میں غرق ہو گئے تھے، مچھلی کا واقعہ دیکھ کر یکسر بارگاہ قدس کی طرف ان کی ساری توجہ کھینچ گئی تھی اور اسی مقام فنا میں پہنچ جانے سے ان کو مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا تھا لیکن فروتنی اور انکسار طبع کی وجہ سے انہوں نے بھولنے کی نسبت اپنی طرف اور فراموش کرانے (یعنی شیطانی اثر اندازی) کی نسبت شیطان کی طرف کی۔

عَجَبًا کا موصوف محذوف ہے یعنی سَبِيلًا عَجَبًا يَا اِتِّحَادًا عَجَبًا۔ بعض نے کہا لفظ عَجَبًا حضرت موسیٰ نے کہا تھا یوشع نے جب ان سے مچھلی کا تذکرہ کیا اور سمندر میں اپنی راہ لینے کا اظہار کیا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا، عجیب، بعض نے کہا اِتِّحَادُ کی ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے یعنی مچھلی کا سمندر کے اندر اپنا راستہ اختیار کرنے کو موسیٰ نے عجیب قرار دیا۔

قَالَ ذَلِكْ مَا كُنَّا نَبْغُهُ فَاَرْتَدَّا عَلٰى اَنَّا رِهْمَا قَصَصًا ﴿۱۳﴾  
ہے جس کے ہم خواستگار تھے چنانچہ دونوں نقش قدم پر لوٹ پڑے یہاں تک کہ مقرر پتھر تک آگئے۔ وہی مقام حضرت خضر سے ملاقات کے لئے مقرر تھا۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا  
(وہاں) ان دونوں نے ہمارے ایک بندہ کو پایا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ خضر تھے۔ صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔ خضر کا نام بلیا بن ملکان یا الیسع یا الیاس کہا گیا ہے خضر لقب تھا اس لقب کی وجہ بغوی نے ہمام ابن منبہ کی روایت کو قرار دیا ہے۔ ہمام راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا خضر کو خضر کہے کی یہ وجہ تھی کہ خضر جب خشک زمین یا خشک گھاس پر بیٹھ جاتے تو وہ سر سبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی۔ مجاہد نے کہا جس جگہ خضر نماز پڑھتے تھے اس کے گرد اگر گرد سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا تھا۔

بغوی نے خضر کو اسرائیلی نسل سے قرار دیا ہے کسی نے کہا شاہزادہ تھے جو تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خضر اسرائیلی نہیں تھے ورنہ موسیٰ کا اتباع کرنا ان پر لازم ہوتا۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ صحیح حدیث بھی اوپر دکر کی جا چکی ہے کہ خضر کے سوال کے جواب میں حضرت موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں خضر نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ حضرت موسیٰ نے کہا جی ہاں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے چت لیٹا ہے کپڑے کا کچھ حصہ سر کے نیچے دبا ہے اور کچھ ٹانگوں کے نیچے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت خضر وسط سمندر میں ایک جھار دار سبز مند پھائے نماز پڑھ رہے تھے۔

اَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا  
وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ كُنَّا عِلْمًا ﴿۱۴﴾  
جس کو ہم نے اپنی طرف سے رحمت (یعنی نبوت اور وحی عطا کی تھی)۔  
اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا تھا یعنی ایسا علم دیا تھا جو صرف ہمارے لئے خاص تھا، بغیر ہماری توفیق کے اس کا حاصل ہونا ناممکن تھا، اس جگہ علماء سے مراد ہے ذات و صفات کا علم۔ بغوی نے

لکھا ہے اکثر علماء خضر کو نبی تسلیم نہیں کرتے، (حضرت مفسر نے فرمایا) میرے نزدیک علماء کا یہ قول غور طلب ہے کیونکہ اولیاء کو جو علم الہام سے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے یعنی نہیں ہوتا (قرینہ سے اس کو الہام رحمانی کہا جاسکتا ہے، لیکن ہو سکتا ہے وہ القاء شیطانی ہو خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ تعلیم شریعت کے خلاف ہو اس صورت میں تو اس کا القاء شیطانی ہونا تقریباً یقینی ہوتا ہے مترجم) یہی وجہ ہے کہ الہامی علوم باہمی متعارض اور مختلف ہوتے ہیں، اب اگر خضر کا نبی نہ ہونا مان لیا جائے تو کیا جواب ہوگا معصوم بچہ کو بے قصور قتل کر دینے کا شخص اس وجہ سے کہ خضر کو الہام سے معلوم ہو گیا کہ ماں باپ اس کی محبت میں پڑ کر گناہ گار اور بے راہ ہو جائیں گے اس لئے اس کو قتل کر دیا جائے (یہ الہام تو شریعت کے خلاف تھا پھر خضر نے اس پر عمل کیوں کیا مترجم)

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَٰ رُشْدًا ۖ ﴿۱۶﴾

موسیٰ نے اس سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ اللہ کی طرف سے جو علم مفید آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ آپ مجھ کو بھی سکھادیں۔ اصل کلام اس طرح ہونا چاہئے کہ موسیٰ نے کہا میں آپ کے پاس آپ کے ساتھ رہنے کے لئے آیا ہوں تاکہ ساتھ رہ کر آپ سے کچھ علم حاصل کروں لیکن (ادب و تہذیب کو پیش نظر رکھ کر) طلب اجازت کے طور پر کلام کا رنگ بدلا اور سوالیہ طرز اختیار کیا۔

رُشْدٌ خیر کو پانا، رُشْدًا اور رُشْدًا دونوں ہم معنی ہیں۔ رُشْدًا تَعَلِّمَنِي کا مفعول دوئم ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَتَّبِعُكَ کا مفعول (علت) ہو۔ آیت بتا رہی ہے کہ بعض چیزوں میں مفعول کو فاضل پر برتری حاصل ہو سکتی ہے اگر مفعول کے اندر کوئی کمال ایسا ہو جو فاضل میں نہ ہو تو اعلیٰ کے لئے مناسب ہے کہ اپنے سے کم درجہ والے سے وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے لئے کسر شان نہ سمجھے۔ آیت کی تفسیر میں اوپر حدیث نقل کر دی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ نے سوال کیا سب سے بڑا عالم کون ہے تو اللہ نے فرمایا وہ شخص سب سے بڑا عالم ہے جو دوسروں کا علم لے کر اپنے علم میں اضافہ کر لے، ممکن ہے اس کو کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو تباہی سے بچالے یا سیدھا راستہ دکھا دے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے اچھی سند سے بروایت ابو ہریرہؓ اور ابن عساکر نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حکمت کی بات مومن کی گم شدہ (کھوئی ہوئی امانت) ہے جہاں ملے مومن اس کا سب سے بڑا مستحق ہے (فوراً لے لے)

رسول اللہ ﷺ سے جو درود منقول ہے (جس میں حضور ﷺ نے اپنے اور اپنی آل کے لئے وہ رحمت طلب کی ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کو عطا کی گئی تھی) وہ بھی اسی (گمشدہ رحمت) کے ذیل میں داخل ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ موسیٰ نے خضر سے جب یہ بات کہی (یعنی ساتھ رہنے کی درخواست کی) تو خضر نے کہا علم کے لئے توریث کافی ہے اور عمل کے لحاظ سے بنی اسرائیل (کی ہدایت) کا مشغلہ کافی ہے (مزید علم و عمل کی آپ کو ضرورت نہیں) موسیٰ نے کہا اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے (کہ آپ کے ساتھ رہ کر علم میں اضافہ کروں) حضرت موسیٰ نے اپنے اس کلام میں ادب و تہذیب کو ملحوظ رکھا اور بطور انکسار اپنے کو بے علم قرار دیا اور خضر سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے اور جو علم اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی بتائیے۔

یہ امر یقینی ہے کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے خضر نے استطاعت صبر کی نفی سخت تاکیدی طور پر کی (إِنَّ لَنْ وَغَيْرَهُ نَفِيٌّ فِي زُورٍ پيدا کر رہے ہیں) اس کے آگے خود ہی حضرت موسیٰ کے معذور ہونے کی تصویر کشی بھی کر دی (تاکہ حضرت موسیٰ کی شان میں سوء ادب اور گستاخی کا تصور بھی نہ ہو سکے، مترجم)

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۖ ﴿۱۷﴾

اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ صبر

کیسے کر سکتے ہیں۔ خبراً کا معنی ہے علم، اطلاع، امتیاز۔ خضر کو معلوم تھا کہ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جو (بظاہر) ممنوع اور برے ہوں گے اور انبیاء امور ممنوعہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہتے جب تک ان کے جواز کی کوئی وجہ ان پر ظاہر نہ ہو جائے۔

میں کہتا ہوں وہ انبیاء اور رسل جن کو اصلاح عامہ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ ان کی شریعتوں کے احکام ایسے اصول اور ضوابط پر مبنی ہوتے ہیں جن کی اصلاحات کا تعلق عوام سے ہوتا ہے، اس لئے ان کی حکمت و مصلحت عوام کے ذہنوں پر منکشف ہو جاتی ہے اور ہونا چاہئے بھی لیکن جو انبیاء کسی امت کی اصلاح کے لئے مبعوث نہیں ہوتے ان کے پاس وحی کے ذریعہ سے آنے والے احکام کا مقصد صرف انبیاء کے نفوس کی اصلاح یا اللہ کے ساتھ انبیاء کے معاملات کی براہ راست درستی ہوتا ہے۔ موسیٰ (نبی دعوت تھے ان) کے انکار اور خضر کے فعل پر اعتراض کی وجہ یہی تھی کہ خضر کا عمل شریعت موسویٰ کے خلاف تھا دونوں کا مسلک جدا جدا تھا۔ اتحاد مسلک اور ترک اعتراض استفادہ کے لئے ضروری ہے۔ موسیٰ کو اسی لئے خضر بھی سمجھ گئے کہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گی یہ خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ میری مصاحبت ان کو سود مند نہ ہوگی۔ اسی لئے صوفیاء کا قول ہے کہ اگر مرید کو یقین ہو کہ پیر عارف کامل ہے تو اسکے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے خواہ اس کا فعل بظاہر شریعت کے خلاف ہو اور اگر اختلاف مسلک کی وجہ سے مرید اعتراض کئے بغیر نہیں رہ سکتا تو پیر کی صحبت ترک کر دے (یعنی مرید پیر کا ظاہر شریعت کا غلبہ ہو اور خلاف شرع بات دیکھ کر وہ روکنے ٹوکنے سے باز نہ رہ سکتا ہو تو پیر کو کامل العرفان سمجھنے کے باوجود اس کو پیر کی صحبت سے ہٹ جانا چاہئے۔ مترجم)

### ..... ایک شبہ ..... ❁

شریعت محمدیہ عام ہے قیامت تک اس کے احکام میں کوئی تبدیلی و تیسخ ممکن نہیں (نہ کوئی دوسرا نبی آئے گا کہ براہ راست اس کا تعلق اللہ سے ہو اور راست تعلق کی وجہ سے وہ اسلامی شریعت کے خلاف کر سکے۔ پھر پیر کو شریعت کے خلاف کرتے دیکھ کر کامل العرفان سمجھنا کسی کامل عارف کا شریعت کے خلاف کرنا کیسے ممکن ہے۔ اولیاء و عرفاء کو انبیاء پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے، انبیاء براہ راست مامور ہوتے ہیں اور اولیاء کا شرعی تعلق اللہ سے براہ راست نہیں ہوتا۔ مترجم)

### ..... جواب ..... ❁

بیشک منصوص، محکم احکام کی خلاف ورزی کرنا اور خلاف ورزی کے ثبوت میں اپنے ذاتی الہام کو پیش کرنا جائز نہیں، خضر نے لڑکے کو قتل کر دیا ان کے لئے جائز تھا۔ لیکن شریعت محمدیہ کو ماننے والے اولیاء امت ایسا نہیں کر سکتے، الہام کو بہانہ بنا کر کسی کو بے قصور قتل نہیں کر سکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس بے قصور کو اس لئے مار ڈال تاکہ آئندہ اس کے والدین اس کی محبت کی وجہ سے تباہ نہ ہو سکیں، لیکن اختلافی مسائل میں مثبت منفی ہر پہلو کی ایک وجہ ہوتی ہے اگر اللہ کا کوئی ولی اور عارف کسی ایک قول کو اختیار کرے (جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہو) تو اس کو حکم شریعت کے خلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جہری ذکر اور سماع و غناء کے مسائل اسی طرح کے ہیں۔ (مجوزین کے پاس بھی کوئی علت جو ازیے) اگر اللہ کا کوئی عارف سماع یا جہری ذکر کا شغل کرتا ہے تو نکتہ چینی نہ کرنی چاہئے۔ بعض چیزیں بظاہر ممنوع نظر آتی ہیں لیکن واقع میں ایسی نہیں ہوتیں۔ ایک شخص گلاس میں شراب نما شربت پیتا ہو اور لوگوں کو دکھاتا ہو کہ یہ شراب ہے اور اس کی غرض صرف یہ ہے کہ لوگوں کا ہجوم بدگمان ہو کر اس کے پاس سے چھٹ جائے تاکہ اس کے ذکر و فکر میں خلل نہ پڑے تو اس میں کیا خرابی ہے۔ بھی ممکن ہے کہ باوجود ولی کامل اور عارف ہونے کے کسی صغیرہ گناہ کا اس سے صدور ہو جائے اور وہ اس کے گناہ ہونے کا اقرار کر رہا ہو۔ عصمت تو انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پھر بدگمانی اور نکتہ چینی کی کیا وجہ، مرید پر لازم ہے کہ اگر اس

کے شیخ سے کوئی اس قسم کی کوئی حرکت صادر ہو رہی ہے تو خود اس کا مرتکب نہ ہو لیکن شیخ کی تردید بھی نہ کرے۔ اور اسکے عارف کامل ہونے میں شک نہ کرے۔

اولیاء اللہ (جیسے شیخ ابن عربی، ابن سبعین، ابن فارض وغیرہ) کے بعض مقالات مشاہدہ اور کشف پر مبنی ہیں (اور شریعت کے خلاف نظر آتے ہیں) مناسب ہے کہ ان کی کوئی صحیح تاویل کی جائے اور شریعت کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے اور بدگمانی کو راہ نہ دی جائے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِانْفُسِهِمْ خَيْرًا اَلَا كَرَّحِجِّ تَاوِيلٍ مُمْكِنٍ هِيَ نَهْ هُوَ تَوَانِ مَقَالَاتٍ كُو حَالَتٍ سَكْرٍ پَر مَحْمُولٍ كِيَا جَايَ۔ فقہاء کا فتویٰ ہے کہ مباح چیز سے اگر سکر پیدا ہو جائے اور اس سکر کی حالت میں طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کی محبت میں ڈوبے رہتے ہیں ان کے اس غلبہ حال کے مقالات کیسے قابل گرفت ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے ان کے مقالات کا مرادی مطلب ہی نہ سمجھے ہوں ان کی اصلی مراد کچھ اور ہو اور سننے پڑھنے والے کچھ اور سمجھ جائیں۔ بات یہ ہے کہ تمام عبادات محسوس معانی یا محسوس معانی سے استنباط کئے ہوئے عقلی معانی کے بیان پر موقوف ہیں انہی محسوس یا مستنبط از محسوس معانی کے اظہار پر تمام عبادات کا انحصار ہے لیکن جب ذات و صفات الہیہ کی ایسی (جن کی نہ کوئی محسوس نظیر ہو نہ شبیہ) کا کسی عارف کے دل پر تو پڑ رہا ہو اور وہ ان کو بیان کرنا چاہے لیکن غیبی سادہ غیر محسوس حقائق کے اظہار کے لئے کسی زبان میں الفاظ وضع ہی نہیں کئے گئے ہیں، پھر کس طرح سوائے استعارہ، مجاز اور ناقص تشبیہ کے واردات قلب بیان کرے، ایسی تعبیر کو سن کر سننے والے کے لئے کسی طرح جائز نہیں کہ وہ اس تعبیر کا ظاہری معنی مراد لے کر عقائد اہل سنت کے خلاف قرار دیدے، مناسب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام میں متشابہات کا جس طرح استعمال کیا گیا ہے (جن کی حقیقت ناقابل فہم و افہام ہے) اسی طرح صفات و ذات کی جلوہ ریزیوں کا الفاظ میں اظہار بھی ظاہری الفاظ کی تعبیر میں بطور استعارہ و مجاز کیا جاتا ہے (حقیقی وضعی معنی مراد نہیں ہوتے) الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ عَرْشٌ پَر تُهِيكُ تُهِيكُ مَقِيْمٌ هُوَ كَيَا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (دونوں آیات قرآن کی ہیں جو ان کو آیات قرآن نہ کہے وہ کافر ہے) لیکن ان کے ظاہری الفاظ سے تو اللہ کا جسم ہونا ثابت ہوتا ہے (اور اللہ کے جسم ہونے کا عقیدہ رکھنا قریب قریب کفر کے ہے) اسی طرح بعض اولیاء اللہ کا کلام بھی اگر بظاہر شرع کے خلاف ہو تو ظاہری معنی مراد نہ لئے جائیں اور ان کی تردید بھی نہ کی جائے۔

حضرت موسیٰؑ کو اپنے صابر رہنے کا چونکہ قطعی اعتماد نہ تھا اس لئے اللہ کی مشیت کے ساتھ اپنے اپنے صابر رہنے کو مشروط کر کے جواب دیا۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ سَأَا اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿١٩﴾  
انشاء اللہ مجھے آئندہ صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰؑ نے صابر رہنے کا وعدہ کیا۔ کیونکہ صحبت خضر اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی تھی، جب موسیٰؑ خضر کے فعل پر اعتراض نہ کرتے اور خضر کے ساتھ رہنے کا حکم اللہ سے مل چکا تھا لیکن ان کو اپنے صابر رہنے میں شک تھا کیونکہ حضرت خضر کے مسلک سے آپ کا مسلک جدا تھا اور اختلاف مسلک صابر نہ رہنے اور اعتراض کر بیٹھنے کا موجب تھا اسی لئے۔

قَالَ فَاِنْ اَتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى اُحَدِّثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٢٠﴾  
خضر نے کہا اگر میرے ساتھ آپ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے متعلق (پہلے سے) نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کے متعلق ابتداءً ذکر نہ کر دوں۔

یعنی اگر میں کوئی ایسا کام کروں جو آپ کو ناپسند ہو تو جب تک میں خود ہی ابتداءً اپنی طرف سے اس کا ذکر آپ سے نہ کروں آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں کیونکہ سوال کرنے سے اعتراض کرنے کا گمان ہوتا ہے اور اعتراض کرنے سے استفادہ ناممکن ہو جاتا ہے۔



فَانْطَلَقَا ۖ  
پس دونوں چل دیئے یعنی ساحل پر کشتی پر سوار ہونے کے ارادے سے کشتی کی تلاش میں چل دیئے، وہاں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے جو لوگ کشتی میں سوار تھے، انہوں نے کہا یہ دونوں چور ہیں ان کو کشتی سے نکال دو، کشتی کے مالک نے کہا یہ لوگ چور نہیں ہیں مجھے ان کے چہرے انبیاء کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب کی روایت سے صحیحین کی حدیث ہم نقل کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک کشتی ان کی طرف سے گزری موسیٰ اور خضر نے کشتی والوں سے سوار کر لینے کی درخواست کی۔ کشتی والوں نے خضر کو پہچان لیا اور بلا کر ایہ دونوں کو سوار کر لیا۔

حَتَّىٰ إِذَا رَكِبُوا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ  
یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ صحیحین کی روایت میں آیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں کہ خضر نے کشتی کا ایک تختہ بسولے سے اکھاڑ دیا (یعنی پھاڑنے سے مراد ہے اکھاڑ دینا)

قَالَ آخَرُفْتَهَا لِتُغْرَقَ أَهْلُهَا ۖ  
دیا۔ انہوں نے تو ہم کو بلا کر ایہ سوار کر لیا اور آپ نے کشتی کو توڑ دیا۔ اب پانی اندر آجائے گا اور سب ڈوب جائیں گے۔  
لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِمْرًا ۝۱۰  
آپ نے یہ بڑی (بری) حرکت کی۔

بغوی نے لکھا ہے عربی زبان میں امر کا معنی ہے بڑی مصیبت، ہر بڑی سخت چیز۔ اَمْرٌ الْأَمْرُ بَات بڑی سخت ہو گئی، معاملہ بڑا ہو گیا۔ قسبی نے امر کا ترجمہ کیا ہے عجیب۔ بغوی نے لکھا ہے خضر نے ایک بڑا شیشے کا پیالہ لے کر کشتی کے سوراخ پر ڈھانک دیا۔ پیالہ سوراخ میں اڑ گیا (اور پانی اندر نہ آسکا) جلال الدین محلی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ کشتی کے اندر پانی نہیں آیا یعنی یہ خضر کا معجزہ تھا۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۱۱  
خضر نے کہا کیا آپ سے میں نے (پہلے ہی) نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ یہ گزشتہ واقعہ کی حضرت خضر کی طرف سے یاد دہانی ہے حضرت موسیٰ نے جب دیکھا کہ سوراخ سے کشتی میں سوار ہونے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، پانی اندر داخل ہی نہیں ہوا تو۔  
قَالَ لَا تَأْوِيْنَا فِي بِهَذَا نَسِيْتُ  
کہنے لگے (میں بھول گیا تھا) بھول پر آپ میری گرفت نہ کریں یعنی میں معاہدہ بھول گیا تھا مجھے یاد ہی نہ رہا کہ سوال نہ کرنے کا میں نے آپ سے وعدہ کر لیا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نسیان سے مراد ہے یعنی میں نے آپ کی پہلی نصیحت پر جو عمل نہیں کیا اس کا آپ مواخذہ نہ کریں، حضرت ابی بن کعب کی روایت کردہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا موسیٰ کی پہلی حرکت از روئے نسیان تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ بھولے نہ تھے، نسیان کا تذکرہ ضمنی طور پر آ گیا ہے، گویا حضرت موسیٰ کچھ اور بھولے تھے (اپنے سابق معاہدہ کو نہیں بھولے تھے)

وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۝۱۲  
اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے یعنی تنگی اور مواخذہ کر کے مجھ پر مشقت اور دشواری نہ ڈالئے، مطلب یہ ہے کہ آپ کے اس سلوک سے میرے لئے آپ کے ساتھ رہنا دشوار ہو جائے گا۔ رَهْقَةٌ (ثلاثی مجرد) اس کو ڈھانک لیا اَرْهَقَهُ اِيَّاهُ اس پر کسی چیز کو ڈھانک دیا۔ بعض نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ میرے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کیجئے، آسانی کا سلوک کیجئے۔

فَانْطَلَقَا ۖ  
اس کے بعد (کشتی سے اتر کر) دونوں چل دیئے۔  
حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۖ  
یہاں تک کہ جب دونوں کو ایک لڑکا ملا تو خضر نے اس کو مار ڈالا۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک لڑکا کھیل رہا تھا جو خوش کلام اور حسین تھا۔ سدی نے کہا وہ سب سے زیادہ حسین تھا اس کا چہرہ چمکیلا تھا خضر نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا۔ بعض علماء نے کہا پھاڑ کر چھری سے ذبح کر دیا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ پکڑ کر اس



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

## پارہ

## ..... قال الم اقل لك ..... ❁

**قَالَ الْم اَقْلُ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝**  
 نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں رکھ سکیں گے۔ اس مرتبہ خضر نے اپنے کلام میں لگک بڑھا دیا تاکہ خطاب سے ترک معاہدہ پر عتاب کا اظہار پُر زور طور پر ہو جائے۔

**قَالَ اِنْ سَأَلْتِكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝**  
 موسیٰ نے کہا اس (مرتبہ) کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا (مجھ سے الگ ہو جانا) آپ بے شک میری طرف سے عذر کی انتہا کو پہنچ گئے کہ تین بار مجھ سے آپ کے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو چکی ہے۔ مسلم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم پر اور موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے تو عجیب (واقعات) دیکھتے لیکن ان کو اپنے ساتھی سے شرم آئی اور انہوں نے اِنْ سَأَلْتِكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا فرمایا۔ ابن مردویہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں میرے بھائی موسیٰ پر اللہ رحمت فرمائے ان کو شرم آگئی اور انہوں نے یہ بات کہہ دی اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ٹھہرے رہتے تو بڑی عجیب باتیں دیکھتے۔

**فَانْطَلَقْنَا حَتَّىٰ اِذَا آتَيْنَا اَهْلَ قَرْيَةٍ**  
 پھر دونوں چل دیئے یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ بستی انطاکیہ تھی۔ ابن سیرین نے کہا ایک تھی۔ کسی نے اس کا نام برقہ کہا ہے۔ بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا وہی مراد ہے۔

**يَا سَتَطْعَمُنَا اَهْلُهَا فَاَبَوْا اَنْ يُضَيِّفُوهُمَا**  
 مگر انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کر دیا (کھانا نہ دیا) بغوی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بستی والے کنبوس تھے۔ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا لیکن انہوں نے نہیں دیا، حق مہمانی طلب کیا تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا۔ قتادہ کا قول ہے وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے۔ بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب کیا لیکن کسی نے نہیں دیا، آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دیدیا اس پر دونوں نے وہاں کے مردوں پر لعنت (کی بددعا) کی۔ یہ عورت بربر والوں میں سے تھی۔

**فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا اِثْرِيْدًا اَنْ يَنْقُصَ فَاَقَامَهُ ۙ**  
 پھر دونوں کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی، خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ دیوار کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، اس لئے مجازی معنی مراد ہے یعنی گرنے کے قریب تھی (بہت

جھکی ہوئی تھی) عرب بولتے ہیں میرا گھر اس کے گھر کو دیکھتا ہے یعنی دونوں آمنے سامنے ہیں۔

بغوی نے حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا حضرت نے ہاتھ کے اشارے سے دیوار کو سیدھا کر دیا۔ سعید بن جبیر نے کہا دیوار کو ہاتھ لگا دیا فوراً دیوار سیدھی ہو گئی۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ حضرت نے اس دیوار کو ڈھا کر دوبارہ بنا دیا۔ سدی نے کہا گار ابنایا پھر دیوار کو بنا دیا۔

موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضرؑ کو اجرت طلب کرنے کی ترغیب دی تاکہ مزدوری کی رقم سے دونوں کے کھانے کا کچھ سامان ہو جائے اس کلام سے درپردہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی نظر میں خضرؑ نے بیکار کام کیا۔ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت خضر نے دیوار کو بڑی محنت کر کے ٹھیک کیا تھا اگر محنت کا کام نہ کرتے تو اجرت کے مستحق نہ قرار پاتے اگر بطور معجزہ دیوار کو ٹھیک کر دیتے تو اجرت کس طرح طلب کر سکتے تھے بلکہ لینے کا بھی استحقاق کیسے ہوتا۔

قال هذا فراق بيني وبينك  
خضر نے کہا یہ (تیسرا اعتراض) میرے اور آپ کے درمیان جدائی (کاسب) ہے۔

تیسرے اعتراض میں خواہش نفس کا کسی قدر دخل تھا جو سابق دونوں اعتراضوں میں نہ تھا اس لئے حضرت خضر نے تیسرے اعتراض کو موجب فراق قرار دیا۔ مطلب یہ ہے کہ اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہونے کا وقت آ گیا۔ کیونکہ آپ نے ایک ایسا اعتراض کیا جس میں خواہش نفس کا دخل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہذا سے اشارہ اس فراق کی جانب ہو جس کی صراحت ان سألته عن شئني بعدها فلا تصحبنی میں کی گئی ہے۔

سأنتك بتأويل ما لم تستطع عليه صبراً  
اب میں آپ کو ان چیزوں کی اندرونی تشریح بتاتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا تھا۔ کیونکہ بظاہر وہ خلاف شریعت نظر آتی تھیں حالانکہ واقع میں مال اور انجام کے لحاظ سے وہ بری اور غلط نہ تھیں۔ بغوی نے لکھا ہے بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت خضرؑ کا دامن پکڑ لیا اور کہا ان واقعات کا جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے جدا ہونے سے پہلے مجھے بھی بتائیے۔ اس پر حضرت خضر نے کہا۔

اننا السفينة فكانت لمسكين يعاملون في البحر فاردت ان اعيبها وكان وراءهم ملك ياخذ كل سفينة غصباً  
کشتی تو تھی چند

غریبوں کی جو دریا میں کمائی کرتے تھے (لوگوں کو دریائی سفر کراتے اور کرایہ لیتے تھے) میں نے کشتی کو (توڑ کر) عیب دار کرنا چاہا (اور عیب دار کر دیا) کیونکہ ان سے پرے (راستہ میں) ایک بادشاہ تھا جو ہر (عمدہ سالم اچھی) کشتی کو چھین لیتا ہے۔

کعب نے کہا یہ کشتی دس غریبوں کی تھی جو بھائی بھائی تھے، پانچ تو اپنا بیج تھے اور پانچ کام کرتے تھے۔ آیت بتا رہی ہے کہ مسکین کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جس کے پاس مال تو ہو مگر ناکافی ہو۔ بقدر ضرورت نہ ہو یا اصلی ضرورتوں سے زائد نہ ہو۔

وراء سے مراد ہے سامنے جیسے من وراءهم حهنم میں وراء سے مراد ہے آگے۔ بعض کے نزدیک وراء سے

بعض غالی صوفیاء نے بھی یہی کہا ہے حضرت مفسر نے انہی کا اتباع کیا اور طلب اجرت کو خواہش نفس کی آمیزش قرار دیا لیکن صاحب کتاب جلیل القدر معصوم پیغمبر کی شان میں یہ غلط فہمی سوء ادب ہے۔ بعض اہل تفسیر کو بھی حضرت ابن عباسؓ کے ایک اثر کی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی ہے اور تیسرے سوال میں انہوں نے حضرت موسیٰ کی خواہش نفس کا دخل قرار دیا ہے۔ مگر صاحب روح المعانی نے اس کو ہی بے بنیاد قرار دیا ہے۔ زحشری مفسر کشاف نے ان اہل تفسیر کی تردید کی ہے جو تیسرے اعتراض کے اندر خواہش نفس کو دخل سمجھتے ہیں۔ معتزلہ باوجودیکہ عصمت انبیاء کے قائل نہیں لیکن زحشری نے باوجود معتزلی ہونے کے اس جگہ خواہش نفس کے دخل ہونے کی تردید کی ہے۔ واللہ اعلم

مراد پیچھے ہے۔ واپسی میں اس ظالم بادشاہ کے حدود سے ان مسکینوں کو گزرتا تھا۔ اول تفسیر صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس کی قرأت میں وَرَأَاهُمْ کی جگہ اَمَّا هُمْ (ان کے آگے) آیا بھی ہے۔

كُلَّ سَفِيْنَةٍ سے مراد ہے ہر عمدہ سالم اچھی کشتی۔ خضر نے کشتی کا تختہ پھاڑ کر عیب وار کر دیا تاکہ ڈاکو بادشاہ اس کو نہ چھین لے۔ اس شخص کا نام جلیدی بن کر تھا۔ محمد بن اسحاق نے سولہ بن جلید ازدی لکھا ہے اور شعیب جبائی نے بدد بن بدد کہا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت خضر نے کشتی توڑنے کی وجہ بطور معذرت کشتی والوں کے سامنے بیان کی اور ظالم غاصب بادشاہ کے واقعہ کی اطلاع دی۔ خضر کے بتانے سے پہلے ان کو کچھ معلوم نہ تھا۔ جب اس بادشاہ کی حدود سے کشتی والے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے کشتی کو درست کر لیا۔ کسی نے کہا روغن قیر کا پالش کر لیا (یارال سے جوڑ دیا) کسی نے کہا سوراخ میں شیشی اڑادی، قوم کے سامنے حضرت خضر کی معذرت کی روایت عبارت قرآن کے خلاف ہے، قرآن کی صراحت ہے کہ اپنے کئے ہوئے کاموں کی وجوہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے اس وقت بیان کیں جب کشتی سے اتر کر لڑکے کو قتل کر کے دیوار کو سیدھا کر چکے تھے اور دونوں کے الگ ہونے کا وقت آگیا تھا اگر حضرت خضر، کشتی والوں کو کشتی کے اندر ہی اپنے فعل کی وجہ بتا چکے ہوتے تو حضرت موسیٰ بھی اس سے ضرور واقف ہو جاتے، پھر دوبارہ موسیٰ سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبُوهُ مَوْمِنًا فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طَٰغِيَانَا وَكَفَرًا ۝

اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ ان پر سرکشی اور کفر کا اثر (نہ) ڈال دے۔ یعنی اپنی نافرمانی اور بد سلوکی کی وجہ سے ماں باپ پر چھا جائے گا اور بے چارے والدین دکھ اور مصیبت میں پڑ جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ماں باپ کے ایمان کے ساتھ اپنے کفر اور طغیان کو جمع کر دے گا۔ ایک ہی گھر میں ماں باپ کا ایمان بھی ہو گا اور بیٹے کا کفر و طغیان بھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ماں باپ پر ایسا غلبہ پالے گا کہ زبردستی ان کو کافر بنا دے گا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مومن ماں باپ بیٹے کی محبت کی وجہ سے آئندہ گمراہ اور کافر ہو جائیں گے۔ سعید بن جبیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ محبت اولاد مومن والدین کو تبدیل مذہب تک لے جائے گی ہم کو اس کا اندیشہ تھا اس لئے ہم نے لڑکے کو قتل کر دیا۔ حضرت خضر کا یہ اندیشہ محض عقلی نہ تھا (جس کے خلاف ہونا بھی ممکن تھا) بلکہ اللہ کی طرف سے خضر کے پاس وحی آگئی ہوگی کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اس کے مومن ماں باپ گمراہ ہو جائیں گے اور یہ دونوں کو گمراہ ہو جانے پر مجبور کر دے گا۔

ابن ابی شیبہ نے زید بن ہرمل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نجدہ خارجی نے حضرت ابن عباس کے پاس ایک تحریر بھیجی جس میں سوال کیا کہ حضرت خضر نے لڑکے کو کیسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تو لڑکوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے (کیا پہلے بچوں کا قتل جائز تھا) حضرت ابن عباس نے جواب میں لکھا اگر تجھے لڑکوں کی آئندہ حالت کا ویسا ہی علم ہو جائے جو موسیٰ کے علم والے ساتھی کو تھا تو تیرے لئے بھی بچوں کو قتل کرنا جائز ہو جائے گا، آپ کی مراد یہ تھی کہ عام مسلمانوں کے پاس تو وحی نہیں آتی (اور براہ راست اللہ کی طرف سے ان کو بچوں کے احوال بذریعہ وحی بتائے نہیں جاتے) رسول اللہ ﷺ کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہو چکا ہے اس لئے اب امت اسلامیہ کے لئے بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں (عقلی قرآن اور الہام وجہ جواز نہیں ہو سکتے) اور حضرت خضر کے پاس وحی آئی تھی اور ان کو حکم دیا گیا تھا پس رسول اللہ ﷺ کی ممانعت حضرت خضر پر لاگو نہیں ہے۔

### ایک شبہ

علم معلوم کے تابع ہوتا ہے صحیح علم کے لئے معلوم کا خارج میں وجود اور تحقق ہونا ضروری ہے، اللہ جانتا تھا کہ وہ لڑکا اگر زندہ رہا تو کافر سرکش ہو گا لیکن وہ لڑکا زندہ ہی نہیں رہا نہ کفر و طغیان اس سے سرزد ہوا، خضر نے اس کو جوان ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کا علم معلوم خارجی کے مطابق نہیں ہوا کیونکہ معلوم کا تحقق خارج میں ہوا ہی نہیں پھر کس طرح ایسے علم کو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے جو معلوم خارجی کے مطابق نہیں تھا۔

## جواب

مخلوق کا علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ معلوم خارجی سے مستفاد ہوتا ہے لیکن اللہ کا علم اس کے برعکس ہے وجود اشیاء اللہ کے علم کے تابع ہے اللہ کا علم اصل ہے اور معلوم خارجی اس کا تابع۔

## حضرت مفسر نے فرمایا

یہ جواب غیر مفید ہے اس سے اعتراض دفع نہیں ہوتا، علم تابع ہو اور معلوم اس کا متبوع یا معلوم تابع ہو اور علم متبوع، ہر صورت صحت علم کے لئے علم اور معلوم کی مطابقت ضروری ہے اور جب معلوم کا خارج میں وجود ہی نہ ہو تو مطابقت کا تصور ہی کس طرح ہو سکتا ہے۔ قضیہ شرطیہ کا خارج میں وجود ہی نہیں ہوا، لڑکا بالغ نہیں ہو اگر و طغیان کا اس سے صدور نہیں ہوا تو ایسے معلوم سے جس کا خارجی وجود ہی نہیں ہو علم کا صحیح تعلق کس طرح ممکن ہے۔ اس لئے صحیح جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ کا صدق اور اس سے علم کا صحیح تعلق صرف علاقہ لزوم پر موقوف ہے اگر شرط و جزا میں علاقہ لزوم ہے تو قضیہ سچا ہو گا خواہ شرط کا وجود محال ہی ہو اور جزا کا بھی وقوع نہ ہو اور صرف تعلق لزوم صحیح ہو جیسے آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا قَضِيَةٌ شرطیہ ہے اور صادق ہے اگر چند الہ ہوں گے یا ہوتے تو ضرور آسمان و زمین کی بربادی ہو جانی یا ہو جائے گی۔ اس قضیہ کی سچائی میں آئینہ کا نہ ہونا اور آسمان و زمین میں تباہی واقع نہ ہونا مانع نہیں کیونکہ وجود آئینہ اور وقوع فساد کے درمیان تعلق صحیح ہے۔ یَا اِنْ كَانَتْ الشَّمْسُ طَالِعَتُمْ فَالْنَّهَارُ مَوْجُودٌ میں علاقہ ملازمت صحیح ہے۔ جب سورج نکلے گا دن ہو جائے گا لیکن اس قضیہ شرطیہ کی صداقت نہیں چاہتی کہ سورج بھی ضرور نکلے یا دن ضرور موجود ہو، طلوع آفتاب بھی کبھی نہ ہو اور دن بھی کبھی موجود نہ ہو تب بھی یہ قضیہ سچا ہو گا کیونکہ طلوع آفتاب اور وجود نہار میں تعلق لزوم صحیح ہے۔

## ایک جدید شبہ اور اس کا جواب

دو چیزوں میں اگر لزوم کا تعلق ہو تو اس کا تقاضا ہے کہ ایک چیز کا وجود دوسری چیز کے وجود کی علت تامہ ہو (جیسے طلوع آفتاب وجود نہار کی علت ہے) یا دونوں کسی تیسری علت کے محتاج اور معلول ہوں اور اس تیسری علت نے ان دونوں کے درمیان لزوم پیدا کر دیا ہو (جیسے دو اینٹیں محرابی شکل بنا کر کھڑی کر دی جائیں تو ہر اینٹ دوسری اینٹ کے سہارے سے قائم ہوتی ہے اگر دونوں میں سے کسی اینٹ کو ہٹا دیا جائے اور سہارا ختم ہو جائے تو دوسری اینٹ گر پڑے گی، مگر دونوں اینٹوں میں سے کسی کی بقاء بذات خود دوسری پر موقوف نہیں ہے بلکہ کسی معمار نے ان دونوں کو اس طرح کھڑا کر دیا ہے کہ ہر ایک دوسری کے سہارے سے قائم ہے۔ یہ معمار دونوں میں لزوم پیدا کرانے کے علت ہے) اب بتاؤ اس لڑکے کے زندہ رہنے اور کفر کرنے میں لزوم کس طرح کا تھا۔ لڑکا خود کفر کی علت تامہ نہیں ہو سکتا اور نہ کسی تیسرے نے ان دونوں کے درمیان لزوم کا تعلق پیدا کر لیا کہ لڑکا زندہ ہی بغیر کفر کے نہ رہ سکتا ہو۔

اس کے جواب کے لئے ہم کو اہل تصوف کی تحقیقات سے استفادہ کرنا ہو گا۔ اہل تصوف کہتے ہیں کہ اشیاء کے وجود خارجی سے مقدم اور اصل اشیاء کی ماہیات کا ثبوت ہے ان ہی ماہیات ثابتہ کو حقائق امکانیہ اور اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔ اعیان ثابتہ اللہ کی صفات کا عکس پر تو اور ظل ہیں اور اشیاء کا وجود خارجی اعیان ثابتہ کا پر تو اور ظل ہے، اعیان ثابتہ کا مبداء اور اصل اللہ کی صفات ہیں اور اللہ کی صفات مختلف اور متعدد ہیں۔ ہادی ہونا اور گمراہ کرنا بھی اللہ کی صفات ہیں۔ اعیان ثابتہ میں سے جس عین ثابتہ پر صفت ہدایت اثر انداز ہوتی ہے وہ ہدایت یاب ہوتا ہے اور جس پر صفت اضلال پر تو فکس ہوتی ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اور اسی پر اشیاء کے وجود خارجی کی بنا ہوتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ علم الہی میں معلوم تابع ہوتا ہے اور علم متبوع (جیسا علم ہوتا ہے خارجی وجود ویسا ہی ہو جاتا ہے علم اصل ہے اور موجودات خارجیہ اس کا نوٹو اور کاپی) پس جن اشیاء کا مبداء عین صفت اضلال ہے اور وہ صفت اضلال کی پر تو ہیں ان کا گمراہ ہونا اور گمراہی کا ان سے ظاہر ہونا لازم ہے اور جن اشیاء کا مبداء عین صفت

ہدایت ہے ان کا ہدایت یاب ہونا ضروری ہے۔ صفت اضلال کے مظہر کا گمراہ اور تھقی ہونا اور صفت ہدایت کے مظہر کا ہدایت یاب اور سعید ہونا لازم ہے، یہی مطلب ہے اس فرمان نبوی ﷺ کا جس کے راوی حضرت علیؓ ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا ہر ایک کے لئے وہی (راہ) آسان کر دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو شخص اہل سعادت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں (اہل سعادت کے عمل کی اس کو توفیق دیدی جاتی ہے) اور جو اہل شقاوت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل شقاوت کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے (اہل شقاوت کے اعمال کی توفیق دیدی جاتی ہے) متفق علیہ۔

اس لڑکے کی تخلیق کفر پر ہونے کا یہی معنی ہے کہ اس کا مبداء تعین ضلال تھا (لا محالہ اس کو گمراہ ہونا تھا) ظہور ضلالت سے پہلے اس کا مر جانا اس کے لئے بھی مفید تھا اور اس کے والدین کے لئے بھی اور یہ سب کچھ اللہ کی مہربانی سے ہوا۔ اللہ پر لازم نہیں کہ بندہ کے لئے جو زیادہ مفید ہو وہی کام کرے۔ یہ مسلک تو معتزلہ کا ہے جو وجوب اصلاح کے قائل ہیں۔ اگر اللہ پر زیادہ مفید کام کو واجب قرار دیا جائے گا تو آئندہ ہونے والے ہر کافر کو بچپن میں مار ڈالنا ہی اللہ پر واجب قرار پائے گا۔ حقیقت میں یہ اللہ کی مہربانی ہے وجوب نہیں کہ بندہ کے لئے جو بات زیادہ مفید ہو اللہ وہی کرے۔ واللہ اعلم

پس ہم نے چاہا، حضرت خضرؑ نے جمع کا صیغہ بول کر اپنے ساتھ ارادہ کرنے میں اللہ کو شریک بنا لیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو سکتا ہے، لیکن خضر کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو جائے یا ناممکن ہے خضر کے ارادے سے اللہ کا فعل نہیں ہو سکتا اس لئے ارادہ کا معنی اس جگہ حقیقی نہیں بلکہ چاہنا مراد ہے۔

فَارْدَنَا  
ان یبدل لھما ربھما  
کہ ان کا رب (اس لڑکے کا) عوض عطا فرمادے۔ اول لڑکے کو ہلاک کرنے کی جگہ دوسرے لڑکے کو پیدا کر دینا، پہلے لڑکے کے ہلاک ہونے کا عوض اور بدل تھا اور ہلاک کرنے کے مرتکب حضرت خضرؑ تھے مگر دوسرے لڑکے کو پیدا کرنا خالص اللہ کا کام تھا اس میں حضرت خضرؑ کے فعل کو دخل نہ تھا اس لئے یبدل فعل کی نسبت خالص اللہ کی طرف کی۔ یبدل کی بجائے یبدل بھی متواتر قرأت ہے۔ ابدال اور تبدیل دونوں ہم معنی ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ تبدیل عام ہے۔

نفس شئی کو ہی بدل دینا اس کی حالت کو بدل دینا دونوں کو تبدیل کہتے ہیں اور ابدال اصل شئی کے بدلنے کو کہتے ہیں مگر بغوی کی یہ تحقیق غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو دوسری قرأت متواتر نہ ہوتی دونوں قرأتوں کو جمع کرنا ناممکن ہو جائے گا (کیونکہ اختلاف قرأت سے معنی میں تغیر آجائے گا)

جو اس سے زیادہ (گناہوں اور بد کاریوں سے) پاک ہو۔  
خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً  
وَأَقْرَبَ رُحْمًا ۝۱۱  
اور (مال باپ پر) مہربانی اور رحم کرنے کے لحاظ سے (والدین سے) بڑا قرب رکھنے والا ہو۔ رُحْمٌ بمعنی رحمت ہے۔

بعض علماء نے رُحْمٌ کو رُحْمٌ سے مشتق بیان کر قرابت ترجمہ کیا ہے۔ قتادہ نے کہا بڑا صلہ رحم کرنے والا اور مال باپ کا بڑا فرماں بردار خدمت گزار بغوی نے کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض اس کے والدین کو ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے ایک پیغمبر نے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوا جس نے ایک امت کو ہدایت یافتہ بنا دیا۔ حضرت جعفر بن محمدؑ نے فرمایا اللہ نے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی نسل سے ستر پیغمبر پیدا ہوئے۔ ابن جریر نے کہا اس کے عوض اللہ نے ایک فرماں بردار مسلم لڑکا عنایت کیا۔ ابن ابی شیبہ، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک لڑکی اللہ نے ان کو دی جس کے بطن سے پیغمبر پیدا ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے۔ ابن المنذر نے دوسری سند سے یوسف بن عمر کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے بہت پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ قول بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ترمذی و حاکم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور

حاکم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔

مطرف نے کہا جب وہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے ماں باپ خوش ہوئے تھے پھر جب وہ قتل ہو گیا تو والدین کو غم ہوا اگر وہ زندہ رہتا تو ماں باپ کی تباہی کی یقینی تھی۔ آدمی کو چاہئے کہ اللہ کے حکم پر راضی رہے، اللہ مومن کے لئے اگر ناگوار فیصلہ بھی کرتا ہے تب بھی مومن کے لئے اس بات سے بہتر ہوتا ہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند دونوں میں اللہ کی مخفی تدبیر سے ڈرتا ہے اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اسی سے پناہ کا طلب گار رہے، اللہ کے حکم پر اعتراض نہ کرے، ہر حال میں اس کے فیصلہ پر راضی رہے۔

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا

اور دیوار کا قصہ یہ تھا کہ وہ بستی کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔

بغوی نے لکھا ہے ان دونوں لڑکوں کے نام اصرم اور صریم تھے۔ کنز کا ترجمہ عکرمہ نے مال کیا ہے۔ حضرت ابو درداءؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا سونے چاندی کا خزانہ تھا۔ یہ حدیث بخاری نے تاریخ میں اور حاکم نے بیان کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح بھی کہا ہے۔ طبرانی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ان کیلئے کنز (نامعلوم دینے) حلال کر دیئے گئے تھے اور مال غنیمت حرام کر دیا گیا تھا اور ہمارے لئے کنز حرام کر دیئے گئے اور مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں ہمارے لئے کنز حرام کر دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ سونا چاندی بغیر زکوٰۃ ادا کئے جمع کر کے رکھنا ہمارے لئے حرام کر دیا گیا ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُوا نَهَايَ سَبِيلِ اللَّهِ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْنِزُونَ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے ان کو دکھ والے عذاب کی خوش خبری دیدو۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا جس مال کی زکوٰۃ دیدی جائے وہ کنز نہیں ہے، خواہ اس کو دینے بنا کر ہی رکھا جائے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو وہ کنز ہے خواہ اس کو زمین میں دفن نہ کیا گیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی والوں پر زکوٰۃ فرض نہ تھی جب ہی تو حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ ان کے لئے مال کو کنز بنا کر رکھنا حلال کر دیا گیا تھا۔

بغوی نے سعید بن جبیرؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کنز کچھ صحیفوں کی شکل میں تھا جس میں علم تھا (گویا علمی خزانہ تھا) حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کنز سونے چاندی کا نہ تھا بلکہ علمی صحیفے تھے۔ ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ بروایت بغوی حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول آیا ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں تحریر تھا، تعجب ہے کہ جس کو رزق (مقدر) ملنے کا یقین ہو وہ (تلاش رزق میں) تھکتا کیوں ہے (کیوں کمائی کے لئے سرگرداں پھرتا ہے) تعجب ہے کہ جس کو (آخرت کے) حساب پر یقین ہے وہ غافل کیسے رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ جو زوال دنیا کا یقین رکھتا ہے وہ (حاصل شدہ) دنیا پر مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ جاتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ تختی کے دوسری طرف لکھا تھا میں ہی اللہ ہوں میں اکیلا ہوں میرا کوئی سا جھی نہیں۔ میں نے خیر و شر کو پیدا کیا خوشی ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے خیر کے واسطے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں سے خیر کو جاری کر لیا اور ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے شر کے لئے پیدا کیا اور شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔ بزار نے یہ حدیث ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ذرؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے۔ ابن مردویہ نے بھی حضرت علیؓ کی روایت سے اس کو مرفوع قرار دیا ہے لیکن خرابطی نے قمع الحرص میں اس کو حضرت ابن عباسؓ کا قول کہا ہے۔ زجاج نے کہا لفظ کنز اگر بے قید (بغیر مضاف الیہ کے) بولا جاتا ہے تو اس سے مالی خزانہ مراد ہوتا ہے اور قید (مضاف الیہ) کے ساتھ بولا جاتا ہے تو دوسری چیزوں کا خزانہ بھی مراد ہوتا ہے جیسے كَنْزُ الْعِلْمِ علم کا خزانہ اور تختی میں دونوں باتیں تھیں (وہ سونے کی بھی تھی اور وہ علم کا خزانہ بھی تھی)



وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا  
اور ان دونوں یتیموں کا باپ نیک تھا۔ بعض اہل علم نے اس شخص کا نام کا شیخ بیان کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا باپ کی نیکی کی وجہ سے (اللہ کی طرف سے) دونوں یتیموں کی حفاظت کی گئی یعنی باپ کی نیکی کی وجہ سے یتیموں کی حفاظت کے لئے اللہ نے دیوار درست کر دینے کا حکم خضر کو دیا۔ محمد بن منکدر کا قول ہے کہ بندہ کے نیک ہونے کے سبب اللہ اس کی اولاد کی اولاد، کنبہ، خاندان اور ہمسایوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا میں نماز پڑھتا ہوں اور اولاد کا خیال آجاتا ہے تو نماز اور بڑھادیتا ہوں (تاکہ میری نماز کی وجہ سے اولاد کی حفاظت رہے)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مرد صالح دونوں یتیموں کا باپ نہیں تھا بلکہ ساتواں دادا تھا (یعنی سات نسلوں تک ایک شخص کی نیکی کا اثر باقی رہا) ابن ابی حاتم نے سلیمان بن سلیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ کسی نیک کی نیکی کی وجہ سے سات صدیوں تک (اس کی نسل اور قوم کی) حفاظت کرتا اور (کسی کی بد کرداری کی وجہ سے) سات صدیوں تک تباہی قائم رکھتا ہے۔

آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلحاء کی اولاد کی رعایت اور ان کے فائدے کے لئے امکانی کوشش مسلمانوں پر لازم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کافر اور اللہ سے سرکش نہ ہوں اگر کافر یا سرکش ہوں تو وہ زیادہ سزا کے مستحق ہیں دوسرے لوگوں کی سرکش اولاد سے صلحاء کی طاغی اولاد پر زیادہ سختی کی جائے۔ حضرت خضرؑ کا اس لڑکے کو قتل کر دینا جس کے آئندہ کافر ہونے اور ماں باپ پر وبال پڑنے کا اندیشہ تھا اس قول کی تائید کر رہا ہے۔

فَارَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا  
پس آپ کے رب نے چاہا کہ وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جائیں۔ اشد کا معنی ہے پوری پوری سوجھ بوجھ (کمالِ رشد) اور قوت۔ کہا گیا ہے کہ اشد کی عمر ۱۸ سال ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا ظاہر قول یہ ہے کہ پچیس کی عمر میں آدمی حد اشد (کمالِ رشد) کو پہنچ جاتا ہے (یعنی اس کے بعد کمالِ رشد کو پہنچنے کی امید نہیں رہتی اگر پچیس سال تک کوئی کمالِ رشد کو نہیں پہنچا تو پھر اس سے زیادہ عمر میں بھی اس کو پورا رشد حاصل نہیں ہوگا) اسی لئے اگر کسی سادہ لوح سبک سر کی عمر پچیس سال ہو جائے (سمجھا جائے گا کہ اس کو جتنی سمجھ بوجھ ملنی تھی مل گئی آئندہ انتظار غیر ضروری ہے) اس کا مال اس کو دیدیا جائے گا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فَإِنْ أَنْتُمْ مِّنْهُمْ رُّشْدًا فَادْعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک چالیس سال کی عمر میں آدمی حد اشد کو پہنچتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً

وَيَسْتَخْرِجُونَ مَالَهُم مِّن رَّبِّكَ  
اور اپنا دینیہ نکال لیں میں نے یہ سارے کام آپ کے رب کی مہربانی (یعنی الہامیادھی) سے کئے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے حضرت خضرؑ نے کشتی کو عیب دار بنانے کے ارادے کی نسبت صرف اپنی ذات کی طرف کی، کیونکہ عیب دار بنانا انہی کا فعل تھا، اپنے فعل کا ارادہ خود انہوں نے ہی کیا تھا اس کے بعد اَرَدْنَا کہنے میں اپنے ساتھ اللہ کو بھی فاعل ارادہ قرار دیا۔ کیونکہ ہلاک یعنی قتل کرنا حضرت خضرؑ کا فعل تھا۔ قتل کے فاعل وہ خود تھے اور مقتول لڑکے کی جگہ دوسری اولاد کو پیدا کرنا اللہ ہی کا کام تھا اور اللہ کے کام کا ارادہ اللہ کے سوا کون کر سکتا ہے، اسی لئے تیسری جگہ فَارَادَ رَبُّكَ میں ارادہ کی نسبت صرف اللہ کی طرف کی کیونکہ یتیم لڑکوں کے بالغ اور جوان ہونے میں اللہ کے ارادہ کے علاوہ کسی اور کا دخل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یایوں کہا جائے کہ کشتی توڑنا فی نفسہ شر ہے (اگر اس میں خیر بھی تو اضافی تھی) اس لئے اپنی ذات کی طرف نسبت کی اور تیسرا فعل سراسر خیر ہے اس لئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی اور دوسرے فعل میں شر اور خیر مخلوط تھی اس لئے اپنے ساتھ اللہ کی طرف بھی نسبت کی۔ یایوں کہا جائے کہ اسباب و وسائط کی طرف توجہ کرنے میں عارف کا حال مختلف ہوتا ہے (کبھی خالص و وسائط کی طرف توجہ ہوتی ہے کبھی و وسائط سے بالکل منہ موڑ لیتا ہے، کبھی مخلوط التفات ہوتی ہے)

اور (جو کچھ آپ نے دیکھا) میں نے اس میں سے کوئی حرکت اپنی رائے سے  
 وَمَا فَعَلْتُمْ عَنْ أَمْرِي ط  
 نہیں کی۔ بلکہ اللہ کے حکم سے کی۔  
 ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ط  
 صبر نہیں کر سکتے تھے۔

بنغوی کا بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ حضرت خضرؑ سے جدا ہونے لگے تو فرمایا مجھے کچھ نصیحت کیجئے، حضرت خضرؑ نے کہا  
 علم کی طلب لوگوں سے بیان کرنے کے لئے نہ کرنا بلکہ عمل کرنے کے لئے علم کی طلب کرنا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس قصہ سے  
 یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آدمی کو اپنے علم پر غرور نہ کرنا چاہئے اور جو بات پسند نہ آئے اور صحیح نہ معلوم ہو اس کے انکار میں  
 عجلت نہ کرے ممکن ہے اس کی تہ میں ایک ایسی پوشیدہ حقیقت ہو جس سے یہ شخص ناواقف ہو۔ میں کہتا ہوں جس شخص کی بات  
 کو صحیح نہ سمجھا جا رہا ہو، اگر وہ عالم ہو دیندار ہو اور مستحق ہو تو اس کے فعل کا فوری انکار کر دینا اور بھی نامناسب ہے۔ اس سے  
 برابر سیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، معلم کا ادب کیا جائے، گفتگو میں تہذیب رکھی جائے۔ قصور وار کو اس کے قصور پر متنبہ کرنا  
 اور پھر معاف کر دینا چاہئے اور جب اس سے بار بار قصور سرزد ہو تو اس سے جدائی اختیار کر لی جائے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت  
 خضرؑ کے اس قصہ سے ان تمام امور کی تعلیم مستفاد ہو رہی ہے۔

### کیا حضرت خضرؑ اب بھی زندہ ہیں۔

بنغوی نے لکھا ہے اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے خضرؑ والیاس دونوں زندہ ہیں، ہر سال حج  
 میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے، خضرؑ نے آب حیات پی لیا تھا، ذوالقرنین جب آب حیات کی تلاش میں ظلمات میں داخل ہوا تو  
 خضرؑ کو اپنے ساتھ لے گیا، خضرؑ ہر اول دستہ میں آگے آگے تھے، چلتے چلتے خضرؑ چشمے پر پہنچ گئے اتر کر انہوں نے چشمہ کے پانی  
 سے غسل کیا اور کچھ پی لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا، ذوالقرنین راستہ بہک گیا اور نامراد واپس آ گیا۔

(اکثر) علماء کا خیال ہے کہ خضرؑ وفات پا چکے، اللہ نے فرمایا ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَب سے پہلے ہم  
 نے کسی انسان کو بقاء دوامی نہیں دی۔ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بات دکھادی گئی (اب سے  
 آئندہ) سو برس کی انتہا تک ہر وہ شخص جو اس وقت روئے زمین پر زندہ ہے (مر جائے گا) زندہ نہیں رہے گا۔ مولف حصن  
 حصین نے التعزیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم نے متدرک میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ  
 کی وفات کے بعد ایک (اجنبی) شخص آگیا، سپید داڑھی، کھلتا ہوا رنگ، جسامت میں بھاری آتے ہی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا  
 آگے بڑھ گیا اور رونے لگا۔ پھر صحابہ کی طرف رخ کر کے کہا ہر مصیبت کی تسلی اور ہر فوت شدہ کا عوض اور ہر مرنے والے کا  
 جانشین اللہ ہی کے پاس ہے اسی کی طرف رجوع کرو، وہ تمہاری اس مصیبت میں تم کو دیکھ رہا ہے۔ تم انتظار کرو دکھ ایسے شخص کا  
 ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی اس کے بعد وہ آدمی واپس چلا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا۔ یہ حضرت خضرؑ علیہ  
 السلام تھے۔

حضرت خضرؑ سے اولیاء کرام کی ملاقات اور تحصیل فیض کی حکایتیں تو مشہور ہی ہیں، یہ روایات بتاتی ہیں کہ خضرؑ زندہ  
 ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ خضرؑ اگر زندہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے کنارہ کش نہ رہتے۔ حضور ﷺ کی بعثت تو سب ہی  
 لوگوں کے لئے تھی۔ خضرؑ کیسے مستثنیٰ ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اگر موسیٰؑ میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو میری اتباع  
 کے بغیر ان کے لئے بھی کوئی چارہ نہ ہوتا (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان عن جابر بن عبد اللہ) آسمان سے اترنے کے بعد  
 حضرت عیسیٰؑ بھی امت اسلامیہ ہی کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھیں گے (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے) (رواہ مسلم عن  
 ابی ہریرہ و جابر بن عبد اللہ)

اس مسئلہ کا واحد حل حضرت مجددؑ کے بیان سے ہو سکتا ہے۔ حضرت مجددؑ صاحب سے جب حضرت خضرؑ کے زندہ یا

مردہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اللہ کی طرف توجہ کی اور بارگاہ قدس سے اس کا جواب ملنے کی دعا کی۔ چنانچہ عالم مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ خضر سامنے آگئے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب نے حضرت خضرؑ سے خود ان کی حالت دریافت کی۔ حضرت خضر نے فرمایا میں اور الیاس دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ نے ہماری روحوں کو ایسی طاقت عطا فرمادی ہے کہ ہم جسم کا لباس پہن کر بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتاتے اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں اگر اللہ چاہتا ہے (بعض لوگوں کو) علم لدنی بھی تعلیم کرتے اور نسبت بھی عطا کرتے ہیں۔ ہم کو اللہ نے قطب مدار کا مددگار بنایا ہے۔ قطب مدار کو اللہ نے مدار عالم بنایا ہے انہی کی برکت سے یہ عالم قائم ہے، ہم ان کی مدد کرتے ہیں اس زمانہ میں ان کا مسکن ملک یمن ہے، وہ فقہ شافعی کے پیرو ہیں، ہم بھی قطب مدار کے ساتھ شافعی فقہ کے موافق نماز پڑھتے ہیں۔

اور وہ (یہودی پاکہ کے مشرک بطور امتحان) آپ سے ذوالقرنین **وَ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقَرْنَيْنِ ط** کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ بغوی نے کہا ہے بعض علماء کے نزدیک ذوالقرنین کا نام مرزبان بن مرزیہ تھا یہ یونانی تھا اور یاقوت بن نوح کی نسل میں سے تھا بعض نے کہا وہ رومی تھا سکندر بن قلیس بن فیلقوس نام تھا میرے نزدیک مؤخر الذکر قول زیادہ صحیح ہے۔ شیرازی نے الالقاب میں اور ابن اسحاق و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ یمنی کا بیان نقش کیا ہے وہب بن منبہ گزشتہ واقعات تاریخی کا بڑا عالم تھا کہ ذوالقرنین رومی تھا ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا تھا، بڑھیا کی کوئی اور اولاد نہ تھی ذوالقرنین کا نام سکندر تھا۔ ابن المنذر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکندر ہی ذوالقرنین تھا۔

بغوی نے لکھا ہے ذوالقرنین نبی تھا نہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے کچھ لوگ کہتے ہیں نبی تھا۔ ابو الطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا گیا کہ وہ نبی تھا یا بادشاہ تھا، حضرت علیؑ نے فرمایا، نہ وہ نبی تھا نہ بادشاہ تھا، ایک ایسا بندہ تھا جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت کرتا تھا اس نے اللہ کی فرمانبرداری خلوص سے کی اللہ نے اس کو خیر عطا فرمائی۔ ابن مردویہ نے سالم بن ابی الجعد کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا، کیا ذوالقرنین نبی تھا۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ ذوالقرنین اللہ کا مخلص فرماں بردار بندہ تھا۔ اللہ نے بھی اس کے خلوص کی قدر دانی کی۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سنا ایک شخص دوسرے کو ذوالقرنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ فرمایا پیغمبروں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے پر تم نے قناعت نہیں کی کہ اب فرشتوں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے لگے، اکثر علماء کا خیال ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل نیک بادشاہ تھا۔ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کیا تھی۔ بغوی نے اس کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

(۱) آفتاب کے دو کنارے ہیں مشرق اور مغرب ذوالقرنین دونوں کناروں تک جا پہنچا تھا۔

(۲) روم اور فارس دونوں کا بادشاہ تھا۔

(۳) روشن دنیا میں بھی وہ رہا اور ظلمات میں بھی داخل ہوا (شاید یہ مراد ہے کہ افریقہ بلاد سوڈان اور روم دونوں جگہ

گیا۔ نور سے مراد گوروں کا ملک اور ظلمت سے مراد کالوں کا ملک)

(۴) اس نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب کے دونوں کنارے اس نے پکڑ لئے ہیں۔

(۵) اس کے دو خوبصورت گیسوتھے (قرن گیسویازلف)

(۶) اس کے دو سینگ (یعنی سر میں دو ابھار) تھے جن کو عمامہ سے چھپائے رکھتا تھا۔ ابن عبدالحکم نے یونس بن عبید کی

روایت سے اور شیرازی نے الالقاب میں قتادہ کے حوالہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

(۷) ابو الطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرمائی کہ اس نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے

کی نصیحت کی، قوم نے اس کے سر کے دائیں طرف ایسی چوٹ ماری کہ وہ مر گیا پھر اللہ نے اس کو زندہ کر دیا اور اس نے قوم کو اللہ

سے ڈرنے کی نصیحت کی، قوم نے پھر اس کے سر کے بائیں جانب ایسی ضرب لگائی کہ وہ مر گیا، مگر اللہ نے اس کو پھر زندہ کر دیا

(قرن کھوپڑی کا دایاں بایاں ابھاریا پیشانی کا دایاں بایاں رخ)

احمد نے الزہد میں اور ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے العظمتہ میں ابوالور قاء کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا۔ ذوالقرنین کے دو سینگ کیسے تھے فرمایا تم خیال کرتے ہو گے کہ سونے یا چاندی کے دو سینگ تھے ایسا نہ تھا بلکہ وہ نبی تھے اللہ نے امت کو ہدایت کرنے کے لئے ان کو مبعوث فرمایا تھا انہوں نے امت کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے بائیں جانب ایسی چوٹ ماری کہ وہ مر گئے پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا اور دعوت کا حکم دیا انہوں نے قوم کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے دائیں جانب ایسی ضرب رسید کی کہ وہ مر گئے اور اللہ نے ان کا نام ذوالقرنین رکھ دیا۔

آپ کہہ دیجئے (اے سانلو) میں اس کے حال کا کچھ

قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ قِصَّةً ذِكْرًا ﴿۱۶﴾

تذکرہ تمہارے سامنے (اللہ کا بیان کیا ہوا) تلاوت کرتا ہوں۔

ہم نے ہی اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا۔ وہ جس طرح چاہتا تھا حکم چلاتا تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا بادل کو ذوالقرنین کے حکم کے تابع بنا دیا گیا تھا، ابر پر وہ سوار ہوتا تھا اس کے ذرائع دراز کر دیئے گئے تھے، اس کے لئے روشنی پھیلا دی گئی تھی (یعنی رات بھی اس کے لئے روشن کر دی گئی تھی) رات دن اس کے لئے برابر تھے تمکین فی الارض کا یہی معنی ہے، مطلب یہ ہے کہ زمین پر رفتار اس کے لئے آسان کر دی گئی اور سارے راستے اس کے لئے کھول دیئے گئے تھے (راستے آسان کرنے کا شاید یہ مقصود ہو کہ ہر طرح کی سواری اس کو میسر تھی اور رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر انداز نہ ہوتا تھا)

اور ہر قسم کا سامان ہم نے اس کو عطا کر دیا تھا یعنی جو چیز وہ چاہتا تھا اور جس طرف رخ کرتا تھا اس کا علم، قدرت اور دوسرے کار بر آری کے ذرائع ہم نے اس کو عطا کر دیئے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ذوالقرنین کو اس کے حصول کے ذرائع ہم نے دیدیئے تھے یا یہ مقصد ہے کہ بادشاہوں کو دشمنوں سے لڑنے اور ملک فتح کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ذوالقرنین کو ہم نے دیدی تھیں۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ زمین کے کناروں کو ہم نے اس کے لئے قریب کر دیا تھا۔ بغوی نے لکھا ہے حسن بصری نے سبباً کا ترجمہ بلاغاً کیا ہے یعنی مقصد تک پہنچانے والے اسباب ہم نے ذوالقرنین کو دیدیئے تھے۔

وَأَتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۱۷﴾

فَاتَّبَعُ سَبَبًا ﴿۱۸﴾

سو وہ ایک راہ پر ہولیا۔

اتبع پہنچ گیا۔ مازلت اتبعته حتی اتبعته میں نے برابر اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس تک پہنچ گیا۔ کذا رومی عن الاصحی۔ سبباً سے اس جگہ مراد ہے راستہ یعنی مغرب کی طرف، حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا فرود گاہ، منزل۔

حتی اذا بلغ مغرب الشمس غروب ہونے کے مقام پر پہنچا۔

تو دلہلی چشمہ میں سورج کو ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔ حمیۃ سیاہ ووجدھا تغرب فی عین حمیۃ دلدل۔ حمات البشر کنویں میں کالی کیچڑ ہو گئی۔ بغوی کا بیان ہے حضرت معاویہؓ نے کعب احبارؓ سے پوچھا سورج کیسے غروب ہوتا ہے تو ریت میں تم نے اس کے متعلق کیا پڑھا، کعب نے کہا ہم نے تو ریت میں پایا ہے کہ سورج پانی اور کیچڑ میں غروب ہوتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے شاید ذوالقرنین سمندر کے کنارے پہنچ گیا ہو گا اور وہاں اس کو ایسا لگا ہو گا جیسے سورج دلدل میں غروب ہو رہا ہے کیونکہ جہاں تک اس کی نظر پہنچی ہو گی پانی اور کیچڑ ہی دکھائی دی ہو گی۔ اسی لئے اللہ نے وجدھا تغرب (سورج کو دلدل میں ڈوبتا محسوس کیا) فرمایا کانت تغرب (سورج دلدل میں ڈوبتا تھا) نہیں فرمایا۔ کذا قال القتیبی۔

اور اس چشمے کے پاس ذوالقرنین نے ایک قوم کو پایا۔ بیضاوی نے کہا وہ لوگ کھال کا لباس پہنتے تھے اور کافر تھے اور سمندر جو مردہ مچھلیاں یا دوسرے بحری جانور کنارے پر پھینک دیتا تھا وہی ان کی غذا تھی۔

قُلْنَا يَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّا اَنْ تُعَذَّبَ وَ اِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿۱۹﴾

ہم نے کہا اے ذوالقرنین تو (چاہے تو) ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کے معاملے میں نرمی کا سلوک کرے (تجھے دونوں طرح کا اختیار ہے)

یعنی پہلے اس قوم کو توحید کی دعوت دو اگر نہ مانیں اور کفر پر جے رہیں تو ان کو سزا دو قتل کر دو، اگر توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو ان کی عزت کرو، ہدایت کرو، شراعت الہیہ سکھاؤ۔ اس جگہ تقسیم کے لئے ہے (تردید کے لئے نہیں ہے) جیسے آیت ذیل میں لفظ او تقسیم کے لئے ہے اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ (یعنی مختلف حالات کے لئے مختلف احکام ہیں توبہ کر لیں تو درگزر کرو، کفر پر جے رہیں تو عذاب دو) بعض علماء کے نزدیک اِنَّمَا تَخْيِيرٌ کے لئے ہے یعنی اللہ نے ذوالقرنین کو اختیار دے دیا کہ تم چاہو تو ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ان کو قتل کر دو اور چاہو تو ان کو اسلام کی دعوت دو۔ اسلام کی دعوت ہی اَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا سے مراد ہے۔ بعض نے کہا ذوالقرنین کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ چاہیں تو ان لوگوں کو قتل کر دیں اور چاہیں تو قید کر لیں، قتل کرنے کے مقابلہ میں قید کر دینا حسن سلوک ہے، اول الذکر دونوں مطلوبوں کی تائید آئندہ آیات سے ہو رہی ہے۔

قَالَ اِمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ اِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نَّكَرًا ﴿۱۶﴾ وَاِمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَهُ جَزَآءٌ اِلٰی حُسْنٰی ۙ

ذوالقرنین نے کہا جو ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے، پھر اس کو اس کے رب کے پاس لوٹا کر لے جایا جائے گا وہ اس کو سخت ترین سزا دے گا اور جو ایمان لے آئے گا اور اچھے کام کرے گا اس کے لئے نیکی کا اچھا بدلہ ہوگا، یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں یا اللہ کی طرف سے اختیار لینے کے بعد جب اس نے دعوت اسلام دیدی تو کہا کہ میری اس دعوت کے بعد جو کوئی کفر پر جمارہا اور شرک کی صورت میں اپنے اوپر خود ظلم کرتا رہا تو میں اور میرے ساتھی اس کو قتل کر دیں گے اور آخرت میں اللہ اس کو ایسا عذاب دے گا جو کسی کے ظلم میں نہیں، وہ اتنا عظیم ترین اور غیر معمولی ہوگا کہ اس دنیا میں کسی کے سامنے نہیں آیا۔ نیک کام کرنے سے مراد ہے تقاضاء ایمان کے موافق عمل کرنا۔

اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کے لئے آسان بات کہیں گے۔  
وَسَنُقُولُ لَهُ مِنْ اٰمْرِ نَآئِسًا ﴿۱۷﴾  
یُسْرًا آسان سہولت والا جو دشوار نہ ہو۔ مجاہد نے یُسْرًا کا ترجمہ کیا مَعْرُوفًا اچھا بھلا۔ اللہ نے ذوالقرنین کو (براہ راست) خطاب کیا اور وحی بھیجی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبی تھا، صاحب وحی تھا۔  
بغوی نے لکھا ہے صحیح ترین بات یہ ہے کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھا اور وحی سے مراد اس جگہ الہام ہے (جیسا کہ اولیاء اللہ کو ہوتا ہے)

میں کہتا ہوں ممکن ہے کسی پیغمبر کی معرفت ذوالقرنین کو یہ پیام ملا ہو اور بعض انبیاء بنی اسرائیل میں سے اس کے ساتھ بھی کسی نبی کو اس کی اصلاح اور درستی قائم رکھنے کے لئے لگا دیا گیا ہو۔  
پھر وہ (مشرق کی طرف جانے والے راستے پر پہنچ گیا۔  
ثُمَّ اَتَّبَعَهُ سَبَبًا ﴿۱۸﴾  
حَتَّىٰ اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ  
کے طلوع ہونے کے مقام تک پہنچ گیا۔

تو سورج کو ایسی قوم  
وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سَبْتًا ﴿۱۹﴾  
پر طلوع ہوتے دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے سورج سے ورے کوئی آڑ نہیں بنائی تھی یعنی ان کا کوئی لباس نہیں تھا، نہ مکان کی کوئی آڑ تھی وہاں کی زمین تعمیر کا بار اٹھانے کے قابل نہیں تھی۔

گذرنا لکھنا (ذوالقرنین کا واقعہ) یوں ہی تھا یعنی ذوالقرنین کی وسعت اقتدار، حکومت کی پہنائی اور اس کے مرتبہ کی

رفعت اسی طرح تھی جس طرح ہم نے بیان کر دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کا اہل مشرق کے ساتھ سلوک ایسا ہی تھا جیسا مغرب والوں کے ساتھ تھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح ذوالقرنین نے سورج کو دلدلی چشمہ میں ڈوبتا محسوس کیا تھا اسی طرح دلدل سے برآمد ہوتے پایا تھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح مغرب والوں کے لئے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں بنائی اسی طرح مشرق والوں کے لئے بھی سورج سے کوئی آڑ نہیں تھی۔

وقَدْ أَحْطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۱۱  
اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ سامان تھا ہم کو اس کی پوری خبر تھی۔  
یعنی ذوالقرنین کے پاس کتنی فوج تھی، کتنا مال و اسباب تھا اور کتنے آلات جنگ اور علمی ذرائع تھے۔ غرض اس کی ساری بیرونی اور اندرونی طاقت و سرسامان سے ہم واقف ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا لشکر اور سامان اور مال و اسباب تھا کہ کسی کو معلوم نہیں ہم ہی اس سے واقف ہیں۔ أَحْطْنَا کے لفظ سے فوج کی کثرت اور سامان و حکومت کی وسعت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔  
ثُمَّ اتَّبَعْنَا سَبِيلًا ۱۲  
پھر ذوالقرنین ایک تیسرے راستے پر چل دیا۔ یعنی مغرب و مشرق کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۱۳  
یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو دونوں پہاڑوں سے ورے اس کو ایک ایسی قوم ملی جو تقریباً کوئی بات بھی سمجھتی نہ تھی۔

سُد اور سُد ہم معنی ہیں، عکرمہ نے کہا انسان کی بنائی بندش کو سُد کہتے ہیں اور قدرتی رکاوٹ و آڑ کو سُد۔ سُدَّيْنِ سے مراد اس جگہ وہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان ذوالقرنین نے ایک دیوار بنا دی تھی تاکہ یاجوج و ماجوج پرے سے دیوار کے ورے نہ آسکیں، بیچ میں دیوار حائل ہو جائے۔ یہ دونوں پہاڑ آرمینیا اور آذربائیجان کے تھے۔ ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ ترکوں کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں۔ اس کے بالکل آخری شمال میں دو پہاڑ تھے جن سے پرے یاجوج و ماجوج تھے وہی دونوں پہاڑ مراد ہیں۔ یہ قول سعید بن منصور نے سنن میں اور ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے۔  
مِنْ دُونِهِمَا یعنی دونوں پہاڑوں کے سامنے۔  
لَّا يَفْقَهُونَ قَوْلًا یعنی کسی دوسرے کی بات نہیں سمجھتے تھے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کسی دوسرے کی بات سمجھتے تھے نہ کوئی دوسرا ان کی بات سمجھتا تھا۔

قَالُوا يَا الْقَدْرَيْنِ إِنَّا يَا جُوجَ وَمَا جُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ  
انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یا جوج و ماجوج ہمارے ملک میں آکر تباہی مچاتے ہیں۔ یعنی قتل و غارت کرتے اور ہماری کھیتیوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔ کلبی نے کہا موسم بہار میں یاجوج و ماجوج گھس آتے تھے، تمام سبز چیزوں (سر سبز کھیتیوں اور پھلوں ترکاریوں) کو تو کھا لیتے تھے اور خشک چیزوں کو اٹھا کر اپنے ملک کو لے جاتے تھے، ان لوگوں کو ان سے بڑا دکھ پہنچتا تھا۔ بعض نے کہا وہ آدم خور تھے آدمیوں کو کھا جاتے تھے۔

یاجوج و ماجوج کی لفظ ہیں، بعض کے نزدیک عربی ہیں، عرب بولتے ہیں آج الظلم یعنی آسوع۔ بغوی نے لکھا ہے یہ دونوں لفظ اجنح النار (آگ کا شعلہ، بھڑک، شرارہ) سے ماخوذ ہیں کثرت تعداد کی وجہ سے ان کو آگ کے شعلوں اور چنگاریوں سے تشبیہ دی گئی۔

بغوی نے لکھا ہے یاجوج و ماجوج یافت بن نوح کی نسل سے ہیں۔ ضحاک نے کہا وہ ترکوں کی ایک نسل ہے۔ سدی نے کہا ترک یا جوج کا ایک فوجی دستہ تھا جو (پہاڑوں سے ورے) نکل آیا تھا، جب ذوالقرنین نے دیوار (سُد) بنا دی تو وہ راستہ پہاڑوں سے ادھر ہی رہ گیا تمام ترک اسی کی نسل سے ہیں۔ قتادہ نے کہا یاجوج کے ۲۲ قبائل تھے ذوالقرنین نے سد بنائی تو ایک قبیلہ ادھر ہی

رہ گیا ۲۱ قبائل ادھر چلے گئے اسی قبیلہ کو ترک کہا جاتا ہے کیونکہ سد سے ورے اس کو ترک کر دیا (چھوڑ دیا) گیا تھا۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے حضرت نوح کے تین بیٹے تھے سام، حام، یافث۔ سارے عرب فارس اور روم والے سام کی نسل سے ہیں اور حام کی نسل سے حبش زنج اور نوبہ کے لوگ ہیں (یعنی سارا افریقہ حام کی نسل سے ہے) اور یافث کی نسل سے ترک خزر صحالیہ اور یاجوج ماجوج ہیں۔

حضرت ابن عباس کا قول عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ سارے آدمی تو ایک حصہ ہیں اور یاجوج ماجوج دس حصے (یعنی یاجوج ماجوج کی تعداد باقی انسانوں سے دس گنا زیادہ ہے)

حضرت حدیفہ کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یاجوج (ایک الگ) قوم ہے اور ماجوج (دوسری) قوم ہے ہر ایک کی تعداد چار سو ہزار (چار لاکھ) ہے وہ سب آدم کی اولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی پشت (یعنی نسل) سے پیدا شدہ ایک ہزار آدمی ایسے نہ دیکھ لے جو ہتھیار اٹھانے کے قابل ہوں (یعنی جوان ہوں) یہ لوگ غیر آباد دنیا کی طرف پھلتے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب ذوالقرنین نے دیوار بنوائی تھی اور یاجوج ماجوج کی ادھر آنے سے بندش کر دی تھی تو اس وقت ان کے دو گروہ تھے ہر گروہ کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی تھی اس کے بعد کتنی ہو گئی تو ظاہر ہے کہ جب ہر شخص اپنی نسل کے ایک ہزار آدمی چھوڑ کر مرتا ہے تو ان کی گنتی کون کر سکتا ہے۔

(یَسِيرُونَ إِلَى خُرَابِ الدُّنْيَا كَمَا يَكُونُ مَعْنَى هِيَ) (یہ فقیر اس ترجمہ کو بعید از فہم جانتا ہے) واللہ اعلم۔

بغوی نے لکھا ہے یاجوج ماجوج تین طرح ہیں ایک قسم تو درخت ارز کے برابر ہے، ان میں سے ہر شخص کا قد ایک سو بیس ہاتھ لمبا ہے۔ دوسری قسم کا طول و عرض برابر ہوتا ہے۔ ۱۳۰ ہاتھ لمبا اور اتنا ہی چوڑا، ان کے سامنے کوئی پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ تیسری قسم وہ ہے جو ایک کان بچھاتے اور ایک کان اوڑھتے ہیں (قیامت کے قریب جب یہ برآمد ہوں گے تو) جو گھوڑا یا خنزیر یا جنگلی وحشی جانور ان کے سامنے آجائے گا اس کو بغیر کھائے نہیں چھوڑیں گے ان میں سے جو کوئی مرتا ہے اس کو کھا لیتے ہیں ان کا اگلا دستہ شام میں اور پچھلا حصہ خراسان میں ہوگا، مشرق کے تمام دریاؤں اور بحیرہ طبریہ (بحیرہ مردار) کا پانی پی جائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت علیؑ نے فرمایا ان میں سے بعض کا طول ایک بالشت اور عرض ایک ہاتھ ہے اور بعض بہت زیادہ لمبے ہیں۔

کعب احبار نے کہا وہ اولاد آدم میں ایک عجیب مخلوق ہیں۔ ایک روز حضرت آدمؑ کو احتلام ہوا اور نطفہ مٹی کے ساتھ مخلوط ہو گیا اس نطفہ سے اللہ نے یاجوج ماجوج کو پیدا کر دیا وہ باپ کی طرف سے تو ہمارے (علائی) بھائی ہیں لیکن ہماری ماں کی نسل سے نہیں ہیں۔

بغوی نے وہب بن منبہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ذوالقرنین رومی تھا اور ایک بڑھیا کا بیٹا تھا جو ان ہوا تو نیک مومن بندہ ہو اور اللہ نے اس سے فرمایا میں تجھے ایسی قوموں کی اصلاح کے لئے بھیجوں گا جن کی زبانیں مختلف ہوں گی ان میں سے دو قومیں ایسی ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کے طول کا فاصلہ ہوگا ایک غروب آفتاب کے مقام پر ہوگی جس کو ناسک کہا جائے گا اور دوسری سورج نکلنے کے مقام پر ہوگی، جس کو منسک کہا جائے گا اور دو قومیں اور ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کا عرض فاصل ہوگا جنوب کی طرف والی قوم کو ہادیل کہا جائے گا اور شمال والی کو قادیل، باقی اقوام وسط ارض پر آباد ہوں گی جن میں جنات بھی ہوں گے، اور انسان بھی اور یاجوج ماجوج بھی۔ ذوالقرنین نے عرض کیا پھر کس قوم کو ساتھ لے کر میں ان سے قوت اور

کثرت میں مقابلہ کروں گا اور کس زبان میں ان سے گفتگو کروں گا، اللہ نے فرمایا میں تجھے طاقت عطا کروں گا، تیری زبان میں پھیلا دوں گا اور تیرا بازو مضبوط کر دوں گا تجھے کوئی چیز خوف زدہ نہ کرے گی تجھے ہیبت کا لباس پہناؤں گا کہ تجھے کوئی شے روک نہ سکے گی، میں نور و ظلمت کو تیرا فرماں بردار بنا دوں گا اور دونوں کو تیرا مددگار کر دوں گا۔ نور تجھے آگے آگے راستہ دکھائے گا اور تاریکی پیچھے پیچھے سے تجھے گھیرے میں لیتی رہے گی۔ حسب الحکم ذوالقرنین چلے یا اور آفتاب کے غروب ہونے کے مقام تک پہنچ گیا، وہاں اس کو دشمنوں کی ایک جماعت ملی جو پیشتر تھی ان کی کنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ ذوالقرنین نے ظلمت سے مدد لے کر ان سے مقابلہ کیا سب کو ایک جگہ جمع کر کے اللہ کی عبادت کی ان کو دعوت دی کچھ لوگوں نے دعوت کو مان لیا کچھ کترا گئے جو لوگ روگرداں ہو گئے، ان پر ذوالقرنین نے ظلمت کو مسلط کر دیا تاریکی ان کے پیٹوں اور گھروں کے اندر گھس گئی، آخر وہ ذوالقرنین کی دعوت میں داخل ہو گئے، اسی جگہ مغرب والوں کا ذوالقرنین نے ایک لشکر تیار کیا اور اس کو ساتھ لے کر ہاولیل (جنوبی قوم کے پاس پہنچ گیا اور یہاں بھی وہی سلوک کیا جیسا ناسک کے ساتھ کیا تھا پھر منک کی طرف گیا جو طلوع آفتاب کے مقام کے قریب آباد تھے، یہاں پہنچ کر ذوالقرنین اور اسکے لشکر نے وہی عمل کیا جو مذکورہ دونوں قوموں کے ساتھ کر چکا تھا، پھر قادیل (شمالی قوم) کی طرف رخ کیا اور ان سے بھی وہی معاملہ کیا جو مندرجہ بالا اقوام کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد وسطی اقوام کی طرف توجہ کی مشرقی جانب ترکوں کی سرحد پر پہنچا تو وہاں نیک ایمان دار آدمیوں کا ایک گروہ اس کے پاس آیا اور کہا ذوالقرنین ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مخلوق ایسی ہے جو بہائم (چوپایوں) کی طرح ہے اور درندوں کی طرح ان کے نوکیلے دانت اور کچلیاں ہیں، سانپوں اور بچھوؤں کو کھا جاتے ہیں اور گھوڑوں، گدھوں اور جنگلی جانوروں کو پھاڑ کھاتے ہیں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کسی مخلوق کی اتنی تعداد نہیں ہے اور اتنی ہی ان کی افزونی ہے کہ کسی مخلوق کی نہیں ہے، وہ ہماری سر زمین پر آجاتے ہیں، تسلط جماتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں، کیا ہم آپ کیلئے چندہ کر کے رقم جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند بنا دیں، ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے جو مجھے طاقت (دولت وغیرہ) عطا فرمائی ہے وہ (تمہارے چندہ سے) بہتر ہے تم لوگ میرے لئے پتھر کی چٹانیں اور لوہا اور تانبا فراہم کر دو اور میں جا کر ان کے حالات معلوم کرتا ہوں۔ یہاں سے ذوالقرنین ان لوگوں کے احوال دریافت کرنے کیلئے چلا اور ان کی بستیوں کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قد کے ہیں ہمارے متوسط القامت آدمی کے طول سے ان کا طول قامت آدھا ہے ان کے نیچے اور نوکیلے دانت اور کچلیاں درندوں کی طرح ہیں۔ اور سارے بدن پر سخت بال اتنی کثرت سے ہیں کہ جسم کو چھپائے ہوئے ہیں، سردی گرمی سے بچاؤ ان کو ان بالوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر شخص کے دو بڑے بڑے کان ہیں ایک کان بچھاتا ہے ایک اوڑھتا ہے۔ ان کانوں ہی سے موسم گرم اور سرما میں کام چلاتا ہے، جہاں جمع ہوتے ہیں آپس میں جانوروں کی طرح جماع کرتے ہیں۔ ذوالقرنین یہ کیفیت دیکھ کر لوٹ آیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان پہنچ کر اس نے پیمائش کی پھر پانی تک بنیاد کھدوا کر پتھر کی چٹانوں سے اس کو بھر دیا اور تانبا پگھلا کر اس سے مصالحہ کا کام لیا، اس طرح دیوار مکمل ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے نیچے سے ایک پہاڑ پھوٹ آیا ہے (یہ سب اسرائیلی خرافات ہیں۔ بیضاوی)

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰی اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۱۶﴾

سو کیا ہم لوگ آپ کے لئے کچھ چندہ جمع کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنا دیں (کہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں)

خَرْج اور خَرَج دونوں ہم معنی ہیں، مزدوری، اجرت، ابو عمرو نے کہا خَرَج وہ چیز ہے جس کا ادا کرنا تم پر لازم ہو اور خَرْج وہ چیز ہے جس کو دے کر تم دوسرے کو راغب بناتے ہو۔ بعض نے کہا خَرَج زمین کا ٹیکس اور خَرْج فی کس شخصی ٹیکس ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں اِدْخَرَج رَاسِيْكَ وَخَرَج مَدِيْنَتِكَ اپنی ذات کا خَرْج (پرسن ٹیکس) ادا کرو اور اپنے شہر کا خَرَج۔ بعض نے کہا جو چیز زمین پر لازم ہو یا شخصی طور پر وہ خَرَج ہے اور خَرْج مصدر ہے۔



سَدًّا لِّعَنِي اِیسی دیوار اور بندش کہ یا جوج و ما جوج پھر اوہرنہ آسکیں۔

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرًا عَيْنُونِي بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝۱۶ اَنْتُونِي زُبْرًا الْحَدِيدِ

ذوالقرنین نے کہا جس مال میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا

ہے وہ بہت کچھ ہے (سومال کی تو مجھے ضرورت نہیں) البتہ ہاتھ پاؤں سے تم لوگ میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا تم لوگ مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔

مَا مَكَّنِّي لِّعَنِي مال اور دولت سے اللہ نے جو کچھ مجھے عنایت کیا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جو بطور معاوضہ تم مجھے دینے

کو کہہ رہے ہو۔

قُوَّةٌ سے مراد معمار، مزدور، کارکن یا آلات

رَدْمًا بہت مضبوط دیوار (تہہ برتہ جتنی ہوئی)

زُبْرًا الْحَدِيدِ لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے، زُبْرًا کا واحد زُبْرَةٌ ہے زُبْرَةٌ بڑا ٹکڑا۔

اَنْتُونِي زُبْرًا الْحَدِيدِ مجھے لوہے کے ٹکڑے لا دو، مطلب یہ کہ مالی مدد کی اور معاوضہ کی مجھے ضرورت نہیں، تم لوگ جسمانی اور آلائی مدد کرو۔ لوگ لوہے کی چادریں یا ٹکڑے لے آئے، لکڑیاں اور کونکے بھی ساتھ لائے۔ ذوالقرنین نے لوہے لکڑی اور کونکوں کو تہہ برتہ چنا اور لوہا پھر نیچے لکڑی پھر کونکے پھر لوہا پھر لکڑی۔

حَتَّىٰ اِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّىٰ اِذَا جَعَلَهُ نَارًا اَقَالَ اَنْتُونِي اَفْرِغْ عَلَيْهِ قَطْرًا ۝۱۷

یہاں تک کہ جب (ردے ملاتے ملاتے) ان کے دونوں سروں (کے بیچ

کے خلا) کو برابر کر دیا تو کہا دو ٹکڑے (دھونکنے شروع ہو گیا، یہاں تک کہ جب (دھونکنے دھونکنے) اس کو لال انگارہ کر دیا تو کہا اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ کہ اس پر میں ڈال دوں۔

صَدَفَيْنِ دونوں کنارے صَدَفٌ جھکاؤ، میلان۔ تصادف آمنے سامنے ہونا۔ اَفْرِغْ میں ڈال دوں۔ اَفْرَاحٌ بھوننا، بہا دینا، قَطْرٌ پگھلا ہوا تانبہ۔ لوگ تانبہ لے آئے، پھر پگھلا ہوا تانبہ دہکتے ہوئے لوہے پر ڈال دیا گیا، آگ سے لکڑی اور کونکے جل گیا، پگھلے ہوئے تانبے نے اس کی جگہ لے لی اس طرح لوہے کی اینٹیں پگھلے ہوئے تانبے کے مصالحہ سے باہم پیوست ہو گئیں اور ایک آہنی دیوار پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئی۔ بغوی نے لکھا ہے اس دیوار کی چوڑائی، پچاس ہاتھ، اونچائی سو ہاتھ اور لمبائی ایک فرسخ تھی۔ یہ کام تمام کاریگروں اور معماروں کا تھا، لیکن ذوالقرنین کی تدبیر اور حکم سے ہو اس لئے آیت میں دیوار تیار کرنے کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔

فَمَا اسْطَاعُوا اَنْ يُّظْهِرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا اِلَّا نَقْبًا ۝۱۸

اس کے بعد یا جوج و

ما جوج (دیوار اونچی اور چکنی ہونے کی وجہ سے) اس پر چڑھ نہ سکے اور نہ (سخت مضبوط آہنی ہونے کی وجہ سے) اس میں سوراخ کر سکے۔

قَالَ هٰذَا اِرْحَمَةٌ مِّنْ رَبِّيْ

ذوالقرنین نے کہا یہ (یعنی دیوار اور اس کو بنانے کی قدرت دینا) میرے

رب کی (اپنے بندوں پر رحمت ہے۔

فَاِذَا جَاءَ وَعَدُ رَبِّيْ جَعَلَهُ دَكَّاءَ

پھر جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو اس دیوار کو وہ

زمین کے ساتھ ہموار کر دے گا۔ وعدہ رب سے مراد ہے یا جوج و ما جوج کے خروج کا وقت یا قرب قیامت۔ دَكٌّ مہدر ہے بمعنی مدکوک یعنی زمین پر پھیلا کر اس کو ہموار کر دے گا۔

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝۱۹

اور میرے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ بغوی نے لکھا ہے ذوالقرنین کے قصہ

میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین ظلمات میں گھس گیا پھر لوٹ کر آیا تو شہر زور میں اس کی وفات ہو گئی۔

بعض کا قول ہے کہ ذوالقرنین کی عمر کچھ اوپر تیس برس کی ہوئی۔

بعثت ابو ہریرہؓ کا مرفوع بیان نقل کیا ہے کہ یا جوج و ما جوج روز دیوار کو کاٹتے ہیں اور اتنا کھود چکتے ہیں کہ سورج کی کرنیں (دوسری طرف کی) چمکنے کے قریب ہو جاتی ہیں تو ان کا سردار کہتا ہے اب لوٹ چلو، باقی کل کو کھود لیں گے لوگ چلے جاتے ہیں۔ رات میں اللہ دیوار کو پھر حسب سابق کر دیتا ہے، دوسرے دن آکر وہ پھر کھودتے ہیں اور اتنا کھودتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے کے قریب ہو جاتی ہے تو سردار روک دیتا ہے اور کہتا ہے اب واپس چلو کل کو اس کی تکمیل کر لیں گے سب واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ رات میں پھر دیوار کو پہلے کی طرح کر دیتا ہے روزانہ ایسا ہی کرتے ہیں جب مقررہ وقت آجائے گا اور حسب معمول دیوار کو کھود کر اتنا کر دیں گے کہ ایک ورق رہ جائے گا۔ قریب ہو گا کہ پار کی روشنی نظر آجائے اور سردار ان سے کہے گا اب واپس چلو کل کو انشاء اللہ ہم اس کو کھود دیں گے۔ انشاء اللہ کہنے کا یہ اثر ہو گا کہ واقعی دوسرے دن آکر دیکھیں گے کہ دیوار کو جس طرح (ورق کی برابر) چھوڑ کر گئے تھے ویسی ہی ہے۔ پس بقیہ دیوار کو بھی کھود دیں گے اور پار نکل آئیں گے۔ اور جہاں جہاں پانی ہو گا ان مقامات کی تلاش کر کے پہنچیں گے (سارے تالابوں، چشموں، کنوؤں اور جھیلوں دریاؤں کا پانی پی جائیں گے) لوگ ان کے خوف سے قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہیں گے وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور اللہ ان کے تیروں کو ایسا سرخ کر کے لوٹا دے گا جیسے وہ خون آلود ہوں (اور کسی شکار کے لگ کر واپس لوٹے ہوں) وہ خوش ہو کر کہیں گے ہم زمین والوں پر بھی غالب آگئے اور آسمان والوں پر بھی اس کے بعد اللہ ان کی گدیوں (گردنوں کے پچھلے حصہ) میں گلٹیاں (یعنی وہ کیڑے جو اونٹ، بکری وغیرہ کی ناک میں پیدا ہو کر باعث ہلاکت ہوتے ہیں اور انسان کی گردن بغل وغیرہ میں داخل ہو کر گلٹیوں اور سرطانی زخموں کی شکل میں برآمد ہوتے ہیں) برآمد کر دے گا۔ سب مرجائیں گے۔

مسلم نے حضرت نواس بن سمران کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار صبح کے وقت دجال کا ذکر کیا (دوران ذکر میں) حضور ﷺ کی آواز پست بھی ہو جاتی تھی اور اٹھ بھی جاتی تھی یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ دجال (یہیں) نخلستان میں موجود ہے۔ پھر (دوسرے وقت) جب ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے (خوف کا اثر ہمارے اندر پہچان لیا اور) فرمایا تم لوگوں کا کیا حال ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے دجال کا تذکرہ کیا تھا اور حضور کی آواز میں پستی بھی تھی اور بلندی بھی اس سے ہمارا خیال ہوا کہ وہ کہیں (اس جگہ) نخلستان میں ہی ہے۔ فرمایا دجال کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو تمہارے لئے زیادہ خوفناک ہے دجال تو میری زندگی میں اگر برآمد ہو گیا تو تمہاری طرف سے میں اس کا مقابلہ کر لوں گا اور میں نہ ہوا تو اس وقت ہر شخص خود اپنی طرف سے اس کا مقابلہ کرے گا اور اللہ میری طرف سے ہر مسلمان کا محافظ ہے۔ دجال ایک ثولیدہ نوجوان ہو گا اس کی ایک آنکھ پٹ ہو گی۔ میرے نزدیک وہ عبد العزی بن قطن سے ملتا جلتا ہو گا، جو شخص اس کو پائے تو سورہ کہف کی ابتدائی آیات اس کے سامنے پڑھے۔ وہ عراق اور شام کے درمیان برآمد ہو گا اور دائیں بائیں لوٹ اور تباہی مچائے گا۔ اللہ کے بندو تم (ایمان پر) ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کا قیام زمین پر کتنی مدت رہے گا۔ فرمایا چالیس دن۔ جن میں ایک دن ایک سال کے برابر ہو گا۔ ایک دن ایک مہینے کی برابر، ایک دن ایک ہفتے کی برابر اور باقی ایام تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا جو دن سال کے برابر ہو گا کیا اس میں ہمارے لئے صرف ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی۔ فرمایا نہیں مقدار کا اندازہ کر لینا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی سرعت رفتار کی کیا حالت ہو گی، فرمایا جیسے بادل جس کے پیچھے آندھی ہو۔ کچھ لوگوں کی طرف سے اس کا گزر ہو گا۔ ان کو وہ اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے گا وہ مان لیں گے۔ دجال آسمان کو حکم دے گا ان پر بارش ہو جائے۔ فوراً بارش ہو جائے گی۔ زمین کو حکم دے گا سبزہ پیدا کر۔ فوراً زمین سرسبز ہو جائے گی۔ ان کے اونٹ جنگل سے چر کر واپس لوٹیں گے تو ان کے کوہان خوب اونچے، تھن خوب لمبے دودھ سے بھرے ہوئے اور کوھیں (چارہ کھانے کی وجہ سے) پھولی ہوں گی۔ اس کے بعد دجال کا گزر ایک اور قوم کی طرف ہو گا اور وہ ان کو دعوت دے گا وہ لوگ دجال کی دعوت کو رد کر دیں گے۔ جب دجال ان کے پاس سے لوٹے گا تو فوراً وہ

سب قحظ زدہ ہو جائیں گے۔ کوئی چیز ان کے مال میں سے باقی نہیں رہے گا دجال ویرانے کی طرف سے گزرے گا اور حکم دے گا اپنے دینے برآمد کر دے۔ فوراً ویرانے سے دینے نکل کر شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو جائیں گے۔ پھر دجال ایک شخص کو طلب کرے گا جو جوانی سے بھرپور ہو گا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر کے علیحدہ علیحدہ دو طرف کورسانی تیر کے فاصلے پر رکھ دے گا اور (اس شخص کو) آواز دے گا (دونوں ٹکڑے جڑ کر) وہ شخص زندہ ہو جائے گا، اور ہنستا کھلکھلاتا چلا آئے گا، دجال اسی حال میں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ، عیسیٰ بن مریم کو بھیج دے گا۔ آپ دمشق کے مشرقی جانب سفید میناروں کے پاس (یا منارے پر) دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے اتریں گے، سر جھکائیں گے تب اور سر اٹھائیں گے تب پسینے کے قطرے چاندی کے موتیوں کی طرح آپ کے چہرے سے لڑھک کر گریں گے آپ کے سانس کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نگاہ پہنچے گی۔ حضرت عیسیٰ دجال کی تلاش کریں گے اور لد (ایک بستی کا نام جو فلسطین میں ہے) کے پاس پہنچ کر دجال کو قتل کریں گے اس کے بعد آپ ان لوگوں کے پاس پہنچیں گے جن کو اللہ نے دجال کے شر سے محفوظ رکھا ہو گا ان کے چہروں سے غبار صاف کریں گے اور جنت میں ان کے درجات جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں اس کی بشارت دیں گے، اسی دوران میں حضرت عیسیٰ کے پاس وحی آئے گی کہ میں (سد ذوالقرنین سے) اپنے ان بندوں کو نکال کر لے آیا ہوں جن سے لڑنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے (یعنی سد ٹوٹ گیا اور یاجوج و ماجوج اندر آگئے ہیں) آپ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر حصار بند ہو جائیں۔ حضرت عیسیٰ حکم کی تعمیل کریں گے یاجوج و ماجوج آجائیں گے ہر ٹیلہ کی آڑ سے نکل کر پھیل پڑیں گے ان کا اگلا گروہ بحیرہ طبریہ (بحیرہ مردار) پر پہنچ کر تمام پانی پی جائے گا۔ پچھلا گروہ جب بحیرہ طبریہ پر پہنچے گا تو وہ کہے گا یہاں بھی پانی ضرور تھا (یعنی صرف یہی کو دیکھ کر ان کی یہ رائے ہو گی کہ ہاں بھی پانی ضرور تھا) حضرت عیسیٰ اپنے ساتھیوں کو لئے حصار بند رہیں گے (اور پہاڑ پر اتنی غذائی قلت ہو جائے گی کہ) جتنی سودینار کی تم لوگوں کی نظر میں آج قیمت تھی اس سے زیادہ اس زمانہ میں گائے بیل کی ایک سری کی ان کی نظر میں قدر ہو گی۔ حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی اللہ سے دعا کرتے رہیں گے، آخر اللہ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں جراثیمی پھنسیاں پیدا کر دے گا جن کی وجہ سے وہ سب کے سب یکدم ایک آدمی کی طرح مرجائیں گے۔ حضرت عیسیٰ ساتھیوں کو لے کر پہاڑ سے نیچے اتریں گے لیکن ان کو زمین پر ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں (یاجوج و ماجوج کی لاشوں کی) عفونت اور سڑاند پھیلی ہوئی نہ ہو آپ اور آپ کے ساتھی دعا کریں گے اللہ ایسے پرندے بھیج دے گا جو سختی اونٹوں کی گردنوں جیسے ہوں گے یہ پرندے تمام لاشوں کو اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ کی مرضی ہو گی، پھر بحکم خدا ایک عظیم بارش ہو گی جو ہر گھر میں پہنچے گی ڈیرہ، خیمہ ہو یا مٹی کا بنا ہوا مکان، بارش کو کوئی آڑ روک نہ سکے گی بارش سے ساری زمین دھل کر صاف چکنی ہو جائے گی، پھر اللہ کے حکم سے زمین میں غلہ اور پھلوں کی خوب پیداوار ہو گی اور حاصل ارضی میں بڑی برکت ہو گی اور یہ حالت ہو جائے گی کہ ایک اٹار ایک گروہ کے کھانے کے لئے کافی ہو گا اور اس کا چھلکا ایک جماعت کے لئے ساکنان کا کام دے گا۔ دودھ میں بھی بڑی برکت ہو گی ایک اونٹنی کا دودھ ڈھیروں آدمیوں کے لئے کافی ہو گا اور ایک گائے کا دودھ پورے قبیلہ کو اور ایک بکری کا دودھ قبیلہ کی ایک شاخ کے لئے کفایت کرے گا۔ اسی حالت میں اللہ ایک خوشگوار خوشبودار ہوا چلا دے گا اور یہ ہوا ہر شخص کے بغل کے نیچے (یعنی پہلو پر) لگے گی جو مومن اور مسلم ہو گا اس کی روح ہوا کا جھونکا لگتے ہی پرواز کر جائے گی اور صرف برے لوگ زمین پر رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح لڑتے رہیں گے انہی پر قیامت برپا ہو گی۔ مسلم کی دوسری روایت میں اتنا اور آیا ہے کہ طبریہ جھیل پر پہنچ کر پچھلا گروہ کہے گا یہاں بھی پانی تھا۔ اس کے بعد یاجوج و ماجوج کوہ خمر پر پہنچیں گے کوہ خمر بیت المقدس کے ایک پہاڑ کا نام ہے وہاں پہنچ کر کہیں گے ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں یہ کہہ کر آسمان کی طرف چھوٹے تیر پھینکیں گے اللہ ان کے تیروں کو خون سے رنگین کر کے لوٹا دے گا (تیروں کو خون سے رنگا ہوا دیکھ کر وہ خوش ہو جائیں گے) ترمذی کی روایت میں ہے کہ پرندے ان کی لاشوں کو اٹھا کر گڑھوں اور غاروں میں پھینک دیں گے اور مسلمان ان کے تیروں، کمانوں اور ترکشوں کو سات برس تک ایندھن

کے طور پر جلائیں گے۔ بغوی نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہب نے بیان کیا پھر یا جوج و ما جوج سمندر پر پہنچ کر اس کا پانی پی جائیں گے اور سارے سمندری چوپائے اور جانور کھا جائیں گے۔ یہاں تک کہ لکڑیاں اور درخت بھی اور جو آدمی ان کے پتے میں آجائے گا اس کو بھی کھا جائیں گے لیکن مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس میں نہیں پہنچ سکیں گے۔ بخاری نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوج و ما جوج کے بعد کعبہ کا حج اور عمرہ کیا جائے گا۔

اور ہم اس روز ان کی یہ حالت کریں گے کہ

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ

ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائیں گے۔

بعض علماء نے کہا یہ واقعہ اس وقت ہو گا جب یا جوج و ما جوج سد کو توڑ چکے ہوں گے یعنی دیوار توڑ کر یا جوج و ما جوج پانی کی طرح لہریں مارتے داخل ہوں گے کثرت اور ریل پیل کی وجہ سے ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہے گا اور آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ بعض کا قول ہے کہ ایسا واقعہ اس وقت ہو گا کہ قیامت پھا ہو جائے گی اور لوگ قبروں سے باہر آجائیں گے۔ اور جنات بھی انسانوں کے ساتھ گڈمڈ ہو جائیں گے اور سب حیرت میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اس تفسیر کی تائید آئندہ آیت سے ہو رہی ہے۔

اور (قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھانے کے لئے) صور پھونکا جائے گا۔ یہ وقت

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ

قیامت برپا ہونے کا ہو گا۔

اور (حساب و سزا و جزا کیلئے) ہم سب مخلوق کو ایک ہموار میدان میں جمع کریں گے۔

فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۝۱۱

اور اس روز جہنم کو ہم

وَعَرْضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝۱۲

کافروں کے بالکل سامنے لے آئیں گے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیں گے۔

جن کی آنکھوں پر میری یاد کی طرف سے

الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي

پردہ پڑا ہوا تھا۔ غطاء کسی چیز کو چھپانے والا پردہ۔ ذکر سے مراد ہے ان دلائل و براہین کو دیکھنا جن سے اللہ کی ذات و صفات کا ثبوت ہو رہا ہے (یعنی ان کی آنکھوں پر غفلت اور ضد اور جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے ان کو اللہ کی ذات و صفات کی توحید و عظمت دکھائی نہیں دیتی تھی)

اور (ان کے کانوں میں ڈائیں تھیں) وہ سن نہیں سکتے تھے

وَكَانُوا لَا يَسْمَعُونَ سَمْعًا ۝۱۳

یعنی میری توحید، الوہیت اور ربوبیت کو یاد دلانے والے دلائل اور میرے کلام اور ہدایت آفریں بات کو سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ نے ان کے لئے شقاوت لکھ دی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کے ساتھیوں کی دشمنی اور عناد و ضد کو ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ کافروں کا مدعا تعین اللہ کا اسم مُضِل تھا (یعنی اسم مُضِل کا پر تو ان پر پڑا تھا پس تخلیقاً وہ مظہر ضلالت تھے اس لئے ان کا ہدایت یاب ہونا ناممکن تھا مکمل تشریح ہم کئی مقامات پر کر چکے۔ تعین خلق کے مبادی صفات الہیہ ہیں۔ صفات الہیہ کا پر تو مخلوق پر پڑا ہے جس کی وجہ سے کوئی ہدایت یافتہ اور کوئی گمراہ ہو گیا، یہ تفصیل کئی جگہ کر دی گئی ہے)

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِ أَوْلِيَاءِ ۝۱۴

سو کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز (یعنی معبود و حاجت روا) قرار دیں۔

عبادی سے مراد ہیں فرشتے، مسیح، عزیز۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ شیطان مراد ہیں جن کی اطاعت اللہ کے سوا کفار کرتے ہیں۔ مقاتل کے نزدیک بت مراد ہیں بتوں کو اس جگہ اصنام کہا گیا اسی طرح جس طرح آیت إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ فِي سَمْعِهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ اولیاء یعنی کارساز، رب یا سفارشی، شفاعت کرنے والے۔ استفہام انکاری ہے یعنی کافر جیسا خیال کرتے ہیں واقعہ ایسا نہیں ہے ان کے معبود ان کے دشمن ہیں قیامت کے دن ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے، نیک بندے تو کافروں کے دشمن ہی ہیں اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ رہے شیاطین اور بت تو یہ بھی

قیامت کے دن باہم تکفیر کریں گے، ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور اپنے پرستاروں سے سب اظہار نفرت و براءت کریں گے۔  
 اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿۱۷﴾  
 رکھا ہے۔

نزل مقام نزول یا طعام مہمانی۔ آیت میں کافروں کے لئے استہزاء کے طور پر جہنم کو طعام ضیافت قرار دیا گیا ہے۔  
 قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِينَ اَعْمَالًا ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ  
 يُحْسِبُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۸﴾

آپ کہہ دیجئے کیا ہم تم کو بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھائے میں کون لوگ ہوں گے۔ سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہوں گے کہ دنیوی زندگی میں کی ہوئی ان کی ساری کوششیں (اکارت اور رائیگاں) جائیں گی اور وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا آیت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں سے مراد ہیں عیسائی اور یہودی جو اپنے گروہ کو حق پر سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی شریعت منسوخ ہو چکی۔ بعض کے نزدیک وہ تارک الدنیا خانقاہ نشین راہب مراد ہیں جو اپنے خیال میں آخرت کے طالب اور لذائذ دنیا سے روگرداں ہیں حالانکہ وہ شریعت اسلامیہ کے منکر ہیں ان کی یہ ساری کوششیں سراب اور ناکارہ ثابت ہوں گی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا حروراء والے (یعنی خارجی) مراد ہیں خارجیوں کا فرقہ ہی سب سے پہلا گروہ تھا جس نے صحابہ کرام اور صحابہ کے رفقاء کے خلاف بغاوت کی اور بغاوت کو حق سمجھا۔ حضرت علیؑ کے اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں بدعتی اور نفسانی میلانات کے پرستار مراد ہیں (جن کے سرگروہ اور موسس خارجی تھے) پس معتزلہ، روافض اور اہل سنت کے تمام مخالف اسی حکم میں داخل ہیں۔ میں کہتا ہوں آیت کا کھلا ہوا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں کفار مراد ہیں جو قیامت قائم ہونے اور دوسری جسمانی زندگی پانے کے منکر تھے اور دنیوی فائدہ ہی ان کا مقصود زندگی تھا اس زندگی کے منافع جن طریقوں سے وابستہ ان کو نظر آتے تھے انہی راستوں پر چلتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ اس دنیا کے سوا کوئی اور زندگی نہیں اگر کوئی شخص آخرت کی تمنا میں ایسے کام کرتا ہے جن سے دنیوی منافع میں نقصان ہوتا ہے تو ایسا آدمی بیوقوف ہے۔

یہ ہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب  
 اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَايٰهِ  
 کی آیات اور اللہ سے ملنے کا انکار کیا۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے منکر ہوئے۔ آیت میں (در پردہ ان لوگوں پر بھی تشبیح ہے جو قیامت اور حشر و نشر کے تو قائل ہیں، لیکن اعمال دنیوی کو اعمال اخروی پر ترجیح دیتے ہیں، ہمیشہ ساری زندگی دنیا کو سنبھالنے اور سنوارنے میں لگائے رکھتے ہیں، آخرت کا ان کو تصور بھی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہو شیار وہ آدمی ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے حکم کا تابع رکھا اور مرنے کے بعد (والی زندگی) کے لئے کام کئے اور بے عقل وہ آدمی ہے جو نفس کا پیروں اور اللہ پر اس نے (جھوٹی) آرزو بندی کی (یعنی اللہ کی تمہارے اور عذاب دینے کی طرف سے غافل رہا اور جو دل چاہا وہ کیا اور یہ خیال کر لیا کہ اللہ رحیم ہے کریم ہے وہ یقیناً معاف کر ہی دے گا) رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ و الحاكم بسند صحیح عن انس۔  
 اگر آیت میں یہودی اور عیسائی مراد ہوں تو آیات رب اور ملاقات رب کے انکار کا یہ مطلب ہو گا کہ (اگرچہ یہ لوگ قیامت کا اقرار کرتے ہیں مگر) قیامت کی جو واقعی تشریح ہے اس کے منکر ہیں یا (اپنے گروہ کے لئے) عذاب پانے کے منکر ہیں۔  
 فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْنًا ﴿۱۸﴾  
 سارے اعمال غارت ہو گئے قیامت کے روز ہم ان کے نیک اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔

اَعْمَالُهُمْ یعنی وہ کام جو دنیا کمانے کے لئے انہوں نے کئے تھے یا وہ اعمال جو اخروی ثواب کی خاطر انہوں نے کئے تھے، لیکن ثواب سے محروم رہیں گے، کیونکہ نیک اعمال قبول ہونے کی بنیادی شرط ایمان ہے اور وہ کافر تھے، وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ اللہ ان کے ان اعمال کا اعتبار نہیں کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) بعض بڑے موٹے آدمی ایسے آئیں گے کہ چھھر کے پر کی برابر بھی اللہ کے نزدیک ان کا وزن نہ ہوگا (اس کی تصدیق کے لئے) پڑھو فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا رواہ البخاری و مسلم و فی الصحیحین۔

ابو نعیم اور اجزی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ بعض طاقت ور، مضبوط، پر خور آدمیوں کو (قیامت کے دن میزان (کے پلڑہ) میں رکھا جائے گا لیکن اس کا وزن جو برابر بھی نہ ہوگا، فرشتہ ایسے ستر ہزار آدمیوں کو ایک ہی دھکا دے کر پھینک دے گا۔ یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کے اعمال تو لے کے لئے میزان قائم ہی نہیں کی جائے گی۔ ان کے اعمال کی وزن کشی ہی نہیں ہوگی بلکہ بغیر وزن کئے ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جن اعمال کو وہ نیکیاں خیال کرتے ہیں میزان عدل میں ان اعمال کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

بغوی نے ابو سعید خدریؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال لے کر آئیں گے جو ان کی نظر میں اتنے بڑے ہوں گے جیسے تمامہ کے پہاڑ، لیکن تو لے کے بعد ان کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا، یہی مطلب ہے آیت فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔

سیوطی نے لکھا ہے کیا اعمال کی وزن کشی صرف اہل ایمان کیلئے ہوگی اور کافروں کے اعمال تو لے ہی نہ جائیں گے۔ یا کافروں کے اعمال کی ہی وزن کشی ہوگی۔ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ کچھ علماء اول قول کے قائل ہیں اور کچھ علماء وزن کشی کے عموم کے قائل ہیں۔ اول گروہ اپنے قول کی تائید میں آیت فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کو پیش کرتا ہے۔ دوسرا گروہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ آیت کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے اعمال تو لے نہیں جائیں گے بلکہ مجازی معنی مراد ہے یعنی ان کے اعمال قابل اعتبار نہ ہوں گے۔ کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے وَمَنْ حَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ سے فَكُنْتُمْ بِهَا تُكذَّبُونَ تک۔ سیوطی نے قرطبی کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے اعمال کا وزن ہونا ضروری نہیں (نہ ہر مومن کے اعمال کا، نہ ہر کافر کے اعمال کا) جو لوگ بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے ان کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا (جب حساب ہی نہیں تو وزن کیسا) اسی طرح کچھ لوگ بلا حساب دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے ان کے اعمال کا بھی وزن نہ ہوگا۔ انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ الْخ۔ علامہ سیوطی نے فرمایا قرطبی کا یہ قول جامع ہے اور دونوں آیات میں تضاد کو دور کرتا ہے، جس فریق کو فوراً جہنم میں بھیج دیا جائے گا اس کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا۔ باقی کافروں کے اعمال تو لے کیلئے میزان قائم کی جائے گی۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں شاید جن کافروں کا آیت مذکورہ میں ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد منافق اور اہل کتاب ہوں۔ منافق تو قیامت کے دن (شروع میں چھٹائی سے پہلے) مسلمانوں کے گروہ میں شامل رہیں گے اور اہل کتاب کسی دوسرے معبود کی طرف مشرکوں کی طرح نہیں جائیں گے۔ ہر مشرک اس معبود کے پیچھے چلا جائے گا جس کو وہ پوجا کرتا تھا اہل کتاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

ذَلِكَ جَزَاءُ الَّذِينَ جَاءُوا بِمَآكِفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝۱۳

(بلکہ ان کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔ ذلک یعنی بات یہی ہے۔ بِمَا كَفَرُوا میں ما مصدری سے اور با سببی یعنی کفر کرنے اور میرے احکام اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنانے کے سبب ان کی سزا جہنم ہوگی۔ ہُزُوا وہ چیز یا شخص جس کا مذاق بنایا جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝۱۴

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے۔ كَانَتْ لَهُمْ یعنی اللہ کے سابق حکم اور وعدہ میں جنات فردوس نیکو کار مومنوں کا مسکن ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ سے مانگا کرو تو فردوس ملنے کی دعا کیا کرو کیونکہ وہ جنت کے وسط میں ہے اور دوسری

جنتوں سے اعلیٰ ہے، اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ متفق علیہ۔  
ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان، فردوس  
جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہے جب اللہ سے تم (جنت ملنے  
کی) دعا کیا کرو تو فردوس کی دعا کیا کرو۔

بزار نے حضرت عرباض بن ساریہ کے حوالہ سے اور طبرانی نے حضرت ابولہامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ  
نے فرمایا جب اللہ سے تم دعا کرو تو (جنت) فردوس مانگا کرو وہ دوسری ساری جنتوں سے اونچی ہے۔ حضرت ابولہامہؓ کی روایت میں  
اتنا اور بھی ہے کہ فردوس والے عرش کی چڑچڑاہٹ سنتے ہیں (یعنی فردوس اور عرش کے درمیان کوئی دوسری جنت حائل نہیں ہے)  
بغوی نے حضرت کعب بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ جنتوں میں فردوس سے اونچی کوئی جنت نہیں ہے۔ بھلائی کا حکم دینے  
والے اور برائی سے روکنے والے اسی میں داخل ہوں گے۔ مقاتل نے کہا فردوس جنت کا ٹیلہ (یعنی سب سے بلند) سب سے  
اعلیٰ، سب سے افضل اور سب سے زیادہ پر نعمت ہے۔ امام احمد طرابلسی اور بیہقی نے حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت سے بیان کیا کہ  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فردوس کی چار جنتیں ہیں دو سونے کی جن کی آرائش کی چیزیں اور مکان اور ہر چیز سونے کی ہے اور دو  
جنتیں چاندی کی ہیں۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنت کا نام فردوس ہے لیکن صحیح اول قول ہے (کہ فردوس ایک  
خاص جنت کا نام ہے) اور اس حدیث میں راوی سے کچھ سمجھو ہو گیا ہے (اس لئے ناقابل اعتبار ہے) کیا فردوس سے اس کا لغوی معنی  
مراد ہے۔ کعب نے کہا فردوس لغت میں انگوروں کے باغ کو کہتے ہیں۔ عکرمہ نے کہا حبشی زبان میں فردوس گھنے باغ کو کہا جاتا  
ہے۔ زجاج نے کہا یہ لفظ رومی ہے منقول ہو کر عربی میں استعمال کیا جانے لگا ہے۔ ضحاک نے کہا فردوس اس گھنے باغ کو کہتے ہیں  
جس کے درخت باہم گتھے ہوئے ہوں۔ بعض علماء نے کہا ہر پسندیدہ خوبصورت باغ کو فردوس کہا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک  
فردوس ایسے باغ کو کہتے ہیں جس میں طرح طرح کا سبزہ اگا ہوا ہو فردوس کی جمع فرادیس آتی ہے۔  
فردوس کے یہ تمام لغوی معانی ہیں جو حدیث مذکور میں مراد ہے۔ رہا علمی اور معین اسکی معنی تو وہی ہے جو اول الذکر  
حدیث اور آیت میں مراد ہے یعنی فردوس ایک ایسی جنت کا نام ہے جو سب سے اونچی اور افضل ہے۔

اگر آیت میں فردوس کا لغوی معنی مراد ہو تو نیکو کار اہل ایمان سے بھی عام اہل ایمان مراد ہوں گے اور اگر فردوس سے  
مراد کوئی مخصوص جنت ہو تو اہل ایمان سے مراد کامل حقیقی ایماندار ہوں گے۔ بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ  
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے فردوس کو پیدا کیا اور مشرک نیز دوامی عادی شراب خور کے لئے اس کو  
ممنوع کر دیا۔

ابن ابی الدنیا نے صفت الجنۃ میں حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا اللہ نے تین چیزیں اپنے دست (خاص) سے بنائیں آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا، تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور فردوس کو اپنے  
ہاتھ سے لگایا اور فرمایا قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اسکے اندر نہ کوئی دوامی خور شراب داخل ہوگا، نہ دیوت (بھاڑو) صحابہ نے عرض  
کیا یا رسول اللہ دیوت کا کیا مطلب فرمایا وہ شخص جو اپنی بیوی کے اندر برے کام (یعنی زنا) کو ٹھہرائے (یعنی بیوی کی بھاڑ کھائے)  
وہ جنات الفردوس میں ہمیشہ رہیں گے اس سے ہٹانے  
چاہیں گے۔ کیونکہ جنت سے زیادہ نفس، اعلیٰ، عمدہ کوئی چیز ہی نہیں ہوگی کہ وہ جنت کو چھوڑ کر اس کی طرف راغب ہوں۔ یہ  
بھی ہو سکتا ہے کہ لَا یَبْغُونَ سے خَالِدِیْنِ کی صرف تائید مقصود ہو۔

حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش نے یہودیوں سے (مدینہ میں جا کر) کہا ہم کو کچھ ایسے

سوال بتاؤ کہ ہم جا کر اس شخص سے یعنی رسول اللہ سے بطور امتحان دریافت کریں۔ یہودیوں نے کہا آپ لوگ اس شخص سے روح کے متعلق دریافت کریں۔ قریش نے آکر رسول اللہ سے روح کے متعلق سوال کیا اس پر آیت **قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا** نازل ہوئی یہودی کہنے لگے ہم کو تو علم کثیر حاصل ہے ہم کو توریت دی گئی ہے اور جس کو توریت دی گئی اس کو خیر کثیر مل گئی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

**قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِبِشْرِهِ مَدَدًا ۝۱۹**

آپ کہہ دیجئے کہ سمندر (کا سارا پانی) اگر میرے رب کے (علم و حکمت کے) کلمات (لکھنے) کے لئے روشنائی ہو جائے (اور کلمات رب قلم سے لکھے جائیں) تو کلمات رب کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا (کیونکہ سمندر کا پانی متناہی ہے اس کی مقدار محدود ہے اور کلمات رب لا متناہی اور غیر محدود ہیں) خواہ ہم اس موجود سمندر کی طرح اتنی ہی اس میں زیادتی بھی کر دیں۔ کیونکہ متناہی کا مجموعہ متناہی ہوتا ہے، سمندر متناہی ہے اگر اتنا ہی بڑا ایک اور سمندر اس کے ساتھ ملا دیا جائے اور تمام پانی روشنائی بن جائے تو وہ مجموعہ بھی متناہی ہوگا۔ بلکہ عالم امکان میں جو چیز موجود ہے یا موجود ہونے والی ہے جب وہ موجود ہوگی تو متناہی ہوگی غیر متناہی مقدار کا وجود ہی محال ہے۔

مداد آدھ چیز جس سے دوسری چیز کو مدد پہنچائی جائے جیسے دوات کے لئے روشنائی، چراغ کے لئے تیل، اصل لغت کے لحاظ سے مدد کا معنی ہے زیادتی اور کسی چیز کا تواتر۔

میں کہتا ہوں سات سمندر اور اتنے ہی اور اگر روشنائی بن جائیں اور قلم کے ذریعہ سے اس روشنائی سے اللہ کے کلمات لکھے جائیں تو ناممکن ہے کہ کلمات کے ایک حصہ کے بھی تمام گزشتہ احوال لکھے جاسکیں۔ (کیونکہ جانب ماضی میں ہر حصہ کے احوال انگنت اور نامحدود ہیں) متناہی غیر متناہی کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

بنغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہودیوں نے کہا تھا آپ کا خیال ہے کہ ہم کو حکمت عطا کی گئی ہے اور آپ ہی کی کتاب میں یہ بھی ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اسکو خیر کثیر عطا کر دی گئی۔ پھر اب یہ اختلاف کیسا ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کے علم میں یقیناً خیر کثیر ہے درستی معاش و معاد کی اس کے اندر ہے، لیکن کلمات خداوندی کے سمندر تو اتنا ہوا اور ناپیدا کنار ہیں ان کے مقابلہ میں تو یہ سارا علم ایک قطرہ ہے۔

**قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْكَلِمَاتُ وَاللَّهُ وَاحِدٌ ۝۲۰** آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرح انسان ہی ہوں (فرق یہ ہے کہ) میرے پاس وحی آتی کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے (کوئی اس کا شریک نہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو تواضع کی تعلیم دی تاکہ آپ مغرور نہ ہو جائیں اور حکم دیا کہ اپنے آدمی ہونے کا اقرار کریں لیکن اقرار بشریت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیں کہ میرے اندر صاحب وحی ہونے کی خصوصیت بھی ہے میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

میں کہتا ہوں اس حکم سے ایک بہت بڑے فتنہ کا دروازہ بند ہو گیا جس میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات امت عیسیٰ نے دیکھے اندھوں کو بینا ہوتے، لاعلاج بیماروں کو تندرست ہوتے اور مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا، اللہ نے یہ معجزات حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے ظاہر فرمائے تو عیسائی چکر میں پھنس گئے (کسی نے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور کسی نے جزء الوہیت قرار دیا) رسول اللہ ﷺ کو تو اللہ نے حضرت عیسیٰ کے معجزات سے زیادہ معجزات عطا فرمائے تھے لوگوں کا فتنہ میں پڑ جانا غالب تھا۔ اس لئے حکم دیا کہ اپنی عبودیت اور اللہ کی توحید کا اعلان کر دیں۔

**فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝۲۱**

پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اس کو چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔



یَرْجُو یعنی جو شخص اللہ کے سامنے جانے سے ڈرتا ہو اور اس کے ثواب اور دیدار کا خواہشمند ہو۔ بغوی نے لکھا ہے رَجَاءُ کا معنی خوف بھی ہے اور امید بھی۔ ایک شاعر نے دونوں معنی کے لئے ایک شعر میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

فَلَا كُلُّ مَا تَرْجُو مِنْ الْخَيْرِ كَائِنٌ  
وَلَا كُلُّ مَا تَرْجُو مِنَ الشَّرِّ وَاوَّاقٌ

یہ ضروری نہیں کہ جس خیر کے تم امیدوار ہو وہی جائے اور نہ یہ لازم ہے کہ جس شر سے تم ڈرتے ہو وہ شر واقع ہی ہو جائے، کبھی خیر کی جگہ شر واقع ہو جاتی ہے اور کبھی شر کی جگہ خیر مل جاتی ہے۔ عَمَلًا صَالِحًا یعنی اللہ کی پسند کا کام کرے۔ وَلَا يُشْرِكُ یعنی لوگوں کو دکھانے کیلئے نیک کام نہ کرے، نہ سوائے اللہ کے کسی عمل صالح کی تعریف اور جزا کا کسی سے امیدوار ہو۔

ابن ابی الدنیا نے کتاب الاخلاص میں اور ابن ابی حاتم نے طاؤس کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں موقف (حج) میں کھڑا ہوتا ہوں اللہ کی خوشنودی کا خواستگار ہوتا ہے لیکن یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میرا اس جگہ موجود ہونا دیکھ لیا جائے۔ (یعنی لوگ مجھے اس جگہ کھڑا دیکھ لیں) حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُو الْخَيْرَ نَازِلَ هُوَ۔ حدیث مرسل ہے، حاکم نے مستدرک میں اس کو موصولاً حضرت ابن عباسؓ کی روایت قرار دیا ہے اور شرط شیخین کے مطابق کہا ہے۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان جہاد کرتا تھا، لیکن اس بات کو پسند کرتا تھا کہ جہاد کے اندر اس کی موجودگی کو لوگ دیکھ لیں اس پر آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُو الْخَيْرَ نَازِلَ هُوَ۔

ابن عساکر نے تاریخ میں اور ابو نعیم نے سدی صغیر کے سلسلہ سے بروایت کلبی از ابو صالح بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جناب بن زہیر جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ و خیرات کرتے اور لوگوں میں آپ کی نیکی کا تذکرہ ہوتا تو آپ خوش ہوتے تھے اور خوش ہو کر عمل خیر میں اور زیادتی کرتے تھے اس پر آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُو الْخَيْرَ نَازِلَ هُوَ۔

### ایک شبہ

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے گھر کے اندر جانماز پڑھتا، اچانک ایک آدمی آگیا اور مجھے اس کے آنے سے اس بات پر خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے اس حالت میں یعنی جانماز پڑھتا دیکھا، حضور ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہؓ تیرے اوپر اللہ رحمت کرے تمہارے لئے دو ثواب ہیں ایک ثواب چھپ کر عبادت کرنے کا اور دوسرا ثواب ظاہر ہو جانے کا، ترمذی۔

مسلم نے حضرت ابو ذرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خدمت گرامی میں عرض کیا گیا، فرمائیے اگر کوئی شخص نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو کیا اس کا عمل رائے گاں ہو جائے گا، فرمایا مومن کے لئے یہ فوری دنیوی بشارت ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ان احادیث کے خلاف ہیں جو آیت مذکورہ کے سبب نزول کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں۔

### ازالہ

دونوں میں کوئی تضاد نہیں، آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی عمل اللہ کے لئے کرتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کو نیکی کرتے دیکھیں یا لوگوں کے سامنے زیادہ نیکی کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں تو ریا کاری اور شرک خفی ہے، باقی جو شخص کوئی نیک کام اللہ کے واسطے کرتا ہے اور لوگ اس کو دیکھ پاتے ہیں اور تعریف کرنے لگتے ہیں اور وہ اس سے خوشی محسوس کرتا ہے تو چونکہ وہ نیکی لوگوں کو دکھانے اور تعریف کرانے کے لئے نہیں کرتا، نہ لوگوں سے

کوئی معاوضہ چاہتا ہے، نہ لوگوں کے دکھانے کے لئے عمل خیر میں اضافہ کرتا ہے، اس لئے یہ ریاکاری نہیں بلکہ یہ اس کے لئے فوری خوشی ہے اور اس کے لئے دوہرا اجر ہے ایک چھپا کر عبادت کرنے کا دوسرا ظاہر ہو جانے کا۔ واللہ اعلم۔  
حضرت جناب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کو سنانے کے لئے نیکی کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرتا اور جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نیکی کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ دکھاؤ کا برتاؤ کرتا ہے۔  
متفق علیہ۔

حضرت محمود بن لبید راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے، فرمایا، ریاکاری۔ رواہ احمد۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اتنا زیادہ نقل کیا ہے کہ جس وقت اللہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کے موافق بدلہ دے گا ان سے فرمادے گا انہیں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم نیکی کرتے تھے جا کر دیکھو کیا ان کے پاس تم کو نیکی کی جزایا کوئی خبر ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، شرک اصغر سے بچو لوگوں نے کہا شرک اصغر کیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، ریاکاری، آخر جہ ابن مردویہ فی التفسیر والا صہبانی فی الترغیب والترہیب۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے، میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جو شخص کسی نیک عمل میں میرے ساتھ کسی کو ساتھ دار بناتا ہے یعنی نیک عمل سے کسی اور کی بھی خوشنودی چاہتا ہے میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں، دوسری روایت میں ہے، میں اس سے بیزار ہوں اس کا عمل اسی کے لئے ہو گا جس کے لئے اس نے کیا ہو گا۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابو سعید بن ابی فضالہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے ناقابل شک دن میں جب لوگوں کو اللہ جمع کرے گا تو اللہ کی طرف سے ایک منادی ندا دے گا جس نے اپنے کئے ہوئے نیک عمل میں کسی کو اللہ کا سا جھمی بنایا ہو وہ اپنا ثواب اسی کے پاس جا کر طلب کرے، اللہ شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے، رواہ احمد و التبرندی و ابن ماجہ و ابن حبان و البیہقی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، جو شخص اپنا نیک عمل لوگوں کو سنانے کے لئے کرے گا اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرے گا، اس کو خفیف کرے گا، حقیر کرے گا اور اس کی توہین کرے گا۔ رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت شداد بن اوسؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس نے دکھاؤ کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاؤ کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاؤ کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا۔ امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سر بھر اعمال نامے لا کر بارگاہ الہی میں حاضر کئے جائیں گے، اللہ فرمائے گا ان کو پھینک دو اور ان کو قبول کر لو (یعنی بعض اعمال ناموں کو پھینک دینے اور بعض کو قبول کرنے کا حکم دے گا) فرشتے عرض کریں گے تیری عزت کی قسم ہم نے تو وہی لکھا ہے جو اس نے کیا تھا (یعنی اندراج غلط نہیں ہے) اللہ فرمائے گا (یہ ساقط کردہ) اعمال میرے سوا دوسروں کے لئے کئے گئے تھے اور میں آج وہی اعمال قبول کروں گا جو محض میرے لئے کئے گئے ہوں۔

طبرانی نے الاوسط میں اور اصہبانی نے الترغیب میں اور بزار نیز دارقطنی نے شہر بن عطیہ کی روایت سے بیان کیا کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کو حساب کے لئے پیش کیا جائے گا اور ان کے اعمال ناموں میں پہاڑوں جیسی نیکیاں درج ہوں گی، رب العزت فرمائے گا تو نے فلاں دن نماز پڑھی تھی اور اس لئے پڑھی تھی کہ تجھے لوگوں میں نمازی کہا جائے، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، اطاعت خالص میرے ہی لئے ہونی چاہئے، تو نے فلاں دن روزہ رکھا تھا تاکہ لوگ کہیں فلاں شخص نے روزہ رکھا، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اطاعت خالص میرے ہی لئے ہونی چاہئے۔ اس طرح ایک کے بعد ایک اس



پوری حالت میں ایک نور ہوگا جو خواب گاہ سے مکہ تک جگمگائے گا، اس نور کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے جو اٹھنے کے وقت تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے، اگر اس کی خواب گاہ مکہ میں ہوگی تو خواب گاہ سے بیت المعمور تک اس کے لئے نور جگمگائے گا جس کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے جو بیدار ہونے تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے۔ آخر جہ ابن مردویہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے رات کو فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْهُ سے آخر تک پڑھا اس کے لئے عدن سے مکہ تک نور ہوگا جس کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے۔ (ازالۃ الخفاء)

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز سورہ کھف پڑھی اس کے لئے اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک ایک نور چمکتا رہے گا۔ رواہ الحاکم وصحیح، والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جس نے جمعہ کے روز سورہ کھف پڑھی تو اس کے پاس سے کعبہ تک اس کے لئے نور چمکتا رہے گا۔ حضرت براء بن عازبؓ راوی ہیں کہ ایک شخص سورہ کھف پڑھ رہا تھا اس پر ایک نورانی بادل چھلیا ہوا تھا، جو چکر کھا رہا تھا اور اس شخص کے قریب آ رہا تھا۔ ایک گھوڑا قریب ہی رسیوں سے بندھا ہوا تھا، وہ یہ منظر دیکھ کر بدکنے لگا (جب وہ شخص پڑھنے سے رکتا تھا گھوڑا بھی بدکننا موقوف کر دیتا تھا، پھر وہ شخص پڑھتا تھا تو گھوڑا بھی بدکتا تھا۔ صبح کو خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اس شخص نے یہ سرگزشت بیان کی فرمایا، وہ (نور) سیکنہ تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔ متفق علیہ۔ اللہ کی مدد سے سورہ کھف کی تفسیر بروز چہار شنبہ ۱۲۰۲ھ کو ختم ہوئی۔

بِحَمْدِ اللّٰهِ وَعَوْنِهِ

تفسیر سورہ کھف کا ترجمہ مع تشریحی اضافات ۱۶ رجب ۱۳۸۸ھ کو ختم ہوا۔





اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو (اس صورت میں) تو مجھے خاص اپنی عنایت سے ایک میرا وارث یعنی بیٹا ایسا مرحمت فرمادے جو میرا (یعنی میرے علم کا) اور یعقوب کے خاندان (کے علم) کا وارث ہو جائے اور اے میرے رب اس کو اپنا پسندیدہ بنا۔

الموالیٰ، مولیٰ کی جمع یعنی چچا کے بیٹے یا وہ لوگ جو میرے بعد میری امت کی درستی کے متولی ہوں گے اور میرے جانشین بنیں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری جانشینی اچھی طرح نہ کریں گے اور امت کے لئے دین کو بگاڑ دیں گے اور میری بیوی بانجھ ہے، ناقابل تولید ہے اور ضرورت ہے صحیح جانشین کی جو میری امت کو درست رکھ سکے اس لئے تو محض اپنے فضل اور اپنی قدرت سے مجھے بیٹا عنایت فرما جو میرے بعد میرے کاموں کو درست رکھنے کا ذمہ دار اور متولی ہو اور خاندان یعقوب کے علم و نبوت کا بھی صحیح متولی ہو۔ میراث سے مراد مالی میراث نہیں، علم و نبوت مراد ہے۔ انبیاء کے مال کا وارث کوئی نہیں ہوتا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے اپنی میراث میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ علم کی میراث چھوڑی ہے، اس میراث کو جس نے لیا اس نے بڑی میراث پائی وہ بڑا خوش نصیب ہے، رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی من حدیث کثیر بن قیس۔ ترمذی نے راوی کا نام قیس بن کثیر لکھا ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ نے جب برشتہ پدیری رسول اللہ ﷺ کی میراث حضرت ابو بکر صدیق سے طلب کی تو صدیق اکبر نے اسی حدیث کی بنا پر حضرت سیدہ کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی میراث نہیں دی۔ اجماع بھی اس پر منعقد ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ترکہ میراث میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس، ابو بکر کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ترکہ سے اپنا میراثی حصہ طلب کیا، حضرت ابو بکر نے جواب دیا، میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے، ہم میراث نہیں چھوڑتے جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ خیرات کے طور پر مسلمانوں کا حق ہوگا، یہ بھی بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اموات المؤمنین، نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں سے اپنی میراث طلب کرنے حضرت عثمان کو حضرت ابو بکر کے پاس بھیجیں حضرت عائشہ نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ خیرات ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ مالک بن اوس بن الحدثان نے کہا، میں حضرت عمر کے پاس گیا، میں آپ کے پاس موجود ہی تھا کہ آپ کے دربان یرفانے آکر کہا (امیر المؤمنین) کیا حضرت عثمان، حضرت زبیر اور حضرت سعد کو داخلہ کی اجازت ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا، ہاں یرفانے سب حضرات کو بلایا، پھر یرفانے آکر کہا حضرت علی اور حضرت عباس تشریف لائے ہیں، کیا داخل ہونے کی اجازت ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا، ہاں یہ دونوں بزرگ بھی تشریف لے آئے۔ حضرت عباس نے فرمایا امیر المؤمنین میرا اور ان کا تصفیہ کر دیجئے، حضرت عمر نے جماعت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں آپ لوگوں کو اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ہم میراث نہیں چھوڑیں گے جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ (سب مسلمانوں کے لئے) خیرات ہوگا، پوری جماعت نے کہا بے شک ایسا فرمایا، کیا آپ دونوں حضرات بھی اس سے واقف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا (دونوں نے اقرار کیا) الحدیث۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میرے وارث میراث میں ایک دینار بھی تقسیم نہ کریں، اپنی بیبیوں کے خرچ اور کارندوں کی اجرت کے بعد اگر میں کچھ چھوڑ کر جاؤں تو وہ خیرات ہے۔

اس موضوع کی روایات حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت ابوالدرداء سے بھی آئی ہیں۔ شیعہ اس حدیث کا ہی انکار کرتے ہیں، حالانکہ محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی جامع میں حدیث مذکور حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، انبیاء نے میراث میں نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار بلکہ میراث میں اپنی احادیث چھوڑی ہیں۔ الحدیث۔

آیت زیر تفسیر کی رفتار بھی چاہتی ہے کہ یَرْتُنِحُ وَيَرْتُّ بَيْنَ آلِ يَعْقُوبَ، میں میراث سے مراد مالی میراث نہیں ہے کیونکہ تمام نسل یعقوب کا میراث کا وارث ہونا تو ممکن ہی نہیں تھا، پھر حضرت زکریا نبی برحق تھے آپ کی شان سے بعید تھا کہ اپنے چچا کے بیٹوں کے پاس اپنے مال کے پہنچنے کا ان کو ایسا اندیشہ ہو کہ وہ اس اندیشہ سے بیٹا ہونے کی دعا کریں تاکہ چچا کے بیٹوں کو میراث میں ان کا مال نہ پہنچ جائے۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا - رَضِيًّا بمعنی مَرْضِيًّا یعنی تو اس کو اپنا پسندیدہ بنا، اس کے قول و عمل کو پسند فرمانا، یا رَضِيًّا کے معنی میں ہے یعنی تو اس کو ایسا کر دینا کہ وہ دکھ سکھ ہر حال میں راضی رہے (تیرا شکوہ نہ کرنے لگے)۔

يُذَكِّرُ يَا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ①

(اللہ نے فرمایا) اے زکریا ہم تجھے ایک لڑکا (ہونے) کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام (ہماری طرف سے) یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے کوئی اس کا (ہم نام یا نظیر اور مثل) نہیں بنایا، یعنی تیری دعا کے موافق تیرا وارث ایک لڑکا ہو گا جس کا نام (بطور عزت افزائی) ہم نے یحییٰ رکھا ہے۔ قنادہ اور کلبی نے سَمِيًّا کا ترجمہ ہم نام کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ حضرت یحییٰ سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا، آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ نادر نام رکھنے میں کسی کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر اور عطاء نے سَمِيًّا کا ترجمہ شبیہ اور مثل کیا ہے، جس طرح آیت هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا میں سَمِيًّا کا معنی ہے مثل اور مشابہ۔ اس صورت میں بر قول بغوی یہ معنی ہو گا کہ یحییٰ سے پہلے کوئی شخص ایسا نہیں ہوا کہ اس نے گناہ بھی نہ کیا ہو اور گناہ کی طرف اس کا میلان بھی نہ ہو اور۔ میں کہتا ہوں شاید اس سے یہ مراد ہے کہ بیشتر فضائل اس کے اندر موجود ہوں گے جن میں بعض جزئی فضائل دوسرے پیغمبروں کے مقابلہ میں امتیازی ہوں گے جیسے حضور ہونا۔ یہ مراد نہیں ہے کہ یحییٰ بحیثیت مجموعی تمام گزشتہ انبیاء سے افضل ہوں گے۔ حضرت ابراہیم الخلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ، حضرت یحییٰ سے پہلے گزر چکے تھے اور حضرت یحییٰ سے افضل تھے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس کا تفسیری قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ سے پہلے کسی بانجھ کے ایسا لڑکا پیدا نہیں ہوا، جو حضرت یحییٰ کی مثل ہوتا۔ (یہ قول بھی محل تامل ہے۔ حضرت اسحاق کی والدہ بھی بانجھ تھیں اور کسی آیت یا حدیث سے حضرت اسحاق سے حضرت یحییٰ کی برتری ثابت نہیں)۔

بیضاوی نے لکھا ہے یحییٰ عجمی نام ہے اور اگر عربی ہو تو فعل سے منقول ہو گا جیسے یعیش اور یعر۔ بعض نے کہا، آپ کی وجہ سے والدہ کی رحم میں زندگی پیدا ہو گئی تھی یا آپ کی دعوت سے دین الہی زندہ ہو گا تھا۔

قَالَ رَبِّ اَتَى بِكَوْنِي لِيْ عُلْمٌ وَكَانَتْ اَمْرًا تِيْ عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ②

زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہو گا میری تو بیوی بھی بانجھ ہے اور (ادھر) میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ اُنٹی یعنی کیسے ہو گا، یہ سوال انکاری نہیں، طلب کیفیت کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ بچہ کیسے ہو گا ہم دونوں کو جو ان کو دیا جائے گا، یا دونوں بوڑھے ہی رہیں گے اور بچہ ہو جائے گا۔

حضرت زکریا کو بنظر اسباب تعجب ہو قدرت خدا میں ان کو کوئی کام نہ تھا جتنی میں عُسُوُّ تھا، عُسُوُّ کا معنی ہے سرکشی اطاعت سے انکار، یہاں مراد ہے کمال پیری، زیادہ بوڑھا آدمی بے قابو ہو جاتا ہے اس کے اعضاء حسب منشاء کام دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ قنادہ نے کہا بڈیوں کی لاغری مراد ہے۔ عاتنی وہ بوڑھا آدمی جس کی ہڈیاں خشکی کی طرف مائل ہو گئی ہوں، سو کھنے لگی ہوں۔ عَتَا الشَّيْخُ اس بوڑھے کی عمر انتہا کو پہنچ گئی۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ  
اللہ نے یا بشارت دینے والے فرشتے نے کہا) بات یونسی ہے (جیسی تم نے کہی بنظر اسباب بچہ کی پیدائش عجیب بھی ہے اور بعید بھی)۔

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هٰٓهٰٓنَ  
(اور) تیرے رب نے کہا میرے لئے یہ بات آسان ہے۔ مجھے اپنی منشاء کے

موافق کرنے میں ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔ قَالَ كَذَلِكَ كَايَهِ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ زکریا نے کہا واقعہ یہی ہے جو میں نے عرض کر دیا۔

وَقَدْ خَلَقْتِكُمْ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ⑩  
اور اس سے پہلے ہم نے تجھے بھی تو پیدا کیا تھا جبکہ تو کچھ بھی نہ تھا، بالکل معدوم تھا اور معدوم کا معنی ہی کچھ نہ ہونا، آیت بتا رہی ہے کہ معدوم شئی نہیں (یعنی شئی کا اطلاق صرف موجود پر ہوتا ہے معدوم کو شئی نہیں کہا جاتا۔ مترجم)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ⑪  
زکریا نے کہا، اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے، جس سے میری بیوی کا حاملہ ہونا معلوم ہو جائے۔

قَالَ اٰيٰتِكَ اِلَّا تَكْلَمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ  
اللہ نے (یا فرشتہ نے) کہا تیرے لئے (حمل کی) نشانی یہ ہے کہ تو تین راتیں (اور تین دن) لوگوں سے کلام نہ کر سکے گا۔ سورہ آل عمران میں بھی یہ قصہ آیا ہے وہاں بیان کر دیا گیا کہ حضرت زکریا تین دن تین رات کسی آدمی سے بات نہ کر سکے لیکن اللہ کا ذکر کرتے تھے تو زبان رواں ہو جاتی تھی اس لئے مسلسل تین روز ذکر و شکر میں مشغول رہے۔

سُوِّيًّا ⑫  
ایسی حالت میں کہ صحیح سالم ہو گا یعنی کوئی بیماری لاحق نہ ہوگی، نہ گونگا بن ہوگا (نہ زبان کا فالج لقوہ۔ مترجم) مجاہد نے کہا، کلام سے روکنے والا کوئی مرض نہ ہوگا۔ بعض علماء نے سُوِّيًّا کا ترجمہ کیا ہے مسلسل متواتر۔ اول ترجمہ زیادہ صحیح ہے۔

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ⑬

اس کے بعد زکریا مسجد سے نکل کر قوم کے پاس آئے اور اشاروں سے ان سے کہا کہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔ الْمِحْرَابِ (اسم ظرف لڑائی کی جگہ) مراد مسجد کیونکہ مسجد شیطان سے لڑنے کی جگہ ہے۔ صاحب قاموس نے محراب کے متعدد معانی لکھے ہیں، بالاخانہ، گھر کے اندر صدر مقام، مسجد میں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ، وہ مقام جہاں بادشاہ تہائی میں سب سے الگ لوگوں سے دور رہتا ہے۔

بعوی نے لکھا ہے لوگ مسجد کے باہر منتظر تھے کہ زکریا اندر سے دروازہ کھول دیں تو وہ اندر جا کر نماز پڑھیں، اچانک زکریا دروازہ کھول کر باہر آگئے، چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا لوگوں نے کیفیت دریافت کی تو آپ نے اشارہ سے ان کو تسبیح و تنزیہ کا حکم دیا، مجاہد نے او وحی کی تشریح میں کہا کہ زمین پر لکھ دیا۔ سَبِّحُوا یعنی نماز پڑھو اور اللہ کی پاکی بیان کرو۔

يٰٓيٰحْيٰى  
اے یحییٰ، پورا کلام اس طرح تھا، زکریا کی بیوی حاملہ ہو گئی، پھر یحییٰ پیدا ہو گئے اور جب مخاطب بنانے کے قابل ہو گئے تو ہم نے کہا اے یحییٰ۔ محلی نے لکھا ہے جب یحییٰ کی عمر دو سال کی ہو گئی تو ان سے خطاب کیا گیا۔

خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ⑭  
کتاب کو قوت کے ساتھ پکڑ لے۔ کتاب سے مراد ہے تورات۔ قوت سے مراد کوشش اور توفیق الہی سے استعانت۔

وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَ صَبِيًّا ⑮  
اور ہم نے بچپن میں ہی اس کو حکم یعنی حکمت اور کتاب کی سمجھ عطا کر دی تھی، تین سال کی عمر میں حضرت یحییٰ نے تورات پڑھ لی اور سمجھ لی تھی، آیت کے اسی جملہ کے پیش نظر کہا گیا ہے کہ جس نے قرآن پڑھ لیا وہ اس آیت کے حکم کا مصداق ہو گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ بچے حضرت یحییٰ کو کھیلنے کیلئے بلاتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے، ہم کو اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔

بعض علماء کا قول ہے کہ حکم سے مراد نبوت ہے، بچپن میں ہی اللہ نے یحییٰ کو نبی بنا دیا تھا۔ اور (ہم نے دی یحییٰ کو) اپنے پاس سے رحمت اور گناہوں سے طہارت۔

وَحَنَانًا مِّنَ لَّدُنَّا وَزَكَاةً ⑯  
رحمت دینے کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔



(۱) یحییٰ پر اللہ نے رحم کیا ان پر رحمت نازل کی۔

(۲) ان کے دل میں ماں باپ پر رحم کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بعض علماء نے حَنَّان کا ترجمہ ہیبت و وقار یا رزق یا برکت کیا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے حَنَّانُ بروزن سَحَابٌ، رحمت، رزق، ہیبت، وقار اور دل کی نرمی۔ حَنَّانُ بمعنی رَحِيمٌ صفت کا صیغہ لفظ حَنَّان سے ہی بنایا گیا ہے۔ اور اللہ کا صغی نام ہے۔

زُكُوَةٌ، یعنی گناہوں سے پاک دامن رہنا، بعض کے نزدیک طاعت و اخلاص، قنودہ و ضحاک کے نزدیک عمل صالح مراد ہے، کبھی نے کہا زُكُوَةٌ سے مراد ہے محض عطیہ الہی جو حضرت یحییٰ کے والدین کو بصورت یحییٰ عطا ہوا تھا۔

اور وہ تھا پرہیزگار، یعنی اطاعت شعار، مخلص، طاعت گزار جس نے نہ کبھی گناہ کیا، نہ گناہ کا

وَ كَانَ تَقِيًّا ۱۳

ارادہ۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ

اور پاک تھا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اور مہربان تھا۔

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۱۴

اور متکبر، رب کا نافرمان نہ تھا، بعض علماء کا قول ہے کہ جب وہ شخص ہے جو

شدت غضب میں مارتا اور قتل کرتا ہو۔

وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۱۵

سَلَّمَ عَلَيْهِ ہر دکھ اور اذیت سے اللہ کی طرف سے اس کے لئے سلامتی ہے، یہ جملہ معترضہ ہے۔ يَوْمَ وُلِدَ یعنی پیدائش کے وقت یحییٰ کو شیطان کی دسترس سے محفوظ رکھا گیا، شیطان پیدائش کے وقت جو اثر بچے پر ڈالتا ہے، کچھ کا دیتا ہے، یحییٰ کو اس سے بچالیا گیا۔ يَوْمَ يَمُوتُ اور مرنے کے دن یعنی عذاب قبر سے بھی اسے محفوظ رکھا گیا۔ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا اور قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے اس کو محفوظ کر دیا گیا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا انسان کے یہ ہی تین عجیب احوال ہوتے ہیں۔ (۱) ماں کے پیٹ کو چھوڑ کر باہر اس دنیا میں آتا ہے۔ (۲) دنیا سے نکل کر دوسرے عالم میں پہنچتا ہے جہاں اس کو وہ اشخاص ملتے ہیں جو اس دنیا میں اس کو کبھی نظر نہیں آئے۔ (۳) زندہ ہو کر میدان حشر میں پہنچے گا اور ایسا میدان اور اجتماع اس نے کبھی نہ دیکھا ہوگا (نہ دنیا میں نہ عالم برزخ میں) ان تینوں حالات و مقامات میں محفوظ رہنے کی خصوصیت اللہ نے یحییٰ کو عطا فرمائی۔

يَوْمَ وُلِدَ اور يَوْمَ يَمُوتُ اور يَوْمَ يُبْعَثُ کا تعلق ظرف مستقر محذوف سے ہے جس سے لفظ عَلَيْهِ متعلق ہے۔

### ایک شبہ

اہل کوفہ کہتے ہیں کہ ظرف مستقر کا تعلق صفت کے صیغہ سے ہوتا ہے اور صفت کا صیغہ محذوف ہوتا ہے، یعنی مُسْتَقَرٌّ عَلَيْهِ یا حَاصِلٌ عَلَيْهِ۔

اہل بصرہ کہتے ہیں کہ ظرف مستقر کا تعلق فعل محذوف سے ہوتا ہے یعنی اِسْتَقَرَّ عَلَيْهِ یا حَاصِلَ عَلَيْهِ۔ ماضی کے صیغہ سے اگر يَوْمَ کا تعلق مانا جائے تو بے شک يَوْمَ وُلِدَ کا مطلب ٹھیک ہو جائے گا، یحییٰ پر سلامتی نے قرار پکڑا جس روز وہ پیدا ہوئے۔ لیکن يَمُوتُ اور يُبْعَثُ تو مضارع کے صیغے ہیں جن کا زمانہ ابھی نہیں آیا پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ یحییٰ پر سلامتی نے قرار پکڑا۔ جس روز وہ مریں گے اور جس روز وہ اٹھائے جائیں گے، اور کوفیوں کے مسلک پر صفت کا صیغہ محذوف ہوگا جو حال کے معنی میں ہوگا اس صورت میں مستقر علیہ يَوْمَ يَمُوتُ اور يَوْمَ يُبْعَثُ کہنا تو صحیح ہو جائے گا لیکن يَوْمَ وُلِدَ کہنا صحیح نہ ہوگا وُلِدَ ماضی کا صیغہ ہے اور مستقر بمعنی حال ہے۔

### جواب

محققین نحو کہتے ہیں کہ ظرف پر عامل معنوی عمل کرتا ہے یعنی صرف مصدری معنی عامل ہوتا ہے کسی زمانہ کا لحاظ نہیں

کیا جاتا، اسی لئے ہَذَا زَيْدٌ قائماً میں حال یعنی قائماً کا عامل معنوی مانا جاتا ہے، کسی خاص زمانہ پر دلالت بالکل نہیں ہوتی۔ اِسْتَقَرَّ (بر قول اہل بصرہ) اور اِسْتَقَرَّ (بر قول اہل کوفہ) کو عامل مجازاً قرار دیا جاتا ہے (کیونکہ عامل معنوی کے لئے کوئی لفظ نہیں بنایا گیا) اور بالفرض اگر حقیقت میں حَصَلَ فعل یا حَاصِلٌ (صیغہ صفت) کے متعلق ہم مان بھی لیں، تب بھی عَلَيْكَ کی ظرفیت زبانیت سے خالی ہو جائے گی، کیونکہ یہ ظرف فعل حَصَلَ یا صيغہ صفت حَاصِلٌ کے قائم مقام ہو گیا ہے اور ہر فعل کی بواسطہ کے اندر آگئی ہے لیکن کسی زمانہ کے ساتھ خصوصی اقتران نہیں ہے۔

اور اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کرو۔ الْكِتَابُ سے مراد قرآن ہے اور مریم سے مراد قصہ مریم۔

اِذَا انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۱۷ فَاَتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۱۸

جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو مشرقی جانب میں تھا (غسل کرنے کے لئے) گئیں پھر ان گھر والوں سے اوٹ کرنے کے لئے انہوں نے پردہ ڈال لیا۔

اِنْتَبَذَتْ الگ ہو گئی، دور ہو گئی، نَبَذَ پھینک دینا، پھینک دینے سے کسی چیز کا دور ہو جانا لازم ہے۔ پس اِنْتَبَذَتْ کا مرادی ترجمہ ہو گیا دور ہو گئی۔

مَكَانًا شَرْقِيًّا مکان کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ، چونکہ سردی کا زمانہ اور سردی تھا اس لئے حضرت مریم مکان کے مشرقی جانب سر میں کنگھا کرنے کے لئے بیٹھیں۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے حیض سے طہارت کا غسل کرنے سب سے الگ کسی جانب چلی گئی تھیں، بعض کا خیال ہے عبادت کے لئے یکسو ہو کر تنہائی میں چلی گئی تھیں۔ حسن نے کہا اسی وجہ سے عیسائی مشرقی کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔

حِجَابًا حضرت ابن عباس نے حجاب کا ترجمہ کیا پردہ، بعض نے کہا دیوار کی آڑ میں بیٹھ گئیں، مقاتل نے کہا پہاڑی کے پار چلی گئیں۔ عکرمہ نے کہا حضرت مریم مسجد میں رہتی تھیں لیکن ایام حیض میں مسجد سے ہٹ کر اپنی خالہ کے گھر چلی جاتی تھیں اور فراغت کے بعد پھر مسجد میں آجاتی تھیں، اتفاقاً ایک روز کپڑے اتارے غسل کر رہی تھیں کہ حضرت جبرئیل ایک خوش رو بے ریش و برت روشن چہرہ، گھونگھریا لے بالوں والے، متناسب القامت نوجوان کے بھیس میں آکھڑے ہوئے جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۱۹ پس اس حالت میں ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ جبرئیل کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر نمودار ہوا، روح سے جبرئیل مراد ہیں جبرئیل ہی کی لائی ہوئی وحی سے دین کی حیات وابستہ ہوتی ہے۔ اللہ نے روح کی اضافت اپنی جانب روح کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کی کیونکہ اضافت سے بھی مضاف کی تعظیم یا توہین مقصود ہوتی ہے، بادشاہ کا خادم کہنے سے خادم کی عظمت اور ولد الحجام کہنے سے ولد کی اہانت کا اظہار ہوتا ہے۔

سَوِيًّا یعنی نوجوان امرد، کامل الاعضاء مرد۔ بعض علماء کے نزدیک روح سے مراد عیسیٰ کی روح ہے جو بشر کی شکل میں آگئی تھی، اول تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

مریم نے جبرئیل کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور ان کو آدمی ہی خیال کیا تو دور سے ہی پکارا اور۔

قَالَتْ اِنِّي اَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتُ نَفِيًّا ۲۰

رحمن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو خدا ترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جا)۔

اِنْ كُنْتُ نَفِيًّا شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تو تقویٰ والا اور پرہیزگار ہے تو مجھ سے دور رہ، مجھ سے تعرض نہ کر۔ تیرے تقویٰ کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ تو بدکاری کی طرف اقدام نہ کرے یا اَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ جزا مقدم ہے اور

کلام کی بناء مبالغہ پر ہے یعنی اگر تو پرہیزگار بھی ہے تب بھی میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اور پرہیزگار نہیں ہے بدکار ہے تب تو اللہ کی پناہ کی خواستگار بدرجہ اولی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان نافیہ ہے یعنی پرہیزگار نہیں ہے۔

جبریل نے کہا اس کے سوا اور  
**قَالَ اِنَّهَا اَنَارَسُوْلُ رَبِّكَ ؕ لَّا هَبَّ لَكَ عَلَمًا ذِكْرًا ۝۱۹**  
 کچھ نہیں کہ میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں تیرے رب نے مجھے بھیجا ہے تاکہ ایک پاک دامن لڑکا تجھے عطا کروں۔ یعنی میں آدمی نہیں ہوں جس سے تو ڈر رہی ہے اور اللہ کی پناہ مانگ رہی ہے، میں فرشتہ ہوں اللہ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ تجھے ایسا فرزند تیرے کرتے میں پھونک مار کر عطا کروں جو گناہوں سے پاک اور معصوم ہوگا۔ زکریٰ پاک، معصوم، یا خیر و صلاح میں ترقی کرنے والا اور ہر دم بھلائی کی طرف چڑھنے والا۔ صوفیا کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر ہوں (یعنی جتنی خیر و صلاح اس کو کل حاصل تھی اتنی ہی آج حاصل ہو، ترقی نہ ہوئی ہو کوہ گھاٹے میں ہے۔

**قَالَتْ اَنْیٰ یٰکُوْنُ لِیْ عَلَمٌ وَّلَمْ یَسْسِنِیْ بَشْرًا وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ۝۲۰**  
 مریم نے تعجب سے کہا، میرے لڑکا کیسے ہوگا مجھے تو کسی بشر نے نہیں چھوا۔ مس کرنے سے بطور کنایہ نکاح کے بعد جماع کرنا مراد ہے، زنا کے موقع پر مساس کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ میں نے برا کام نہیں کیا، میں نے خباث نہیں کی زنا کی نفی کا اظہار حضرت مریم نے لَمْ اَکُ بَغِیًّا کہہ کر کر دیا۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ میں نے کسی انسان سے نہ قربت بالنکاح کی، نہ زنا۔ پھر میرے لڑکا کہاں سے ہوگا۔

جبریل نے کہا یونہی ہو جائے گا، یعنی اللہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کر دے گا۔  
**قَالَ کَذٰلِکَ ؕ**  
**قَالَ رَبِّکَ هُوَ عَلٰی ہٰٓئِیۡنَ ؕ**  
 تیرے رب نے فرمایا ہے کہ وہ یعنی بغیر باپ کے بچہ کا پیدا کرنا میرے لئے آسان ہے۔

**وَلِنَجْعَلَنَّ اٰیۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضٰیًا ۝۲۱**  
 اس لئے کہ یہ ہمارے لئے کچھ دشوار نہیں اور اس لئے کہ ہم اس کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی نشانی اور رحمت بنا دیں اور یہ کام طے شدہ ہے۔

آیۃ لِّلنَّاسِ یعنی ہماری قدرت کاملہ پر ایمان رکھنے کی نشانی۔  
 وَرَحْمَةً یعنی ہم اس کو بندوں کے لئے رحمت بنا دیں گے۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضٰیًا یعنی ازل میں فیصلہ خداوندی اس کام کا ہو چکا ہے یا لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے یا امرًا مَّقْضٰیًا کا یہ مطلب ہے کہ یہ بات ہونی ضروری ہے اس قابل ہے کہ اس کا وقوع ہو جائے۔

پھر ان کے پیٹ میں لڑکارہ گیا پھر اس (حمل) کو لئے  
**فَحَمَلَتْہٗ فَاَنْتَبَدَتْ بِہٖ مَّكَانًا قَصِیًّا ۝۲۲**  
 ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔

اس کا عطف فعل محذوف پر ہے فرشتہ کے قول پر مریم کو اطمینان ہو گیا اور فرشتے نے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماردی پھر مریم نے وہ کرتہ پہنا تو حاملہ ہو گئیں۔ بعض کا قول ہے کہ جبریل نے کرتے کے گریبان کو چنگلی سے پکڑ کر کھینچا اور پھر گریبان پر پھونک ماری، بعض نے کہا کرتے کی آستین پر پھونک ماردی، بعض نے کہا مریم حاملہ ہو گئیں اور حمل کو لئے گھر والوں سے دور ایک جگہ پر گوشہ گیر ہو گئیں، حضرت ابن عباس نے کہا وادی بیت المقدس کے آخری حصہ میں چلی گئیں، تاکہ لوگ بدنام نہ کریں، تہمت سے بچنے کے لئے وہ سب سے الگ چلی گئیں۔ مدت حمل کتنی ہوئی بقول بغوی علماء کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا حمل اور ولادت سب کچھ ایک ہی ساعت میں ہو گیا، بعض نے کہا دوسری عورتوں کی طرح نو مہینہ کے بعد حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے کسی نے آٹھ ماہ اور کسی نے چھ ماہ کی مدت بیان کی ہے، مقاتل بن سلیمان نے کہا ایک ساعت میں وہ حاملہ ہوئیں، دوسری ساعت میں حضرت عیسیٰ کی صورت بنی اور تیسری ساعت میں زوال



حضرت مریم کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے، یا حضرت مریم کو اپنے دین کی تباہی کا خیال پیدا ہو گیا اور یہ الفاظ دینی تحفظ کے پیش نظر انہوں نے کہہ دیئے، رسوائی کے اندیشے سے انسان بھی جھوٹ بولتا ہے جس سے اس کی دینی تباہی ہو جاتی ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ فتنہ کے خوف سے موت کی تمنا جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔

پس جبرئیل نے ان کے پائین (مکان) سے ان کو پکارا کہ تو مغموم مت

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي

ہو۔

حضرت ابن عباس، ضحاک، سدی اور قتادہ کا بیان ہے کہ حضرت مریم ایک ٹیلہ پر تھیں اور حضرت جبرئیل ٹیلے سے پیچھے نشیبی جانب کہ مریم کی بے صبری و بے قراری سن کر جبرئیل نے پکار کر کہا تم گمگمیں نہ ہو۔ مجاہد اور حسن نے کہا جب حضرت عیسیٰ پیٹ سے باہر آگئے تو انہوں نے پکار کر کہا تم گمگمیں نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں تَحْتِهَا کی ضمیر مریم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بعض نے کہا نخلہ کی طرف راجع ہے۔

أَلَّا تَحْزَنِي یعنی تمہاری اور کھانے پینے کی چیز نہ ہونے اور لوگوں کے ملامت کے خوف سے تو رنجیدہ نہ ہو۔

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝۳۷

تیرے رب نے تیرے پائین سے ایک نہر پیدا کر دی ہے۔ سَری چھوٹی نہر۔ طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت براء بن عازب کی مرفوع روایت سے یہی نقل کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابو اسحاق کی روایت سے سوائے ابوشان کے اور کسی نے اس کو مرفوعاً نہیں بیان کیا۔ ابن عدی نے التکامل میں بیان کیا کہ معاویہ بن حنی نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے اور ابن معین و نسائی و ابن المدینی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ بخاری نے حضرت براء کی روایت سے اس حدیث کو معلق کہا ہے، ابتدائی راوی معلوم نہیں اور عبدالرزاق و ابن جریر و ابن مردویہ نے اپنی اپنی تفاسیر میں حضرت براء کی روایت کو موقوف کہا ہے۔ حاکم نے بھی مستدرک میں اس کو نقل کیا ہے اور شرط مسلم کے مطابق صحیح کہا ہے۔ طبرانی نے اور حلیہ میں ابو نعیم نے حضرت ابن عمر کی حدیث نقل کی ہے کہ اللہ نے سَری کو برآمد کر دیا زمین سے نکال دیا تاکہ عیسیٰ کی والدہ پانی پی سکیں۔ اس روایت کے سلسلہ میں ایوب بن مہیک ضعیف راوی ہے ابو زرہ اور ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ بعض علماء نے تَحْتِكِ کا ترجمہ کیا ہے تیرے حکم کے ماتحت یعنی اگر تو حکم دے گی تو چشمہ جاری ہو جائے گا اور رکنے کا حکم دے گی تو رک جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، حضرت جبرئیل نے (ایک روایت میں حضرت عیسیٰ نے) زمین پر اپنا پاؤں مارا جس سے شیریں پانی کا چشمہ برآمد ہو گیا اور بہنے لگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہاں ایک خشک نہر تھی اللہ نے اس کو جاری کر دیا اور خشک درخت تروتازہ ہو کر سرسبز ہو گیا اور ثمر دار بن گیا۔

بعض علماء کے نزدیک سَری کا ترجمہ سردار ہے، سَرُو سے مشتق ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔ حسن بصری نے کہا خدا کی قسم عیسیٰ سَری تھے، یعنی عالی قدر سردار تھے۔

وَهَزِي إِلَيْكَ بِمِجْدِ النَّخْلَةِ تَسْقُطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ۝۳۸

تیرے کو پکڑ کر اپنی طرف کو ہلا اس سے تیرے اوپر خرماء تروتازہ جھڑیں گے۔

هَزِي إِلَيْكَ یعنی ہلا اور اپنی طرف جھکا، بِمِجْدِج میں ب زائد ہے۔

رَطْبًا جَنِيًّا تروتازہ پختہ کھجوریں جو توڑنے کی حد کو پہنچ گئی ہیں۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا

پھر اس کو کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر یعنی کھجوریں کھا اور نہر کا پانی اور کھجوروں کا عرق پی اور آنکھ ٹھنڈی کر یعنی دل خوش کر۔ قَرِّي، قَرِّي سے مشتق ہے آنکھ جب کوئی خوش کن منظر دیکھتی ہے تو اس پر ٹھہر جاتی ہے دوسری طرف نہیں ہتی۔ قَرَّ اللَّهُ عَيْنَكَ اللہ تیری آنکھ کو قرار دے، یعنی آنکھ کو صاف رکھے۔ قَرَّ اللَّهُ فُؤَادَكَ اللہ تیرے دل کو قرار دے، یعنی خوش کرے، خوش کن منظر دکھائے کہ دل اس سے دوسری طرف نہ ہٹے۔ اَقْرَّ اللَّهُ

عَيْنَهُ اللهُ نَسِيَ اس کی آنکھ ٹھہرا دی یعنی سلاویا۔ یا قرۃ بمعنی خنکی سے ماخوذ ہے خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غم کے آنسو گرم، اسی لئے قُرَّةُ الْعَيْنِ (آنکھ کی ٹھنڈک) محبوب کو کہتے ہیں اور سَنَخَةُ الْعَيْنِ (آنکھ کی گرمی) ناگوار چیز کو کہتے ہیں۔

فَمَا تَكْرِيْنَ مِنَ الْبَشْرِ أَحَدًا إِذْ فَقَوْلِيْ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اَكْلِمَ الْيَوْمَ لِسِيًّا ﴿١٦﴾

پس اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے آج اللہ کے لئے خاموش رہنے کی نذر مانی ہے اس لئے کسی آدمی سے آج کلام نہیں کروں گی۔

صَوْمًا یعنی خاموشی، مطلب یہ کہ عیسیٰ کا معاملہ ہو یا کچھ اور کسی چیز کے متعلق میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی، میں نے آج ہر معاملہ میں خاموش رہنے اور آدمیوں سے کلام نہ کرنے کی اللہ کے واسطے نذر مانی ہے۔ سدی نے کہا بنی اسرائیل میں جو لوگ زیادہ مجاہدہ کرتے تھے وہ جس طرح روزہ میں کھانا نہیں کھاتے تھے، کلام بھی کسی سے نہیں کرتے تھے، شام تک خاموش رہتے تھے۔

بعض علماء نے کہا کہ اللہ نے مریم کو یہ بات اشارہ سے کہنے کا حکم دیا تھا، کیونکہ کلام قولی سے جھگڑا پیدا ہوتا اور حضرت عیسیٰ سے جواب دلوانا تھا ان کا قول ہر طعن و تشنیع کا قاطع تھا۔ بعض لوگوں نے کہا زبان سے صرف اتنی ہی بات کہنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے بعد خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

فَلَنْ اَكْلِمَ الْيَوْمَ یعنی جب اپنی نذر کی میں نے تم کو اطلاع دے دی تو اس کے بعد کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت مریم ملائکہ سے کلام کرتی تھیں۔ انسان سے بات نہیں کرتی تھیں۔

فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحِيَّةً ۗ پھر اس کو یعنی عیسیٰ کو گود میں اٹھائے مریم اپنی قوم والوں کے پاس آئی۔ روایت میں آیا ہے کہ ولادت کے بعد فوراً حضرت عیسیٰ کو اٹھائے قوم والوں کے پاس حضرت مریم آئی تھیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ یوسف نجار نے حضرت مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ کو ایک غار میں لیجا کر رکھا تھا، وہاں آپ چالیس دن تک رہیں، جب لیام نفاس ختم ہو گئے تو عیسیٰ کو لے کر نکلیں راستہ میں حضرت عیسیٰ نے کہا ماں تم کو بشارت ہو میں اللہ کا بندہ اور مسیح ہوں، غرض عیسیٰ کو اٹھائے قوم والوں کے پاس پہنچیں، وہ لوگ بڑے دیندار، نیکو کار تھے، مریم کے پاس بچہ کو دیکھ کر اتنے رنجیدہ ہوئے کہ رو پڑے اور،

قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿١٧﴾ کہنے لگے مریم تو نے یہ بہت برا کام کیا۔ فَرِيًّا الْجِدْلُ کھال کو چیرنا۔ حضرت حسان نے فرمایا لَا فَرِيْنَهُمْ فِيْ اَنْ كِهَالٍ اَدِيْطُرُ كَرُكْ دُوْنِ كَا، یعنی سخت ہجا کروں گا۔ قرآن مجید میں بہت جگہ افتراء کا لفظ دروغ تراشی، شرک اور ظلم کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ الْكُذِبَ اس سے بڑا ظالم کون جس نے اللہ پر دروغ تراشی کی۔ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا اور جو شخص کسی کو اللہ کا شریک قرار دیتا ہے وہ بہت بڑا گناہ تراشتا ہے۔

آدمی کی عصمت اور صلاح میں جب شکاف پڑ جاتا ہے تو شرک و معصیت کا اس سے ظہور ہوتا ہے (اس لئے شرک و معصیت کو افتراء فرمایا) بعض علماء نے فریاً کا ترجمہ عجیب عظیم لکھا ہے، عجیب اور عظیم ترین چیز خارق عادت ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کلام ہو یا عمل جو بھی فائق اور عجیب ہو اس کو فری کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا تھا فَلَمْ اَرٰى عَبْرِيًّا يَفْرِيْ فِرْيَةً مِّثْلَ مَا كَانَتْ اَبُوْكَ اَمْرًا سَوْءًا وَمَا كَانَتْ اُمُّكَ بَعِيًّا ﴿١٨﴾ یا خت ہرؤن ما کان ابوک امرًا سوءًا وما کانت امک بعیًا ﴿١٨﴾

اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں زانیہ تھی۔ سدی نے کہا اُخْتٌ ہارون کہنے سے ان کی مراد تھی، حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی نسل میں سے ہونا۔ تمیم کے قبیلہ کے ہر فرد کو اخو تمیم کہا جاتا ہے۔ حضرت مریمؑ حضرت ہارون کی نسل سے تھیں اس لئے ان کو اُخْتٌ ہارون کہا۔ ابن ابی حاتم نے اس قول کی نسبت علی بن ابی طلحہ کی طرف

کی ہے۔ کلبی نے کہا حضرت مریم کے علاقائی بھائی کا نام ہارون تھا، بنی اسرائیل میں وہ بہت ہی بزرگ اور نیک آدمی تھا۔ بغوی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سے لکھا ہے مغیرہ کا بیان ہے جب میں بحر ان میں پہنچا تو اہل بحر ان نے مجھ سے کہا تم قرآن میں یا اُخْت ہارون پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ کا زمانہ عیسیٰ سے اتنا اتنا (یعنی بہت مدت) پہلے تھا (پھر مریم ہارون کی بہن کیسے ہوئیں) میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے دریافت کی حضور ﷺ نے فرمایا وہ لوگ اپنے انبیاء اور گزشتہ نیک لوگوں کے ناموں پر اپنے نام رکھتے تھے (یعنی ہارون سے مراد حضرت موسیٰ کے بھائی نہیں ہیں بلکہ ان کا ہم نام کوئی اور شخص تھا جس کو مریم کا بھائی کہا گیا ہے۔ رواہ مسلم)۔

بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قتادہ وغیرہ نے کہا بنی اسرائیل میں ایک بڑا نیک عبادت گزار آدمی تھا، روایت میں آیا ہے کہ جب وہ مرا تو اس کے جنازہ میں علاوہ دوسرے لوگوں کے چوبیس ہزار آدمی ہارون کے نام کے شریک ہوئے اس مرد صالح کا نام ہارون تھا، حضرت مریم بھی بڑی عبادت گزار تھیں نیکی اور عبادت کی وجہ سے ان لوگوں نے مریم کو ہارون کی بہن کہہ دیا، نسبی بہن مراد نہیں ہے جس طرح اللہ نے اِنَّ الْمُبْدِرِينَ كَانُوا اِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ فرمایا ہے اور فضول مال برباد کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے، یعنی شیطانوں کی طرح، کذا اخرج عبد الرزاق و عبد بن حمید عن قتادہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور مزاح اور استہزاء کے حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سابقہ عبادت اور نیکی کو دیکھ کر ایسا کہہ دیا ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا بد چلن آدمی تھا جس کا نام ہارون تھا، حضرت مریم کو گالی دینے کے لئے ہارون کی بہن کہا، کذا اخرج ابن ابی حاتم عبد سعید بن جبیر۔

حضرت مریم کے باپ کا نام عمران تھا، مَا كَانَ اَبُوكَ اِلَّا خُورًا جَمَلًا تَوَيْخِيَةً اور زجر یہ ہے کیونکہ نیک لوگوں کی اولاد سے بدکاری کا صدور بہت زیادہ برا ہوتا ہے۔

مریم نے عیسیٰ کی فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُنْكِرُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۱۹﴾ طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو لوگوں نے کہا پالنے کے بچے سے ہم کیسے بات کریں۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا حضرت مریم کے پاس بن باپ کے بچے ہونے کی کوئی دلیل نہیں تھی اس لئے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا تاکہ عیسیٰ کا کلام ان کی صداقت کی دلیل بن جائے۔

روایت میں آیا ہے کہ مریم نے جب عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو تو لوگوں کو غصہ آیا اور کہنے لگے ایک تو نے جرم کیا پھر ہم سے مذاق بھی کر رہی ہے۔

مَنْ كَانَ فِي كَانٍ زَانِدًا هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا میں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ كَانٍ تامہ ہو یا دوام کے لئے ہو۔

مہد سے مراد ہے ماں کی گود یا گوارا۔ مراد یہ تھی کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی عاقل کسی شیر خوار گوارہ میں رہنے والے بچے سے باتیں کرتا ہو۔ فِی الْمَهْدِ کہنے سے نا سمجھ بچہ جو بات نہیں کر سکتا۔ سدی نے کہا جب حضرت عیسیٰ نے ان کا کلام سنا تو دودھ پینا چھوڑ دیا اور قوم کی طرف رخ کر کے بول اٹھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جو نبی حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا آپ نے فوراً منہ پستان سے ہٹا لیا اور بائیں طرف کو ذرا سہارا لے کر قوم کی طرف متوجہ ہو کر دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور۔

قَالَ اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ اَتَنَّبِي الْكِتَابِ کہا بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔ عَبْدُ اللّٰهِ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں بارگاہ الہی میں معزز ہوں، اس کا خاص بندہ ہوں اور چونکہ قوم منکر تھی اس لئے آپ نے پر زور طریقہ سے اپنی عبدیت کا اظہار کیا۔

وہب نے کہا جب حضرت مریم کی قوم سے گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت زکریا آگے اور حضرت عیسیٰ سے فرمایا، اگر تجھے

حکم دیا گیا ہے تو خود اپنی دلیل بیان کر اور بول اس پر حضرت عیسیٰ بول اٹھے، اس وقت آپ چالیس دن کے تھے۔ مقاتل نے کہا پیدا ہوتے ہی آپ نے اپنی عبدیت کا اظہار کیا تھا اور سب سے پہلے یہی کلام کیا تھا تاکہ لوگ آپ کو اللہ نہ سمجھنے لگیں۔

الکتاب سے حسن کے نزدیک توریت مراد ہے۔ آپ ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ اللہ نے آپ کے دل میں توریت القاء کر دی تھی، اکثر علماء قائل ہیں کہ انجیل مراد ہے بچپن میں ہی آپ کو انجیل عطا کر دی گئی تھی جب کہ آپ مردانہ عقل کی حد تک پہنچے بھی نہ تھے۔ بعض علماء کے نزدیک ماضی بمعنی مستقبل ہے، یعنی اللہ مجھ کتاب عطا فرمائے گا۔

اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے یعنی یقیناً آئندہ وہ مجھے نبی بنائے گا۔ بعض علماء نے کہا، حضرت عیسیٰ نے تحریر لوح محفوظ کی اطلاع دی تھی (یعنی میں لوح محفوظ کی تحریر کے بموجب نبی بنایا جا چکا ہوں) جیسے رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ نبی کب ہوئے تو آپ نے فرمایا، میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی مٹی اور پانی سے آدم کے پتلے کا خمیر ہی بنا تھا، روح پڑی بھی نہ تھی) رواہ ابن سعد و ابو نعیم فی الحلیۃ عن میسرہ بن سعد عن ابی الجداء۔ والطبرانی عن ابن عباس۔

اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں بھی ہوں۔ یعنی آسمان میں ہوں یا زمین میں اللہ نے مجھے نفع رساں بنایا ہے۔ اس جملہ سے حضرت عیسیٰ کی نفع رسائی ثابت ہو رہی ہے، زمین میں انسانوں کو اور آسمان میں ملائکہ کو۔ لفظ برکت کا معنی یا ثبات خیر ہے اس پر یہ بَرَکَ البَعِیْر اَوْنَتْ بیٹھ گیا کے محاورہ سے ماخوذ ہو گا۔ یا زیادتی عطا برکت کا معنی ہے، دعا میں کہا جاتا ہے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِیْ عَطَائِكَ اے اللہ! اپنی عطا میں زیادتی فرما، یا اس کا معنی ہے عظمت و بزرگی جیسے بولتے ہیں یہ فلاں شخص کی برکت سے ہے، اس جگہ مبارک سے بعض علماء کے نزدیک نفع رساں مراد ہے، مجاہد نے کہا معلم خیر ہونا مراد ہے، عطائے اللہ کی توحید و عبادت کی طرف بلانے والا، بعض نے کہا مجھے اللہ نے ان لوگوں کے لئے جو میری پیروی کریں مبارک بنایا ہے۔

اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے۔ زکوٰۃ سے مراد ہے اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض مالیہ کو ادا کرنا اور نفس کو بری خصلتوں سے پاک کر لینا۔

بنغوی نے لکھا ہے شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے پاس کبھی مال تھا ہی نہیں پھر ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم کیا معنی رکھتا ہے اس کے جواب میں بعض لوگوں نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کا اس نے مجھے حکم دیا ہے، بعض نے کہا زکوٰۃ سے مراد اس جگہ مالی زکوٰۃ نہیں بلکہ بکثرت بھلائی کرنا مراد ہے، بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دوں۔ مَا دُمْتُ حَيًّا یعنی جب تک میں زندہ رہوں نماز اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔

اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے یا یہ ترجمہ ہے کہ اس نے مجھے والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اول ترجمہ پر بَرَّ بِمَعْنَى بَارًا اسم فاعل ہو گا اور دوسرے ترجمہ پر مصدر۔

اور اس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا۔ جَبَّارٌ، سرکش، مغرور۔ شَقِيٌّ اللہ کا نافرمان یا وہ شخص جو گناہ کرے اور توبہ نہ کرے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ السَّلَامُ، سلامتی، حفاظت، پیدائش کے وقت شیطان کے کچوکا دینے سے اور مرنے کے بعد عذاب قبر سے اور قیامت کے دن ہول قیامت اور عذاب دوزخ سے یا السلام سے مراد ہے اللہ کی طرف سے تحیت و رحمت ہر تغیر حالت کے وقت یعنی





اختلاف ہو گیا۔

سوان کافروں کے لئے ایک بڑے دن کے

قَوْلٍ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۶﴾

آنے سے بڑی خرابی ہونے والی ہے۔

وَيْلٌ اَصْلٌ فِي مَصْدَرٍ تَهْتَكُ بِمَعْنَى هَلَاكٍ۔ یہ جملہ فعلیہ کے قائم مقام ہے اور مبتدا ہونے کی حیثیت سے مبتداء ہے۔ جملہ فعلیہ کی جگہ جملہ اسمیہ کو دینے کی غرض یہ ہے کہ فعل کا دوام اور استمرار ظاہر ہو کسی زمانہ سے اقرار باقی نہ رہے۔ يَوْمٍ عَظِيمٍ یعنی روز قیامت، مَشْهَدٍ، بمعنی مصدر ہے، یعنی جس روز کہ جزاء و سزا اور حساب سامنے حاضر ہو گا یا مَشْهَدٌ ظرف زمان ہے یعنی وقت شہود یا ظرف مکان ہے، یعنی جس روز کہ ملائکہ اور ان کے انبیاء اور ہاتھ پاؤں اور اور بدن کی کھالیں ان کے کافر اور فاسق ہونے کی شہادت دیں گی۔

جس روز یہ لوگ ہمارے پاس (حساب و جزا کے لئے) آئیں گے، کیسے

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونا

کچھ شنو اور بینا ہوں گے۔

أَسْمِعْ بِهِمْ اور أَبْصِرْ دونوں فعل تعجب ہیں اور اللہ ہر تعجب سے پاک ہے (وہ کسی بات پر تعجب نہیں کرتا اس کے کوئی بات عجیب نہیں) اس لئے جمہور اہل تفسیر کے نزدیک آیت میں جس تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی حالت قابل تعجب ہوگی، دنیا میں تو اندھے بہرے بنے رہے، نہ حق کی بات سنی، نہ صورت حق آنکھوں سے دیکھی اگر وہاں کلمہ حق گوش قبول سے سنتے اور تصویر حق نظر قبول سے دیکھتے تو ان کو فائدہ ہوتا لیکن قیامت کے دن جب حق کی صورت سامنے آئی اور آواز حق سنی تو ایسے وقت کہ کوئی فائدہ نہ تھا، یا فعل تعجب سے مراد اظہار تعجب نہیں بلکہ تہدید اور ڈرانا مقصود ہے کہ قیامت کے دن یقیناً وہ اس عذاب کو دیکھیں گے اور وہ مایوس انگیز جھڑکیاں سنیں گے جن کا ان سے وعدہ کر لیا گیا ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ أَسْمِعْ اور أَبْصِرْ اس جگہ فعل تعجب نہیں ہیں امر کے صیغے ہیں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ مواعید قیامت ان کافروں کو سناؤ اور دکھاؤ۔

لیکن یہ ظالم آج دنیا میں کھلی ہوئی گمراہی میں

لَكِنَّ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۷﴾

پڑے ہوئے ہیں۔ لفظ الظَّالِمُونَ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں انہوں نے اپنی آنکھوں اور کانوں کا صحیح استعمال نہیں کیا اور حق کی طرف سے اپنے کو غافل بنائے رکھا۔ یہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ

ڈرائیے جب کہ آخری فیصلہ کر دیا جائے گا۔

یہ حسرت اس وقت ہوگی جب حساب ہو چکے گا، اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر جنت کے اندر اہل جنت اور دوزخ کے اندر دوزخی کبھی نہیں مریں گے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، موت کو چت کبرے میں ڈھکی کی شکل میں قیامت کی دن سب کے سامنے لایا جائے گا پھر ایک منادی پکارے گا، اے اہل جنت، جنت والے سر اٹھا کر جھانک کر دیکھیں گے، منادی کہے گا کیا اس کو پہچانتے ہو، اہل جنت کہیں گے ہاں یہ موت ہے، پھر سب کی نظروں کے سامنے اس کو ذبح کر دیا جائے گا اور منادی کہے گا، اے جنت والو یہاں تمہاری دوائی زندگی ہے موت نہیں۔ پھر وہی منادی دوزخیوں کو پکارے گا دوزخ والو تم کو یہاں ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے آیت وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ تلاوت فرمائی۔ رواہ

البخاری

شیخین نے صحیحین میں بھی حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے، شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے لیکن اس میں آیت کو تلاوت فرمانے کا ذکر نہیں ہے۔

ابو یعلیٰ، بزار اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت انسؓ کی روایت سے اور حاکم و ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اس میں بھی قرأت آیت کا ذکر نہیں ہے۔  
**يَوْمَ الْحَسْرَةِ** کی تشریح میں بیضاوی نے لکھا ہے اس روز سب لوگ افسوس کریں گے، بدکار اپنی بدکاری پر اور نیکو کار اپنے نیکی کم کرنے پر۔

طبرانی اور ابو یعلیٰ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کو صرف اس ساعت پر افسوس ہوگا جس میں دنیا کے اندر انہوں نے اللہ کی یاد نہیں کی اور وہ گھڑی یونہی گزر گئی۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مرنے والے کو پشیمانی ضرور ہوگی، صحابہؓ نے عرض کیا پشیمانی کیسی۔ فرمایا اگر نیکو کار ہوگا تو اس کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ اس نے اس سے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور بدکار کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہ رہا۔

**وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ** اور وہ لوگ آج دنیا میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی جس گمراہی میں وہ پڑے ہوئے ہیں اس سے بھی غافل ہیں اور آخرت میں ان سے جو معاملہ کیا جائے گا اس کی طرف سے بھی غافل ہیں۔

اور وہ ایمان نہیں لاتے۔ یعنی سچے منبر (رسول اللہ ﷺ) کی خبر کی تصدیق نہیں کرتے۔  
**وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ** ۱۹

**إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَحْنُ عَلِيمَا** (لیکن آخر ایک دن سب مر جائیں گے) اور تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث (آخر مالک) کہہ جائیں گے یعنی زمین اور زمین کے رہنے والے سب فنا ہو جائیں گے، صرف اللہ باقی رہ جائے گا، جس طرح مورث کے مرنے کے بعد وارث رہ جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی کی مالکیت باقی نہیں رہے گی صرف اللہ کا اقتدار باقی رہ جائے گا۔ من (جو لوگ) سے مراد عام ہے جو لوگ ہوں یا جو چیز ہو تغلیباً من (جو اہل عقل کے لئے استعمال ہوتا ہے) ذکر کیا گیا ہے ورنہ مراد عام ہے۔

**وَالَّذِينَ يَرْجِعُونَ** ۲۰ اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹا کر لایا جائے گا۔ یعنی قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد ہماری طرف سب کو لوٹا کر لایا جائے گا۔ اور ہم اعمال کے مطابق ان کو سزا و جزا دیں گے۔

**وَإِذْ كُنَّا فِي الْحَكِّتِ ابْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا** ۲۱ اور کتاب (قرآن)

میں ابراہیم (کے واقعہ) کو یاد کرو بلاشبہ وہ صدیق اور نبی تھا۔ صدیق کس کو کہتے ہیں، مختلف علماء نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ (۱) بہت سچ بولنے والا۔ (۲) جو کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ (۳) سچ بولنے کا عادی ہو، صدق کی عادت کی وجہ سے اس سے کذب کا صدور نہ ہو۔ (۴) جس کا اعتقاد بھی صحیح ہو اور قول بھی سچا اور اس نے اپنے عمل سے اپنے قول کی تصدیق کی ہو اور قول کے مطابق عملی مظاہرہ کرتا ہو۔ (۵) اللہ کی تمام غیبی صفات اللہ کے انبیاء اور ملائکہ اور قیامت جن کا بیان اللہ نے کیا ہے سب کی تصدیق کرتا ہو۔ اللہ نے جن کاموں کو کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہے ان امور کو اللہ کے حکم کے مطابق اچھلایا بر اجانتا ہو اور احکام خداوندی کی عملی پابندی بھی کرتا ہو اور اپنے عمل سے تصدیق قلبی و لسانی کو ثابت کرتا ہو، ایسا آدمی صدیق ہے۔

میں کہتا ہوں کثرت تصدیق سے یہ مراد نہیں ہے کہ زیادہ اور کثیر امور کی تفصیل وار تصدیق کی جائے جیسا کہ بغوی کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوئے پورے دین کی اور تمام عقائد و اعمال کی تصدیق ہر مومن کے لئے ضروری ہے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوئے کسی ایک مسئلہ کے انکار سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ ہاں مومنوں میں سے کچھ لوگ تمام اوامر و نواہی کے عملی پابند ہوتے ہیں، ہر حکم شرعی کو بجالاتے ہیں ایسے لوگ صالحین کہلاتے ہیں لیکن ہر صالح کو صدیق نہیں کہا جاسکتا۔ حقیقت میں صدیقیت کا مرتبہ تصدیق و ایمان کی قوت و شدت سے حاصل ہوتا ہے ایمان کی قوت درجہ صدیقیت پر فائز کرتی ہے۔ ایمان و تصدیق کی قوت انبیاء کو تو براہ راست بلا کسی توسط کے حاصل ہوتی ہے

اور امت والوں کو انبیاء کی کامل پیروی کرنے اور ظاہر و باطن ہر طرح کے پورے پورے اتباع سے۔ امتی کمالات نبوت میں جب ڈوب جاتا ہے اور انبیاء کی وراثت و جمعیت سے اس پر ذاتی خالص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو درجہ صدیقیت تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔

آیت اُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ میں اپنے فیضان و انعام کا حامل چار قسم کے لوگوں کو قرار دیا، انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ دوسرے مومنوں کو انہی کی معیت و ہمراہی کی بشارت دی۔ سورۃ النساء میں اس آیت کی تفصیلی توضیح ہم کر چکے ہیں، صدیق وہی جماعت ہے جن کا ذکر سورۃ واقعہ کی آیت ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأُولَئِينَ وَ قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ میں کیا ہے اور ہم نے اس کی تشریح اسی مقام پر کر دی ہے۔

انبیاء کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سب سے بڑے صدیق تھے اور صحابہ میں سے جلیل القدر صحابہ سب سے اونچے تھے اور جلیل القدر صحابہ میں بھی حضرت ابو بکرؓ سے بڑے صدیق تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو صدیق فرمایا تھا اور اسی پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ میں ہی صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد جو صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے یعنی میرے مرتبہ کے بعد نچلے درجہ پر رہتے ہوئے جو شخص صدیق اکبر ہونے کا مدعی ہو گا وہ کاذب ہے۔ بعد ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ میرے بعد جو مدعی ہو گا، بلکہ بعدیت سے مراد ہے مرتبہ کی بعدیت اور درجہ میں پیچھے رہنا۔

نبی کا لفظ یا نبوۃ سے ماخوذ ہے یعنی عالی قدر، اونچے مرتبہ والا، اللہ کی طرف سے پیغمبر بنایا ہوا۔ نبوۃ ٹیلہ، زمین کا ابھرا ہوا اونچا حصہ۔ یا نباء خبر سے ماخوذ ہے یعنی اللہ کی طرف سے دین حق سے باخبر۔ جس کو براہ راست اللہ کی طرف سے خبر دی جاتی ہے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۗ

جب اس نے اپنے باپ سے کہا، میرے باپ آپ کیوں ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ کچھ سنتی ہیں ان کے پاس سننے کی طاقت نہیں ہے) نہ کچھ دیکھتی ہیں (ان کے پاس نور نظر نہیں ہے) نہ آپ کے کام آتی ہیں (ان میں نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے) یعنی ان کے پاس سننے والے کان نہیں کہ آپ کی دعا اور پکار کو سن سکیں، نہ دیکھنے والی آنکھیں کہ تمہاری پوجا اور تمہاری حالت دیکھ سکیں، نہ ان میں نفع پہنچانے یا دکھ کو دور کرنے کی طاقت ہے کہ تمہارے کام آسکیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے باپ کو نہایت ادب، احترام اور شفقت و محبت کے لہجہ میں بے راہ روی اور گمراہی پر متنبہ کیا اور بے دھڑک یہ نہیں کہہ دیا کہ تو گمراہی میں پڑا ہوا ہے بلکہ باپ کے معبودوں کی بے بسی، کمزوری اور بے حسی کو مدلل طور پر ظاہر کیا اور دریافت کیا کہ آخر ان کی عبادت کرنے سے آپ کی کیا غرض ہے یہ تو بے حس اور بے طاقت ہیں ان کے سامنے جھکنا ہی تقاضائے دانش کے خلاف ہے، پوجا کرنی تو بجائے خود رہی پوجا تو اس ذات کی ہونی چاہئے جو خود محتاج نہ ہو، اس کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو، دکھ سکھ پہنچانے کی اس کو پوری قدرت ہو، نفع پہنچا سکے اور ضرر کو دفع کر سکے، زندگی، موت اور رزق دینا نہ دینا اس کے اختیار میں ہو، سزا جزا دینا اس کے قبضہ میں ہو، اس کو ہر چیز پر کامل اقتدار حاصل ہو۔ وہ ممکن محتاج جو خود اپنی ہستی و بقاء ہستی اور لوازم ہستی میں دوسرے کا دست نگر اور محتاج ہے معبود ہونے کا مستحق نہیں ہو سکتا خواہ اس کے پاس سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور دکھ سکھ پہنچانے اور ضرر دفع کرنے کی بظاہر ناقص قوت بھی ہو، یہاں تک کہ فرشتہ یا پیغمبر ہو تب بھی معبود ہونے کا اس کو استحقاق نہیں۔ عقل سلیم اس کی پوجا کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ وہ کچھ بھی ہو بہر حال اس کا وجود اس کا اپنا وجود نہیں۔ مانگا ہوا اور دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ پھر وہ ممکن جو بے سمع، بے بصر اور بے طاقت و بے حس ہو اس کو تو بدرجہ اولیٰ معبود بننے یا معبود قرار دیئے جانے کا کوئی حق نہیں، ایسے بے علم، بے طاقت، بے حس، بے بس کی پوجا تو سراسر کوردانسی

يَا بَتِ اِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي اِهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۳۰

اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں پہنچا آپ میرے کہنے پر چلیے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ یعنی اللہ کی ذات، صفات اور اس کے احکام کا جو علم مجھے ملا ہے وہ آپ کو نہیں ملا، لہذا دین و مذہب کے معاملہ میں آپ میری بات مانیں اور اس کے موافق چلیں میں آپ کو مذہبی راستہ سیدھا بتاؤں گا جو آپ کو فلاح دارین تک لے جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو ہر طرح سے اونچا عالم اور باپ کو صراحت کے ساتھ جاہل نہیں فرمایا، بلکہ ایک ہم سفر رفیق کی طرح راستہ بتانے کا اظہار کیا اور اپنے کو زیادہ راہ شناس بتایا۔ اس سے آگے ذیل کی آیت میں بیان کیا کہ جس راستہ پر آپ چل رہے ہیں نہ فقط یہ کہ وہ نفع رساں نہیں ہے بلکہ ضرر رساں بھی ہے، وہ شیطان کا راستہ ہے اور شیطان رحمن کا نافرمان ہے۔ اس لئے اس کی پوجا نہ کرو۔

يَا بَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝۳۱

اے میرے باپ آپ شیطان کی پوجا نہ کریں، بے شک شیطان رحمن کا نافرمان ہے۔ یعنی شیطان کفر اور بت پرستی کو تمہاری نظر کے سامنے آراستہ اور دلکش بنا کر لاتا ہے تم اس کا کہنا مانو، اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلو، کیونکہ شیطان اس خدا کا جو منعم، محسن مہربان ہے سخت نافرمان ہے اور ظاہر ہے کہ رب کے نافرمان کا اتباع کرنے والا بھی رب کا نافرمان قرار پائے گا اور جو رب کا نافرمان ہو گا اس سے رب منعم اپنی نعمتیں چھین لے گا اور ایسے احسان فراموش سے انتقام لے گا۔

يَا بَتِ اِنِّي اَخَافُ اَنْ يَّمْسَكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ ۝۳۲

اے میرے باپ مجھے ڈر ہے کہ رحمن کی طرف سے کوئی عذاب آپ پر (نہ) آجائے، یعنی اگر آپ کفر اور شیطان کی اطاعت پر قائم رہیں گے تو رحمن کی طرف سے (باوجود یہ کہ اس کی رحمت کاملہ ہے) کوئی سخت عذاب آجائے گا مجھے اس کا اندیشہ ہے اس کی رحمت اگرچہ فرماں برداروں پر بہت زیادہ ہے لیکن سرکش نافرمانوں پر اس کا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

فَتَكُونَنَّ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝۳۳

پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے۔ شیطان پر دنیا میں جو لعنت ہے وہ آپ پر بھی ہو جائے گی اور آخرت میں جو عذاب شیطان پر ہو گا وہ آپ پر بھی ہو گا اس طرح آپ کے ساتھ شیطان اور شیطان کے ساتھ آپ کا جوڑ اور اتصال ہو جائے گا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت میں شیطان کے صرف نافرمان ہونے کا ذکر کیا، دوسرے جرائم کا ذکر نہیں کیا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اللہ کی نافرمانی ہی تمام جرائم کی جڑ ہے اسی سے سب جرائم پیدا ہوتے ہیں یا یہ وجہ ہو کہ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد سے دشمنی کا نتیجہ بصورت معصیت نکلا (پس جو شیطان رب کا نافرمان انسان کی دشمنی کی وجہ سے ہو اس کی پوجا انسان کے لئے کسی طرح زیبا نہیں وہ تو دشمن ہے)

قَالَ اَرَاغِبُ اَنْتَ عَنِ الْهَيْمٰنِ ۝۳۴

ابراہیمؑ کے باپ نے کہا ابراہیمؑ کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے (اس لئے ان کی مذمت کر رہا ہے) حضرت ابراہیمؑ نے تو نرمی، ادب اور اخلاق کے ساتھ باپ کو مشورہ دیا تھا لیکن باپ نے (انتہائی کفر و جہالت کی وجہ سے) درشت کلامی، بد خلقی اور سختی کا مظاہرہ کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا تھا اے میرے باپ لیکن باپ نے میرے بیٹے کہنے کی جگہ بیٹے کا نام لے کر خطاب کیا پھر دھمکی آمیز کلام کیا اور بطور تہدید کہا کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے۔

لٰكِنَّ لَمْ تَنْتَهَ لِاَرْجَمَنَّكَ وَاَهْجُرَنَّيْ ۝۳۵

اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر ماروں گا اور تو ہمیشہ کے لئے (میرے پاس سے چلا جا)۔ مجھے چھوڑ جا۔

کلبی، مقاتل اور ضحاک نے لَمْ تَنْتَهَ لِاَرْجَمَنَّكَ کا ترجمہ کیا، میں تجھے گالیاں دوں گا، سخت ست کہوں گا، برا بھلا کہہ کر تجھے نکال دوں گا۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے، حسن نے ترجمہ کیا میں تجھے ضرور سنگسار کر دوں گا۔

وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا كَمَا مَطْلَبِ كَلْبِي نِي بِيَانِ كَمَا مَجْهٍ سِي الْكُ هُوَ جَا طَوِيلِ مَدَتِ تَكْ - مَجَاهِدٌ أَوْ عَكْرَمَةُ نِي مَلِيًّا كَمَا تَرْجَمُهُ كَمَا وَقْتُ طَوِيلِ  
اور سعید بن جبیر نے کہا ہمیشہ۔ مَلِيًّا كَالْعَوِي مَعْنَى هُوَ تَهَيَّرْنَا، تَمَلُّبَتِ حِينَئِذِينَ فِي وَاقْتِ تَكْ تَهَيَّرْنَا رَهْبًا - مَلُوَانِ رَاتِ دِنِ -  
قتادہ اور عطائے نے کہا صحیح سالم الگ ہو جا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، میرے پاس سے صحیح سالم چلا جا ورنہ تجھے میری طرف سے  
دکھ پہنچ جائے گا۔

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۝

ابراہیمؑ نے کہا

سَلَامٌ عَلَيْكَ مِي اِنِے رَبِّ سِي اَپْ كِي لِي مَعَانِي طَلْبِ كِرُوں كَا، بِلَا شَبَهٍ وَهٖ مَجْهٍ پَر مَهْرَبَانَ هِي۔

حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے یہ سلام رخصت تھا۔ اہل حلم، کم ظرف جاہلوں کی بد سلوکی کے بدلہ میں بھلائی کا برتاؤ  
کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا - سَلَامٌ عَلَيْكَ كِنِي كَا يِي مَطْلَبِ هِي كِي مِي رِي  
طرف سے آپ کو دکھ نہیں پہنچے گا، آپ کچھ بھی میرے ساتھ کریں میں تو آپ کے لئے اپنے رب سے معافی کی درخواست  
کروں گا۔ اکثر اہل تفسیر نے سَأَسْتَغْفِرُكَ كِي تَشْرِيحِ مِي لَكْهَا هِي كِي اِسْ كَا مَطْلَبِ يِي نِي سِي كِي مِي اللّٰهِ سِي مَشْرِكِ بَابِ  
كِي مَغْفِرَتِ كِي دَعَا كِرُوں كَا بَلَكْهٖ مَطْلَبِ يِي هِي كِي مِي اِنِے رَبِّ سِي دَعَا كِرُوں كَا كِي وَهٖ اَپْ كُو مَشْرِكِ وَكُفْرِ سِي تَوْبَةِ كِرُنِي اَوْر اِسْلَامِ وَ  
ایمان اختیار کرنے کی توفیق عنایت کر دے، جو امر موجب مغفرت ہو اس کے حاصل ہونے کی توفیق ملنے کی دعا مشرک کے  
لئے کی جاسکتی ہے ایمان و اسلام موجب مغفرت ہے پس توفیق ایمان کی دعا مشرک کے لئے ناجائز نہیں۔

مِي كَمْتَا هُوں اِيْتِ كِي يِي تَشْرِيحِ غَلَطِ هِي اللّٰهُ نِي دُوسْرِي جِگْهٖ فَرْمَا يِي قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِى اِبْرَاهِيمَ  
الْخِ اِسْ اِيْتِ مِي اللّٰهُ نِي حَضْرَتِ اِبْرَاهِيمَ كِي طَرِيقِ پَر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے اور آخر میں یہ بھی فرمادیا کہ مشرک کے لئے  
استغفار کرنے کے معاملہ میں تم ابراہیمؑ کی پیروی نہ کرو، باوجود یہ کہ ہر مشرک کے لئے ایمان کی توفیق ملنے کی دعا کی جاسکتی ہے  
اگر استغفار کا مطلب آیت مذکورہ میں دعاء توفیق ایمان ہو تا تو ایسے استغفار کرنے میں ابراہیمؑ کی پیروی کیوں ناجائز قرار دی جاتی  
ایسا استغفار تو ہر مشرک کے لئے ہو سکتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو باب سے کہا سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي يِي  
اس وقت کہا تھا جب مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی ممانعت آپ کو معلوم نہ تھی، جب ممانعت کا حکم ہو گیا تو پھر  
آپ نے باپ سے اظہار براءت کیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا تھا خدا کی قسم میں ضرور آپ کے لئے دعاء  
مغفرت کرتا رہوں گا، جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے، آخر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا  
لِلْمُشْرِكِينَ الْخِ نَاذِلِ هُوَ كِي، اِسْ اِيْتِ كِي تَشْرِيحِ سُوْرَةِ بَرَاءَةِ مِيں گزر چکی ہے۔ اِسْ كِي علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہر نبی کی  
خاص دعا قبول کی جاتی ہے اگر حضرت ابراہیمؑ باپ کے لئے توفیق ایمان کی درخواست کرتے تو اللہ ضرور اس کو توفیق ایمان فرما  
دیتا، لیکن آزر کے لئے ایمان مقدر ہی نہ تھا، اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے اس کو ایمان نصیب ہونے کی دعا ہی نہیں کی۔

كَانَ بِي حَفِيًّا كَا يِي مَطْلَبِ هِي كِي وَهٖ مَجْهٍ پَر بڑی مہربانیاں اور کرم کرنے والا ہے۔ کَلْبِي نِي كَمَا وَهٖ عَالَمِ هِي مِي رِي دَعَا كُو  
جاننا اور قبول فرماتا ہے۔ مجاہد نے کہا اس نے مجھے قبول دعا کا عادی بنا دیا ہے۔ (وہ میری بد دعا بھی قبول فرمالیتا ہے)۔

وَاعْتَزِلْكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور میں (اپنے دین کو لے کر) تم لوگوں سے اور ان  
چیزوں سے جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو الگ ہو جاؤں گا۔ مقاتل نے کہا حضرت ابراہیمؑ کو نبی سے ہجرت کر کے ارض پاک کو  
چلے گئے، الگ ہونے کی آپ نے یہی شکل اختیار کی۔

وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝

اور اپنے رب کی عبادت کروں  
گا، امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہیں رہوں گا، یعنی جس طرح تم لوگ بتوں کی پوجا کر کے اور ان کو پکار کے  
ناکام رہتے ہو اس طرح میں اپنے رب کو پکار کر اور اس کی عبادت کر کے نامراد نہیں رہوں گا۔ لَفْظِ عَسَىٰ اَمِيْدِ هِي، قَرِيْبِ هِي  
کا استعمال محض تواضع اور انکسار نفس و اظہار عجز کے طور پر کیا ورنہ اللہ کی عبادت اور اس سے دعا کرنے میں حضرت ابراہیمؑ

یقیناً ناکام نہیں تھے، نہ رہ سکتے تھے۔ اس لفظ سے اس امر کی طرف ایماء بھی ہے کہ دعا کا قبول کرنا اور عبادت کا ثواب دینا محض اللہ کی مہربانی پر موقوف ہے اس پر لازم نہیں ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خاتمہ پر دار و مدار ہے اور خاتمہ کا علم کسی کو نہیں۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝۱۹

پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور اللہ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان سے علیحدہ ہو گئے تو ہم نے اس کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا کیا اور (ان دونوں میں سے) ہر ایک کو نبی بنایا۔ یعنی جب سب کو چھوڑ کر ابراہیم ملک شام کو چلے گئے تو چھوٹے ہوئے کافر قرابت داروں کے عوض ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب عطا فرمائے اور عزت مند اولاد دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو پیغمبر بنایا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ صرف حضرت اسحاق و حضرت یعقوب کا ذکر شاید اس لئے خصوصیت کے ساتھ کیا کہ یہ دونوں بزرگ آئندہ پیغمبروں کی اصل تھے۔ (حضرت اسماعیل کی نسل میں تو سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی نبی نہیں ہوا) کیا یہ وجہ ہے کہ حضرت اسماعیل کا مستقل ذکر علیحدہ کرنا تھا۔

اور ہم نے ان (تینوں) کو اپنی رحمت کا ایک حصہ عطا فرمایا۔ کلبی کے نزدیک وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا

رحمت سے مال اور عزت مند اولاد مراد ہے، بعض نے کہا کتاب و نبوت مراد ہے۔

اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور اونچا کیا۔ وَجَعَلْنَا لَهُم لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝

لِسَانُ (زبان) سے مراد وہ الفاظ ہیں جو زبان سے نکلتے ہیں لِسَانُ الْعَرَبِ، لغت عرب، عرب کا کلام۔ لِسَانٌ صِدْقٌ یعنی وہ باتیں جن کی تمام مذاہب والے تعریف کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فَمِنَ الْآخِرِينَ اللّٰهُ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ صِدْقٌ کی طرف لِسَانٌ کی اضافت اور پھر لِسَانٌ کی صفتِ عَلُوٌّ کا ذکر بتا رہا ہے اس بات کو کہ جو کچھ ان کی تعریف و ثنا کی جاتی ہے اس کے وہ مستحق ہیں ان کی ایسی خوبیاں ہیں جو امتداد زمانہ کے باوجود پوشیدہ نہیں ہیں۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝۲۰ اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر پڑھو، بلاشبہ وہ (اللہ کا) منتخب اور عالی قدر پیغمبر تھا۔ مُخْلَصًا یعنی اللہ نے ان کو چن لیا تھا اور اپنے لئے منتخب کر لیا تھا اور غیر کی طرف توجہ کرنے سے پاک کر دیا تھا۔

رَسُولًا نَّبِيًّا رسالت کا مرتبہ نبوت سے اونچا اور افضل ہے اسلئے رَسُولًا کے بعد نَبِيًّا کہنے کی بظاہر ضرورت نہیں تھی، ہم صِدْقًا نَبِيًّا کی تشریح میں لکھ چکے ہیں کہ لفظ نَبِيٌّ جس طرح نَبَا سے مشتق ہے اسی طرح نَبُوَّةٌ بمعنی رفعت و علو سے بھی ماخوذ ہے، پس نبی کا ترجمہ ہو عالی قدر، اونچے مرتبہ والا، لیکن اللہ جس کو رسول بناتا ہے اس کو اپنی پیغمبری کا مرتبہ دے کر عالی قدر بھی بناتا ہے اور اپنے احکام سے براہ راست باخبر بھی فرماتا ہے پس موسیٰ کو اللہ نے اپنے لئے چن لیا تھا ان کو، عالی قدر رسول بنایا تھا۔

وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ اور ہم نے ان کو طور کے دائیں جانب سے پکارا۔ مصر

اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ تھا جس کو طور کہا جاتا تھا۔ بعض علماء نے اس کا نام زبیر بتایا ہے۔ حضرت موسیٰ مدین سے آرہے تھے، مصر کی طرف جانے کا ارادہ تھا، آپ کے دائیں جانب کوہ طور واقع تھا، دور سے آپ نے آگ روشن دیکھی اور ندا آئی يٰمُوسَىٰ اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ پہاڑ کا تو کوئی دایاں بائیں رخ نہیں ہوتا اس لئے موسیٰ کا دایاں جانب مراد ہے یعنی وہ مقام جہاں کوہ طور موسیٰ کے دائیں جانب تھا۔ يٰ اَيْمَنُ کا معنی ہے يَمْنُنُ برکت والا یعنی طور کے مبارک جانب سے ہم نے موسیٰ کو پکارا، مبارک جانب سے مراد ہے وہ رخ جہاں سے اللہ کا کلام آرہا تھا۔

وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝ اور راز کی باتیں کرنے کے لئے ان کو مقرب بنایا۔ اللہ نے موسیٰ کو اپنا بے کیف قرب

عنایت کیا جو وجدانی ہے، بیانی نہیں نَجِيًّا سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے اس کو اپنا کلام سنایا اور اس نے اللہ سے کلام کیا۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ﴿۵۱﴾

ہارون کو نبی بنا کر ان کو عطا فرمایا۔ حضرت ہارون عمر میں حضرت موسیٰ سے بڑے تھے، اس لئے یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ موسیٰ کے لئے ہم نے ہارون کو پیدا کیا (بلکہ مراد یہ ہے کہ موسیٰ کی وجہ سے ہارون کو نبوت عطا کی اور یہ عطاء نبوت موسیٰ کی درخواست پر ہوا) بغوی نے لکھا ہے اسی لئے حضرت ہارون کا نام بِسْمَةِ اللّٰهِ (عطیہ خداوندی) ہو گیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمٰعِيْلَ ذَا الَّذِي كَانَتْ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿۵۲﴾

اور کتاب میں اسمعیل کا تذکرہ پڑھو بلاشبہ وہ وعدہ کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام اسمعیل تھا۔ حضرت اسمعیل رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ تھے، آپ وعدے کے سچے تھے، بقول مجاہد جو وعدہ کیا اس کو پورا کیا۔ مقاتل نے کہا حضرت اسمعیل نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو واپس نہ آئے گا میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا وہ شخص تین روز میں یا بقول کلبی سال کے بعد واپس آیا اور حضرت اسمعیل کو اسی جگہ منتظر پایا۔ وعدے کی سچائی اس سے بڑھ کر اور کونسی ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے والد محترم حضرت ابراہیم سے کہا سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ آپ مجھے صابر پائیں گے، اللہ نے جو کچھ آپ کو حکم دیا بجالیئے، چنانچہ ذبح ہونے پر ثابت قدم رہے بے تابی کا اظہار نہیں کیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ رسول کا صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں، حضرت اسمعیل رسول تھے اور ابراہیم شریعت پر تھے، خود صاحب شریعت نہیں تھے، حضرت ابراہیم کی اولاد شریعت ابراہیمی پر تھی۔

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۳﴾

اور وہ اپنے گھر والوں کو خصوصیت کے ساتھ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے ہاں وہ برگزیدہ پسندیدہ تھے۔ حضرت اسمعیل خصوصیت کے ساتھ اپنے گھر والوں کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم اس لئے دیتے تھے کہ گھر والوں کی اصلاح سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ آدمی کو چاہئے کہ سب سے پہلے اپنی درستی کی طرف توجہ کرے پھر اقرب ترین لوگوں کی طرف اصلاح کا رخ موڑے پھر دوسرے لوگوں کی اصلاح کی فکر کرے۔ اللہ نے فرمایا ہے **وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ - وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ - قُواْ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا**۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل سے مراد ساری امت ہے انبیاء اپنی اپنی امتوں کے باپ ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا نماز و زکوٰۃ سے مراد وہ شریعت ہے جس کی تعمیل اللہ نے اسمعیل پر فرض کی تھی اور وہی ملت حنفیہ (دین ابراہیمی) ہم پر فرض ہے، نماز تمام بدنی عبادت میں اور زکوٰۃ تمام مالی عبادت میں افضل ہے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ انہی دونوں کا ذکر کیا اور نہ مراد تو پوری شریعت ہے۔

مَرْضِيًّا یعنی اللہ نے ان کو اپنی پیغمبری اور نبوت کے لئے پسند کر لیا تھا اور وہ اللہ کی طاعت پر قائم اور اعمال و افعال کی استقامت کے پابند تھے اس لئے اللہ ان سے راضی تھا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرِيسَ ذَا الَّذِي كَانَتْ صِدْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾

اور کتاب میں اور لیس کا تذکرہ پڑھو، بلاشبہ وہ صدیق نبی تھے، اور لیس حضرت نوح کے پرداد اور حضرت شیث کے نواسے تھے، آپ کا نام اخنوخ تھا، درس کتب کی وجہ سے آپ کو اور لیس کہا جاتا تھا (بہت پڑھنے والے) بیضاوی نے لکھا ہے اور لیس غیر منصرف ہے (اس سے معلوم ہوا کہ یہ عربی نام نہیں) پھر درس سے مشتق ہونے کا کوئی معنی نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ جس زبان کا یہ لفظ ہو اس میں بھی لفظ اور لیس کا معنی (کثیر الدرس یا اس کے قریب کوئی معنی ہو اور اسی بناء پر اور لیس کو اور لیس کہا جاتا ہو) عربی معنی کے موافق ہو۔ اللہ نے حضرت اور لیس پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت اور لیس قلم سے لکھنے اور کپڑا سینے اور سیاہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں، آپ سے پہلے لوگ کھالوں کو بطور لباس استعمال کرتے تھے، آپ ہی نے سب سے پہلے ہتھیر بنائے اور



کافروں سے جنگ کی۔ علم نجوم و حساب کے بھی آپ ہی موجد تھے۔

اور ہم نے (کمالات میں) ان کو اونچی جگہ تک پہنچایا، بعض علماء نے کہا مکاناً

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

علیاً سے مراد ہے نبوت اور قرب خدا کا اونچا درجہ، بعض کے نزدیک جنت، بعض کے نزدیک چھٹایا چوتھا آسمان مراد ہے۔ حضرت انس بن مالک نے حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت سے بیان کیا کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت اور لیس کو چوتھے آسمان پر دیکھا تھا، یہ حدیث سورہ بنی اسرائیل اور سورہ انجم میں بیان کر دی گئی ہے۔

حضرت اور لیس کے آسمان پر اٹھائے جانے کا قصہ

کعب احبار وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت اور لیس ایک روز دن بھر چلے اور دھوپ کی تیزی اور تپش سے آپ کو تکلیف ہوئی بارگاہ الہی میں عرض کیا میرے رب ایک روز دھوپ کی تپش میں چلنے سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی پانسو برس کی مسافت جو ایک دن میں چلنے پر مجبور ہو اس کی کیا حالت ہوگی، اے میرے رب اس سورج کی گرمی ہلکی کر دے اور جو فرشتہ اس کو چلاتا ہے اس کا بار کم کر دے۔ دوسری صبح کو فرشتہ کو محسوس ہوا کہ سورج میں گرمی ہلکی ہو گئی جو روز کے معمول کے خلاف تھی، عرض کیا اے میرے رب تیرے اس حکم (تخفیف) کی کیا وجہ ہے، اللہ نے فرمایا میرے بندے اور لیس نے درخواست کی تھی کہ میں سورج کی گرمی کم کر کے تیرے اوپر سے اس کا بار ہلکا کر دوں میں نے اس کی دعا قبول کر لی، فرشتہ نے عرض کیا پروردگار میری اس سے دوستی کرادے، اللہ نے اجازت دیدی، آفتابی فرشتہ حضرت اور لیس کے پاس آیا اور لیس نے اس سے دریافت کیا اور کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو بڑا معزز فرشتہ ہے اور ملک الموت کے پاس تیری بڑی عزت ہے تو ملک الموت سے میری سفارش کر دے کہ وہ میری موت میں کچھ مدت ڈھیل کر دے تاکہ میں اللہ کے شکر و عبادت میں مزید اضافہ کر سکوں، فرشتہ نے کہا آئی ہوئی اجل کو تو اللہ کسی کے لئے نہیں ٹالتا بہر حال میں ملک الموت سے کہوں گا۔ اس کے بعد آفتابی فرشتہ اور لیس کو آسمان پر اٹھا کر لے گیا اور طلوع آفتاب کے مقام کے قریب ان کو ٹھہرایا، پھر ملک الموت سے جا کر کہا میرا آپ سے ایک کام ہے بنی آدم میں سے میرا ایک دوست ہے جس نے مجھ سے سفارش کرائی ہے کہ آپ اس کی موت کو کچھ پیچھے کر دیں، ملک الموت نے اپنے رجسٹر میں اور لیس کا نام دیکھا، دیکھ کر بولا آپ نے مجھ سے ایسے شخص کے متعلق گفتگو کی ہے جو میرے خیال میں آئندہ کبھی نہیں مرے گا کیونکہ اس کا نام زندوں کے اس رجسٹر میں نہیں ہے جو مرنے والے ہیں، آفتابی فرشتہ نے کہا یہ کیسے، ملک الموت نے کہا میں نے اپنی رجسٹر میں یہ بات پائی کہ وہ آدمی طلوع آفتاب کے مقام کے قریب مرے گا۔ چنانچہ وہ مر گیا اب زندہ نہیں ہے آفتابی فرشتہ نے کہا میں جو آپ کے پاس آیا ہوں تو اس کو چھوڑ کر آیا ہوں ملک الموت نے کہا اب جا کر دیکھو تم اس کو مردہ پاؤ گے اس کی زندگی کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے فرشتہ نے جا کر دیکھا تو اور لیس کو مردہ پایا۔

وہب بن منبہ نے کہا آسمان پر اور لیس زندہ ہیں یا مردہ علماء کے اقوال اس کے متعلق مختلف ہیں، ایک گروہ نے کہا وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور صرف وہ ہی نہیں بلکہ چار انبیاء زندہ ہیں خضر اور الیاس زمین پر اور اور لیس و عیسیٰ آسمان پر۔ وہب نے بیان کیا آسمان پر روزانہ اور لیس کی اتنی عبادت پہنچتی تھی جتنی ساری زمین کے باشندوں کی، فرشتوں کو اس پر تعجب ہوا اور ملک الموت کو اور لیس سے ملنے کا شوق ہوا اور اللہ سے اجازت لے کر وہ اور لیس کی ملاقات کو آدمی کی شکل میں آیا۔ اور لیس ہمیشہ روزے رکھتے تھے جب انظار کا وقت آیا تو ملک الموت کو بھی انہوں نے کھانے پر بلایا، ملک الموت نے کھانے سے انکار کر دیا تین روز ایسا ہی ہوتا رہا، اب اور لیس کو ملک الموت کا انکار ناگوار ہوا اور تیسری شب کو ملک الموت سے پوچھا میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں، ملک الموت نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں اپنے رب سے آپ کے ساتھ رہنے کی اجازت لے کر آیا ہوں، اور لیس نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے، ملک الموت نے کہا کیا کام ہے، اور لیس نے کہا آپ میری روح قبض کر لو۔ فرشتہ نے روح قبض کر لی پھر پھوڑی دیر کے بعد اللہ نے روح واپس کر دی، ملک الموت نے پوچھا آپ نے جو روح قبض کرنے کی درخواست کی تھی اس کی غرض کیا تھی، اور لیس نے کہا میں موت کی تکلیف اور گہرائی کا مزہ چکھنا چاہتا تھا (بالکل مر جانا میرا مقصد نہیں تھا)

تاکہ موت کے لئے میری قابلیت زیادہ قوی ہو جائے (یعنی آئندہ جب مجھ پر موت آئے تو میرے اندر اس کی تکلیف اٹھانے کی صلاحیت کامل ہو اور کیفیت موت سے میں آشنا ہو چکا ہوں) اس کے بعد حضرت اور لیس نے ملک الموت سے کہا میرا آپ سے ایک کام اور ہے ملک الموت نے پوچھا وہ کیا ہے، اور لیس نے کہا آپ مجھے آسمان پر لے جائیں تاکہ میں وہاں کے احوال دیکھ لوں اور جنت و دوزخ کی طرف بھی لے جائیں۔ اللہ نے ملک الموت کو اور لیس کی درخواست پوری کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ ملک الموت اور لیس کو لے گئے دوزخ پر پہنچے تو اور لیس نے ملک الموت سے کہا، آپ مالک (مہتمم دوزخ) سے کہہ کر دوزخ کے دروازے کھلو اور بتجئے کہ میں (اندر جا کر اور) اتر کر دیکھ لوں، ملک الموت نے ایسا ہی کر دیا، اور لیس نے کہا دوزخ تو آپ نے دکھا دی اب جنت بھی دکھا دیجئے۔ ملک الموت جنت کی طرف لے گئے اور جنت کے دروازے کھلوا کر اندر لے گئے اندر پہنچ گئے تو فرشتے نے کہا اب یہاں سے باہر نکلو اور اپنی اصلی قرار گاہ پر واپس جاؤ۔ اور لیس ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر چمٹ گئے اور بولے اب میں یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا (دونوں میں گفتگو کا رد و بدل ہونے لگا) اللہ نے فیصلہ کرنے کے لئے ایک فرشتہ کو بھیجا، فرشتے نے آکر اور لیس سے پوچھا، آپ باہر کیوں نہیں جاتے، اور لیس نے جواب دیا وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، میں موت کا مزہ چکھ چکا، اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص دوزخ میں ضرور اترے گا تو میں دوزخ میں اتر چکا اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ جنت سے باہر کبھی نہیں نکلیں گے، اس لئے میں اب نہیں نکلوں گا، اللہ نے ملک الموت کے پاس وحی بھیجی میری اجازت سے یہ جنت میں داخل ہو اور میری اجازت (حکم) سے باہر نکلے گا (تم نکلنے کی کوشش مت کرو) یہی وجہ ہے کہ اور لیس وہاں زندہ ہیں، رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا کی یہی تشریح ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ  
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا، جملہ دیگر انبیاء کے (نوح سے پہلے) آدم کی نسل سے اور (آدم سے نیچے) ان لوگوں کی نسل سے جن کو نوح کے ساتھ ہم نے (کشتی میں) سوار کیا تھا اور (نوح سے بہت نیچے) ابراہیم و یعقوب کی نسل سے اور یہ سب لوگ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت کی اور ہم نے ہی ان کو برگزیدہ کیا۔

أُولَئِكَ یعنی زکریا سے اور لیس تک جن انبیاء کا ذکر کیا گیا۔

أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ یعنی دنیوی اور دینی نعمتوں سے نوازا۔

مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ یعنی حضرت آدم کی نسل میں سے جیسے اور لیس وغیرہ۔

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا یعنی جملہ آدم کی نسل کے ان لوگوں کی اولاد میں سے جو نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کئے گئے تھے خصوصاً خود نوح کی نسل سے جیسے ابراہیم و اسرئیل جو سام بن نوح کی نسل سے تھے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ اور نوح سے نیچے ابراہیم کی اولاد یعنی اسمعیل و اسحاق وغیرہ۔

وَإِسْرَائِيلَ اور اسرئیل یعنی یعقوب کی نسل سے مثلاً موسیٰ ہارون زکریا، یحییٰ، عیسیٰ آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ بیٹی کی اولاد بھی ذریت میں داخل ہے۔

وَاجْتَبَيْنَا یعنی نبوت، اعزاز اور ہدایت کرنے کے لئے ہم نے انتخاب کر لیا۔

إِذَا تَلَّيْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ﴿٥٨﴾

اور جب ان کے سامنے رحمن

کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔

سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے۔ بُكِيًّا بکائی کی جمع ہے یعنی اللہ کی رحمت کی طلب میں سجدہ میں گر پڑتے تھے اور عذاب کے

ڈر سے روتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کو شرافت نسب، کمالات ذاتی، علوم مرتبہ اور قرب خداوندی حاصل تھا پھر بھی خشیت اللہ کی وجہ سے سجدہ میں گر جاتے اور روتے تھے۔

ابن ماجہ، اسحاق بن راہویہ اور بزار نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قرآن پڑھو اور گریہ کرو، رونانہ آئے تو روتے بن جاؤ۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ  
ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (ناجائز) نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔

پھر ان کے بعد کچھ  
فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ یعنی ان کے بعد (ان کے جانشین ہوئے) ان کے پیچھے آئے۔ خَلْفٌ برے جانشین، خَلْفٌ اچھے جانشین۔ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ یعنی انہوں نے نماز ترک کر دی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ترجمہ کیا، نماز وقت کو ٹال کر پڑھی۔ سعید بن مسیب نے اس کی تشریح میں فرمایا جیسے ظہر کی نماز عصر کا وقت آنے سے پہلے نہ پڑھی جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب سورج غروب ہونے لگے۔ حضرت مفسر نے فرمایا، میں کہتا ہوں کہ کسی مکروہ طریقے سے نماز پڑھنا اور نماز کے آداب و سنن کو ترک کرنا بھی نماز کو ضائع کرنا ہی ہے۔ اتباع شہوات کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی طاعت کو چھوڑا اور نفس کی خواہشات کو پورا کیا اور اللہ کی نافرمانیاں کیں۔

سویہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی پائیں گے (یعنی غی میں پھینک دیئے)

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝۵۱

جائے گے۔ بغوی نے لکھا ہے، وہب بن منبہ کا قول ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک بہت گرمی وادی کا نام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جہنم کے اندر ایک ایسی وادی ہے کہ جہنم بھی اس کی گرمی سے پناہ مانگتی ہے۔ عادی زنا کاروں کے لئے، دوامی شراب خوروں کے لئے اور ان سود خوروں کے لئے جو سود خوری سے باز نہیں آتے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے اور جھوٹے گواہوں کے لئے اس کو تیار کیا گیا ہے۔ ابن مردویہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ بغوی نے عطا کا قول نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک وادی ہے، جس کے اندر (بجائے پانی کے) پیپ اور خون بہتا ہے۔ کعب نے کہا غی جہنم کے اندر ایک بہت ہی گرم ترین وادی ہے جس کے اندر ایک گنواں ہے کنویں کو بہیم کہا جاتا ہے، دوزخ کی آگ جب کبھی بجھنے لگتی ہے تو اس کنویں کا منہ کھول دیا جاتا ہے جس کی آگ سے دوزخ پھر بھڑکنے لگتی ہے۔ بغوی نے بروایت زکریا بن ابومریم خزاعی بیان کیا کہ حضرت ابو امامہ باہلی نے فرمایا جہنم کے بالائی کنارہ سے گرائی تک اتنی دوری ہے کہ کوئی دس ماہہ عظیم الجثہ اونٹنیوں کے برابر اگر کوئی پتھر یا چٹان اوپر سے نیچے کو لڑھکائی جائے تو ستر برس کی مسافت طے کر کے نیچے پہنچے، یہ سن کر عبدالرحیم بن خالد بن ولد کے آزاد کردہ غلام نے دریافت کیا حضرت کیا اس کے نیچے بھی کچھ ہے، حضرت ابو امامہ نے فرمایا ہاں غی اور اٹام ہے۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، سعید بن منصور، ہناد، فریبانی حاکم اور بیہقی نے مختلف سندوں سے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک وادی ہے یا ایک نہر ہے (اختلاف روایت) بہت گرمی بہت بد مزہ۔ دوسری روایت میں ہے دوزخ کے اندر گرم پانی کی ایک نہر ہے جو لوگ خواہشات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں انکو اس کے اندر پھینکا جائے گا۔ بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت براء بن عازب نے فرمایا غی جہنم کے اندر ایک بہت گرمی بدبودار وادی ہے۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت براء بن عازب کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دس اوقیہ وزن کا کوئی پتھر جہنم کے (بالائی) کنارہ سے اندر پھینکا جائے تو ستر برس تک اس کی تہ تک نہیں پہنچے گا پھر غی اور اٹام تک پہنچ جائے گا (یعنی جہنم کی تہ تک پہنچنے کے بعد جب اور نیچے جائے گا تو غی و اٹام پر پہنچے گا) میں نے عرض کیا غی اور اٹام کیا چیز ہے، فرمایا جہنم کے نچلے حصے میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ لہورواں ہے۔ اور یہی وہ دو نہریں ہیں جن کا ذکر اللہ نے آیت فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اور آیت مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا میں کیا ہے، بعض علماء نے کہا غی کا معنی اس جگہ وہی لغوی معنی یعنی گرمی ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ راہ جنت گم پائیں گے، جنت کے راستے سے بھٹک جائیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر بدی کو غی اور ہر اچھائی کو رشاد کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے آیت کی تشریح میں ضحاک نے کہا وہ خسران پائیں گے، بعض نے غی کا

ترجمہ ہلاک اور بعض نے عذاب کیا ہے، عذاب ہو یا ہلاکت یا خسران و ناکامی سب ہی شر و بدی کے اقسام ہیں، بعض علماء نے محذوف مانتے ہوئے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے، دنیا میں گمراہ ہونے کا بدلہ اور سزا آخرت میں پائیں گے۔

الْأَمَنُ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿۱۶﴾

ہاں اگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ یعنی اتباع خواہشات اور ترک صلوة سے جس نے توبہ کر لی اور کفر چھوڑ کر ایمان لے آیا اور حسب تقاضائے ایمان نیک عمل کئے وہ جنت میں داخل ہو گا اور اس کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ توبہ اور ایمان کے بعد سابق کفر کا کوئی مواخذہ اس سے نہیں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسلام پچھلے یعنی ایمان لانے سے پہلے جرائم کو ڈھادیتا ہے۔ رواہ مسلم من حدیث عمرو بن العاص۔

الْأَمَنُ تَابَ وَآمَنَ کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ مذکورہ بالا عذاب کی وعید کافروں کے لئے ہے اور جو کفر کے بعد ایمان لے آئے اس کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ عذاب کی وعید سے صرف مَنْ آمَنَ ہی مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ مَنْ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا کا مجموعہ مستثنیٰ ہے اس لئے وعید سابق صرف کافروں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مومن فاسق بھی وعید میں داخل ہیں، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غی، زانی، شرابی اور دوسرے اہل کبائر کے لئے ہے یعنی صرف کافروں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ فاسق مومن کے لئے بھی ہے۔

جَلَّتْ عَدْنُ الْيَتِيمِ وَعَدَّ الرَّحْمَنُ عِبَادَةَ بِالْغَيْبِ

(اور) ہمیشہ رہنے کے باغوں میں جن کا رحمن نے اپنے بندوں سے عاقبتانہ وعدہ کیا ہے (رہیں گے) عَدْنُ یا مصدر ہے بمعنی قیام یا ایک جنت یا جنت کی زمین کا نام ہے۔ بِالْغَيْبِ ان لوگوں کیلئے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے جو جنت سے غائب اور اس کو نہ دیکھنے کی حالت میں بھی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ غیب پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کی وجہ سے اللہ نے اپنے بندوں کیلئے جنت کا وعدہ کیا ہے، اول مطلب پر بِالْغَيْبِ کا تعلق مُتَلَبِّسِينَ محذوف سے ہو گا اور دوسرے مطلب پر وَعَدَّ سے۔

إِنَّهُ كَانَ وَعْدًا مَاتِيًّا ﴿۱۷﴾  
بے شک اللہ کی وعدہ کی ہوئی چیز کو وہ ضرور پہنچیں گے۔ مَاتِيًّا (اسم ظرف) یعنی اہل جنت جنت میں ضرور داخل ہوں گے یا مَاتِيًّا اسم مفعول بمعنی اسم فاعل ہے، یعنی اللہ کا وعدہ ضرور آنے والا ہے، دونوں مضمونوں میں کوئی فرق نہیں، عربی محاورہ میں بولا جاتا ہے مجھ پر پچاس سال گزر گئے۔ میں پچاس سال پر گزر گیا، دونوں ہم معنی ہیں۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا  
اس جنت میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پائیں گے، بجز سلام کے یعنی جنت کے اندر اہل جنت کوئی بیہودہ لفظ نہیں سنیں گے بلکہ اللہ کی طرف سے اور باہم ایک دوسرے کی طرف سے سلام (کی آواز) سنیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل جنت ایسا کلام ہی سنیں گے جو عیب اور نقص سے پاک ہو گا۔

وَلَهُمْ فِيهَا بَكْرَةٌ وَعَشِيًّا ﴿۱۸﴾  
اور ان کو ان کا کھانا صبح و شام ملا کرے گا۔ یعنی ہر طرح کا رزق با فراغت اور سکھ حاصل ہو گا۔ حسن بصری نے کہا، عرب کے نزدیک زندگی کا عیش اس سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا کہ صبح و شام کھانے کو غذا (پیٹ بھر کر) مل جائے، اللہ نے عرب ہی کے محاورہ کے مطابق اہل جنت کے لئے صبح و شام رزق ملنے کا ذکر کیا اور نہ حقیقت میں ہر قسم کے عیش کا حصول مقصود ہے۔ سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جتنی مقدار ان کو دنیا میں ملتی تھی اتنی ہی آخرت میں ملے گی۔ ابن مبارک نے اس آیت کی تشریح میں ضحاک کا قول نقل کیا کہ رات و دن کی مقدار کے مطابق ان کو ملے گا۔ ابن المنذر نے بیان کیا کہ ولید بن مسلم نے کہا میں نے اس آیت کی تشریح زہیر بن محمد سے دریافت کی۔ زہیر نے کہا جنت میں رات نہیں ہوگی، وہاں تو ہمیشہ نور ہی ہو گا۔ پردہ چھوڑنے سے رات کا اندازہ اور پردہ اٹھانے سے دن کا اندازہ معلوم ہو گا۔

حکیم ترمذی نے النوادر میں حضرت ابو قلابہ و حضرت حسن کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا جنت میں رات ہوگی، فرمایا، وہاں تو محض نور کی چمک ہوگی، صبح کا شام پر اور شام کا صبح پر تو ارد ہوگا، اللہ کی طرف سے نمازوں کے ان اوقات میں جن میں وہ نمازیں پڑھا کرتے تھے، عجیب تحفے انکے پاس آئیں گے اور فرشتے ان اوقات میں ان کو سلام کریں گے۔  
**تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝۱۶**

یہ جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنائیں گے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں۔ نورث یعنی ہم جنت کو ان کے تقویٰ کا ثمرہ بنا کر ان کے لئے باقی رکھیں گی، جیسے مورث کا مال وارث کے لئے باقی رہتا ہے، مطلب یہ کہ وارث کرنے سے مراد ہے باقی رکھنا یہ مطلب نہیں کہ پہلے جنت کا کوئی اور مالک تھا اس کے مرنے کے بعد نیک بندوں کو اس کا وارث بنایا گیا۔ وارث بنانے سے مراد مالک بنانا بھی ہو سکتا ہے۔ محاورہ عربیہ بعض آیات اس کی شاہد ہیں اس وقت کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ (مترجم) وراثت کا لفظ (بجائے تملیک کے) اسلئے اختیار کیا کہ ملکیت و استحقاق کا سب سے قوی ذریعہ وراثت ہی ہے، نہ مورث اس کو فتح کر سکتا ہے، نہ وارث سے واپس لینے کا امکان ہے، نہ اس کو رد کیا جاسکتا ہے، نہ اس کا اسقاط ممکن ہے۔ بعض علماء نے کہا مومنوں کو جنت کے اندر بعض ایسے مکان بھی ملیں گے جو واقع میں ان دوزخیوں کے لئے تھے کہ اگر وہ کفر نہ کرتے تو ان مکانوں کے مالک و قابض ہوتے لیکن ان کے دوزخ میں جانے کے بعد اللہ ان کے مساکن پر مومنوں کو قابض بنا دے گا۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے سند صحیح حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے دو گھر ہوں گے ایک جنت کے اندر ایک دوزخ کے اندر جب کوئی مرنے کے بعد دوزخ میں چلا جائے گا تو اس کے جنت والے گھر کے وارث اہل جنت ہو جائیں گے یہ ہی اللہ کے قول (أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ) کا مفہوم ہے۔

حضرت انس کی روایت سے ابن ماجہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے وارث کو میراث دینے سے بھاگے گا، اللہ جنت کے اندر اس کی (موجود) میراث کو کاٹ دے گا۔

حضرت ابن عباس کی روایت سے بخاری نے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا ہماری ملاقات سے روکنے والی آپ کے لئے کیا چیز ہے (یعنی کیا وجہ کہ آپ ہمارے پاس نہیں آئے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔  
**وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۝**  
 اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اصل کلام اس طرح تھا۔ جبرئیل محمد ﷺ سے کہہ دو کہ ہم بغیر رب کے حکم کے نہیں اترتے۔ تَنْزِيلٌ (باب تفعّل) بمعنی نزول بھی آتا ہے اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اترنا بھی تَنْزِيلٌ کا مفہوم ہے، کیونکہ باب تفعّل باب تفعیل کا مطاوع ہوتا ہے اور تَنْزِيلٌ کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا اتارنا پس تَنْزِيلٌ کا معنی ہو اوقفہ وقفہ کے بعد اترنا، کبھی تَنْزِيلٌ انزال (اتارنا) کا ہم معنی بھی آتا ہے یعنی اس کے معنی میں آہستہ آہستہ اور قدرے قدرے کا مفہوم نہیں ہوتا۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک بار جبرئیل کے آنے میں چالیس روز کا وقفہ ہو گیا۔ ابن مردویہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا مکان اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور کون سی جگہ ہے جس سے اللہ کو سب سے زیادہ نفرت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم، میں جبرئیل سے دریافت کروں گا، اس کے بعد جبرئیل کو آنے میں (ایک لمبی مدت تک) تاخیر ہو گئی، پھر جب جبرئیل آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا آپ نے آنے میں بڑی مدت لگادی مجھے تو یہ خیال ہونے لگا کہ شاید میرا رب مجھ سے کچھ ناراض ہو گیا، اس کے جواب میں حضرت جبرئیل نے کہا وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ۔

ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے جب اصحاب کعبہ اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق دریافت کیا اور آپ کو اس کا جواب معلوم نہ تھا (اس لئے آپ نے دوسرے روز جواب دینے کا وعدہ کر لیا) آپ کو امید تھی کہ وحی سے جواب معلوم ہو جائے گا لیکن جبرئیل پندرہ روز تک نہیں آئے اور

کوئی وحی بھی نہیں آئی پندرہ روز کے بعد جب جبرئیل آئے تو آپ نے ان سے تاخیر نزول کا شکوہ کیا۔ ارنح بغوی نے ضحاک، عکرمہ، مقاتل اور کلبی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب قوم والوں نے رسول اللہ سے اصحاب کھف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا تو حضور نے فرمایا میں کل کو بتادوں گا آپ نے اس وعدے کے ساتھ انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبرئیل مدت تک نہیں آئے اور حضور ﷺ کو (جبرئیل کے نہ آنے اور جواب معلوم نہ ہونے سے) تکلیف ہونے لگی پھر کچھ دنوں کے بعد جب جبرئیل آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا آپ نے بہت دیر کر دی، میرا تو خیال خراب ہونے لگا تھا، میں آپ کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا رہا، جبرئیل نے کہا میں بھی آپ سے ملنے کا مشتاق تھا لیکن میں حکم کا بندہ ہوں، مجھے جب بھیجا جاتا ہے آجاتا ہوں روک دیا جاتا ہے رک جاتا ہوں، اس پر یہ آیت اور آیات وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَاَدْعٰکَ رَبُّکَ وَمَا قُلٰی نازل ہوئیں۔

لَهُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَاَمَّا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًا ۝۱۶

اسی کی بلک ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں اور ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

لَهُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد ہے وقت حاضر سے آئندہ قیامت تک بلکہ ابد الابد تک ہونے والے واقعات، امور، اشیاء، حوادث، دنیوی ہوں یا اخروی اور مَا خَلْفَنَا سے مراد ہیں ماضی کے احوال، واقعات، حوادث اور امور و اشیاء، اور مَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے وقت حاضر اور اس میں موجود تمام اشیاء و احوال۔ بعض علماء کے نزدیک مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد ہے زمین جب ہم اس پر اترنا چاہیں اور خَلْفَنَا سے مراد ہے آسمان جب ہم اس سے اترنے کا ارادہ کریں اور اترنے لگیں اور مَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے درمیانی خلاء اور فضاء۔

آپ کا رب بھولنے والا نہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا رب آپ کو بالکل چھوڑ دے، اور آپ کے پاس وحی نہ بھیجے اور ہم بالکل آپ کے پاس نہ آئیں ایسا نہیں ہے بلکہ تاخیر وحی اللہ کی حکمت پر مبنی ہے جس سے وہی واقف ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاَعْبُدْهُ وَاَصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۝۱۷

وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان ہیں سو اسی کی عبادت کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ عدم نسیان کی علت ہے۔ فَاَعْبُدْهُ اور وَاَصْطَبِرْ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ کی رحمت و فضل آپ پر کامل طور پر ہے اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ آپ کو بھول جائے لہذا بطور شکر نعمت آپ اس کی عبادت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں اور عبادت کی پابندی کریں تاخیر وحی اور استہزاء کفار سے پریشان خاطر نہ ہوں۔

(صَبْر کے بعد عربی میں عَلٰی آتا ہے لیکن) یہاں اِصْطَبِرْ کے بعد لام کا استعمال کیا، اشارہ اس طرف ہے کہ عبادت کی پابندی سے لذت حاصل کرو (ناگوار سمجھ کر نہ ادا کرو) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز میں میری آنکھ کی خشکی بنا دی گئی ہے۔

یابہ مطلب ہے کہ کفار کی طرف کی ایذا رسانی اور مشکلات و شدائد پر آپ صبر کریں تاکہ اللہ کی عبادت پر آپ کو جماؤ حاصل ہو اور آپ اللہ کے عابد بن سکیں۔ (اس صورت میں لِعِبَادَتِهٖ میں لام اجلیہ ہوگا)

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝۱۸  
بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے سَمِيًّا کا ترجمہ کیا ایسا مثل جو عبادت کئے جانے اور الہ کملانے کا مستحق ہو۔ کلبی نے کہا یعنی کیا آپ اللہ کے سوا کسی اور کو ایسا مانتے ہیں جس کا نام اللہ ہو مشرکین بتوں کو الہ (معبود) کہتے تھے اللہ (ذات جامع صفات کمالیہ) نہیں کہتے تھے، وجہ یہ تھی کہ اللہ کی وحدانیت ظاہر تھی اس کی ذات کے کوئی مشابہ نہ تھا اس لئے لفظ اللہ کے مصداق میں کوئی اشتباہ نہ تھا۔



معنی ہے پھیل گیا۔ مشہور ہو گیا۔ (قاموس) میں کہتا ہوں تبعین اور انصار کو شیعہ اس لئے کہتے ہیں کہ شیوع اور پھیلاؤ کا لازمی نتیجہ تقویت ہے اور مددگاروں کے پھیلاؤں سے بھی متبوع اور پیشوا کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ شَاعَ الْقَوْمُ، قوم پھیل گئی۔ اس کی تعداد بہت ہو گئی۔ شَيَّعَتُ النَّارَ بِالْحَطَبِ میں نے آگ کو لکڑیاں ڈال کر تیز کر دیا، کثرت تبعین سے بھی آدمی کو قوت حاصل ہو جاتی ہے۔

عِيتِيًّا (مصدر ہے) بیجا غرور، معصیت میں حد سے آگے بڑھ جانا (قاموس) یا طاعت سے سرکشی کرنا۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ عِيتِيًّا سے اس جگہ جرأت مراد ہے، یعنی اللہ کے مقابلہ میں بیباکی، مترجم) مجاہد نے اس کا ترجمہ فُجور کیا۔

عِيتِيًّا ضابطہ نحو کے لحاظ سے تیز ہے یعنی اَيْتُهُمْ اَشَدُّ عَلَي الرَّحْمٰنِ عِتْوَةً۔ سیبویہ کے نزدیک لفظ اَيْتُهُمْ مفعول ہونے کی بناء پر محل نصب میں ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ لفظ اَيْتُهُمْ موصولہ ہے اور دوسرے موصولات کی طرح اس کو مبنی ہی ہونا چاہئے لیکن لفظ بعض اور لفظ کل کی طرح یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے پھر اس جگہ اس کے صلہ کا ابتدائی جزو محذوف بھی ہے (یعنی اَيْتُهُمْ اَشَدُّ عَلَي الرَّحْمٰنِ اصل میں اَيْتُهُمْ هُوَ اَشَدُّ عَلَي الرَّحْمٰنِ تھا) اس جگہ لفظ اَيْتُهُمْ مبنی نہیں ہے معرب ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اَيْتُهُمْ مبتدا ہے اور اَشَدُّ خبر ہے۔ مِّنْ كُلِّ مِّنْ بِمَعْنَى بَعْضٍ ہے یا زائد ہے۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِدْقًا ﴿٥﴾  
جو دوزخ میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے۔

### ایک شبہ

لفظ ثُمَّ کا استعمال بتا رہا ہے کہ پہلے جہنم کے گرد اگر دوزخیوں کو حاضر کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہر گروہ میں سے سب سے بڑے نافرمانوں کو چھانٹا جائے گا، پھر آخر میں اللہ کو علم ہو گا کہ آگ میں داخل ہونے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے، حالانکہ اللہ کو اگر دوزخیوں کا علم پہلے سے نہ ہو گا تو دوزخ کے گرد اگر دان کو جمع کیسے کیا جائے گا اور سب سے بڑے نافرمانوں کو ہر گروہ میں سے چھانٹ کر نکالا کیسے جائے گا۔

### ازالہ

(۱) ثم اس جگہ تاخیر زمانی کے لئے مستعمل نہیں ہے بلکہ صرف ترتیب کلام کی تاخیر اور مرتبہ کی تراخی کے لئے مستعمل ہے جیسے آیت ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْخ میں آیا ہے۔ (۲) یا اس آیت میں جاننے سے مراد ہے عذاب دینا (کیونکہ جاننے کا نتیجہ عذاب کی شکل میں ہی نمودار ہو گا) اور ظاہر ہے کہ دوزخ پر حاضر کرنے کے بعد عذاب دیا جائے گا۔

### ایک سوال

اَعْلَمُ اسم تفہیل ہے تو کیا اللہ کے سوا قیامت کے دن کوئی اور مخلوق بھی دوزخیوں کے مستحق دوزخ ہونے سے واقف ہو، کیا کسی اور کو بھی ان کے عقائد و اعمال کا علم ہو گا۔

### جواب

(۱) یہاں اَعْلَمُ بمعنی عَلِيْمٌ کے ہے یعنی ہم ہی واقف ہوں گے کہ کون دوزخ میں داخلہ کا زیادہ مستحق ہے۔  
(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ اعمال نامے لکھنے والے فرشتے دوزخیوں کے اعمال سے واقف ہوں، بدکار اور پرہیزگار، سعید اور شقی ہر ایک کو تفصیل سے جانتے ہوں لیکن ان سب کے علم سے اللہ کا علم زائد ہو پس اللہ سب سے زیادہ ان کے احوال سے واقف ہو گا (کیونکہ اللہ کو دماغی تصورات اور قلبی تصدیقات اور اندرونی نیتوں کا بھی علم ہے اور اعمال لکھنے والوں کو ان میں سے کسی بات کا علم نہیں ان کو تو صرف بدنی اعمال کا علم ہے)

مِّنْ كُلِّ شَيْعَةٍ كَالْفَرْوٰى اور گناہ گار مسلمانوں سب کو شامل مانا جائے تو لفظ اَشَدُّ سے تشبیہ ہو گی اس امر پر کہ



اللہ بکثرت گناہ گار مومنوں کو معاف فرمادے گا، لیکن بغوی اور اکثر اہل تفسیر نے کُلِّ شَيْعَةٍ سے صرف کافروں کے گروہ مراد قرار دیئے ہیں اور رفتار کلام کا بھی یہی تقاضا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کافروں کے ہر گروہ میں سے ترتیب وار حسب درجہ کفر چھانٹ لیں گے اور یکے بعد دیگرے ترتیب کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیں گے۔ جو سب سے زیادہ باغی ہوگا، اس کو سب سے پہلے، پھر اس سے کم سرکش کو، پھر اس سے کم بغاوت والے کو یا یہ مطلب ہوگا کہ ہر کافر کو دوزخ کے اس درجہ اور طبقہ کے لئے چھانٹ لیں گے جو اس کے لئے مقرر اور نامزد ہوگا۔ آیت مذکورہ کی تشریح میں ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ جب اول و آخر سب کا حشر ہو چکے گا اور سب کی گنتی پوری ہو جائے گی تو پھر ترتیب وار بڑے جرائم والوں کو پھر ان سے کم جرائم والوں کو پھر ان سے کم درجہ کے مجرموں کو چھانٹا جائے گا۔ ہناد نے احوص کا قول بھی اس آیت کی تشریح میں اسی کے قریب قریب نقل کیا ہے۔

اور تم میں سے ہر ایک دوزخ پر اترنے والا ہے (یعنی اللہ نے قسم کھا کر فرمایا

وَلَا مِّنْكُمْ اِلَّا وَاٰرِدُهَا

ہے کہ ہر شخص کو دوزخ پر ضرور اترنا ہوگا)

یہ آپ کے رب پر (اس کے وعدے کے موافق) لازم ہے، جو

كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝۱۶

ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

حَتْمٌ مصدر (بمعنی صفت) ہے یعنی لازم ہے اللہ نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے۔ اللہ نے یہ امر طے کر دیا ہے اور قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔

پھر (جنم پر اتارنے کے بعد) ان لوگوں کو ہم بچائیں گے جو (شرک سے) بچتے رہے تھے (عذاب دے کر یا بغیر سزا دیئے۔ بہر حال اہل توحید و ایمان کو دوزخ سے نجات دیدی جائے گی) اور کافروں کو دوزخ کے اندر سب کو چھوڑ دیں گے۔

جِثِّيًّا یعنی سب کو یعنی دوزانویاز انوکے بل بیٹھا چھوڑ دیں گے، وروڈ سے مراد ہے داخل ہونا، پل صراط جنم کے اوپر ہوگا اور اس پر سے سب کو گزرتا ہی ہوگا۔

بعض اہل ہوئی (یعنی فرقہء مرجئہ والے جو ایمان صحیح کے بعد کسی گناہ کو ضرر رساں نہیں خیال کرتے اور کہتے ہیں اگر ایمان دل میں موجود ہے تو پھر کسی مومن کا داخلہ جنم میں نہ ہوگا) کہتے ہیں کہ وروڈ سے مراد داخل ہونا نہیں ہے بلکہ دوزخ پر حاضر ہونا اور اس کو دیکھنا مراد ہے۔ حساب کے مقام پر تو سب کو جانا ہی ہوگا اور مقام حساب جنم کے قریب ہوگا اس لئے ہر ایک کو دوزخ سامنے نظر آئے گی۔

یہ فرقہ کہتا ہے کہ مومن کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا، کیونکہ جو شخص دوزخ میں چلا جائے گا وہ کبھی وہاں سے باہر نہ آسکے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْبَهَا مقام حساب میں حاضر کرنے کے بعد اللہ مومنوں کو تو وہیں سے نجات دے کر جنت میں لے جائے گا اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔ وروڈ کا معنی قریب یا کنارے پر پہنچ جانا، قرآن مجید میں بھی آیا ہے وَلَمَّا وُرِدَ مَاءٌ مَّدْيَنَ اور جب موسیٰ مدین کے پانی (کنویں) پر اترے، ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کنویں کے اندر نہیں اترے تھے کنارہ پر پہنچے تھے، اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد اور ابو یعلیٰ اور طبرانی نے قابل قبول سند کے ساتھ حضرت معاذ بن انس کی روایت سے بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی خوشی سے حاکم کے جبر کے بغیر جہاد میں مسلمانوں کی چوکیداری کرے گا وہ دوزخ کو اپنی آنکھ سے بھی نہیں دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَلَا مِّنْكُمْ اِلَّا وَاٰرِدُهَا اور یہ (جملہ اہل تفسیر کے نزدیک قسمیہ ہے)

## اہل سنت کے مسلک کی تشریح

## اور مرجع کے شبہات کا ازالہ

ہم کہتے ہیں گردن اٹھا کر جھانکنا، دیکھنا، کنارہ پر پہنچ جانا اور حاضر ہونا بیشک ورود کے مجازی معنی ہیں (حقیقی معنی داخل ہونا ہی ہے) اور مجازی معنی کی طرف رجوع کسی خاص ضرورت ہی کے زیر اثر ہوتا ہے اور یہاں کوئی ضرورت داعی نہیں بلکہ اسی آیت میں مجازی معنی مراد نہ ہونے کی تائید ملتی ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ نُنَجِّیْ اور نَذْرٌ آیا ہے اور ظاہر ہے کہ نجات دینا یا دوزخ میں چھوڑ دینا اسی وقت ممکن ہے جب پہلے سے دوزخ میں داخلہ ہو گیا ہو۔

حدیث سے استدلال بھی ناکافی ہے، حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قسم پوری کرنے کے لئے دوزخ کو دیکھنا ضروری ہے آگ میں داخلہ نہ ہونا نہ مذکور ہے، نہ مستنبط۔

رہی آیت اُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ میں داخلہ کے بعد اور پھر نجات کا وقت اور حکم آجانے کے بعد ان کو دور کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے اور دور ہو جانے کے بعد پھر وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے، یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ آگ چونکہ ان کے لئے ٹھنڈی کر دی جائے گی اس لئے دوزخ میں داخل ہونے کے وقت ان کو آگ کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے گی۔

ہناد اور طبرانی اور بیہقی نے خالد بن معد کا قول نقل کیا کہ جنت میں پہنچ جانے کے بعد جنتی عرض کریں گے اے ہمارے مالک کیا تو نے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ آگ میں ضرور داخل کئے جائیں گے، اللہ فرمائے گا ضرور یہ وعدہ کیا تھا اور ایسا ہو بھی گیا تم لوگ آگ پر سے گزر گئے اور (چونکہ) آگ ٹھنڈی کر دی گئی (اس لئے تم کو محسوس بھی نہیں ہوئی) ابن عدی اور طبرانی نے حضرت یعلیٰ بن امیہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آگ موہن سے کہے گی (میرے اوپر سے) گزر جا، تیرے نور نے تو میری لپٹ کو بچھا دیا۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ ورود بمعنی دخول ہے خواہ بصورت مرور ہی ہو (اندر گھسنا مراد نہ ہو، اوپر سے گزر جانا مراد ہو) اس کا ثبوت ابوسمیہ کے اس بیان سے ملتا ہے جو امام احمد اور حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے ابوسمیہ نے کہا ورود کے معنی کی تعین میں ہمارا باہم اختلاف ہو گیا کسی نے کہا مومن دوزخ میں داخل ہی نہیں ہو گا کسی نے کہا دوزخ میں سب کو جانا ہو گا پھر شرک سے پرہیز رکھنے والوں کو اللہ نجات دیدے گا۔ میں نے اس اختلاف کا تذکرہ حضرت جابر بن عبد اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیا حضرت جابر نے اپنی دونوں انگلیاں کانوں تک لے جا کر فرمایا یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے ان کانوں سے نہ سنا ہو کہ نیک ہو یا بد کوئی بھی آگ میں داخل ہوئے بغیر نہیں بچے گا مگر مومن کے لئے آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ اور باعث سلامتی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم کے لئے ہو گئی تھی یہاں تک کہ مومنوں کی ٹھنڈک سے آگ چلا اٹھے گی۔ ثُمَّ نُنَجِّیْ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا پھر ہم شرک سے بچنے والوں کو نجات دیدیں گے اور سب کافروں کو اسی کے اندر چھوڑ دیں گے۔

بغوی نے بحوالہ ابن عیینہ، عمرو بن دینار کی روایت سے بیان کیا کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباسؓ سے ورود کے معنی کی تشریح میں کچھ اختلاف کیا اور کہا ورود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَاِرَادُوْنَ کیا اس آیت میں ورود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے۔ کیا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوں گے، پھر فرمایا نافع تم اور میں سب اس میں داخل ہوں گے مجھے تو امید ہے کہ اللہ مجھے نکال لے گا لیکن میرا خیال ہے کہ تجھے نہیں نکالے گا کیونکہ تو داخل ہونے کا ہی منکر ہے۔

سعید بن منصور، عبدالرزاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے مجاہد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نافع بن ازرق

حضرت ابن عباسؓ سے ورود کے مراد ہی معنی کے متعلق جھگڑنے لگا۔ الی آخرہ۔ حضرت ابن عباس نے لَانَكُمْ وَمَاتَعَبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَاَرْدُونَ تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کیا وہ آگ میں داخل ہوں گے یا نہیں۔ اسکے بعد یہ آیت پڑھی يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ اور فرمایا کیا وہ دوزخ میں اپنی قوم کو لے جائے گا یا نہیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا میں اور تو سب ہی اس میں داخل ہوں گے۔ اب تو خود ہی غور کر لے کہ تو وہاں سے نکلے گا یا نہیں (ہمیشہ اس کے اندر ہی پڑا رہے گا) بطریق عوفی حضرت ابن عباس کا قول آیت اِنْ يَّمْنَكُمْ الْاَوَارِدُهَا کی تفسیر میں آیا ہے کہ نیک اور بد سب ہی اس میں داخل ہوں گے کیا تم کو نہیں معلوم کہ (ورود بمعنی دخول دوسری آیات میں بھی آیا ہے) اللہ نے فرمایا ہے فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَيَبْسُ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ۔ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلَى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔

حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے آیت اِنْ يَّمْنَكُمْ الْاَوَارِدُهَا کا معنی پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اِنْ يَّمْنَكُمْ الْاَوَادُ اِخْلُهَا (یعنی وارد کا معنی ہے داخل)

بیہقی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا دوزخ میں داخل ہوئے بغیر کوئی نہیں رہے گا۔

امام احمد، ترمذی، بیہقی اور حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے آیت وَلَانَ يَّمْنَكُمْ الْاَوَارِدُهَا کے سلسلہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب لوگ دوزخ پر اتریں گے۔ اس کے بعد اپنے اپنے اعمال کے موافق وہاں سے نکال لئے جائیں گے، اول شخص بجلی چمکنے کی طرح (نکل جائے گا) پھر ہوا کی طرح پھر گھوڑے کی تیز دوڑ کی طرح پھر اونٹ کی رفتار کی طرح جس پر سامان بھی لدا ہو۔ پھر آدمی کے دوڑنے کی طرح پھر آدمی کی معمولی رفتار کی طرح۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ سب لوگ پل صراط پر اتریں گے۔ اور اترنے سے مراد ہے ان کا قیام پھر اپنے اپنے اعمال کے موافق صراط سے باہر نکال لئے جائیں گے۔ کوئی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ کوئی بہترین اونٹ کی طرح، کوئی آدمی کی دوڑ کی طرح (دوڑ کر) گزر جائے گا۔ یہاں تک کہ گزرنے والوں میں آخری وہ شخص ہو گا جو پل صراط پر اپنے قدموں کے انگوٹھے رکھتا ہو صراط سے گزر جائے گا۔ سیخین (بخاری و مسلم) نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہو گا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مر جائیں اور وہ آگ میں داخل ہو ہاں صرف قسم پوری کرنے کے لئے (ضرور داخل ہو گا) اس کے بعد سفیان (راوی) نے آیت وَلَانَ يَّمْنَكُمْ الْاَوَارِدُهَا پڑھی، طبرانی نے حضرت عبد بن بشیر انصاری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے تین نابالغ بچے مر جائیں گے وہ (دوزخ میں) نہیں اترے گا۔ مگر وہ گزر کی طرح۔ یعنی وہ پل صراط سے گزر جائے گا (بغیر ٹھہرنے کے)

ابن جریر نے غنیم بن قیس کا بیان نقل کیا کہ لوگوں نے آگ میں وارد ہونے کے سلسلہ میں کچھ تذکرہ کیا۔ حضرت کعب نے فرمایا۔ آگ (سب) لوگوں کو روک لے گی یہاں تک کہ سب لوگوں کے قدم اس پر ٹھیک طرح سے ٹھہر جائیں گے نیکوں کے بھی اور بدوں کے بھی پھر (اللہ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارے گا اپنے ساتھیوں کو روکے رکھ اور میرے رفقاء کو چھوڑ دے یہ ندا ہوتے ہی جو دوزخ کا ساتھی ہو گا وہ دوزخ میں دھنس جائے گا جس طرح آدمی اپنے بچے کو پہچانتا ہے اس سے زیادہ دوزخ اپنے دوست کو پہچانتی ہو گی اور مومن اس طرح نکل جائیں گے کہ ان کے کپڑے بھی (خشک نہ ہوئے ہوں گے) اتر ہوں گے۔

سیوطی نے لکھا ہے بعض علماء اہل سنت کے نزدیک ورود سے مراد ہے داخل ہونا قرطبی نے اس معنی کو ترجیح دی ہے اور حضرت جابر وغیرہ کی احادیث سے استشہاد کیا ہے۔ بعض اہل سنت کے نزدیک ورود سے مراد ہے گزر جانا، نووی نے اس معنی کو پسند کیا ہے اور حضرت ابن مسعود کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں صراط سے گزرنے کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں صراط سے گزرنے کا ہی موجب دخول ہے۔

دخول سے مراد یہ نہیں ہے کہ آگ کے اندر گھس جائے، جہنم کے اوپر سے مرور بھی دخول ہی ہے لامحالہ ورود سے مراد دخول ہی ہے خواہ بطریق مرور ہی ہو۔ مختلف احادیث میں تطبیق دینے کی یہی صورت ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ بیہتی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ ورود سے مراد ہے دوزخ پر سے گزر جانا بغیر داخل ہونے کے اور مرور دخول سے الگ مفہوم رکھتا ہے تو میں کہوں گا کہ حضرت حسن کے قول میں داخل ہونے سے مراد ہے اندر گھس جانا اور آگ کے اندر پہنچ جانا (اور یقیناً گزر جانے کا مفہوم اندر گھس جانے کے مفہوم سے جدا ہے) مطلق دخول مراد نہیں ہے (مطلق دخول تو مرور کو بھی شامل ہے)

ہناد نے حضرت حصہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یقینی امید رکھتا ہوں کہ جو شخص بدر اور حدیبیہ میں حاضر تھا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ نے وَإِنَّ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا نہیں فرمایا ہے۔ فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثًا۔

حضور ﷺ کا یہ آخری جواب بھی بتا رہا ہے کہ حدیث مذکور میں داخل نہ ہونے سے مراد ہے اندر نہ گھس جانا اور وہاں استقرار نہ کرنا۔

سیوطی نے لکھا بکثرت سلف صالحین دوزخ میں وارد ہونے سے ڈرتے تھے (کیونکہ دوزخ پر ورود تو یقینی ہوگا) اور نکلنے کا احتمال ہے (یہ امر یقینی نہیں کہ صراط سے گزرتے ہوئے نکل جائیں گے اس لئے ان بزرگوں کو ہر وقت خوف رہتا تھا۔)

امام احمد نے الزہد میں اور ہناد و بیہتی و سعید بن منصور و حاکم نے حضرت حازم بن ابی حازم کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن رواحہ رونے لگے بی بی نے پوچھا آپ کیوں رورہے ہیں۔ حضرت عبد اللہ نے فرمایا مجھے خبر دی گئی ہے کہ میں یقیناً دوزخ پر اتروں گا اور یہ نہیں بتایا گیا کہ میں یقیناً وہاں سے نکلوں گا بھی۔ ہناد اور بیہتی نے ابو اسحاق کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو میسرہ عمرو بن شریک اپنے بستر پر جانے کے لئے اٹھے اور فرمایا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی، بی بی نے پوچھا کیا بات ہے، فرمایا اللہ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ میں (اور تم) ضرور دوزخ پر داخل ہوں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ میں (اور تم) وہاں سے نکلیں گے۔

امام احمد نے الزہد میں بیان کیا کہ حسن بصری نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ تو ضرور دوزخ پر اترے گا۔ بھائی نے کہا جی ہاں اس شخص نے کہا کیا یہ بھی تجھے معلوم ہے کہ تو وہاں سے نکل بھی آئے گا بھائی نے کہا نہیں۔ اس شخص نے کہا پھر ہنسی کیسی (روتے رہنے کا مقام ہے چنانچہ مرتے دم تک پھر اس کو ہنستے نہیں دیکھا گیا)۔

وَاذَاتُكُلِّي عَلَيْهِمْ أَيُّتُنَا بَيِّنَاتٍ  
اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جانی ہیں جو کھلی ہوئی ہیں۔ یعنی جن کا مطلب واضح ہے خواہ خود ہی ان کا مطلب کھلا ہوا سمجھ میں آجاتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کے بیان سے ان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ یا بَيِّنَاتٍ کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ آیات معجزہ ہیں اس لئے رسول اللہ کی صداقت پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں اور آپ کی نبوت کو ثابت کر رہی ہیں۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَئِن لَّا نَدِينَا  
تو کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھی غریب تھے پر آگندہ، خشک بال، زندگی بد حال، فرسودہ لباس اور مشرک مالدار تھے بالوں میں تیل ڈالتے کنگھا کرتے اور اعلیٰ و عمدہ لباس پہنتے تھے پس ان خوش حال کھنے والے کافروں نے بد حال بوسیدہ لباس والے صحابہ سے کہا۔

أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا  
(دیکھو ہم) دونوں گروہوں میں کس کا مقام اچھا ہے اور کس کی مجلس اعلیٰ ہے۔ مقام مصدر بھی ہے بمعنی قیام اور اسم ظرف بھی ہے یعنی قیام کی جگہ۔ نَدِيٌّ مجلس، لوگوں کے جمع ہونے کا مقام، مطلب یہ ہے کہ کفار جب آیات و اسحاحات کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے اور کوئی جواب ان کو بن نہ پڑا تو بطور فخر و

غور کرنے لگے دیکھو ہمارا حال کیسا ہے اور تم کس حالت میں ہو ہم دنیا میں مرفہ الحال ہیں اور تم بد حال پس اللہ کے نزدیک بھی ہمارا درجہ تمہارے درجہ سے اعلیٰ ہے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس قول کی تہدید آمیز تردید فرمائی اور ان کی دلیل کو توڑتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَكَمَا أَهَلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاكًا وَرِعْيًا ﴿۵۷﴾  
اور ہم نے ان سے پہلے  
ہمت سے قرن والوں کو تباہ کر دیا جو دنیوی سامان اور ظاہری دکھاوٹ میں ان سے اعلیٰ تھے۔

ہر زمانہ والوں کو قرن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سب زمانہ میں باہم مقارن ہوتے ہیں۔ بغوی نے اَثَاكًا کا ترجمہ کیا ہے سر و سامان اور مال۔ مقاتل نے کہا کپڑے اور لباس۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے اَثَاكٌ گھر کا سامان (اس وقت یہ لفظ اسم جنس ہوگا) اس کا واحد نہیں آتا اور اَثَاكٌ کا معنی مال بھی ہے اس وقت اس کا واحد اَثَاكَةٌ آتا ہے۔

رِئِيًّا رُوَيْتٌ سے ماخوذ ہے۔ منظر، دکھاوٹ، بعض قراء توں میں رِيًّا (سیرابی) آیا ہے یعنی نعمتوں سے سیری۔  
قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدَدًا ﴿۵۸﴾  
(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں (یعنی تم) تو رحمن ان کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے۔

فَلْيَمْدُدْ اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن خبر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص گمراہی میں اندھا ہوا ہوتا ہے اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے اور گمراہی کے اندر اس کو بڑھاتا اور مہلت دیتا رہتا ہے۔ بجائے خبر کے لفظ امر ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے لئے مناسب بھی یہی ہے کہ اس کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ کسی طور پر اس کو معذرت پیش کرنے کا موقع نہ رہے۔ (اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اللہ نے فرمایا ہے اُولَئِكَ نَعْمَ لَكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرُ

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَن هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۵۹﴾  
یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے خواہ عذاب کو (دنیا

میں) یا عذاب قیامت کو (مرنے کے بعد) جب وہ دیکھ لیں گے سو اس وقت جانیں گے کہ برامقام اور کمزور مددگار کس کے ہیں۔  
إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ، مَّا يُوعَدُونَ کی تفصیل ہے۔ عذاب سے مراد ہے دنیا میں قتل یا قید ہونا۔ السَّاعَةُ سے مراد آخرت کی رسوائی اور عذاب حتیٰ کے بعد والا کلام ڈھیل دینے کی غایت ہے یعنی اللہ ڈھیل اس وقت تک دیتا ہے کہ عذاب دنیا یا عذاب آخرت (جو مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ مترجم) سامنے آجاتا ہے جب عذاب کا وقت آجاتا ہے تو ڈھیل ختم ہو جاتی ہے۔

جُنْدٌ (فوج) یعنی مددگار کافروں کے مددگار شیاطین ہوتے ہیں اور اہل ایمان کے مددگار ملائکہ، یہ کلام کافروں کے کلام کا رد ہے۔ شَرٌّ مَّكَانًا کہہ کر خیر مَقَامًا کی تردید کر دی اور اَضْعَفُ جُنْدًا کہہ کر اَحْسَنُ نَدِيًّا کی۔ کیونکہ مجلس کی رونق سرداران قوم کے اجتماع سے ہوتی ہے اور مددگار نہ ہوں تو مجلس کا کمزور ہونا یقینی ہوتا ہے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴿۶۰﴾  
اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں اللہ ان کے ایمان میں مزید ترقی دیتا ہے۔ ان کے مراتب قرب میں اضافہ کرتا ہے۔ آیات مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کی دنیا میں مالداری اور راحت اندوزی اور مومنوں کی ناداری و بد حالی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے محبوب ہیں اور مومن مردود بلکہ مومنوں کے لئے دنیوی عیش و دولت کی کمی کو اللہ ان کی ہدایت و مراتب قرب کی ترقی کا ذریعہ بنا دیتا ہے اور کافروں کی گمراہی کے باوجود خوش حالی اللہ کی طرف سے ایک ڈھیل ہوتی ہے تاکہ ان کی گمراہی میں مزید اضافہ ہو۔

وَالْبَقِيَّةُ الصَّلٰحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۶۱﴾  
اور جو نیک کام ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی۔ الْبَقِيَّاتُ الصَّالِحَاتُ سے مراد ہیں وہ نیک اعمال جن کا فائدہ کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ پہنچتا رہے گا۔ یعنی کافروں کو جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں وہ (ناقص ہونے کے

علاوہ) فانی بھی ہیں جن نعمتوں پر وہ پھولے ہوئے ہیں ان سے اہل ایمان کو نیک اعمال کا ملنے والا ثواب مال اور انجام میں بہت بہتر ہے۔

خیر اسم تفصیل کا صیغہ ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید کافروں کا انجام بھی اللہ کے نزدیک کچھ اچھا ہوگا، مومنوں کے انجام کے برابر نہ سہی ان سے کم ہی سہی بہر حال کچھ تو اچھا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تفصیل سے تفصیل اضافی مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہ بہتری کی فراوانی مراد ہے جیسے بولتے ہیں، موسم گرما موسم سرما سے زیادہ گرم ہوتا ہے یعنی موسم سرما سردی میں جس طرح زیادہ ہوتا ہے اسی طرح گرمی کا موسم گرمی میں موسم سرما سے زیادہ ہوتا ہے۔

شیخین نے حضرت خباب بن الارت کا بیان نقل کیا ہے حضرت خباب نے بیان کیا میں لوہاری کا کام کرتا تھا میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام بنایا اور میری مزدوری اس کے پاس جمع ہو گئی ایک روز مزدوری مانگنے میں اس کے پاس گیا، عاص نے جواب دیا خدا کی قسم جب تک تو محمد کا انکار نہیں کرے گا۔ میں (تیرا قرض) ادا نہیں کروں گا۔ میں نے کہا خوب سن لے خدا کی قسم جب تو مر کر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اس وقت تک بھی میں کفر نہیں کروں گا، عاص بولا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا، میں نے کہا ہاں، عاص نے کہا تو پھر میرے پاس وہاں مال بھی ہوگا اور اولاد بھی، میں وہیں تیرا قرض چکا دوں گا اسی پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَفْرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۗ

کیا آپ نے اس شخص کو (یعنی عاص بن وائل کو) دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا مجھے ضرور مال اور اولاد (دوبارہ زندگی میں) دیا جائے گا۔

بغوی نے لکھا ہے وُلْدٌ اور وُلْدٌ دونوں ہم معنی ہیں جیسے عُرْبٌ اور عُرْبٌ اور عَجْمٌ اور عَجْمٌ بعض نے کہا وُلْدٌ جمع ہے اور وُلْدٌ مفرد جیسے اُسْدٌ (جمع ہے) اور اُسْدٌ (مفرد ہے) کیا اس کو غیب کا علم ہو گیا ہے۔

یہاں الیٰ محذوف ہے جیسے اِطْلَعَ الْجَبَلُ وہ پہاڑ کی چوٹی کی طرف چڑھا۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا کیا وہ غیب کی طرف چڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا کیا اس نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے۔ مجاہد نے کہا کیا اس کو علم غیب حاصل ہو گیا ہے کہ وہ آخرت میں مال و اولاد حاصل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

أَمْ أَخَذْنَا مِنَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۗ  
یا اس نے اللہ سے کوئی عہد (اس بات کا) لے لیا ہے یعنی کیا وہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا ہے۔ قتادہ نے کہا یعنی کیا اس نے نیک کام کو چھوڑے ہیں۔ کلبی نے کہا کیا اللہ نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا۔

كَلَّا ۗ  
ہرگز نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔  
سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَبْدُلُهُ مِنَ الْعَذَابِ مَا دَّاءُ ۗ  
ہم اس کا کہا ہوا لکھ لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے۔

ایک شبہ

ہر بات جو منہ سے نکلتی ہے فوراً لکھ لی جاتی ہے، اللہ نے فرمایا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عاص بن وائل نے جو بات حضرت خباب سے کہی تھی اللہ اس کو آئندہ لکھے گا۔

ازالہ

لکھنے سے مراد ہے محفوظ رکھنا، نظر انداز نہ کر دینا یا اس امر کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہم نے اس کا قول لکھ لیا ہے یا اس کی بات کا انتقام لینا مقصود ہے۔ بہر حال محفوظ رکھیں گے یا اس بات کو ظاہر کریں گے کہ ہم نے تیری کہی ہوئی بات لکھ لی تھی یا

انتقام لیں گے یہ تمام امور آئندہ ہوں گے۔

اللہ کے فرشتے اعمال لکھتے ہیں اور اللہ کے حکم سے لکھتے ہیں اس لئے فرشتوں کا لکھنا اللہ کا لکھنا ہوا، یہی وجہ ہے کہ آیت میں لکھنے کی نسبت اپنی طرف کی۔

عذاب میں اضافہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ کفر کا عذاب تو اس کے لئے پہلے ہی سے مقرر ہے۔ اب استہزاء کا عذاب مزید اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔

اور اس کی کمی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جائیں گے۔ یعنی جس مال و اولاد کی ملکیت کا یہ مدعی ہے اس کو ہلاک کر کے وہ مال و اولاد ہم اپنے قبضہ میں لے لیں گے۔

وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ اور (قیامت کے دن) یہ ہمارے پاس تنہا آئے گا جو مال و اولاد دنیا میں اس کے پاس تھا وہ بھی قیامت کے دن اس کے ساتھ نہ ہوگا۔ آخرت میں جدید مال و اولاد ملنے کا توذکر ہی کیا ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهًا لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے (عند اللہ) باعث عزت ہوں۔

اتخذوا کی ضمیر کفار قریش کی طرف راجع ہے۔ آلہتہ سے بت مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ کفار قریش بتوں کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں ان بتوں کی سفارش یا وسیلہ سے ان کو عزت حاصل ہو جائے اور بت ان کی مدد کریں۔

کلاہ ایسا ہرگز نہ ہوگا بتوں کے وسیلہ سے ان کو عزت حاصل نہ ہوگی۔ وہ ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے یعنی وہ آلہتہ اور معبود ان کی عبادت کا

سیکفر و نعبادتہم قیامت کے دن انکار کریں گے اور کہیں گے یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے (شیطانوں اور اپنے ہو او ہوس کی پوجا کرتے تھے) ہم ان کے اس فعل سے بری ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن کافر غیر اللہ کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

ضد سے مراد ہے ذلت و حقارت۔ اول فقرہ میں بتوں کا باعث عزت ہونا مذکور ہے جس کی امید کافروں کو تھی اور عزت کی ضد ذلت ہوتی ہے یا ضد سے مراد ہے مخالف ہونا، دشمن ہونا یعنی کافروں کے باطل معبود قیامت کے دن ان کے دشمن اور

مخالف ہو جائیں گے، ان کی تکذیب اور ان پر لعنت کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ کافروں کو عذاب دینے میں مددگار بن جائیں گے۔ پتھروں کو آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ کی تیزی بڑھ جائے گی پتھر ایندھن بن جائیں گے جن کی وجہ سے کافروں کی

سوخٹگی میں اضافہ ہوگا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن یہ کافر اپنے آلہتہ کے مخالف ہو جائیں گے دنیا میں تو ان کی پوجا کرتے ہیں لیکن آخرت میں منکر ہو جائیں گے۔

لفظ ضد کی وحدت معنی کی وحدت کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی سب کافر آلہتہ کی ضد ہونے میں ایک شخص کی طرح ہوں گے، سب ضدیت میں متفق ہوں گے۔ ابو داؤد و نسائی نے حضرت علیؑ کی روایت سے اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی

روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ سب دوسروں کے خلاف ایک ہاتھ ہیں یعنی سب متفق الرائے اور متحد القوت ہوں گے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لفظ ضد کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا

الْمُتَرَاتِنًا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَسَّوهُمْ آيَاتِنَا ﴿۸۳﴾ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کفار پر (ابتلاء) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو خوب ابھارتے ہیں۔ سوال انکاری ہے اور

نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ یعنی شیطانوں کو ہم نے کافروں پر مسلط کر رکھا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اس سے اشارہ اس قول کی طرف ہے جس میں اللہ نے ابلیس سے فرمایا تھا۔ وَاسْتَفْزِزْ مِنْهُم بِصَوْتِكَ يَا أَرْسَلْنَا سے مراد ہے آزاد

چھوڑ دینا یعنی ہم نے شیطانوں کو اور ان کافروں کو باہم تعلق قائم کرنے میں آزاد چھوڑ دیا ہے اُرْسَلْتُ الْبَعِیْرَ مِیْنِ نَیْ اَوْنْتِ کُو کھول دیا، آزاد چھوڑ دیا۔

از ابھارتا، برا بیچتے کرنا، جھوٹے فریب دے کر گناہوں پر آمادہ کرنا اور بہکا کر خواہشات کے پیچھے لگا دینا۔ سوال انکاری کے ساتھ جملہ کو شروع کرنے سے مقصود ہے رسول اللہ ﷺ کو تعجب دلانا کافروں کے اقوال پر اور باوجود ظہور حق کے کفر و گمراہی میں اندھے رہنے پر۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ اِنَّہُمْ اَعْدَاؤُ لَہُمْ عَدَاۗلَہٗ ﴿۱۶﴾ پس آپ (نزل عذاب میں) ان کے لئے جلدی نہ کریں (یعنی جلد عذاب نازل ہونے کی دعائے کریں) ہم ان (کی زندگی کے ایام مقررہ) کی کامل طور پر یقیناً گنتی رکھتے ہیں یعنی ہم نے ان کی عمریں مقرر کر دی ہیں ان کے ایام زندگی اور ساعات حیات محدود اور محدود ہیں (مدت زندگی پوری ہونے سے پہلے ان کو ہلاک نہیں کیا جاسکتا)

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفِدَاۗلَہٗ اور جس روز ہم تقویٰ والوں کو رحمن (کے دار النعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔

اِلَی الرَّحْمٰنِ (میں رحمن کی ذات مراد نہیں بلکہ اس) سے مراد ہے وہ مقام عزت جہاں تجلیات الہیہ پر تو انداز ہوں گی۔ وَفِدَاۗلَہٗ کی جمع ہے بادشاہوں کی طرف وفد جاتے ہیں۔ عزت یابی کی امید اور انعام کی تمنائے ہوئے پس بارگاہ الہی کی طرف بھی اہل تقویٰ اسی طرح قبروں سے اٹھ کر جائیں گے۔

عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں اور حاکم و بیہقی و ابن جریر و ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا سنو اللہ متقیوں کے وفد کو نہ پیدل اٹھائے گا، نہ ہنکا کر لے جائے گا بلکہ جنت کی ان اونٹنیوں پر سوار کر کے بلوائے گا جن کی نظیر کسی مخلوق نے نہیں دیکھی اونٹنیوں پر سونے کے کجاوے اور زبرد کی مہاریں ہوں گی۔ متقی ان پر سوار ہو کر جائیں گے اور جا کر جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

بعوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا، خدا کی قسم ان کو پیدل نہیں لے جایا جائے گا بلکہ ایسی اونٹنیوں پر جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے سوار کیا جائے گا اور ان اصیل گھوڑوں پر سوار کر کے لے جایا جائے گا جن کی زمینیں یا قوت کی ہوں گی اگر اہل جنت چاہیں گے تو سواریاں اڑنے لگیں گی۔

بیہقی نے طلحہ بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفِدَاۗلَہٗ کی تشریح میں بیان کیا آپ نے فرمایا۔ سوار کر کے (لے جایا جائے گا) اور آیت نَسُوۡقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلَی جَہَنَّمَ وَرِزَاۗکِی تشریح میں فرمایا پیاسے (یعنی مجرموں کو پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا) ابن جریر نے ابو طلحہ کی روایت سے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نقل کیا وفد یعنی اونٹوں پر (سوار)

ابن ابی حاتم نے عمر بن قیس ملائی کا بیان نقل کیا ہے کہ مومن جو نہی قبر سے برآمد ہو گا اس کا عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کیا تو مجھے پہچانتا ہے، مومن جواب دے گا۔ نہیں مگر (اتنا جانتا ہوں کہ) اللہ نے تیری خوشبو کو پاکیزہ اور صورت کو حسین بنایا ہے، عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا۔ میں تیرا نیک عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک میں تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا۔ اتنا بیان کرنے کے بعد راوی نے پڑھا یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفِدَاۗلَہٗ۔ پھر کہا کافر کا عمل نہایت بد شکل اور انتہائی گندی بدبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور پوچھے گا کیا تو نے مجھے پہچانا، کافر جواب دے گا نہیں مگر (اتنا جانتا ہوں کہ) اللہ نے تیری شکل بہت بری اور بو نہایت گندی بنائی ہے، عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا نیک عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک تو مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سوار ہوں گا۔ اتنا بیان کرنے کے بعد راوی نے پڑھا وَہُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَہُمْ عَلٰی ظُہُوْرِہُمْ وہ اپنے بار اپنی پشت پر اٹھائیں گے۔



## وَنَسُوقُ الْمَجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَرِدًا ۱۱

اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیساہا نکلیں گے۔

مجرمین سے مراد ہیں کافر۔ وردا کا ترجمہ بغوی نے کیا پیدل، بعض نے کہا پیاسے کی شدت پیاس سے گردنیں ٹوٹ رہی ہوں گی۔ ورد کہتے ہیں پانی پر اترنے والی جماعت کو، حضرت ابن عباس نے بھی اس کی تشریح میں پیاسے ہی فرمایا۔

میں کہتا ہوں اللہ نے اس جگہ دو گروہوں کے حشر کا تذکرہ فرمایا (۱) کامل تقویٰ والے انبیاء، عرفاء وغیرہم (۲) مجرمین یعنی کفار عام مسلمانوں کا ذکر نہیں کیا نہ صالحین کا، نہ گناہ گاروں کا۔ حدیث میں آیا ہے کچھ لوگ پیادہ پا اٹھائے جائیں گے۔ یہ عام مومن ہوں گے (صالحین بھی اور گناہ گار بھی)۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت يُحْشَرُونَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمِيًّا وَبِكَمَا وَصَّمَا کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ کی اور حضرت معاویہ بن جبل کی روایت کردہ احادیث ہم نے نقل کر دی ہیں۔ حضرت ابوذرؓ کی حدیث ہے کہ لوگوں کا حشر تین طرح سے ہوگا (یعنی تین فریق ہوں گے) سوار، پیدل اور منہ کے بل، صحیحین نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا لوگوں کا حشر تین طریقوں پر ہوگا (کچھ لوگ) راغب ہوں گے (کچھ) خوف زدہ ہوں گے اور ایک ایک اونٹ پر دو دو یا تین تین یا دس دس سوار ہوں گے، آگ بھی ان کے ساتھ ہوگی جہاں وہ دوپہر کو ٹھہریں گے آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہرے گی جہاں وہ رات کو رہے گی۔ شیخ ابن حجر نے کہا رَاغِبِينَ رَاہِبِينَ وہ لوگ ہوں گے جو پہلے طریقہ پر ہوں گے یعنی عام مومن پھر اس حدیث میں ایک ایک اونٹ پر دو دو اور تین تین اور دس دس کے سوار ہونے کا تو ذکر ہے ایک اونٹ پر ایک کے سوار ہونے کا ذکر نہیں کیا اس سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو ان سب سے اونچے درجہ والے ہوں گے یعنی اَبْرَارٌ (اَبْرَارٌ میں سے ہر شخص مستقل طور پر الگ اونٹ پر سوار ہوگا)

بیہقی نے کہا رَاغِبِينَ سے اشارہ اَبْرَارٌ کی طرف ہے اور رَاہِبِينَ سے ان مخلوط الحال لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو امید و بیم کی درمیانی حالت میں ہیں اور جن کو آگ کھڑکھڑ کر لے جائے گی وہ کافروں کا گروہ ہوگا۔ حلیمی نے بھی حدیث کی یہی تشریح کی ہے اتنی بات زائد بیان کی ہے کہ اَبْرَارٌ وہی متقی ہوں گے، جنت سے ان ہی (کی سواری) کے لئے اونٹنیاں لائی جائیں گی باقی وہ اونٹ جن پر مخلوط الحال لوگوں کو سوار کیا جائے گا تو ممکن ہے کہ قیامت کے دن وہ اونٹ پیدا کر دیئے جائیں اور مخلوط الحال لوگوں کو ان پر سوار کیا جائے۔ سیوطی نے کہا یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ مخلوط الحال لوگوں کا جنت سے لائے ہوئے اونٹوں پر سوار کیا جانا کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ پھر اونٹوں پر سوار بھی ان مخلوط الحال گناہ گاروں کو کر لیا جائے گا جن کے گناہ حساب کے وقت معاف کر دیئے گئے ہوں گے اور ان کو عذاب نہیں ہوگا، رہے عذاب پانے والے لوگ تو ان کو پیدل چلایا جائے گا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لوگ شروع سے ہی پیدل چلائے جائیں ان کو سوار ہی نہ کیا جائے یا حشر سوار ہونے کی حالت میں ہو اور جب میدان حشر کے قریب پہنچیں تو پیدل ہو جائیں باقی کافروں کا حشر تو منہ کے بل ہوگا ہی۔ (ان کے سوار ہونے کا تو کوئی معنی ہی نہیں)۔

طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن انبیاء کو سوار یوں پر لے جایا جائے گا یہاں تک کہ (اسی حالت میں) وہ میدان حشر تک پہنچ جائیں گے۔ صالح کو ان کی اونٹنی پر سوار (ہونے کی حالت میں قبر سے) اٹھایا جائے گا اور مجھے براق پر (سوار) اٹھایا جائے گا اور میرے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو جنت کے اوپر سے (آئی ہوئی) دو اونٹنیوں پر اٹھایا جائے گا اور بلال کو جنت کے اوپر سے (آئی ہوئی) اونٹنی پر اٹھایا جائے گا وہ اذان دیں گے۔ خالص شہادت توحید کی اور جب اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کہیں گے تو اگلے پچھلے تمام مومن اس کی شہادت دیں گے پس جس کی شہادت قبول ہونی ہوگی قبول ہو جائے گی اور جس کی شہادت رد ہونی ہوگی رد ہو جائے گی۔

حلیمی اور غزالی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ جو لوگ سوار کر کے لے جائے جائیں گے وہ قبروں سے سوار ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں گے لیکن اسماعیلی کا قول ہے کہ موقف تک تو پیدل جائیں گے پھر وہاں سے سوار ہو جائیں گے۔

اسما علی نے یہ تفریق مختلف احادیث میں توفیق پیدا کرنے کے لئے کی۔ صحیحین اور ترمذی کی حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم کو اللہ کی طرف اس حالت میں لے جایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں، برہنہ بدن، غیر محتون اور پیادہ پا ہو گے۔ پھر حضور ﷺ نے آیت کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعْبُدُهُ پڑھی اور سب لوگوں سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا۔

اسی طرح شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سودہؓ اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت سہل بن سعد اور حضرت حسن بن علیؓ کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے لیکن ان احادیث میں تلاوت آیت اور حضرت ابراہیم کو سب سے پہلے لباس پہنائے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اتنا مزید مذکور ہے کہ ام المومنین میں سے حضور ﷺ کی کسی بی بی نے کہا اے کیسی بری بات ہوگی کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا لوگوں کو اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوگی، ہر شخص کو اس روز اپنی پڑی ہوگی۔

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ الْأَمِنَ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝

اختیار نہیں رکھے گا مگر جس نے رحمن کے پاس (سے) اجازت لے لی ہے۔ یعنی جن کے اندر ایسے اوصاف ہوں گے جو شفاعت کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ شفاعت کر سکیں گے مراد یہ ہے کہ ایماندار نیکو کار ہوں تو اہل شفاعت ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ دوسری جگہ فرمایا ہے يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ۔ بقول ابن صالح حضرت ابن عباسؓ نے موخر الذکر آیت کی تفسیر میں فرمایا يَسْتَجِيبُ یعنی ان کے بھائیوں کے لئے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ یعنی اپنی مہربانی سے بھائیوں کی بھائیوں کے حق میں شفاعت منظور فرمائے گا۔

يَا عَهْدًا سے مراد ہے اجازت اذن یعنی سوائے اس کے جس کو شفاعت کی اجازت مل جائے اور کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اسی مضمون کی دوسری آیت ہے مَنْ ذَٰلِذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ عربی محاورے میں بولا جاتا ہے عَهْدًا إِلَّا سِيرًا لِي فُلَانٍ بِكَذَا۔ حاکم نے فلاں شخص کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا سے ہر وہ شخص مراد ہے جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور مَنْ سے پہلے شفاعت محذوف ہے یعنی إِلَّا الشَّفَاعَةَ مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا اور چونکہ لا الہ الا اللہ کا ہر قائل شفاعت کئے جانے کے قابل ہے۔ اس لئے آیت میں لا الہ الا اللہ کا ہر قائل مراد لینا صحیح ہے۔ اللہ نے تمام مومنوں سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے، فرمایا ہے مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ اِنَّ اللّٰهَ يُغْفِرُ الذَّنُوْبَ جَمِيْعًا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ پر بندوں کا حق ہے کہ وہ غیر مشرک کو عذاب نہ دے (متفق علیہ من حدیث معاذ) اسی طرح کی ایک اور آیت آئی ہے فرمایا ہے لَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ کی ضمیر الْمُجْرِمِينَ کی طرف لوٹ رہی ہے اور شَفَاعَةَ سے مراد ہے سفارش یا ب ہونا (مصدر مجہول) یعنی مجرم شفاعت یا ب نہیں ہوں گے ہاں مومن شفاعت یا ب ہوں گے جن کو اللہ نے وعدہ دے رکھا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۝

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمن نے (اپنے لئے) اولاد اختیار کر لی ہے۔ قالوا کا فاعل یہودی، عیسائی اور بعض وہ مشرک ہیں جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ چونکہ یہ قول مشہور تھا اور اس کے قائل بھی نامعلوم مجہول نہیں تھے اس لئے ضمیر جس فاعل کی طرف لوٹ رہی ہے اس کا پہلے مذکور ہونا ضروری نہیں۔ (فاعل متکلم اور مخاطب کو معلوم ہو اور مرجع ضمیر متعین ہو تو بغیر ذکر مرجع کے ضمیر غائب ذکر کی جاسکتی ہے)

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا ۝

تم نے نہایت سخت حرکت کی ہے حضرت ابن عباسؓ نے اِذَا کا ترجمہ کیا

منکر یعنی بری۔ مجاہد اور قتادہ نے سخت بری۔ اذنی امر فلان بات یا واقعہ کا مجھ پر سخت بوجھ پڑا یہ عربی محاورہ ہے۔ بغوی نے لکھا ہے عربی زبان میں ادا کا معنی ہے بہت ہی بڑا حادثہ۔

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَنْفَطِرْنَ مِنْهُ وَتَنْشِقُ الْأَرْضُ وَيَخْرُجُ الْجِبَالُ هَبًّا أَنْ دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَكَدًّا ۱۱

اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔ قاموس میں بے حد توڑنا بالکل ڈھادینا۔ بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے قریب ہے کہ آسمان ان پر ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ کر ان کو اپنے اندر دھنسالے اور پہاڑ ان پر ڈھ پڑیں۔ حضرت ابن عباس اور کعب نے فرمایا سوائے جن وانس کے آسمان، زمین، پہاڑ اور ساری مخلوق اس قول سے خوف زدہ ہو گئی قریب تھا کہ سب اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ فرشتے بھی غضب ناک ہو گئے اور جہنم بھی بھڑک اٹھی۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا کہ اتنی پرہیز اور ہولناک بات ہے کہ اگر اللہ کا بے پایاں حکم نہ ہوتا تو سارا عالم تباہ ہو جاتا اور اس بات کو منہ سے نکالنے والے پر الٹ جاتا۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَكْدًا ۱۲

حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔

یَنْبَغِي کا ترجمہ دو طرح سے ہو سکتا ہے (۱) جائز نہیں ہو نہیں سکتا (۲) مناسب اور زیبا نہیں۔ اول صورت میں اِنْبَغِي یَنْبَغِي باب انفعال سے ہو گا جو بَغِي کا مطاوع۔ بَغِي کا معنی ہے طلب کرنا۔ طلب شئی کے بعد اس شئی کے ہو جانے کا نمبر آتا ہے۔ حاصل ترجمہ یہ ہو گا کہ بالفرض اگر اللہ اپنے لئے اولاد کا طالب بھی ہو تب بھی اس کے لئے اولاد کا ہونا ممکن نہیں اس کی اولاد ہو بھی نہیں سکتی، دوسری صورت ظاہر ہے اللہ کی اولاد ہونا، اس کی شان کے خلاف ہے، نقص ہے، عیب ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے (بجائے اللہ کے) آیت میں صفت رحمانیت پر حکم کو مرتب کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ منعم ہے تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے اس کے سوا باقی مخلوق میں یا اللہ کی نعمتیں ہیں یا نعمت پانے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ نعمتیں ہوں (جو خدا نے پیدا کی اور دی ہیں) یا نعمت پانے والے ہوں (جن کو اللہ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں) منعم کے ہم جنس کیسے ہو سکتے ہیں اور بیٹے کے لئے ضروری ہے کہ وہ باپ کا ہم جنس ہو اس لئے اللہ کی اولاد ہونا ممکن نہیں ہے۔

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۱۳

کیونکہ جتنے بھی کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہونے والے ہیں۔

یعنی آسمان و زمین میں جو کوئی ہے وہ اللہ کی ملک ہے اس کی مخلوق ہے بندگی اور اطاعت و انقیاد کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور قیامت کے دن اس کے سامنے ذلت و عبدیت کے ساتھ آئے گا، مجازی غلام ہونا بھی اولاد ہونے کے منافی ہے اسی لئے اگر کوئی کسی سبب سے اپنے بیٹے کا مالک ہو جائے بطور میراث یا خریدنے کے ذریعہ یا کسی کے ہبہ کرنے سے کسی کا بیٹا اس کی ملک میں داخل ہو جائے تو ملک میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ پس حقیقی مملوک ہونے کا کیا ٹھکانہ ہے، حقیقی مملوک تو مالک کی مخلوق ہے۔

لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۱۴

اللہ نے بلاشبہ سب کا احاطہ کر لیا ہے (اس کے دائرہ علم و قدرت سے کوئی بھی خارج نہیں) اور سب کو گن رکھا ہے یعنی تمام افراد کو ان کے افعال احوال اور زندگی و رزق کو اپنے علم و قدرت کے گھیرے میں لے لیا ہے ہر چیز اس کے نزدیک اندازہ کے مطابق ہے۔

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۱۵

اور قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔ یعنی کسی کا کوئی مددگار ساٹھی، پیر و اور دنیا کی کوئی چیز ساتھ نہ ہوگی۔

ابن جریر نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلا گیا تو میرے دل میں مکہ والے دوستوں کا کچھ خیال آیا جیسے شبیب بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف (ان لوگوں کی دوستی اور محبت

یاد آتی تھی) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ سَبَّجَعَلْ لَّهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۱۶﴾  
لائے اور نیک کام کئے یقیناً اللہ ان کے لئے (مومنوں کے دلوں میں) محبت (پیدا) کر دے گا۔ یا محبت (پیدا) کر دے گا جو ان سے محبت کریں گے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے وُدُّ اور وِدَادٌ محبت اور محبت کرنے والا۔ واو کی تینوں حرکات صحیح ہیں وُدٌّ، وُدٌّ، وِدٌّ (یعنی یہ مصدر بھی ہے اور صیغہ صفت بھی) اور وِدِّد کی طرح کثیر محبت کرنے والے کو بھی وِدٌّ کہتے ہیں (یعنی صیغہ مبالغہ بھی ہے) اس آیت میں حضرت عبدالرحمن کے لئے پیام تسلی ہے اور اس امر کا وعدہ ہے کہ بجائے کافروں کے اللہ مومنوں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا اور ان کو تمہارا دوست بنا دے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی بن ابی طالب کے حق میں ہوا اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری محبت سوائے کافروں کے سارے مومنوں اور کل مخلوق کے دلوں میں ڈال دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا میں مولی ہوں علیؑ بھی اس کے مولی ہیں۔ (مولی بمعنی آقا، دوست، بھائی) رواہ احمد و ابن ماجہ عن البراء بن عازب و احمد عن بریدہ و الترمذی و النسائی عن زید بن ارقم۔

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا علیؑ کا ذکر (یا علی کی محبت) عبادت ہے، رواہ صاحب مسند الفردوس عن ام المؤمنین عائشہؓ حضور گرامی نے ارشاد فرمایا اللہ جب (کسی) بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریلؑ سے فرماتا ہے میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ حسب الحکم جبریلؑ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر آسمان کے رہنے والوں میں منادی کرتے ہیں، اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین پر اس شخص کو مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے (اور اہل زمین اس سے محبت کرتے ہیں) رواہ البخاری و مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہو کہ اللہ بندہ کو اپنی ذات گرامی سے محبت کرنے والا بنا دیتا ہے، بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) پھر اللہ بندہ سے محبت کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا میرا بندہ پیغم نوافل کے ذریعہ سے میرا مقرب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔

فَاِنَّمَا يَسْتَرْثِيهِ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لَّدُنَّا ﴿۱۷﴾

سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوش خبری سنائیں نیز اس سے جھگڑالو لوگوں کو خوف دلائیں۔

بِلِسَانِكَ یعنی آپ کی زبان پر اس کو آسان کر دیا ہے۔ اس صورت میں ب بمعنی عَلِيٌّ (پر) ہو گا۔ یا آپ کی زبان (یعنی عربی) میں آسان کر دیا ہے۔ یعنی سہولت آگئیں کیفیت میں نازل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں بِلِسَانِكَ کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی امت پر آسان کر دیا ہے آپ کی زبان میں اتار کر (دوسری زبانوں میں نہیں اتارا کہ عرب کو سمجھنے میں دشواری ہوتی)

لَّدُنَّا (اللہ کی جمع ہے) سخت جھگڑالو لوگ جو حق واضح ہونے کے بعد بھی اس کو قبول نہیں کرتے اور محض عناد قومی و ذاتی اور جذبہ خصومت کی وجہ سے دوزخ کو پسند کرتے ہیں، مجاہد نے کہا اللہ اس ظالم کو کہتے ہیں جو کبھی راہ راست پر نہ آئے، ابو عبیدہ نے کہا اللہ وہ شخص ہے جو باطل کا مدعی ہو اور حق کا منکر۔

آیت میں حصر اضافی ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو صرف اس لئے اتارا کہ آپ مومنوں کو اس کے ذریعہ سے بشارت دیں اور کافروں کو ڈرائیں، اسلئے نہیں اتارا کہ آپ دکھ میں پڑ جائیں اور اگر لوگ نہ مانیں تو آپ عمکین اور رنجیدہ ہوں۔

وَكَمْ اٰهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ يُحِشُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ  
اور ہم نے ان سے

پہلے بہت سے گروہوں کو (عذاب سے) ہلاک کر دیا ہے سو کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں۔  
اس آیت میں کافروں کو ڈراوا ہے اور رسول اللہ کو پیام رسانی پر جرأت دلانا مقصود ہے۔ هَلْ تُجِئْسُ كَايَهٗ مُطَلَبٌ هٗ كِه  
آپ اب ان میں سے کسی کو بھی محسوس کرتے ہیں، یا تُجِئْسُ بمعنی تڑی کے ہے کیا آپ اب ان میں سے کسی کو بھی دیکھ رہے  
ہیں۔ یا آپ کسی کو پاتے ہیں یا کسی کا احساس کرتے ہیں۔

یا ان کی آہٹ سنتے ہیں۔

أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۱۸

رِکْز، پست آواز، پوشیدہ آواز، لفظ رِکْز کی ساخت پوشیدگی کا مفہوم بتاتی ہے رِکْز الرُّمَحِ نیزہ کی نوک زمین میں گاڑ  
دی (چھپادی) رِکْز دُفْنِ کیا ہوا مال۔

الحمد للہ دو شنبہ کے روز بتاریخ ۱۵ صفر ۱۴۰۳ھ کو سورہٴ مریم کی تفسیر بتوفیق الہی

ختم ہوئی اس کے بعد سورہٴ طہ کی تفسیر آرہی ہے انشاء اللہ بعونہ تعالیٰ

تفسیر مظہری سے سورہٴ مریم کی تفسیر کا ترجمہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو صبح پانچ بجے ختم ہوا۔

فَالْحَمْدُ لِلَّهِ أَوْلَىٰ وَالْآخِرُ أَوْظَاهِرُ وَأَبْطِنُ

# سورۃ طہ

سورۃ طہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۵۳ آیات ہیں

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

ط اور ہ حروف کے نام ہیں۔ اس کی بحث سورۃ بقرہ کے شروع میں مفصل گزر چکی ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ کا نام ہے اور اس جگہ اس کا ذکر بطور قسم ہے (یعنی طہ کی قسم جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا حِمٌّ لَا یَنْصُرُونَ) (حم کی قسم ان کافروں کی مدد نہیں کی جائے گی، یہ صحیح نہیں ہوں گے) ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی رات کو فرمایا حِمٌّ لَا یَنْصُرُونَ

مقاتل بن حبان نے کہا طہ کا معنی ہے زمین کو اپنے دونوں قدموں سے پامال کرو۔ یعنی تہجد کی نماز میں دونوں پاؤں زمین پر قائم رکھو) ابن مردویہ نے تفسیر میں اور بزار نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب یَاٰیہَا الْمَزْمِلِ قِیْمَ اللَّیْلِ الْاَقْلِبِیْلًا نازل ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تمام رات (نماز میں) کھڑے رہنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج گئے (تکلیف کی وجہ سے) آپ ایک پاؤں ٹیکتے تھے تو دوسرا اٹھالیتے تھے، اس پر جبرئیل اترے اور کہا طہ یعنی اے محمد اپنے دونوں قدم زمین پر رکھو۔ مجاہد، عطاء اور ضحاک نے کہا طہ کا معنی ہے اے مرد۔ قتادہ نے کہا سریانی زبان میں اس کا معنی اے مرد ہی ہے۔ کلبی نے کہا عک (قبیلہ عک) کے محاورے میں طہ کا ترجمہ ہے اے انسان۔ موخر الذکر دونوں صورتوں میں طہ کے لفظ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہوگا، اسی لئے بعض لوگوں نے طہ کو رسول اللہ کے ناموں میں سے شمار کیا ہے کیونکہ آیت میں طہ سے کنایہ آپ ہی کی ذات سے ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کلبی کا قول ہے کہ جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے، نماز میں طویل قیام کی وجہ سے بھی ایک پاؤں ٹیکتے دوسرا اٹھاتے اور دوسرا ٹیکتے تو پہلا اٹھالیتے تھے اور رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

طہ ۱ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی ﴿۱﴾  
ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا ہے کہ آپ (قیام کرتے کرتے) تھک جائیں۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے شقاء کا معنی ہے سختی اور تنگی۔

جوہری نے لکھا ہے شقاوت، سعادت کا عکس ہے اور جس طرح سعادت کی دو قسمیں ہیں، دنیوی اور اخروی، اسی طرح شقاوت بھی دو طرح کی ہوتی ہے دنیوی اور اخروی۔ پھر سعادت دنیوی تین طرح کی ہوتی ہے نفسانی، جسمانی، بیرونی، اسی طرح شقاوت دنیوی کی بھی یہی تین قسمیں ہیں۔ دنیوی، جسمانی شقاوت تھکان ہے اور آیت میں یہی مراد ہے۔ (گویا صاحب قاموس کے نزدیک تشقی کا مصدر شقاء ہے اور جوہری کے نزدیک شقاوہ) بعض علماء کا قول ہے کہ تعب کی بجائے شقاء کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے، تعب کے معنی میں شقاء کا لفظ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ہواشقی من رابض المہر اور

سَيِّدُ الْقَوْمِ اشْقَاهُمْ مشہور کہاوتیں مستعمل ہیں۔ شاید تعجب کے بجائے تَشْقَى کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ قرآن کا نزول آپ کے سعادت یاب ہونے کے لئے کیا گیا ہے نہ کہ شقاء کے لئے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ شروع شروع میں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو نماز میں آپ قدموں کے سروں (پنجوں) کے بل کھڑے ہوتے تھے اس پر نازل ہوا طہ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى عبد بن حمید نے رابع بن انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو ایک ٹانگ ٹیکے رکھتے اور دوسری اٹھالیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کافروں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ عبادت میں بہت زیادہ مشقت اٹھا رہے ہیں تو کہنے لگے محمد قرآن تم پر صرف اس لئے نازل ہوا کہ تم مشقت اٹھاؤ یا تمہاری شقاوت کے لئے قرآن نازل ہوا ہے اس قول کی تردید اور تکذیب کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شاید کفار کی مراد یہ ہو کہ تم نے چونکہ باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا ہے اس لئے بد نصیب ہو گئے قرآن اترنے کا یہی نتیجہ نکلا۔ اللہ نے اس خیال کی تکذیب فرمادی، اس مضمون پر وہ روایت دلالت کر رہی ہے جو بطریق عوفی آئی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے کفار کا یہ مقولہ بیان کیا کہ یہ شخص اپنے رب کی وجہ سے بد نصیب ہو گیا اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیت کا مطلب اس طرح ہو ہم نے قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم تھکان میں مبتلا ہو جاؤ اور اس غم میں اپنے آپ کو تباہ کر دو کہ تمہاری قوم مومن کیوں نہیں ہوتی آپ کے ذمے تو صرف تبلیغ ہے ان کے ایمان لانے نہ لانے کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔

بلكه ایسے شخص کی ہدایت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ مَنْ يَخْشَى الْآلَاتِ كِرَّةً لِمَنْ يَخْشَى ۝۱۰  
یَخْشَى سے مراد ہے وہ شخص جس کے دل کے اندر خشیت اور رقت ہو کہ ڈرانے سے اس کو فائدہ پہنچ جائے یا ایسا شخص مراد ہے جس کے متعلق اللہ جانتا ہے کہ ڈرانے اور عذاب کا خوف دلانے سے وہ خوف زدہ ہو جائے گا (اگرچہ بالفعل وہ صاحب خشتیہ نہ ہو اور عذاب کا خوف اس کو نہ ہو مگر عذاب کا ذکر سن کر آئندہ خوف زدہ ہو جائے والا ہو) ایسا ہی آدمی انذار و تخویف سے فائدہ اندوز ہو سکتا ہے۔

تَنْزِيلًا مِمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ۝۱۱  
یہ اس ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے پہلے اَنْزَلْنَا بَصِيغَةً جمع متکلم فرمایا تھا اور اس جگہ اپنی ذات کو بصیغہ غائب ذکر کیا اس سے طرز کلام میں نیرنگی پیدا ہو گئی اور اتارنے والے کی عظمت کا اظہار دو طرح سے ہو گیا، اول اتارنے کی نسبت اپنی عظیم الشان ذات کی جانب کی پھر ایسی ذات جامع الصفات کی طرف اسناد تنزیل کی جو عظیم الشان صفات و افعال کا سرچشمہ ہے اور اسی ترتیب سے اس کے افعال کا ذکر کیا جو ترتیب عند العقل مناسب تھی اول تخلیق زمین کا ذکر کیا۔ زمین بالکل ہمارے سامنے اور بہت زیادہ قریب ہے پھر اونچے آسمانوں کا ذکر کیا اس کے بعد استواء علی العرش اور درمیانی کائنات کی ملکیت و تخلیق اور زیر تری کی پیدائش کا تذکرہ کیا۔

الْعُلَى - الْعُلَى کی جمع ہے اور عُلَى اَعْلَى کا مونث ہے۔  
الرَّحْمٰنِ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝۱۲  
پوری تشریح سورہ یونس میں گزر گئی۔

کہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ  
وَمَا فِي الْاَرْضِ  
ملائکہ  
اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی پہاڑ اور دریا اور درخت اور کانیں اور جانور اور جن و شیاطین اور انسان و ملائکہ  
اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان (خلاء) میں ہے یعنی ہوا اور بادل اور گرج اور بجلی وغیرہ۔  
وَمَا بَيْنَهُمَا

## وَمَا تَحْتِ الثُّرَيِّ ①

اور جو کچھ ثریٰ کے نیچے ہے یعنی نمناک مٹی کے نیچے، ایک حدیث میں آیا ہے ایک کتاب پیاس کی وجہ سے ثریٰ کھا رہا تھا۔ اگر خشک مٹی پر کوئی پانی چھڑک دے تو بولتے ہیں ثُرَيُّ الثَّرَابِ۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ زمیں پھلی کی پشت پر ہیں اور پھلی سمندر پر اور پھلی کی دم اور سر عرش کے نیچے باہم مل گئے ہیں۔ سمندر پتھر کی ایک آسمانی رنگ کی چٹان پر ہے، یہ چٹان وہی ہے جس کا ذکر حضرت لقمان کے قصہ میں اللہ نے کیا ہے اور فرمایا ہے فَتَكُنْ رَفِيًّا صَخْرَةً چٹان بیل کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے اور بیل ثریٰ پر قائم ہے اور ثریٰ سے نیچے کیا ہے اس سے سوائے اللہ کے کوئی واقف نہیں، بیل منہ کھولے ہوئے ہے جب اللہ سب سمندروں کو ملا کر ایک سمندر کر دے گا تو یہ سب سمندر اس بیل کے منہ کے اندر جا کر پیٹ میں اتر کر خشک ہو جائیں گے (ہذا من رموز الاوائل واللہ اعلم بالصواب مترجم)

وَإِنْ تَجَهَّرَ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ②  
کئی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ خفی بات کو جانتا ہے۔

بیضاوی نے کہا یہ جملہ اصل میں اس طرح تھا اگر آپ اللہ کا ذکر اور اس سے دعا پکار کر کریں گے تو اللہ کو اس پکارنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ سر کو جانتا ہے اور بہت زیادہ پوشیدہ کو بھی۔ میرے نزدیک اصل کلام اس طرح تھا اگر آپ اللہ کا ذکر چلا کر کریں گے اور اونچی آواز سے پکاریں گے یا پست آواز سے چپکے چپکے ذکر کریں گے اللہ (کے لئے دونوں برابر ہیں بہر حال) اس کو جانتا ہے قبول کرے گا اور ثواب دے گا۔ اِنْ تَجَهَّرَ بِالْقَوْلِ كَعْدِ اَوْ تَخَافَتْ يَهْ كَعْدِ مَحْذُوفِ هُوْنِ عَلَامِ كِي رِفْعَارِ دِلَالَتِ كَرْرِ هِي هِي۔ دوسری آیت میں بھی اسی طرح دوسرا لفظ حذف کر دیا گیا ہے فرمایا ہے سَرَّ اِبْرِيْلَ نَقِيْكُمْ الْحَرَّ اس کے بعد وَالْبَرْدَ مَحْذُوفِ هِي (کیونکہ لباس فقط گرمی سے ہی حفاظت نہیں کر تا بلکہ سردی سے بھی بچاتا ہے)

لفظ سر اور اخفی کی تحقیق: بغوی نے بیان کیا کہ حسن نے کہا سر وہ خفیہ بات جو آدمی چپکے سے دوسرے سے کہہ دیتا ہے اور اخفی وہ پوشیدہ بات جس کو اپنے دل ہی میں چھپائے رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ نے فرمایا سر وہ پوشیدہ بات جو آدمی اپنے دل میں رکھتا ہے اور اخفی وہ بات جو آئندہ اللہ دل میں پیدا کر دیتا ہے اور اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ آئندہ اللہ کی طرف سے دل میں کیا بات پیدا ہوگی ہم آج جس چیز کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں اس سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن کل کو ہمارے دل میں کیا بات آئے گی اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ہاں اللہ ہمارے آج کے پوشیدہ خیال سے بھی واقف ہے اور آئندہ جو کچھ ہم دل میں پوشیدہ رکھیں گے اس سے بھی واقف ہے۔

علی بن طلحہ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح آیا ہے سر وہ پوشیدہ بات ہے جو آدمی اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے اور اخفی وہ بات ہے جو آدمی کو خود بھی نہیں معلوم کہ وہ آئندہ کیا کرے گا جب تک کہ نہ لے اس کو معلوم نہیں ہوئی۔ مجاہد نے کہا سر وہ پوشیدہ کام ہے جس کو تم لوگوں سے چھپاتے ہو اور اخفی سے مراد سوسہ ہے۔ بعض علماء نے کہا سر سے مراد ہے عزیمت کسی بات کا پختہ ارادہ اور اخفی وہ خیال ہے جو دل میں گزرتا ہے مگر اس کا پختہ ارادہ نہیں ہوتا (یونہی ایک خیال دل میں آجاتا ہے) زید بن اسلم نے (أَخْفَى كَوَاضِي كَاصِيغَةَ مَانِ كَرِ يَعْلَمُ عَلَامِ كَرِ كَعَطْفِ كِيَاوَرِ) کہا اللہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور اپنے بندوں سے ان کو پوشیدہ رکھتا ہے کسی کو اپنے اسرار پر واقف نہیں کیا۔

اہل تصوف کے نزدیک سر اور اخفی ان پانچ غیر مادی چیزوں میں سے دو چیزوں کے نام ہیں جو مجرد از مادہ ہیں۔ بنظر کشف بالائے عرش ان کو دیکھا جاسکتا ہے البتہ ان کے جلوے انسانی جسم میں نمودار ہوتے ہیں۔ پانچ مجردات کے نام یہ ہیں قلب، روح، سر، خفی، اخفی۔ ولایت آدم کے انوار کی جلوہ گاہ قلب ہے ولایت نوح کی تجلیات کی منزل روح ہے یہی ولایت ابراہیمی کا مہبط انوار ہے۔ سر ولایت موسوی کی تجلیات کی منزل ہے اور خفی ولایت عیسیٰ کے انوار کی فرود گاہ ہے اور اخفی ولایت محمدیہ کے انوار قدسیہ کی جلوہ گاہ ہے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ③

اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔



اسی کے (سارے) اچھے اچھے نام (اوصاف) ہیں۔ یہ پورا جملہ تاکید کی اور تقریری ہے۔ جو زمین و آسمان اور ساری کائنات کا مالک ہے، وہ یقیناً الوہیت میں منفرد اور تمام صفات کمال کے ساتھ متصف ہو گا اور اس کی صفات کسی دوسرے میں نہیں پائی جائیں گی پس سارے اسماء حسنی یعنی اعلیٰ اوصاف اسی کے لئے مخصوص ہوں گے۔ حُسْنٰی اَحْسَن کا مونث ہے۔ اللہ کے اسماء حسن میں تمام اسماء سے اعلیٰ و افضل ہیں کیونکہ ان کے معانی تمام اسماء کے معانی سے اشرف اور برتر ہیں۔ اللہ کے اسماء حسنی کی مکمل تفصیل ہم نے سورۃ اعراف کی آیت **وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی** کی تفسیر کے ذیل میں کر دی ہے۔

**وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيثُ مُوسٰی ۹**  
اور کیا آپ کو موسیٰ کے قصہ کی خبر بھی پہنچی ہے۔ استفہام تقریری ہے یعنی یقیناً موسیٰ کا قصہ تم کو پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰ کا واقعہ بھی رسول اللہ ﷺ کے واقعہ سے ملتا جلتا تھا، حضرت موسیٰ کو تعب و مشقت اٹھانی پڑی تھی اور اسکے بلند مراتب پر آپ فائز ہوئے تھے، اس لئے نزول قرآن اور اس کی اصلی غرض کے تمہیدی ذکر کے بعد حضرت موسیٰ کا واقعہ ذکر فرمانا شروع کر دیا، شروع نبوت کے دور میں جن سورتوں کا نزول ہوا، سورۃ طہ بھی انہی میں سے ہے۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ اپنے اندر جن مضامین کو سموئے ہوئے ہے نبوت کے بار کی برداشت، تبلیغ رسالت، تحمل شدائد پر صبر وغیرہ انہی کی طرف سورۃ کی ابتدائی آیات میں اشارہ فرمایا تاکہ آپ بھی حضرت موسیٰ کے طریق رسالت کی پیروی کریں۔

**اِذْ سَا اَنَارًا**  
(موسیٰ کا واقعہ اس وقت کا) جب کہ انہوں نے آگ دیکھی تھی۔ بغوی نے واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب سے مصر لوٹ کر جانے کی اجازت طلب کی تاکہ اپنی والدہ اور بہن کی زیارت کر سکیں حضرت شعیب نے اجازت دیدی آپ اپنی بی بی کے ساتھ چل پڑے، سردی کا موسم تھا، بادشاہان شام کے خوف سے آپ عام راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہوئے بیوی دنوں سے تھیں۔ صبح شام کا بھروسہ نہ تھا راستوں سے واقف نہ تھے صحرا میں بغیر جانے ایک راستہ پر چل پڑے وہ راستہ کوہ طور کے دائیں مغربی جانب جاتا تھا۔ رات تاریک اور فضا برقیلی تھی راستہ میں بی بی کو درد زہ ہونے لگا آپ نے چھماق کو رگڑا پر آگ نہیں نکلی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت موسیٰ آدمی غیرت مند تھے۔ چونکہ بی بی ساتھ تھی اس لئے رفقاء سفر کے ساتھ رات کو چلتے تھے اور دن کو علیحدہ ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً راستہ بھٹک گئے تاریک رات تھی اور برف زدہ بھی تھی۔ چھماق کو رگڑا لیکن آگ نہیں نکلی نظر اٹھائی تو دور آگ روشن دکھائی دی جو طور کے جانب سے راستہ کے بائیں طرف کو تھی۔

**فَقَالَ لِاٰهْلِهٖ اٰمَكُوْا**  
پس بیوی سے کہا تم (بہنیں) ٹھہرو۔ جمع کا خطاب بیوی اور ساتھیوں کے لئے ہے یا بی بی کو ہی ہے اور چونکہ وہ حضرت شعیب کی صاحبزادی تھیں اس لئے ان کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے تمذیب کے ساتھ بصیغہ جمع خطاب کیا۔

**اِنِّیْ اَنْسَتُ نَارًا اَلْعَلٰی اَتٰیْكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجْدُ عَلٰی النَّارِ هُدٰی ۱۰**

میں نے آگ دیکھی ہے شاید اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ کے پاس راستہ کا پتہ مجھے مل جائے۔ اَنْسَتُ یعنی بلا شک و شبہ میں نے آگ دیکھی ہے مجھے اس کے آگ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ ایسا اس طور پر دیکھنے کو کہتے ہیں جس سے کچھ انس خاطر پیدا ہو۔ (اور دل کی وحشت دور ہو)

**قَبَسٌ** آگ کا شعلہ، آگ کا وہ تھوڑا حصہ جو زیادہ آگ میں سے حاصل کر لیا جائے (کذا فی القاموس)

**هُدٰی** بمعنی ہادی، راہنما یعنی مجھے کوئی راستہ دکھانے والا وہاں شاید مل جائے یا ہُدٰی سے مراد ہے دینی راہنما کیونکہ ابرار اور اہل عرفان کے خیالات ہر وقت امور دین ہی کی طرف مائل رہتے ہیں اور انہی سے ان کو انس خاطر ہوتا ہے لیکن ہادی کا ملنا شعلہ کا حصول یقینی نہ تھا۔ اس لئے امید کا لفظ بولا اور آگ کا دیکھنا بلا شک تھا اس لئے دیکھنے کے متعلق یقین کا اظہار کیا۔

عَلَى النَّارِ يَعْنِي آگ کے قریب۔

سوجب وہ آگ کے پاس پہنچے تو ان کو (اللہ کی طرف سے) آواز

فَلَمَّا آتَاهَا نُورٌ يَلْمُوسَىٰ ۖ إِنَّي أَنَا رَبُّكَ

دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے جب موسیٰ وہاں پہنچے تو آپ نے ایک درخت دیکھا جو اوپر سے نیچے تک بالکل سبز تھا اور اس کے گرد اگر دشفاف، سفید آگ اس کو گھیرے ہوئے تھی جو بہت زیادہ روشن تھا (دھوئیں کا نام بھی نہ تھا) درخت کی سبزی اور آگ کی سفیدی دونوں اپنی اپنی جگہ نمایاں تھیں۔ نہ درخت کی سبزی اور سفیدی میں مخل تھی نہ آگ کی نوار نیت درخت کی سبزی نمایاں ہونے سے مانع تھی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا درخت کارنگ گندمی سبز تھا۔ قتادہ، مقاتل اور کلبی نے کہا وہ عوج کا درخت تھا، وہب نے کہا علق کا درخت تھا، بعض کا قول ہے کہ عناب کا درخت تھا، اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف کی گئی ہے، اہل تفسیر کہتے ہیں کہ موسیٰ نے جس کو آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی نور تھا، موسیٰ نے اس کو آگ ہی خیال کیا تھا۔ اس لئے اللہ نے بھی اس کو نار ہی فرمایا۔ اکثر مفسر قائل ہیں کہ وہ نور رب تھا۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن سعید بن جبیر نے فرمایا وہ حقیقت میں آگ ہی تھی آگ ہی چہرہ خداوندی کے لئے حجاب ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا حجاب آگ ہے اگر اس حجاب آتشیں کو کھول دے تو اس کی تجلی جمال اس تمام مخلوق کو سوختہ کر دے جو اس کی حد نگاہ تک ہو۔ بغوی کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے لیکن صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے اندر نار کی جگہ نور کا لفظ آیا ہے۔ اس کا حجاب نور ہے۔ میں کہتا ہوں دونوں کا مالک ایک ہی ہے نور بھی لطیف ترین مصفی آگ ہی ہوتا ہے جو جلاتا نہیں ہے۔

اس قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰ کچھ خشک گھاس لے کر آگ کی طرف بڑھے تو آگ دور ہو گئی جس قدر اس کے قریب جاتے تھے وہ اور دور ہٹ جاتی تھی اور جب موسیٰ پیچھے ہٹ آتے تھے تو آگ قریب آ جاتی تھی موسیٰ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے وہاں ملائکہ کی تسبیح کی آواز سنی اس وقت آپ کے اوپر سکینہ (ایمان شہودی، سکون خاطر، اطمینان قلبی، دل کی ٹھہراؤ) کا القاء ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ وہب نے بیان کیا حضرت موسیٰ کو درخت سے ندا آئی تھی کہ میں تیرا رب ہوں۔ موسیٰ کو معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لئے آپ نے جواب دیا میں تیری آواز تو سن رہا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ تیری جگہ کہاں ہے (کہاں سے آواز آرہی ہے تو کہاں ہے آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں، تجھ سے اتنا قریب ہوں کہ تو بھی اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ کو یقین ہوا کہ یہ اللہ ہے یہ شان تو اسی کی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے موسیٰ کو ندا آئی تو آپ نے کہا یہ کلام کرنے والا کون ہے آواز آئی میں ہی اللہ ہوں اس وقت شیطان نے موسیٰ کے دل میں وسوسہ پیدا کیا کہ شاید میں شیطان کا کلام سن رہا ہوں، لیکن فوراً کہہ اٹھے یقیناً یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ ہر طرف سے اور ہر عضو سے میں اس کو سن رہا ہوں (شیطان کا کلام نہ ہر جہتی ہو سکتا ہے نہ بند بند سے اس کو سنا جاسکتا ہے) اس تشریح میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روحانی طور پر اول حضرت موسیٰ کے قلب پر کلام اللہ کا القاء ہوا تھا۔ پھر صورت مثالی میں آکر حس مشترک کے سامنے آیا اور ثبت ہو گیا اور جسم کے سارے اعضاء سے آپ نے سنا لیکن وہ کلام ہر جہتی تھا اور ہر عضو سے آپ نے اس کو سنا۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ  
پس اپنے جوتے اتار دو۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ برہنہ پا ہو جانا تعظیم کی علامت ہے اس لئے جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا۔ بغوی نے لکھا ہے اس حکم کی وجہ تھی جو حضرت ابن مسعود کی روایت میں آئی ہے کہ وہ جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ وہ چمڑا جس کے جوتے بنے ہوئے تھے دباغت شدہ نہ تھا۔ عکرمہ اور مجاہد نے کہا ننگے پاؤں ہو جانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس پاک زمین کی خاک سے حضرت موسیٰ کے قدم محروم نہ رہیں پاک سر زمین کی برکت موسیٰ کے قدموں کو حاصل ہو جائے، حضرت موسیٰ نے فوراً جوتے اتار کر واوی کے پرے پھینک

دئے۔

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۳

کیونکہ تم بلا شک طوی کی مقدس وادی میں ہو (تقدیس طوی کا تقاضا ہے کہ تو ننگے پاؤں ہو جائے) طوی اس وادی کا نام تھا۔ ضحاک نے کہا وادی طوی گہری تھی اور طور کی طرح مستدیر تھی۔

بعض نے کہا طوی مصدر ہے اور یہ اشارہ ہے اس کیفیت کی طرف جو اللہ نے موسیٰ کو اپنی مہربانی سے بطور انتخاب عطا فرمائی تھی موسیٰ اپنی کوشش سے وہ کیفیت حاصل نہیں کر سکتے اللہ ہی نے وہ ساری وادی طے کرادی جس کی مسافت بہت بعید (مقدس بمعنی بعید) تھی۔ اہل تصوف کہتے ہیں قلب کا عروج اپنی اصل یعنی بالائی عرش تک اگر بالفرض کوشش سے ممکن بھی ہو تو پچاس ہزار برس کی کوشش کے بعد وہاں تک رسائی ہوگی کیونکہ زمین سے عرش تک پچاس ہزار برس کی مسافت ہے اسی کو بطور کنایہ رفی یَوْمِ كَانَ بِمِقْدَارِهِ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ میں بیان کیا گیا ہے لیکن شیخ کی توجہ سے یہ عروج بطریق اجتناب (انتخاب چن لینا) حاصل ہو جاتا ہے۔ عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے۔

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ سیر عارف ہر دمے تا تحت شاہ

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ اور (نبوت در سالت کے لئے) میں نے تم کو پسند کر لیا ہے۔

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۝۱۳ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ۝۱۴

وحی کیا جا رہا ہے اس کو سن لو میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو (کسی اور کی نہ کرو) انا اللہ الخ مایوحی سے بدل ہے اس جملہ کے اندر وحی کے دو حصے بیان فرمائے، توحید عبادت جو علم کا کمال ہے اور عبادت خالص جو عمل کا کمال ہے۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝۱۵ اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔

عمومی عبادت کا ذکر پہلے کیا پھر نماز کا خصوصیت کے ساتھ حکم دیا، کیونکہ تمام عبادتوں میں نماز کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دین کا ستون ہے۔ رواہ ابو نعیم والبیہقی عن عمرو صاحب مسند الفردوس عن علی ابن عساکر نے انس کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے نماز ایمان کا نور ہے۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ پیارا کون سا عمل ہے فرمایا نماز، رواہ الشیخان فی الصحیحین

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ کے اور کفر کے درمیان ترکِ صلوٰۃ (حائل) ہے۔ اسی طرح امام احمد اور اصحاب السنن نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔

احمد، دارمی اور بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے ایک روز نماز کا ذکر کیا اور فرمایا جو اس کی پابندی کرے گا تو یہ قیامت کے دن اس کے لئے نور اور برہان اور نجات ہو جائے گی اور جو اس کی پابندی نہیں کرے گا اس کے لئے نماز نہ نور ہوگی نہ نجات (کا ذریعہ) اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

ترمذی نے عبد اللہ بن شقیق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام سوائے ترکِ صلوٰۃ کے اور کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ انہی احادیث کی بنا پر امام احمد نے فرمایا کہ جس نے قصداً نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا۔

نماز کے افضل عبادات ہونے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز بجائے خود فی نفسہ نیکی ہے (دوسری عبادات کا حسن اضافی ہے) روزہ اس لئے اچھا ہے کہ اس سے نفسِ لمارہ کے غلبہ کو شکست ہوتی ہے، زکوٰۃ اس لئے نیکی ہے کہ اس سے غریبوں، محتاجوں کی حاجت روائی اور امداد ہوتی ہے حج اس لئے نیکی ہے کہ اس سے اللہ کے گھر کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے۔ چونکہ نماز فی نفسہ بجائے خود نیکی ہے اسی لئے اللہ نے اقامتِ صلوٰۃ کے حکم کی لیدِ کبریٰ کے لفظ سے علت بھی بیان فرمادی۔

لِذِّكْرِي كَمَا مَطْلَبٌ يَهِيَ كَمَا تَمَّ نَمَازُ كُوَا سَ لَئِنِّي قَامْتُ كَرُو كَمَا مَجَّهَ نَمَازُ كَ اِنْدَرِيَا دَ كَرُو پُورِي نَمَازُ هِيَ ذِكْرُ خَدَا هِيَ نَمَازُ كَ اِنْدَرِ  
 آدَمِي دَل، زَبَانُ اَوْر تَمَامُ اِعْضَاءُ كَ سَا تَهَّ اَللّٰهُ كِي يَادِ مِيں مَشْغُولُ هُو تَا هِيَ۔ لِذِّكْرِي كَمَا مَطْلَبٌ بَعْضُ نَے يَهِيَ بَيَانُ كِيَا هِيَ كَمَا چُونَكَا  
 مِيں نَے نَمَازُ كَا زَ كَرَا پِنِي تَمَامُ كِتَابُوں مِيں كِيَا هِيَ اَوْر سَبَّ هِيَ كِتَابُوں مِيں اِس كَا حَكْمُ دِيَا هِيَ اِس لَئِنِّي تَمَّ بَهِ نَمَازُ قَامْتُ كَرُو (اَوَّلُ مَطْلَبُ پَر  
 ذِكْرِي مِيں مَفْعُولُ كِي طَرَفُ نَسْبَتُ هُو كِي اَوْر دُوسِرَے مَطْلَبُ پَر فَاعِلُ كِي طَرَفُ (مُتْرَجَمُ) بَعْضُ عِلْمَاءُ نَے ذِكْرِي كَمَا مَطْلَبُ يَهِيَ  
 بَيَانُ كِيَا هِيَ كَمَا تَمَّ نَمَازُ قَامْتُ كَرُو تَا كَمَا مِيں رَحْمَتُ اَوْر تَعْرِيفُ كَ سَا تَهَّ تَهْمَا اَزْ كَرُوں۔ رَسُوْلُ اَللّٰهِ ﷺ نَے اِرْشَادُ فَرَمَا اَللّٰهُ فَرَمَا تَا  
 هِيَ مِيں اِنِّي بِنْدَے كَ كَمَا نَ كَ قَرِيْبُ هُو تَا هُوں اَوْر مِيں (هَر دَمُ) اِس كَ سَا تَهَّ رَهْتَا هُوں، اَكْرُو هُ مَجَّهَ اِنِّي دَل مِيں يَادُ كَرْتَا هِيَ  
 تُو مِيں بَهِ اِس كَا زَ كَرَا (تَهْمَا) اِنِّي ذَاتُ مِيں كَرْتَا هُوں اَوْر اَكْرُو هُ مِيْرَا ذَ كَرُ جَمَاعَتُ مِيں كَرْتَا هِيَ تُو مِيں اِس كَا زَ كَرَا كِي جَمَاعَتُ مِيں كَرْتَا  
 هُوں جُو اِس كِي جَمَاعَتُ سَے بَهْتَرُ هُو تِي هِيَ (يَعْنِي فَرَشْتُوں كِي جَمَاعَتُ مِيں) اِس جَكَا اِقَامَتُ صَلَوٰةُ كَا زَ كَرَا جَمَاعِي كِيَا هِيَ دُوسِرِي جَكَا  
 اِس كِي تَفْصِيْلُ آئِي هِيَ مَثَلًا اِيكُ آيَتُ مِيں فَرَمَا يَهِيَ اَقِيْمِ الصَّلٰوةَ لِيْذُ لُوْكَ الشَّمْسِ اِلَيَّ غَسَقِ اللَّيْلِ وَ قُرْآنَ الْقَجْرِ۔  
 حَضْرَتُ جَبْرَيْلُ كِي اِمَامَتُ كِي حَدِيثُ تُو مَشْهُورُ هِيَ هِيَ كَمَا جَبْرَيْلُ نَے دُورُو زِيَا نِچُوں وَ قَتُ حَضْرُو ﷺ كِي اِمَامَتُ كِي تَهِي پَهْلَے رُو زِ هَر  
 نَمَازُ اِبْتَدَائِي وَ قَتُ مِيں اَوْر دُوسِرَے رُو زِ هَر نَمَازُ اِنْتِهَائِي وَ قَتُ پَر پُڑھَانِي تَهِي۔ مُتْرَجَمُ) بَعْضُ عِلْمَاءُ نَے آيَتُ كَا تَرْجَمُ اِس طَرَحُ كِيَا هِيَ  
 نَمَازُ قَامْتُ كَرُو جَبُ نَمَازِيَا دَ آجَاے۔ حَضْرَتُ اَنَسُ رَاوِي هِيَ كَمَا رَسُوْلُ اَللّٰهِ ﷺ نَے فَرَمَا جُو شَخْصُ نَمَازُ بَهُوْلُ كِيَا يَا سُو تَا رَهُ كِيَا هِيَ تُو اِس  
 كَا كُفَا رَهُ يَهِيَ كَمَا جَبُ يَادُ آجَاے (فُوْتُ شَدَه) نَمَازُ پُڑھُ لَے (دُوسِرِي رُو اِيْتُ مِيں آيَا هِيَ اِس كَ سُوَاءُ اَوْر كُوْنِي كُفَا رَهُ نَهِيں) اَللّٰهُ نَے  
 فَرَمَا يَهِيَ اَقِيْمِ الصَّلٰوةَ لِيْذِكْرِي مُتَّفَقُ عَلَيَّ۔

حَضْرَتُ اَبُو قَتَادَه رَاوِي هِيَ كَمَا رَسُوْلُ اَللّٰهِ ﷺ نَے فَرَمَا نِيْنِدُ مِيں كُوْنِي قَصُوْرُ نَهِيں قَصُوْرُ تُو بِيْدَارِي مِيں (نَمَازُ تَرْكُ كَرْنِے  
 پَر) هِيَ جُو شَخْصُ كَسِي نَمَازُ كُو بَهُوْلُ جَاے يَا سُو تَا رَهُ جَاے تُو جَبُ (فُوْتُ شَدَه) نَمَازِيَا دَ آجَاے پُڑھُ لَے، اَللّٰهُ نَے فَرَمَا يَهِيَ وَ اَقِيْمِ  
 الصَّلٰوةَ لِيْذِكْرِي مُسَلْمُ  
 اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا  
 مَقْرُرُو قَتُ) كُو پُو شِيْدَه رَكْهُوْنُ كَا۔  
 بَلَا شَبَهُ وَ هُ كَهْرِي (يَعْنِي قِيَامَتُ) آْنِے وَ اَلِي هِيَ، مِيں اِس كَے

يَهِيَ جَمْلَةُ حَكْمُ عِبَادَتُ كِي عِلْتُ هِيَ يَا مُسْتَقْفَه هِيَ يَا مُعْتَرَضَه هِيَ جَسُ كُو خُوْفُ دَلَا نَے كَے لَئِنِّي ذِكْرُ كِيَا هِيَ اَوْر بَقُوْلُ بَغُوِي وَ اُو  
 عَا طْفَه مَحْذُوْفُ هِيَ اَصْلُ مِيں وَ اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ تَهَا۔

اِنْخَفَشُ نَے اَكَا دُ كَا تَرْجَمُ اُرِيْتُدُ (مِيں چَا هَتَا هُوں) كِيَا هِيَ، بَغُوِي كَے زَرِيْكُ يَهِيَ لَفْظُ زَا نِدَه هِيَ۔ مَعْنِي يَهِيَ كَمَا مِيں اِس كَا  
 مَقْرُرُو قَتُ ظَا هَر نَهِيں كَرُوں كَا۔ بَعْضُ اَهْلِ عِلْمُ نَے اَكَا دُ اُخْفِيْهَا كَا يَهِيَ مَطْلَبُ بَيَانُ كِيَا۔ قَرِيْبُ تَهَا كَمَا مِيں قِيَامَتُ كُو چَھَا لِيْتَا يَهِيَ بَهِ  
 نَه كَهْتَا كَمَا قِيَامَتُ آْنِے وَ اَلِي هِيَ، بِنْدُوں پَر مَهْرَبَانِي كَرْنَا اَوْر اِتْمَامُ حِجْتُ كَرْنَا مَقْصُوْدُ تَهَا اِس لَئِنِّي ذِكْرُ قِيَامَتُ كَرُو يَا اَكْرُو يَهِيَ بَاتُ نَه هُو تِي تُو  
 مِيں اِس كَا زَ كَرَا بَهِ نَهِيں كَرْتَا۔ يَهِيَ مَطْلَبُ تَكَا دُ السَّمُوْتُ يَتَفَطَّرُنْ كَا هِيَ كَمَا اَكْرُو اَللّٰهُ كَا حَكْمُ آسْمَانُوں كُو بَانِي رَكْھُنَے كَا نَه هُو تَا تُو اِن  
 لُو كُوں كَے اِس قُوْلُ سَے كَمَا اَللّٰهُ صَا حِبُ اَوْلَادِے آسْمَانُ پُھُٹُ جَا تَے۔ مِيں كَهْتَا هُوں شَا يْدَا اِس كَلَامُ مِيں اِس طَرَفُ اِشْرَا هِيَ كَمَا

اِيْمَانُ اَوْر اَللّٰهُ كِي عِبَادَتُ كُو وَهُ فَضِيْلَتُ وَ شَرَفُ اَوْر حَسَنُ وَ خُوْبِي حَا صِلُ هِيَ كَمَا بَغِيْرُ جَنَّتُ كِي خُوَا هَشُ اَوْر دُو زِخُ كَے خُوْفُ اَوْر قِيَامَتُ  
 كَے عَذَابُ كَے اِنْدِيْشَه كَے خُوْدَا نِ دُو نُوں كُو مَقْصُوْدُ اَصْلِي هُو نَا چَا يَهِيَ كُو اِيْمَانُ وَ عِبَادَتُ اَوْر تَرْكُ اِيْمَانُ وَ عِبَادَتُ كَا لَازِمِي نِيْتِجَهُ اَوْر شَمْرَه  
 ثُوَابُ وَ عَذَابُ هُو كَا لِيْكِنُ اِيْمَانُ وَ عِبَادَتُ كِي غَرَضُ وَ غَايَتُ اَكْرُو يَهِيَ نَه بَهِ هُو تَبُ بَهِ اِيْمَانُ وَ عِبَادَتُ كُو وَهُ عَزْتُ وَ شَرَفُ اَوْر حَسَنُ  
 حَا صِلُ هِيَ كَمَا اِنِ دُو نُوں كُو بِنْدُوں پَر لَازِمُ هُو نَا چَا يَهِيَ اَوْر كُفْرُ وَ تَرْكُ عِبَادَتُ، ذَلْتُ وَ نَا كَامِي اَوْر خُرَابِي وَ قِبَا حْتُ كَے اِس كُڑْھَے مِيں  
 كَهْسَے هُو تَے هِيَ كَمَا بَغِيْرُ خُوْفِ عَذَابُ كَے اِنِ سَے پَر هِيْزَرُ كَهْنَا ضَرُوْرِي هِيَ اَكْرُو اَللّٰهُ نَے قِيَامَتُ آْنِے كِي اِطْلَاعُ نَه دِي هُو تِي تَبُ بَهِ  
 مُوْمِنُ كَا اِيْمَانُ جَنَّتُ كِي طَمَحُ اَوْر دُو زِخُ كَے خُوْفُ سَے نَه هُو تَا بَلَكَا خَالِصُ لُوْجَهُ اَللّٰهُ هُو تَا، يَهِيَ هِيَ وَ جَهُ هِيَ كَمَا رَسُوْلُ اَللّٰهِ ﷺ نَے اِرْشَادُ  
 فَرَمَا تَهَا صَهِيْبُ بَهْتُ اِچْھَا بِنْدَه هِيَ اَكْرُو اَسْكُو اَللّٰهُ (كَے عَذَابُ اَوْر دُو زِخُ) كَا خُوْفُ نَه بَهِ هُو تَا تَبُ بَهِ وَهُ اَللّٰهُ كِي نَا فَرْمَانِي نَه كَرْتَا۔ رَابِعَه

بصریہ نے کہا تھا میں چاہتی ہوں کہ جنت کو جلادوں اور دوزخ کو بھجاؤں تاکہ لوگ بغیر خوف و طمع خالص اللہ کے لئے عبادت کریں۔ اکثر اہل تفسیر نے آکَادُ اُخْفِيهَا کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ قریب ہے میں قیامت کو اپنی ذات سے بھی پوشیدہ رکھوں دوسروں کو وقت قیامت بتانے کا تو ذکر ہی کیا ہے گویا اخفاء قیامت کو اللہ نے زوردار طور پر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا (اپنی ذات سے چھپانے کا ارادہ کرنا یا چھپانا مقصود کلام نہیں ہے بلکہ قیامت کے اخفاء کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے) اس مطلب کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ بعض قراءتوں میں اُخْفِيهَا کے بعد فَكَيْفَ اُظْهِرُكُمْ بھی آیا ہے۔ (لیکن یہ قراءت شاذ ہے مترجم) عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی بات کو چھپانے کا بیان قوت و مبالغہ کے ساتھ کرتے ہیں تو کہتے ہیں كَتَمْتُ سِرًّا مِّنْ نَّفْسِي میں تمہارا راز اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھوں گا۔ یعنی کسی پر ظاہر نہیں کروں گا قیامت کو چھپی رکھنے کی مصلحت و حکمت خوف اور ہول کو لوگوں کے دماغوں میں قائم رکھنا ہے اگر لوگوں کو قیامت پناہ ہونے کا علم تعین وقت کے ساتھ نہ ہو گا تو ہر وقت ڈرتے رہیں گے کہ خدا جانے کب قیامت پناہ ہو جائے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اُخْفِي (واحد متکلم مصدر اخفاء باب افعال) میں ہمزہ سلب ماخذ کے لئے ہے، پس اُخْفِي کا ترجمہ ہو گیا اُظْهِرُهَا (قریب ہے کہ میں قیامت کو ظاہر کر دوں) لغت عربی میں اِخْفَاءُ کا ترجمہ (جس طرح اس کو چھپایا آتا ہے اسی طرح) اس کو ظاہر کیا (بھی) آتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس کی تائید اس قراءت سے بھی ہوتی ہے جس میں اُخْفِي کی جگہ اُخْفِي بِحِمْزٍ آیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ لفظ بِحِمْزٍ ہمزہ پڑھا گیا ہے اس وقت اس کا معنی ہو گا میں ظاہر کر دوں اُخْفِي الشَّيْءِ میں نے اس چیز کو ظاہر کر دیا، اُخْفِيْتُهُ میں نے اس کو چھپا دیا (ثلاثی مجرد سے ظاہر کرنے کا معنی ہے اور ثلاثی مزید سے چھپانے کا کذا فی النہایۃ للجزری۔

### ایک شبہ

جب اِخْفَاءُ ثلاثی مجرد اظہار کے معنی رکھتا ہے اور اِخْفَاءُ باب افعال (جب کہ ہمزہ سلب کی قرار دی جائے) سلب اظہار یعنی پوشیدہ کرنے کا معنی رکھتا ہے تو پھر قراءت متواترہ میں اِخْفَاءُ کا معنی جو اظہار کہا گیا ہے یہ کیسے ممکن ہے (اِخْفَاءُ کا معنی تو سلب اِخْفَاءُ یعنی نفی الاظہار ہونا چاہیے)

### جواب

میں کہتا ہوں اِخْفَاءُ ثلاثی مجرد کبھی بمعنی اظہار کے ہوتا ہے اور کبھی چھپانے کے معنی کے لئے (پس قراءت متواترہ میں جو اِخْفَاءُ کا معنی اظہار کہا گیا ہے وہ اس اِخْفَاءُ (ثلاثی مجرد) سے باضافہ ہمزہ بنایا گیا ہے جس کا معنی ہے چھپانا۔ قاموس میں ہے اُخْفِي يَخْفِي جيسے رَضِيَ يَرْضِي (یعنی ضَرَبَ سے) مصدر اُخْفِيًا اور اُخْفِيًا اس کا معنی ہے ظاہر کرنا۔ اُخْفِيًا کا بھی یہی معنی ہے اور اُخْفِيًا يَخْفِيًا جيسے رَضِيَ يَرْضِي (سَمِعَ سے) مصدر اِخْفَاءُ اسم فاعل اِخْفِيًا صفت مشبہ اُخْفِيًا اس کا معنی ہے ظاہر نہ کرنا۔ پس اُخْفِيًا جو ضَرَبَ سے آتا ہے اگر اس میں ہمزہ سلب زیادہ کر دی جائے تو اس کا معنی ہو جائے گا چھپانا اور ظاہر نہ کرنا (کیونکہ اُخْفِيًا کا معنی ہے ظاہر کیا) اور اگر اُخْفِيًا (باب سَمِعَ) میں ہمزہ بڑھائی جائے تو اس کا معنی ہو جائے گا ظاہر کر دینا۔

تاکہ ہر شخص کو اس کی کوشش کا بدلہ دے دیا جائے۔

لِيُجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى ⑮

فَلَا يَصْدُقُ عَلَيْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَأَنْتَ بَعْرَهُ فَوْتَرْدِي ⑯

پس تم کو نہ پھیر دے قیامت سے (یعنی قیامت پر ایمان لانے سے اور اللہ کی ملاقات سے یا نماز قائم کرنے سے) وہ شخص جو قیامت کو نہیں مانتا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے (ورنہ) تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔

آیت میں بظاہر کافر کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ موسیٰ کو اقرار قیامت یا اقامت نماز سے نہ پھیر دے اور حقیقت میں موسیٰ کو ممانعت کی گئی کہ تم کافروں کے کہنے میں نہ آجانا (ورنہ ان کی طرح آخرت میں تم بھی تباہ ہو جاؤ گے۔ اس فقرہ سے اشارتا معلوم

ہو رہا ہے کہ فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے اقرار توحید و قیامت اور اقامتہ الصلوٰۃ للربیب، اس کا انکار استقامت فطرت کے خلاف ہے۔ کافر کے اندر کجی اور کج فہمی ہے اس لئے ان باتوں کا انکار کرتا ہے۔

وَ اتَّبِعْ هَوَاهُ یعنی محسوس ظاہری، فنا پذیر، ناپائیدار دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑا ہے اور جو خرابیاں ان لذت کو شیوں میں پوشیدہ ہیں ان کو سمجھنے سے بھی غافل ہے اور جو عذاب آخرت ان کے نتیجہ میں آنے والا ہے اس سے بھی صرف نظر کئے ہوئے ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى ⑮ اور موسیٰؑ یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے، موسیٰؑ کو مانوس بنانے اور ان کی وحشت خاطر کو دور کرنے کے لئے یہ سوال کیا گیا (ورنہ اللہ تو جانتا ہی تھا کہ موسیٰؑ کے ہاتھ میں کیا ہے اور اس سے موسیٰؑ کے کون سے اغراض و مقاصد وابستہ ہیں) چونکہ وہ لاشعری مظهر معجزہ ہونے والی تھی اس لئے موسیٰؑ کو ہوشیار کر دیا اور سوال تقریری کر کے اقرار کرایا ہے کہ واقعی یہ لاشعری ہی ہے۔

قال هي عصاى ۱۶ موسیٰؑ نے کہا یہ میری لاشعری ہے۔ مقاتل نے کہا اس لاشعری کا نام جعبہ تھا، بغوی نے لکھا ہے اس کا بالائی سر ادو شاخہ تھا اور پچلی جانب بر جھبی پوست تھی۔

أَتَوَكَّلُ عَلَيْهَا وَأَهْتَشُّ بِهَا عَلَى غَنِيٍّ (درختوں سے) پتے جھاڑتا ہوں یعنی تھک جاتا ہوں تو اس سے سہارا لیتا ہوں اگر اوپر اچھلتا ہوں تب اس سے سہارا لیتا ہوں اور جب بکریاں چرتی ہیں تو اس پر ٹیک لگا کر میں کھڑا رہتا ہوں۔ صاحب قاموس نے ہتسش کا معنی لکھا ہے اندھا دھند درخت کو پیٹنا (تاکہ اس سے پتے جھڑ کر نیچے گر پڑیں)

وَلِي فِيهَا مَا رَبُّ الْأَرْضِ ⑰ اور میری اس سے اور ضرورتیں بھی وابستہ ہیں یعنی اور حاجتوں کے پورے ہونے کا بھی اس سے تعلق ہے۔ حضرت مفسر نے دوسری ضرورتوں کو مثال کے طور پر اس طرح بیان کیا کہ اس کو کندھے پر رکھ کر زاد راہ اور کھانے پینے کے برتن اس میں لٹکالینا، اس کے دو شاخ میں کوئی چادر باندھ کر سر پر سایہ کر لینا، رسی چھوٹی ہو تو کنویں سے پانی بھرنے کے لئے رسی کا سر اس میں باندھ لینا، بکریاں چراتے میں کوئی درندہ آجائے تو اس سے اس کا مقابلہ کرنا۔ بعض اہل محبت نے کہا حضرت موسیٰؑ نے جواب کو قدر کفایت سے زیادہ طول دیا اور سوال سے زائد جواب میں تفصیل کی (جواب اتنا کافی تھا کہ یہ میری لاشعری ہے، اس کے بعد لاشعری کے فوائد کا بیان مقدار کفایت سے زائد تھا) اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ محبوب کے ساتھ ہم کلام ہونے میں لذت پارتے تھے اس لئے زیادہ ہم کلام رہنا چاہتے تھے لیکن پھر اپنی طوالت کلام سے ڈر گئے اور خیال کیا یہ گستاخی اور بے ادبی ہے اس لئے کلام کو آخر میں مجمل کر دیا اور وَلِي فِيهَا مَا رَبُّ الْأَرْضِ پر کلام کو ختم کر دیا۔

قال ألقها يا موسى ⑱ اللہ نے فرمایا موسیٰؑ اس کو (ہاتھ سے) پھینک دو۔ یعنی لاشعری پر تکیہ نہ کرو اس کا سہارا چھوڑ دو، ہمارا سہارا پکڑو، پھینکنے کے بعد تم کو اس لاشعری کا حقیقی فائدہ نظر آجائے گا۔ وہب نے کہا پھینک دینے کا حکم سن کر حضرت موسیٰؑ سمجھے کہ لاشعری کو (جو توں کی طرح) بالکل پھینک دینے کا حکم دیا گیا ہے (حالانکہ حکم تھا لاشعری کو زمین پر ڈال دینے کا تاکہ لاشعری کے زمین پر گرنے سے معجزہ کا ظہور ہو جائے، مترجم)

فَأَلْقَاهَا ۱۹ تو انہوں نے اس کو پھینک دیا پھر جو انہوں نے تعمیل حکم کے بعد نظر موڑ کر دیکھا تو کیا۔

فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى ۲۰ دیکھتے ہیں کہ وہ لاشعری ایک سانپ ہے جو (پیٹ کے بل زمین پر) دوڑ رہا ہے۔ دوسری آیت میں آیا ہے كَانَهَا جَانٌ، جَانٌ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں جو بہت خفیف الحركت ہوتا ہے لیکن ایک اور آیت میں آیا ہے۔ نَادَاهُمُ ثُعْبَانٌ، ثُعْبَانٌ کا ترجمہ ہے اژدھا، جو سانپوں میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اور لفظ حَيَّةٌ کا اطلاق سانپ پر ہوتا ہے بڑا ہو یا چھوٹا، نہ ہو یا مادہ بظاہر جَانٌ اور ثُعْبَانٌ میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس تضاد کو دور کرنے اور دونوں آیتوں میں

موافقت پیدا کرنے کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ شروع میں وہ سانپ چھوٹا ہی تھا جتنی لاٹھی تھی اتنا ہی بڑا سانپ بنا تھا پھر وہ بڑھتا اور پھولتا گیا یہاں تک کہ ثعبان (اژدہا) ہو گیا ابتدائی حال میں جان تھا اور انتہائی حال میں ثعبان۔

بعض علماء نے کہا واقع میں تو وہ بڑا اژدہا تھا لیکن تیزی اور سرعت حرکت میں وہ جان (چھوٹی قوم کے سانپ) کی طرح تھا اسی لئے کَانَهَا جَانٌ فرمایا (گویا وہ جان تھی) اِذَا هِيَ جَانٌ نہیں فرمایا (کہ وہ جان ہو گئی تھی) اور جہاں ثعبان فرمایا ہے وہاں فَاِذَا هِيَ ثَعْبَانٌ مُّبِينٌ فرمایا (تو اچانک وہ اژدہا ہو گئی)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب اپنی لاٹھی کو دیکھا تو ان کو بجائے لاٹھی کے ایک بہت بڑا اژدہا نظر آیا، لاٹھی کا دو شاخہ سانپ کی دو باجھیں بن گیا تھا اور لاٹھی کی موٹھ سانپ کی گردن ہو گئی تھی جس کے سر پر بال بھی تھے انگارے کی طرح اس کی دونوں آنکھیں دہک رہی تھیں اور اس کے دانتوں کے رگڑنے کی کرکر کی طرح آواز سنائی دے رہی تھی تیزی کے ساتھ ادھر ادھر دوڑ رہا تھا بڑی چٹان پر منہ مارتا تھا تو اس کو بھی لقمہ بنا لیتا تھا اور بڑے بڑے درختوں کو ٹکڑے کئے دے رہا تھا، موسیٰ یہ دیکھ کر ڈر کر پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر ان کے دل میں اپنے رب کا خیال آیا تو شرمندہ ہو کر رک کر کھڑے ہو گئے، اس وقت ندا آئی اور

قَالَ خذْهَا وَلَا تَخَفْ ۗ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿۲۱﴾

اللہ نے فرمایا اس

کو پکڑ لو کچھ اندیشہ نہ کرو (میرے پاس آ کر پیغمبر کسی سے نہیں ڈرتے) میں دوبارہ لوٹا کر اس کی پہلی حالت اور ہیئت کر دوں گا۔ سیرت بروزن فعلة ایک بار چلنا، مجاز امر ادبے طریقہ ہیئت، حالت۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ اس وقت اونی چغہ پنہ ہوئے تھے جب حکم ہوا خذھا اس کو پکڑ لو تو آپ نے چغہ کا دامن ہاتھ کو لپیٹ کر پکڑنا چاہا اللہ نے حکم دیا ہاتھ کھول دو (چغہ کا دامن ہاتھ پر مت لپیٹو) حضرت نے ہاتھ کھول دیا۔ بعض اہل روایت کا بیان ہے جب حضرت موسیٰ نے ہاتھ پر چغہ کا دامن لپیٹ لیا تو ایک فرشتہ نے کہا دیکھو آپ کو جس بات کا خوف ہے اگر اسی کے واقع ہو جانے کا اللہ حکم دیدے تو کیا یہ چغہ اس کو رفع کر سکتا ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا نہیں لیکن میں کمزور ہوں میرا ضعف خلتی ہے اس کے بعد آپ نے ہاتھ کھول کر سانپ کے منہ میں دیدیا یکدم سانپ لاٹھی بن گیا اور ویسی ہی لاٹھی ہو گئی جیسی پہلے تھی اور لاٹھی کا وہ دو شاخہ سر ہاتھ میں آ گیا جس پر سہارا دے کر آپ کھڑے ہوتے تھے۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے اللہ نے یہ نشان قدرت حضرت موسیٰ کو اس لئے دکھایا کہ جب فرعون کے سامنے موسیٰ یہ معجزہ دکھائیں تو خود خوف زدہ نہ ہو جائیں۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ سفر میں لاٹھی پر اپنے کھانے پینے کا سامان لا دیا کرتے تھے وہ سامان اٹھائے ہوئے حضرت کے ساتھ ساتھ باتیں کرتی چلتی تھی آپ اسی لاٹھی کو زمین پر مارتے تو دن بھر کا کھانا برآمد ہو جاتا اور زمین میں گاڑ دیتے تو پانی نکل آتا جب اکھاڑ لیتے تو پانی بند ہو جاتا تھا، اگر کسی پھل کی خواہش ہوتی تو لاٹھی کو زمین پر گاڑ کر کھڑا کر دیتے۔ لاٹھی درخت کی سرسبز شاخ بن جاتی جس میں پتے بھی ہوتے اور پھل بھی۔ کنویں سے پانی کھینچنا چاہتے تو لاٹھی کو کنویں میں لٹکا دیتے کنواں جتنا گہرا ہوتا لاٹھی اتنی ہی لمبی ہو جاتی اور اس کے سر کا دو شاخہ ڈول کی طرح بن جاتا اس طرح آپ پانی بھر لیتے، رات میں لاٹھی چراغ کی طرح روشن ہو جاتی تھی اگر کوئی دشمن سامنے آ جاتا تو خود اس سے لڑتی اور حضرت موسیٰ کی طرف سے دفاع کرتی تھی (وَكُلُّهَا مِنَ الْاَبَاطِيلِ الْاِسْرَائِيلِيَّةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

وَاضْمِ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سَوَاءٍ آيَةٌ الْاُخْرَىٰ ﴿۲۲﴾

اور تم اپنا (دایاں) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لو (پھر نکالو) وہ بغیر کسی خرابی (یعنی

مرض) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا۔ کہ یہ دوسری نشانی ہوگی۔

یَدٌ سے مراد ہے دائیں ہتھیلی، بغوی نے لکھا ہے کہ جَنَاح سے مراد ہے بائیں بغل، بغوی نے الی کا ترجمہ نیچے کیا ہے

اور مجاہد کی طرف اس کو منسوب کیا ہے (یعنی بائیں بغل کے اندر دائیں ہتھیلی کو لے جاؤ) آدمی کا بازو بغل کے اندر تک جناح کہلاتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اصل میں جناح پرندہ کا بازو ہوتا ہے، انسان کے لئے جناح کا استعمال بطور استعارہ کیا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے سینہ کی طرف کی پسلیاں جَوَانِحُ کہلاتی ہیں اس کا مفرد جَانِحَةٌ ہے جناح بازو، ہاتھ اور بغل۔

تَخْرُجُ یعنی ہاتھ کو بغل کے نیچے لے جاؤ پھر نکالو تو وہ سفید، چمکدار، روشن بغیر کسی بیماری کے برآمد ہو گا سوء بیماری خرابی مراد برص (برص سے بھی جلد سفید ہو جاتی ہے جس کی اس جگہ لفظ سوء فرما کر نفی کر دی) بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے روشن چمکدار نور برآمد ہوتا تھا جو دن میں یارات میں ہر وقت چاند سورج کی طرح جھلکتا تھا۔ آيَةُ الْاٰخِرٰی سے یہ مراد ہے کہ یہ دوسرا معجزہ ہو گا جو تمہارے دعویٰ نبوت کی تصدیق کرے گا۔

لِنُرِيكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰی ﴿۱۳﴾ تاکہ ہم تم کو اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھائیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بیضاء حضرت موسیٰ کا سب سے بڑا معجزہ تھا۔

اذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ﴿۱۴﴾ فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے۔ یعنی یہ دونوں معجزے لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو اللہ کی عبادت کی دعوت دو وہ نافرمانی اور سرکشی میں حد سے آگے بڑھ چکا ہے، یہاں تک کہ الوہیت کا مدعی بن بیٹھا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿۱۵﴾ موسیٰ نے کہا اے میرے رب میرے سینہ کو میرے لئے کھول دے کہ اس کے اندر وہ معرفت و جدانیہ سما جائے جس کو کوئی عقل بطور نظر حاصل نہیں کر سکتی۔ تیری ذات کے علاوہ پھر مجھے کسی کے اندر نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نظر نہ آئے اور فرعون اور اس کی حکومت کا خوف میرے دل سے جاتا رہے، حضرت ابن عباس نے آیت کی تشریح میں بیان کیا موسیٰ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں تیرے سوا پھر کسی سے نہ ڈروں۔ بات یہ تھی کہ فرعون اور اس کے لشکر و اقتدار کی وہ شان و شوکت تھی کہ حضرت موسیٰ کو بھی اس سے خوف محسوس ہوتا تھا (اس لئے آپ نے شرح صدر اور بے خوف ہو جانے کی دعا کی)

وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ ﴿۱۶﴾ اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے۔ یعنی ایسی سہولت پیدا کر دے اور ایسی توفیق دیدے کہ میں تبلیغ رسالت کر سکوں اور اداء واجب کی کوئی دشواری میرے لئے نہ رہے، کوئی بار بھی محسوس نہ ہو بلکہ ادائے فرض کی تکالیف برداشت کرنے میں مجھے لذت محسوس ہونے لگے۔

اشْرَحْ اور يَسِّرْ کے الفاظ پہلے مبہم بولے پھر صَدْرِيْ اور اَمْرِيْ کے الفاظ بڑھا کر اس کی تشریح کر دی اس سے کلام میں زور اور طرز ادائیں قوت پیدا ہو گئی۔

وَاحْلِلْ لِيْ عُقْدًا مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۱۷﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِيْ ﴿۱۸﴾ اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔ بغوی نے لکھا ہے بچپن میں حضرت موسیٰ ایک روز فرعون کی گود میں تھے کہ آپ نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور داڑھی نوجلی۔ فرعون نے اپنی بی بی آسیہ سے کہا یہ میرا دشمن ہے میں اس کو قتل کرائے دیتا ہوں، آسیہ نے کہا یہ بچہ ہے بے سمجھ اس کو کچھ تمیز نہیں بھلے برے کو نہیں پہچانتا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی والدہ نے آپ کا دودھ چھڑایا تو واپس لا کر آسیہ کو دیدیا، چنانچہ آپ نے فرعون اور اس کی بی بی کی گود میں پرورش پائی دونوں نے آپ کو بیٹا بنا لیا ایک روز فرعون کے سامنے کھیل رہے تھے اور ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، یکدم چھڑی فرعون کے سر پر مار دی، فرعون نے غضبناک ہو کر قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ آسیہ نے کہا بادشاہ سلامت یہ بے سمجھ بچہ ہے اگر آپ چاہیں تو تجربہ کر لیں۔ چنانچہ آسیہ نے دو طشت موسیٰ کے سامنے رکھ دیئے موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر جوہرات کے طشت میں ڈالنا چاہا لیکن حضرت جبرئیل نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر انگاروں والے طشت میں ڈال دیا۔ آپ نے انگار پکڑ کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور زبان میں گرہ پیدا ہو گئی۔



عبد بن حمید اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بحوالہ سعید بن جبیر بیان کیا کہ ایک روز فرعون نے موسیٰ کو اٹھالیا، آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر نوچ لی۔ فرعون نے غضب بنا کر ہو کر قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ آسیہ نے کہا یہ بچہ ہے انگارے اور یاقوت میں فرق نہیں کر سکتا۔ فرعون نے دونوں چیزیں منگوا کر آپ کے سامنے رکھ دیں آپ نے یاقوت کو پکڑنا چاہا مگر جبرئیل نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر انگارے پر رکھ دیا اور آپ نے انگارے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے زبان جل گئی اور گرہ پڑ گئی۔

کیا حضرت موسیٰ کی زبان کی گرہ بالکل کھل گئی تھی۔

اس کے متعلق مثبت منفی دو قول آئے ہیں جو لوگ بالکل گرہ کھل جانے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جواب میں فرمایا قَدْ أُوتِيَتْ سُوءَ لُكٍّ (تیری درخواست پوری کر دی گئی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زبان کی گرہ بالکل کھول دی گئی تھی۔ جو لوگ نفی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ (باوجود زبان کی گرہ کھول دینے کے درخواست کی) حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کے متعلق فرمایا تھا هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا وَهُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا وَهُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا (میرے لہجے سے بھی ہے کہ فرعون نے کہا تھا اَنَا خَيْرٌ مِنْ هَذَا الَّذِي هُوَ سَهِينٌ اس ذلیل شخص سے میں بہتر ہوں وَلَا يَكَادُ يُبَيِّنُ ذُلِّيْلٍ بھی ہے اور کھول کر کلام بھی نہیں کر سکتا۔ اس فریق نے اول گرہ کے استدلال کا جواب یہ دیا کہ حضرت موسیٰ نے بالکل زبان کی گرہ کھولنے کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ اتنی گرہ کھولنے کی درخواست کی تھی کہ لوگ آپ کی بات سمجھ جائیں چنانچہ يُفْقَهُوا قَوْلِي اس کے بعد اسی لئے کہا تھا کہ لوگ میری بات سمجھ جائیں یعنی اتنی گرہ کھول دے کہ مطلب سمجھانے میں رکاوٹ نہ رہے۔ کامل طور پر گرہ کھولنے کی دعا ہی نہیں کی تھی۔

اور میرے گھر والوں میں سے  
وَأَجْعَلُ لِي وَرَثَةً مِّنْ أَهْلِي ﴿٣٠﴾ هَرُونَ أَخِي ﴿٣١﴾  
میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنا دے۔

وَزَيْرٌ، وَزْرٌ سے مشتق ہے وَزْرٌ کا معنی ہے بوجھ، بادشاہ کی طرف سے وزیر پر بھی بار حکومت ہوتا ہے۔ یا وَزْرٍ جَبَلٍ سے لفظ وَزِيرٍ مشتق ہے، وَزْرٍ جبل پہاڑی پناہ گاہ کو کہتے ہیں، بادشاہ بھی وزیر کی رائے سے مدد لیتا ہے اور اپنی حکومت کے معاملات میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مَوَازِرَتٌ (باب مفاعلہ) باہم مدد کرنا۔ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ وَزِيرٍ اصل میں اَزِيرٌ تھا اَزِيرٌ اَزْرٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور اَزْرٌ کا معنی ہے قوت۔ اَزِيرٌ قوی اور اَزِيرٌ بمعنى مَآزِرٌ کے ہے جیسے عَشِيرٌ بمعنى مَعَاشِرٌ اور جَلَسٌ بمعنى مَجَالِسٌ کے آتا ہے۔ ہمزہ کو واو سے بدل دیا گیا۔

اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے یا میری قوت کو محکم کر دے یا میری کمزوری  
أَشْدُدْ بِهَا أَرْسِي ﴿٣١﴾  
کو اس کے ذریعہ سے طاقت ور بنا دے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ازر گھیر لینا۔ پشت، قوت اور قوت کی ضد ضعف (یعنی اشداد میں سے ہے)

اور میرے (اس) کام میں اس کو میرا شریک کر دے یعنی نبوت اور تبلیغ رسالت  
وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾  
میں ہارون کو میرا سا بھی بنا دے۔

تاکہ ہم تیری پاکی بکثرت بیان کریں اور  
كُنْ لِسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذِّكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾  
تیری یاد بہت کریں۔ کلبی نے کہا تسبیح سے مراد نماز پڑھنا۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو مددگار بنا دینے کی درخواست اس لئے کی کہ باہم تعاون سے امور خیر کی تکمیل میں سہولت پیدا ہو جائے۔

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾  
بیشک تو ہم سے خوب واقف ہے۔ بصیر سے مراد ہے احوال کو جاننے والا۔ یعنی تو ہمارے احوال کو بخوبی جانتا ہے اور اس بات سے واقف ہے کہ ہارون کا اور میرا تعاون ہمارے کاموں کو درست کر دے گا اور تیرے احکام کی تعمیل میں ہارون میری مدد کرے گا۔

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَى ﴿۳۶﴾  
 تمہاری سب مانگیں تم کو دیدی گئیں، سُؤْلُ بروزن فُعْلُ بمعنی مَسْئُولٌ جیسے خَبْرٌ بمعنی مَسْخُبُوزٌ اور اَكْلٌ بمعنی مَأْكُولٌ آتا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ﴿۳۷﴾  
 اور ہم ایک بار اور بھی (بغیر درخواست کے) تم پر احسان کر چکے ہیں۔ یعنی اس سے پہلے یا ایک اور وقت، بعض نے کہا یہ ہی بار مراد ہے۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمَمِكَ مَا يُؤَخِّرُ ﴿۳۸﴾  
 جب کہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتائی جو الہام سے بتانے کی تھی۔ (حضرت مفسر نے اَوْحَيْنَا کی تشریح میں فرمایا) الہام سے بتلایا خواب میں یا اس وقت کے کسی نبی کی زبانی یا فرشتے کی معرفت۔ لیکن فرشتہ کی معرفت اگر وحی کی گئی تو بطریق نبوت نہ تھی۔

### فائدہ

وحی اور تشریحی نبوت کے لئے انبیاء مخصوص ہیں اور انبیاء سب کے سب مرد ہی ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ پر اس نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ البتہ وحی غیر تشریحی انبیاء کے لئے مخصوص نہیں ہے خواہ بطریق الہام ہو یا بکلام ملائکہ، نہ اس کے لئے مردوں کی خصوصیت ہے جس طرح حضرت مریم سے فرشتے نے کلام کیا تھا، اولیاء کے پاس بھی یہ وحی آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، اسی طرح کمالات نبوت کا حصول بھی اولیاء کو بالتبع یعنی انبیاء کی خوشہ چینی سے ہو جاتا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے باب نمبر ۷۰ میں لکھا ہے کہ تشریحی نبوت کا اگرچہ اس امت کے سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن میراث نبوت کا سلسلہ نہیں منقطع ہوا اس امت میں بعض افراد میراث نبوت کیلئے وارث ہوتے ہیں، بعض میراث رسالت کے، بعض دونوں کے۔ علماء جو کہتے ہیں کہ نبوت محض اختصاص الہی (وہی عنایتی محض انتخاب الہی) ہے اس سے مراد نبوت تشریحی ہے یعنی بوحی الہی اللہ کی طرف سے احکام کا نزول براہ راست صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی تشریحی نبوت کے متعلق فرمایا ہے کہ نبوت اور رسالت منقطع ہو گئی۔ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ شیخ اکبر نے فتوحات کے باب الصلوٰۃ کے آخر میں بھی ایسی ہی تشریح کی ہے اور فرمایا یہ (ذیلی) انبیاء وہی مقررین بارگاہ ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے عَيْنًا يُشْرَبُ بِهَا الْمُقْرَبُونَ۔ میں نے سورۃ النساء اور سورۃ الواقعہ کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ مقررین سے مراد وہی لوگ ہیں جن کو کمالات نبوت حاصل ہو چکے ہوں لیکن ورثتہ (اور ذیلی طور پر نہ براہ راست تشریحاً) پس وحی غیر تشریحی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی وحی کو تحدیث فرمایا ہے، امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابو نعیم موصلی نے حضرت ابو ہریرہ کی اور حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی اقوام میں کچھ محدث ہو گزرے ہیں میری امت میں اگر کوئی محدث ہو سکتا ہے تو وہ عمر ہوگا۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان سے (اللہ کی طرف سے) کلام کیا جاتا تھا، باوجودیکہ وہ انبیاء نہیں تھے اب اگر اس امت میں کوئی (ایسا) ہو تو وہ عمر ہوگا۔ اسی بناء پر حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن حبان والحاکم عن عقبہ بن عامر والطبرانی عن عصمتہ بن مالک وابی سعید الخدری، وابن عساکر عن ابن عمر۔

شیخ شعراوی نے ایواقیت والجواہر میں سوال کیا ہے کیا الہام بلا واسطہ ہوتا ہے پھر خود ہی جواب میں کہا ہے ہاں الہام بلا واسطہ اس غیبی کنکشن کی وجہ سے ہوتا ہے جو ہر ایک انسان کا اپنے رب سے ہے اس سے فرشتہ بھی واقف نہیں ہوتا لیکن اس اندرونی تعلق و ربط کا انکار لوگ بہت جلدی سے کر دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کے اسی تعلق کا فوری انکار کیا تھا۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ انبیاء اور پیغمبر تو فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور غیر انبیاء صرف اثر دیکھتے ہیں فرشتوں کو نہیں دیکھتے مگر غیر مبصر فرشتہ کی معرفت (بھی) الہام ہوتا ہے اور کبھی بغیر کسی واسطہ اس غیبی تعلق و رابطہ کی بناء پر جو ہر انسان

اور اس کے رب کے درمیان قائم ہے، موخر الذکر الہام کا اعلیٰ اور افضل درجہ ہے اس میں انبیاء اور اولیاء سب ہی شریک ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرابی نے شیخ ابوالموہب شاذلی کا مقولہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے میرے دل نے میرے رب کی طرف سے مجھ سے کلام کیا تو اس شخص کی تردید یا انکار درست نہیں کیونکہ اس قول کا مقصد یہ ہے کہ بطریق الہام میرے سامنے اللہ کی طرف سے مجھ سے کہا، الہام تو اولیاء کی وحی ہے جو انبیاء کی وحی سے کم درجہ ہے ہاں اگر کوئی کہے کہ میرے رب نے مجھ سے کلام کیا جیسے موسیٰ سے کیا تھا تو یہ قول ضرور قابل رد و انکار ہے۔

میں کہتا ہوں کبھی ولی کو بھی آنکھوں سے فرشتہ نظر آتا ہے جیسے حضرت مریم نے جبرائیلؑ کو دیکھا تھا (یا سبز عمالوں والے فرشتوں کو بدر میں بعض صحابہ نے دیکھا تھا۔ مترجم)

مَایُوحٰی کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو وہی ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا، دوسرا یہ کہ جو بات بغیر وحی کے عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی وہ موسیٰؑ کی والدہ کو ہم نے بذریعہ وحی بتائی۔

اِنْ اَقْدِنٰ فِیْہِ فِی التَّابُوْتِ فَاَقْدِنٰ فِیْہِ فِی الْیَمِّ فَلِیْلِقْہِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْہَا عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لِّہٖ

کہ موسیٰؑ کو ایک صندوق میں رکھ پھر موسیٰؑ کو (مع صندوق) دریائے نیل میں ڈال دے پھر موسیٰؑ کو دریا کنارے پر لے آئے گا۔ (آخر کار) موسیٰؑ کو ایک ایسا شخص لے لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔

فَلِیْلِقْہِ گوامر کا صیغہ ہے لیکن بمعنی خبر ہے یعنی دریا اس کو لا ڈالے گا۔ بعض نے کہا امر اپنے اصلی معنی پر ہے یعنی اللہ نے دریا کو حکم دیا کہ وہ صندوق کو کنارے پر لے جائے۔ دریا صاحب عقل نہیں اس لئے اپنے ارادے سے تعمیل حکم نہیں کر سکتا لیکن یہاں امر تکوینی ہے جس کے لئے ذی عقل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے دریا کا صندوق کو کنارہ تک لے جانا لازمی امر تھا کیونکہ اللہ کی مشیت یونہی تھی تو گویا دریا کو ایسا قرار دیا کہ وہ امتیاز و فہم رکھتا ہے اور اللہ کے حکم سے آگاہ ہے۔

محقق اہل تصوف کہتے ہیں کہ جمادات ہمارے لحاظ سے ضرور عقل و خرد سے محروم اور بے سمجھ ہیں ہم ان کو خطاب نہیں کر سکتے نہ وہ ہماری بات سمجھ سکتے ہیں لیکن اللہ کے فرمان کو تو خوب سمجھتے اور اطاعت کرتے ہیں اللہ ان کو حکم دے سکتا ہے قرآن مجید کی متعدد آیات صراحتاً اس پر دلالت کر رہی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا ہے وَأَذِنَتْ لِرَبِّہَا وَحَقَّتْ اُورْزَمِیْنِ نے اپنے رب کے حکم کو سنا اور ایسا اس کیلئے لازم تھا۔ دوسری آیت میں ہے قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِیْنِ۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ پہاڑ (دوسرے) پہاڑ کو پکارتا ہے (اور پوچھتا ہے) کیا تیرے اوپر کوئی ایسا آدمی گزر ا جو اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔ فاضل رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند  
پیش تو مردہ و برحق زندہ اند

اللہ نے فرعون کو اپنا دشمن بھی قرار دیا اور حضرت موسیٰؑ کا بھی۔ فرعون چونکہ مشرک تھا اس لئے اللہ کا دشمن تو درحقیقت تھا ہی لیکن حضرت موسیٰؑ کو لینے اور اپنے پاس رکھنے کے وقت آپ کا دشمن نہ تھا۔ آئندہ زمانہ میں دشمن ہونے والا تھا اس لئے موسیٰؑ کا فرعون کو دشمن کہنا مجاز ہے اسی لئے عَدُوٌّ کا لفظ الگ الگ دو بار ذکر کیا (اول عَدُوٌّ سے مراد حقیقی دشمن اور دوسرے عَدُوٌّ سے مراد آئندہ ہونے والا دشمن ہے) پھر تکرار ذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر صرف ایک بار ہی عَدُوٌّ کا لفظ ذکر کیا جاتا اور حقیقی و مجازی دونوں طرح کا دشمن ہونا مراد ہوتا تو ایک ہی وقت میں حقیقی معنی بھی مراد ہوتا اور مجازی بھی اور حقیقت و مجاز صحیح نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تکرار عَدُوٌّ محض مبالغہ کے لئے ہو (یعنی فرعون کا دشمن ہونا پر زور طور پر ذکر کر دیا جائے) اور دونوں جگہ عَدُوٌّ سے مراد ہو آئندہ ہو جانے والا دشمن، خدا کا بھی اور موسیٰؑ کا بھی۔ یا یوں کہا جائے کہ فرعون بہر حال ایک ہی وقت میں خدا کا بھی دشمن تھا اور موسیٰؑ کا بھی۔ خدا کا دشمن ہونا تو ظاہر ہے وہ مشرک تھا اور موسیٰؑ کا دشمن اس طور پر تھا کہ کاہنوں اور نجومیوں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں تیری حکومت ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے فرعون نے ہر سال بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرانا شروع کر دیا تھا لیکن موسیٰؑ کو (باوجود سخت

دشمن ہونے کے وہ پہچانتا نہ تھا اور نہ فوراً قتل کر دیتا بہر حال موسیٰ کا وہ دشمن ضرور تھا۔ نہ پہچاننے کی وجہ سے قتل نہیں کر لیا تھا۔ چاروں جگہ مفعولی ضمیریں اور پانچویں جگہ لہ کی مجرور ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہیں یہ ممکن ہے کہ دوسری تیسری اور چوتھی ضمیریں تابوت کی طرف راجع ہوں اور پہلی اور پانچویں ضمیر موسیٰ کی طرف راجع ہو لیکن اس صورت میں اختلاف عبارت اور تباہی ترتیب لازم آئے گا۔ دریا میں اور کنارے پر جس کو براہ راست پھینکا گیا وہ صندوق ہی تھا لیکن حضرت موسیٰ اس کے اندر تھے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ موسیٰ کو (صندوق کے اندر رکھ کر) تو دریا میں پھینک دیا اور دریا موسیٰ کو صندوق سمیت کنارے پر لا ڈالے گا۔

بغوی کا بیان ہے حضرت موسیٰ کی والدہ نے ایک صندوق لے کر اس کے اندر دھنی ہوئی روئی بچھائی اور موسیٰ کو اس میں رکھ کر سرپوش ڈھانک کر تمام درزیں اور شکاف روغن قیر سے بند کر کے صندوق کو نیل میں ڈال دیا، نیل سے ایک نہر نکل کر فرعون کے مکان کے اندر جاتی تھی صندوق بہتا بہتا اس شاخ میں چلا گیا۔ فرعون اپنی بی بی آسیہ کے ساتھ اس وقت نہر کے دہانے پر بیٹھا تفریح کر رہا تھا کہ بہتا ہوا صندوق اندر آ گیا فرعون نے باندیوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس کو نکال لائیں۔ خادم صندوق کو پکڑ کر لائے۔ سرپوش کھول کر دیکھا تو اندر سے ایک نہایت شگفتہ رنگ کا خوب صورت بچہ برآمد ہوا۔ فرعون دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایسا بے قابو ہوا کہ ضبط نہ کر سکا، آیت ذیل سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۖ

اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا۔ یعنی میں نے اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی یا یہ مطلب ہے کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی۔ تجھ سے محبت کی اور ظاہر ہے کہ جب اللہ نے موسیٰ سے محبت کی تو لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کی محبت پیدا ہو ہی گئی، حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر میں فرمایا، میں نے اس سے محبت کی پس مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دیا۔ عکرمہ نے کہا جو بھی اس بچہ کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا تھا۔ قتادہ نے کہا موسیٰ کی آنکھوں میں عجیب ملاحت تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا عاشق اور فریفتہ ہو جاتا۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے اپنی محبت تیرے دل میں ڈال دی کہ میری محبت تجھ پر غالب آگئی تو مجھ سے خالص دل سے محبت کرنے لگا تیرا دل میری محبت میں ایسا ہو گیا کہ پھر کسی دوسرے کی طرف اس کی توجہ ہی نہیں رہی پس تو سرگروہ عشاق ہو گیا۔

شیخ مجدد الف ثانی نے فرمایا کلیم کا مبداء تعین خالص محبت (اور عشق) ہے اسی لئے آپ اہل محبت (اور عشاق) کے سالار ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کا مبداء تعین خالص محبوبیت ہے اس لئے آپ محبوبوں کے سرگروہ قرار پائے۔ صوفی بنظر کشف دیکھتا ہے کہ محبت کا ایک دائرہ ہے اس دائرہ کا ایک محیط ہے اور ایک مرکز پھر اس مرکز کا بھی ایک محیط (گرداگرد کا کنارہ ہے) اور ایک وسطی نقطہ، پس دائرہ محبت کے محیط کا نام خلت ہے، حضرت خلیل اللہ کا مبداء تعین ہے اور جس طرح مرکز محیط سے افضل، اعلیٰ اور وسیع تر ہوتا ہے اسی طرح مقام محبت کو مقام خلت پر فضیلت حاصل ہے اور مرکز (محبت) کی نسبت محیط (خلت) سے ایسی ہے جیسے چاند کی نسبت اس کے ہالہ سے۔

پھر مرکز کی بھی دو حیثیات ہیں ایک مرکز کا کنارہ اور محیط دوسرا مرکز کا وسطی نقطہ۔ پس مقام محبت مرکز کا محیط ہے اور یہی کلیم اللہ کا مبداء تعین ہے اور مرکز کا وسطی نقطہ مقام محبوبیت ہے جو حبیب اللہ ﷺ کا مبداء تعین ہے آپ خالص بے آمیزش محبوبیت کے مرکز دائرہ تھے۔ محیط دائرہ محبوبیت یعنی مخلوط محبوبیت آپ نے اپنی امت کے بعض افراد کے لئے چھوڑ دی (حضرت مفسر نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو مخلوط محبوبیت کا حامل قرار دیا بلکہ حصر کے ساتھ فرمایا کہ) جس فرد امت کے لئے مخلوط محبوبیت چھوڑی گئی وہ حضرت شیخ مجدد کی ہی شخصیت گرامی تھی۔

آیت کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ دریا نے صندوق ساحل پر پہنچا دیا پھر فرعون کے آدمیوں نے اس کو نکال لیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا دشمن اور وہ شخص جو ان کے لئے آئندہ غم آفریں بن کر آنے والا تھا ان کے پاس پہنچ گیا۔ دریا کے ساحل

سے مراد ہے دریا سے نکلی ہوئی نہر کا کنارہ۔

اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ صَنَعْتُ فَرَسِي فِي مِيْنِ نَهْرٍ لِيْ سِيْرًا مِّنْ اَنْفُسِيْ لِيْ سِيْرًا مِّنْ اَنْفُسِيْ ۝۱۶  
بنالیا یعنی اس کی خوب خدمت اور نگہداشت کی۔ صنع کا معنی ہے حسن سلوک۔

اِذْ تَمْشِيْ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَن يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنَاكَ اِلٰی اُمَّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۝۱۷

(یہ قصہ اس وقت کا ہے) جب تمہاری بہن چلتی ہوئی آئی پھر کہنے لگی کیا میں تم کو ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو اس (بچی) کو (اچھی طرح سے) پالے رکھے اس تدبیر سے ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ رہے۔

یعنی حضرت موسیٰ کی بہن مریم موسیٰ کی خبر لینے یونہی چلتی چلتی ادھر بھی آ پہنچی جہاں موسیٰ کو نوکروں چاکروں نے صندوق سے باہر نکالا اور دودھ پلانے والی عورتوں کو بلوایا تھا مگر بچہ کسی کا دودھ نہیں پی رہا تھا تو اس نے کہا میں تم کو ایسی عورت کا پتہ بتاتی ہوں جو ذمہ داری کے ساتھ اس کی نگہداشت کرے گی (اور دودھ پلائے گی) منظوری کے بعد وہ حضرت موسیٰ کی ماں کو بلا لائی ماں نے دودھ پلایا تو آپ نے بی لیا اور اس طرح اللہ کا وہ وعدہ پورا ہوا کہ ہم اس کو لوٹا کر تیرے پاس لے آئیں گے۔ وَلَا تَحْزَنَ اور وہ تمہاری جدائی سے غمگین نہ رہے یا تم ماں کی محبت نہ پا کر غمگین نہ ہو۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا ۝۱۸ اور تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا۔ یعنی ایک کافر ظالم قبطی کو قتل کر دیا تھا جو ایک اسرائیلی پر ظلم کر رہا تھا اور اسرائیلی نے موسیٰ سے فریاد کی۔ بھی کذا قال ابن عباس۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کذا قال کعب الاحبار۔ فَجَبَّيْنَكَ مِنَ الْعَمَلِ پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کے بعد اللہ کے عذاب کا خوف تھا لیکن اللہ نے (یہ نادانستہ جرم معاف کر دیا آپ کو فرعون کی طرف سے انتقام کا بھی ڈر تھا۔ اللہ نے یہ غم بھی دور کر دیا کہ مدین کی طرف مصر سے نکال کر لے گیا۔

وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا ۝۱۹ اور ہم نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا۔ فُتُوْنٌ بروزن قُودٌ مصدر ہے یا جمع ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا ترجمہ کیا ہم نے تمہاری خوب آزمائش کی۔ ضحاک نے کہا ہم نے تمہاری خوب جانچ کر لی یہ دونوں ترجمے اس وقت ہوں گے جب فُتُوْنٌ کو مصدر اور مفعول مطلق مانا جائے۔ یا یوں ترجمہ کیا جائے گا کہ ہم نے طرح طرح سے تمہارا امتحان لیا۔ اس ترجمہ پر فُتُوْنٌ کو فِتْنٌ کی یافِتْنَةٌ کی جمع مانا جائے گا اگر فِتْنَةٌ کی جمع مانا جائے گا تو فِتْنَةٌ کی آخری تاء کو نظر انداز کر دیا جائے گا جیسے حجرہ کی جمع حجور اور بدرہ کی بدور آتی ہے۔

مجاہد نے ترجمہ کیا ہم نے خالص بنالیا (یعنی تکلیف اور مشقت ڈال کر تم کو نکھار دیا اور پھر تم کو چن لیا) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ فُتُوْنٌ سے مراد ہے مصیبتوں میں پڑنا جن سے بالآخر اللہ نے آپ کو نجات عطا فرمادی۔ پہلی مصیبت یہ تھی کہ آپ اس سال ماں کے پیٹ میں آئے جو سال فرعون کی طرف سے نوزائیدہ لڑکوں کے قتل کا تھا۔ دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ آپ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ تیسرا امتحان کا موقع وہ تھا کہ آپ نے ماں کے سوا کسی اور عورت کی پستان منہ میں بھی نہیں لی۔ چوتھا نزول مصیبت کا وقت وہ تھا کہ آپ نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی اور فرعون نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن آسیہ کی سفارش سے جب آپ کے پاس ایک طشت میں انگارے اور ایک میں یا قوت لائے گئے تو آپ نے انگارے پکڑ لیا (اور اس طرح فرعون اپنے ارادہ سے باز آیا) پانچویں مصیبت قبطی کو قتل کرنے اور مدین کی طرف بھاگ کھڑے ہونے کی تھی۔ حضرت مفسر نے فرمایا وطن کو چھوڑنے دوستوں عزیزوں سے جدا ہونے پیدل چلنے زادراہ بھی ساتھ نہ ہونے اور گرفتاری کا ہر وقت اندیشہ ہونے پھر مزدوری کرنے کی پیہم ایک کے بعد دوسری مصیبت آنے اور متعدد دکھ اٹھانے نے موسیٰ کو نکھار دیا جس طرح آگ میں تپانے سے سونا کندن ہو جاتا ہے اس کا میل پچیل صاف ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ نے آپ کو بھی پاک صاف کر دیا۔

فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۝

پھر مدین والوں میں تم (دس) سال رہے، حضرت شعیب کی صاحبزادی سے نکاح کیا اور حسب قرار دامہر کے عوض آپ دس سال تک حضرت شعیب کی بکریاں چراتے رہے۔ مدین مصر سے آٹھ منزل پر ہے۔

وہب نے کہا حضرت موسیٰ حضرت شعیب کے پاس اٹھائیس برس رہے دس سال تو مہر زوجہ کے عوض اور اٹھارہ سال اس کے بعد۔ آپ کی اولاد وہیں ہوئی۔

ثُمَّ جِئْتَنَا عَلَىٰ قَدَرٍ يَمُوسَىٰ ۝

پھر اے موسیٰ تم ایک خاص وقت پر (وادی مقدس کی طرف) آئے۔ یعنی جو وقت میں نے تمہارے آنے کا مقرر کر دیا تھا اس کے موافق تم یہاں آئے۔ محمد بن کعب نے کہا یہ مطلب ہے کہ انبیاء کے پاس وحی بھیجنے کا اندازہ عمر جو مقرر کر دیا گیا ہے تم اس کو پہنچ گئے۔ انبیاء کے پاس وحی چالیس سال کی عمر میں آتی تھی۔ یعنی اس سے کم عمر میں نہ آئے حضرت عیسیٰ کے اور کسی کے پاس نہیں آئی۔ مترجم۔ عبدالرحمن بن کیسان کا بھی یہی قول ہے اکثر اہل تفسیر نے علی قدر کا ترجمہ کیا ہے مقرر وعدہ جو اللہ نے مقرر کر دیا تھا کہ اس عمر میں موسیٰ کے پاس وحی رسالت بھیجے گا۔ یعنی چالیس سال کی عمر، یہ مطلب بھی محمد بن کعب کے بیان کردہ مطلب کی (کسی قدر) تائید کر رہا ہے۔

یموسیٰ دوبارہ فرما کر خطاب کرنے سے حضرت موسیٰ کو مانوس بنانا اور موسیٰ سے اپنی محبت کو ظاہر کرنا مقصود ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس چیز کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ رواہ صاحب مسند الفردوس من حدیث ام المومنین عائشہ۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝

اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کر لیا ہے یعنی تمہاری تربیت اپنے لئے کی اور اپنے لئے تم کو چن لیا تاکہ میرے علاوہ تم کسی اور سے دل نہ لگاؤ نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے تم کو مکارم اخلاق کے لئے بنایا ہے اور اس طرح تربیت دی ہے کہ تم مجھ سے خطاب کرنے میرے قریب آنے اور میرا پیام پہنچانے کے قابل ہو گئے۔

إِذْ هَبَّ آنتَ وَأَخْوَكَ بِأَيْتِي

تم اور تمہارے بھائی میرے (عطا کردہ) نشانات یعنی معجزات کے ساتھ جاؤ حضرت ابن عباس نے فرمایا آیات سے مراد ہیں وہ نو معجزات جو حضرت موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔

وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ۝

اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرنا (سدی) یا کمی نہ کرنا (محمد بن کعب) قاموس میں ہے ذنی بروزن فتی تھکان سستی یہ وحی حضرت موسیٰ کو ہوئی تھی حضرت ہارون اس زمانہ میں مصر میں تھے، اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ ہارون کے پاس جاؤ ادھر ہارون کو وحی بھیجی کہ تم موسیٰ سے ملو۔ حسب الحکم حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے ملنے مصر سے نکل کر ایک منزل آئے تھے کہ ملاقات ہو گئی یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کے آنے کی اطلاع ملی گئی تھی اور آپ استقبال کے لئے مصر سے نکلے تھے۔ جب دونوں جمع ہو گئے تو اللہ نے دونوں کو زائد حکم دیا۔

إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو نصیحت کرو وہ بہت نکل چکا ہے کہ خدا ہونے کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ اللہ نے شروع میں حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا، پھر دوبارہ دونوں بھائیوں کو ملا کر حکم دیا۔ اس لئے کلام میں تکرار نہیں ہے بعض علماء نے کہا کہ پہلا حکم مطلق تھا اور دوسرا حکم مقید ہے (آگے قید لگادی ہے کہ نرمی سے کلام کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے۔ الخ)

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا

پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بات کرنے میں درستی نہ کرنا عکرمہ اور سدی نے کہا (نام نہ لینا بلکہ) کنیت کہہ کر کلام کرنا، فرعون کی کنیت ابو العباس یا ابو الولید تھی مقاتل نے کہا نرم کلام کرنے سے مراد ہے اس طرح کہنا اهل لک الی ان تزکسی و اهدیک الی ربک فتحشنی ایسا کلام

دعوت ایمان ہے مگر بطور مشورہ نرم کلامی کے حکم کی وجہ یہ تھی کہ کس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں فرعون پر حمیت جاہلیت سوار نہ ہو جائے اور وہ دونوں پر حملہ نہ کر بیٹھے (اور بات بھی نہ سنے) بعض نے کلام میں نرمی اختیار کرنے کے حکم کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ فرعون کے زیر پرورش موسیٰ رہ چکے تھے اس کو حق تربیت حاصل تھا۔ سدی نے کہا نرم کلام یہ تھا کہ حضرت موسیٰ نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم ایمان لے آئے تو تم کو دوبارہ ایسی جوانی مل جائے گی جو کبھی پیری میں تبدیل نہیں ہوگی اور مرتے دم تک تمہاری حکومت قائم رہے گی اور کھانے پینے کی لذت اور صنتی مقاربت کی کیفیت وقت موت تک تم کو حاصل ہوتی رہے گی اور مرنے کے بعد جنت ملے گی۔ فرعون کو موسیٰ کی یہ بات پسند آئی لیکن ہامان کے مشورے کے بغیر وہ کوئی بات طے نہیں کرتا تھا۔ ہامان اس وقت موجود نہ تھا جب آیا اور فرعون نے اس سے موسیٰ کی باتیں نقل کیں اور مشورہ لیا اور قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہامان نے کہا میں آپ کو دانش مند اور صاحب رائے سمجھتا تھا، آپ رب ہو کر کیا مر بوب بننا چاہتے ہیں اب تک آپ کی پوجا ہوتی ہے تو کیا اب آپ دوسرے کی عبادت کرنے کے خواستگار ہیں، عرض ہامان نے فرعون کی رائے پلٹ دی۔

لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ وَيُخْشَوْنَ ﴿۳۷﴾ شاید وہ (بر غبت) نصیحت پذیر ہو جائے یا (عذاب خداوندی سے) ڈر جائے یعنی اگر تم دونوں کی سچائی اس پر ظاہر ہو گئی تو شاید نصیحت مان لے اور سچائی ظاہر نہ ہوئی اور نصیحت پذیر نہ ہو اتب بھی کم سے کم اتنا تو شاید ہو جائے کہ وہ ڈر جائے، اللہ کو تو کوئی شک نہ تھا اس کو معلوم ہی تھا کہ فرعون نصیحت پذیر نہ ہو گا یہ شک کا لفظ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون نے اپنے علم کی مناسبت سے استعمال کیا یعنی تم دونوں امید رکھو کہ شاید وہ مان لے۔

قَالَ رَبَّنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَىٰ ﴿۳۸﴾ موسیٰ اور ہارون نے کہا اے ہمارے رب ہم کو اندیشہ ہے کہ تمہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ شرارت نہ کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اَنْ يَفْرِطَ عَلَيْنَا كَايَه مَطْلَب هَي كَه تَكْمِيل دَعْوَت اور اظہار معجزات سے پہلے ہی کہیں وہ ہم کو قتل کرنے اور عذاب دینے کا حکم نہ دے بیٹھے۔

عربی محاورہ میں فَرُطٌ عَلَيْهِ كَا مَعْنَى هُو تَا هَي دَكُه پَنجَانِي مِي عَجَلَت كِي۔ اصل مِي فَرُطٌ كَا مَعْنَى هَي آگے بڑھ گیا فَرُطٌ آگے بڑھنے والا۔

أَوْ أَنْ يَطْغَىٰ كَايَه مَطْلَب هَي كَه كَهِيں وَه اور زيَادَه سر كَش نَه هُو جَائِي، تيري شان مِي مزيد گسْتَاخِي كَرْنِي لگے اور تيرے بندوں كُو زيَادَه دَكُه پَنجَانَا شروع كَر دے۔

قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمْ ۖ هُوں، یعنی میری حفاظت اور مدد تمہارے ساتھ ہے۔ اَسْمَعُ وَأَسْرَى ﴿۳۹﴾ اللہ نے فرمایا، تم دونوں (کچھ) اندیشہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ یقیناً

میں (تمہاری پکار کو) سنوں گا اور (جو حرکت تمہارے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا جائے گا اس کو) دیکھتا ہوں گا، یعنی میں تم دونوں سے غافل نہیں ہوں تم پر وا نہ کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے اور فرعون کے درمیان کیا گفتگو ہوگی کیا عمل اور سلوک ہوگا۔ بہر حال میں اس کو سنوں گا اور دیکھوں گا اور تمہاری مناسب مدد کروں گا تم برد کھ نہ آنے دوں گا۔

فَاتِيَاهُ فَقَوْلًا إِنَّا رَسُولُ رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تَحْسَبْهُمْ سَوْتًا ۚ هُوں، یعنی تمہارے اور فرعون کے درمیان کیا گفتگو ہوگی کیا عمل اور سلوک ہوگا۔ سَوْتًا اس سے جا کر کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادے ہیں لہذا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے اور ان کو تکلیفیں مت پہنچا۔

إِنَّا رَسُولُ رَبِّكَ هُم دونوں تيرے رب كے فرستادے هِيں یعنی هُم كُو تمہاری طرف بھی بھیجا گیا هے اور بنی اسرائيل كِي طرف بھی۔

فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ یعنی ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو ملک شام کو چلے جانے دے ان کو اپنی عملداری سے آزاد کر دے اور اپنے کاموں کے بارے سے سبکدوش کر دے اور اپنی عبادت پر مجبور نہ کر اللہ کی عبادت آزادی کے ساتھ کرنے

دے۔

وَلَا تُعَذِّبُهُمْ، یعنی ان کو سخت تکلیفیں اور دکھ نہ دے فرعون بنی اسرائیل سے دشوار ترین مشقت کے کام لیا کرتا تھا۔  
 قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكَ  
 مجزہ بھی لے کر آئے ہیں اوپر کے کلام کے اندر رسالت کا دعویٰ بھی ضماند کوڑ تھا اس آیت سے دعویٰ رسالت کی تائید ہو رہی ہے مجزے تو دو تھے لیکن دو نشانیاں کہنا چاہیے تھا، لیکن آیت سے مراد اس جگہ فقط ثبوت اور دلیل ہے، دلیل کی وحدت و کثرت کا بیان پیش نظر نہیں۔ اسی طرح آیت قَدْ جِئْنَاكُمْ بِبَيِّنَةٍ اور آیت فَاتِ بِآيَةٍ میں نفس ثبوت مراد ہے، میں واضح دلیل تمہارے پاس لایا ہوں۔ تم کوئی دلیل پیش کرو۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مِنْ اتَّبَعِ الْهُدَىٰ ۝۴۷  
 اور جو سیدھی راہ پر چلے اور اس کے لئے سلامتی ہے (عذاب سے دونوں جہاں میں) کیا یہ مطلب ہے کہ جو سیدھی راہ پر چلے اس پر سلام ہو گا میری طرف سے اور ملائکہ کی طرف سے اور جنت کے کارندوں کی طرف سے۔

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝۴۸

ہمارے پاس یہ حکم (بذریعہ وحی) پہنچا ہے کہ (اللہ کا) عذاب اس شخص پر ہو گا جو (حق کو) جھٹلائے اور (اس سے) روگردانی کرے۔ الْعَذَابُ دُنْيَا اور آخرت میں اللہ کا عذاب۔ مَنْ كَذَّبَ جس نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ تَوَلَّى اللہ کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے سے پشت پھیری (یعنی انکار کیا مترجم) یہ کلام حضرت موسیٰ کے رسول ہونے کی علت ہے یا ذیلی تتمہ ہے حضرت مفسر نے فرمایا اِنَّا رَسُوْلًا رَبِّكَ سے بدل ہے رفتار آیت سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمْ يَا مُوسَىٰ ۝۴۹

فرعون نے کہا موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے۔ جس نے تم دونوں کو بھیجا ہے چونکہ اصل مخاطب موسیٰ ہی تھے اسی لئے لفظ نداء (یا) صرف موسیٰ پر داخل کیا لیکن پیغامبر ہونے کا دعویٰ دونوں کا تھا اس لئے تثنیہ مخاطب کی ضمیر ذکر کی۔ موسیٰ کے وزیر ہارون تھے، پھر تعلق قدیم تربیت کا بھی موسیٰ سے ہی تھا یا فرعون گفتگو سے سمجھ گیا کہ موسیٰ کا بھائی تو بیان کے لئے ساتھ ہے مرکز گفتگو موسیٰ ہیں۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ حَلْقًا ثُمَّ هَدَىٰ ۝۵۰

موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کو راستہ دکھلایا۔ حسن اور قنادہ نے کہا اللہ نے ہر چیز کو اس کی بھلائی اور بہتری کا سامان عطا فرمایا پھر اس کو اس چیز کے حصول کا جس میں اس کی بھلائی ہے راستہ بتا دیا۔

مجاہد نے آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا اللہ نے ہر چیز کو اس کے مناسب صورت عطا فرمائی آدمی کی شکل جانوروں جیسی اور جانوروں کی شکل انسان جیسی بنائی پھر کھانے پینے اور قربت صحتی کرنے کی طرف اس کی راہنمائی کی۔

سعید بن جبیر نے کہا خلق سے مراد ہے ہر چیز کو اس کا ہم جنس جوڑا دیا مرد کو عورت اونٹ کو اونٹنی، گدھے کو گدھی اور گھوڑے کو گھوڑی۔ پھر صحتی قربت کا طریقہ اس کو فطر بتا دیا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آیت میں اول مفعول کو دوئم مفعول اور دوسرے مفعول کو اول مفعول کی جگہ دی ہے، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو ہر وہ چیز عطا فرمادی جس کی اس کو ضرورت تھی اور جو اس کے کام آسکتی تھی پھر اس کو وہ طریقہ بتا دیا جس سے وہ منفعت اندوز ہو سکے اور اپنی ہستی کی بقاء اور تکمیل تک بالارادہ بلا اختیار پہنچ سکے۔ بیضاوی نے لکھا ہے یہ توجیہ بہت ہی بلیغ ہے اس سے ہر مخلوق کی پوری حالت کا اظہار ہے مخلوق کوئی ہو، جاندار یا بے جان جامد یا نامی ذی حس یہ بے حس۔ مترجم) اس کی کیفیت و حالت (تخلیقی) کو ظاہر کر دیا اور یہ بات بھی بیان کر دی کہ بے نیاز قادر مطلق اور ہر نعمت دینے والا اللہ ہی ہے اور ہر چیز اپنی ذات، صفات اور افعال میں اسی کی محتاج ہے اسی لئے فرعون متحیر ہو کر لاجواب ہو گیا اور کلام کا رخ اس نے پھیر دیا اور،

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝۵۱

اس نے کہا پھر اقوام سابقہ کا کیا حال ہوا یعنی قوم



نوح، عاد، ثمود اور دوسری اقوام پارینہ کا کیا ہو گا جو بت پرست اور منکر قیامت تھیں ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا (کیا ان کے عقائد و افکار و اعمال ان کے ساتھ نہیں مر گئے اب وہ کہاں اور ان کے عقائد و اعمال کہاں ہیں)

قَالَ عَلَيْهِمَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسِي ﴿٥٦﴾  
میرے رب کے پاس دفتر (اعمال) میں (محفوظ) ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے ان کا علم یعنی ان کے اعمال و احوال کا علم۔ کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ۔ ضلال کسی چیز کی جگہ کا فراموش ہو جانا کہ اس کی جگہ نہ مل سکے نِسْيَانِ نفس چیز کو بالکل بھول جانا کہ اس کا تصور بھی دل میں نہ آئے۔ اللہ کے لئے دونوں ناممکن ہیں اللہ کسی چیز یا اس کی جگہ سے غافل نہیں ہے (اس کو معلوم ہے کہ فلاں فلاں چیز فلاں فلاں جگہ ہے)

بعض علماء نے کہا لَا يَضِلُّ کا معنی یہ ہے کہ نہ کوئی چیز رب سے غائب ہے نہ رب کسی چیز سے غیر حاضر ہے اور لَا يَنْسِي کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احوال کو اللہ بھولتا نہیں ہے اس کو سب کے احوال معلوم ہیں مراد یہ ہے کہ ہمارا رب ان کو ہر عمل کا بدلہ دے گا اچھے عمل کا اچھا بدلہ۔ برے عمل کا برا بدلہ۔

الَّتِي جَعَلْ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَاسْلُكْ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا  
وہ رب ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو (مثل) فرش کے بنایا اور اس زمین میں تمہارے چلنے کے لئے راستے بنائے۔  
سَلُوكِ رِاسْتَهٗ فِيهَا سُبُلًا۔ لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی اللہ نے فرمایا ہے لَتَسْلُكُنَّ فِيهَا سُبُلًا فَمَا جَا قَامُوسِ  
میں سے سَلِكِ الْمَكَانِ سَلُوكًا وہ اس جگہ چلا سلاکہ غیرہ کسی دوسرے نے اس کو چلایا، اول مثال لازم کی ہے اور دوسری متعدی کی۔ آیت میں متعدی استعمال کیا گیا ہے سُبُلًا گو ظرف ہے لیکن مفعول بہ کے طور پر مجاز استعمال کیا گیا ہے جس طرح مجاز اپنے کی نسبت نہر (شکاف گڑھا، خندق) کی طرف کر دی جاتی ہے مثلاً کہتے ہیں نہر بننے لگی حالانکہ پانی بہتا ہے نہر تو اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں پانی بہتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے پہاڑوں وادیوں اور صحراؤں کے اندر زمین پر تمہارے لئے راستے بنا دیئے جن پر تم چلتے ہو راستہ پر چل کر زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصے کی طرف جاتے ہو، حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ نے زمین میں تمہارے لئے راستے آسان کر دیئے اس قول کا بھی وہی مطلب ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا۔  
بغوی نے کہا سَلِكِ كَمَا مَعْنَى ہاں ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا (پرونا چلانا) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین میں راستے داخل کر دیئے تاکہ تم ان پر چلو آیت میں آیا ہے مَا سَلِكُكُمْ فِي سَفَرِكُمْ كَمَا مَعْنَى ہاں ایک چیز کو دوسرے میں داخل کر دیا۔ چلا دیا۔

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَرَجْنَا بِهِ أَنْبُوتًا مِنْ تَحْتِهَا ۚ وَكُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ﴿٥٧﴾  
اور اس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے پانی کے ذریعے سے مختلف اقسام کے

نباتات پیدا کئے اور تم کو اجازت دی کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔  
أَنْبُوتًا قِسْمٌ قِسْمٌ، طَرَحٌ طَرَحٌ كِي اصْنَافٍ۔ ماءً سے مراد بارش شستی کا واحد شستیت ہے جیسے مَرَضِيٌّ مَرِيضٌ كِي جمع ہے شستِي یعنی مختلف اور متفرق صورتوں اور خواص و احوال والی جن کے منافع بھی مختلف ہیں کوئی انسان کے لئے مناسب ہے کوئی چھاپیوں اور چرندوں کے لئے اَرْعَا رَاعِي سے بنا ہے رعی لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی (چروا اور چراؤ) عرب بولتے ہیں رَعِيَتْ الْقَوْمَ میں نے قوم کی حفاظت اور نگہداشت کی۔ فَرَاعَتٌ پس وہ محفوظ ہو گئی اس جگہ جانوروں کو چرانے کا مفہوم ہے اور امر کا صیغہ اباحت کے لئے ہے یعنی کھانا اور جانوروں کو چرانا تمہارے لئے ممنوع نہیں ہے اس سے نعمت کی یاد دہانی مقصود ہے۔

بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ ماء تک حضرت موسیٰ کا کلام ختم ہو گیا یعنی موسیٰ نے یہ بھی کہا کہ اللہ نے بادل سے پانی برسایا پھر فَاخْرَجْنَا سے اللہ نے خود اپنی طرف سے فرمایا کہ ہم نے پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کیا اور اس میں اہل مکہ کو

مخاطب فرمایا اس سے موسیٰ کے اس کلام کی بھی تکمیل ہو گئی جو اللہ نے نقل کیا تھا۔

زیادہ ظاہر اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب حضرت موسیٰ کا ہی کلام ہے جو اللہ نے نقل فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہا اللہ نے بادل سے پانی نازل فرمایا اور احسان و انعام کے طور پر فرمایا کہ ہم نے اس پانی سے طرح طرح کی سبزیاں تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لئے پیدا کی ہیں، سو تم بھی کھاؤ اور جانوروں کو بھی کھلاؤ، یعنی اس کا شکر کرو۔

ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں یعنی  
**إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ**  
 زمین کو فرش کی طرح بنانے میں بادلوں سے پانی برسانے میں اور پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں بڑی بڑی بکثرت نشانیاں ہیں جو خالق کی ہستی کو اس کے لم یزَلْ وَلَا يَزَالْ ہونے کو، اس کے علم کی ہمہ گیری اور قدرت کے محیط کل ہونے کو، اس کے جامع کمالات اور منزہ از نقائص ہونے کو بتا رہی ہیں لیکن عظمت ربوبیت والوہیت کے یہ نشانات صرف دانشمندوں کے لئے ہیں۔

النُّهَىٰ نَهْيَةٌ كِي جَمْعٌ نَهْيَةٌ عَقْلٌ كَو كَهْتُمْ هِيَ نَهْيَةٌ (روکنے والی) عقل بھی انسان کو بری اور ضرر رساں اور غلط باتوں سے روکتی ہے اس لئے عقل کو نھیہ کہتے ہیں۔

ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ

وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ

اور (مرنے کے بعد) اسی میں ہم تم کو (لوٹا کر) لے جائیں گے۔

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۝

اور (قیامت کے دن) پھر اسی سے دوبارہ تم کو نکالیں گے۔

یعنی تمہارے باپ آدم کو اور تمہارے جسمانی مادہ کو ہم نے زمین کی مٹی سے بنایا نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے، پس ہر آدمی کے مادہ تخلیق کی پیدائش زمین سے ہی ہوتی ہے۔ بغوی نے عطاء خراسانی کا قول نقل کیا ہے کہ جس جگہ آدمی دفن ہونے والا ہوتا ہے اس جگہ کی مٹی فرشتہ لے کر نطفہ پر چھڑکتا ہے پھر اس نطفہ اور مٹی سے آدمی کا جسم بنتا ہے عطاء کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ضرور ہوتی ہے جس سے اس کی پیدائش ہوتی ہے پھر جب وہ اپنی بدترین عمر (بڑھاپے) کو پہنچ جاتا ہے تو جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوئی ہے اسی کی جانب لوٹا دیا جاتا ہے اور اسی میں دفن کیا جاتا ہے میں اور ابو بکر اور عمر ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں اور اسی میں دفن کئے جائیں گے، یہ حدیث خطیب نے بیان کی ہے اور اس کو غریب کہا ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ شیخ مرزا محمد حارثی بدخشانی نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ سے اس حدیث کے تائیدی اقوال (شواہد) منقول ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی تائید کر رہا ہے اس لئے یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کی تقویت مندرجہ ذیل اقوال و روایات سے بھی ہوتی ہے۔

یعنی صحیح بخاری کی شرح میں کتاب الجنائز میں لکھا ہے کہ محمد بن سیرین نے فرمایا اگر میں قسم کھا کر کہوں تو میری قسم جھوٹی نہ ہو گی نہ مجھے اس میں کوئی شک ہے نہ استثناء کرتا ہوں کہ اللہ نے اپنے نبی صلعم کو اور ابو بکر کو اور عمر کو ایک ہی مٹی سے بنایا تھا۔

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھے مبارک اور خوشگوار ہو کہ تو میرے خمیر سے پیدا کیا گیا ہے اور تیرا باپ ملائکہ کے ساتھ آسمان میں اڑتا ہے۔

مسند الفردوس میں دیلمی نے اور ابن النجار نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (باندی غلام کو) آزاد کرنے والے کا خمیر میری مٹی کا ہے شاید حضور ﷺ نے یہ ارشاد کسی آزاد کرنے والے سے فرمایا تھا، مذکورہ بالا احادیث اور عطاء کی تفسیر مذکور سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ بعض آدمیوں کی تخلیق انبیاء کے خمیر سے ہوتی ہے صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو اِصْلَانَةُ الطِّينَةِ کہتے ہیں بلکہ بعض کی تخلیق رسول اللہ ﷺ کی مٹی سے بھی خصوصیت کے ساتھ ہوتی ہے (اور ہوتی

(ہے) اصطلاح صوفیہ میں یہ اصالت کبریٰ ہے۔

میں کہتا ہوں اللہ نے جس روز آسمان و زمین کو پیدا کیا اسی روز زمین کے بعض اجزاء کو بعض انسانوں کی اور بعض اجزاء کو دوسرے بعض انسانوں کی تخلیق کے لئے تیار کر دیا۔ (غرض ہر حصہ زمین میں مختلف اشخاص کو پیدا کرنے کی صلاحیت و استعداد رکھ دی) جس مٹی میں کسی پیغمبر کی تخلیق کی صلاحیت رکھی تو جو انوار و برکات اور تجلیات ذاتیہ اس پیغمبر کے لئے مخصوص کر دی گئی تھیں شاید ان انوار و برکات کا نزول اس حصہ زمین پر بھی مسلسل ہوتا رہا جس سے اس نبی کی تخلیق ہونی تھی تاکہ نبی کے مبارک جسم کا خمیر اس مٹی سے ہو سکے اس کے بعد جب جسم نبی کی تخمیر ہو چکی تو اس مبارک مٹی کا کچھ حصہ باقی رہنا ممکن نہ تھا پس ہو سکتا ہے کہ تخمیر نبی سے جو حصہ بچ رہا ہو اس سے کسی دوسرے کی تخلیق کر دی جائے اس طرح ختم نبوت کی برکت غیر نبی میں پیدا ہو جائے

درخت

کھجور والی حدیث سے اس طرف اشارہ ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنی پھوپھی یعنی درخت کھجور کی عزت کر، اس کی تخلیق تمہارے باپ آدم کے خمیر سے پس ماندہ مٹی سے ہوئی ہے اللہ کے نزدیک کوئی درخت اس درخت سے زیادہ عزت والا نہیں جس کے نیچے مریم بنت عمران کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تھا تم اپنی عورتوں اور بچوں کو کھجوریں کھلاؤ اور کھجوریں نہ ملیں تو چھوڑ دے دو۔ یہ حدیث ابو یعلیٰ موصلی نے مسند ابو نعیم نے الطب میں بخاری نے تاریخ میں نیز ابن ابی حاتم اور عقیلی اور ابن عدی اور ابن السنی اور ابن مردویہ نے حضرت علی کی روایت سے بیان کی ہے۔

ابن عساکر نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، درخت کھجور اور انار اور انگور کی تخلیق آدم کے خمیر کے پس ماندہ حصہ سے ہوئی ہے۔

شیخ احمد مجد الف ثانی نے اپنے مکتوبات کی تیسری جلد کے ننانویں مکتوب میں اپنے کشف سے اصالت کبریٰ کا دعویٰ کیا ہے اس دعوے پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا خواہ نادانی کی وجہ سے یا جذبہ عناد کی کار فرمائی سے۔ واللہ اعلم۔ تاریخ کا معنی آج وقت یا باری۔ قیامت کے دن دوبارہ زمین سے برآمد کرنے کا معنی یہ ہے کہ جسم کے پرانے اجزاء جو مٹی میں مخلوط ہو چکے ہوں گے پھر از سر نو ان کو جمع کر کے جوڑا جائے گا اور سابق صورت پہنائی جائے گی اور پھر ان کے اندر ارواح کو واپس لایا جائے گا۔

وَلَقَدْ آرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى ۝۶۱

اور ہم نے اس کو اپنی (وہ ساری نشانیاں دکھائیں لیکن اس نے) سب کو جھٹلایا اور (ماننے سے) انکار کر دیا۔ آرینا کا ترجمہ ہے ہم نے اس کو چشم دید کرادیا یا ان کی صحت اس کو بتادی۔ آیتنا سے مراد ہیں وہ نو معجزات جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے آپ نے وہ سارے معجزات دکھائے۔ فَكَذَّبَ، پس فرعون نے موسیٰ کو محض عناد کی وجہ سے جھٹلایا اور آپ کو جادو گر کہا۔ وَأَبَى اور ایمان و اطاعت سے انکار کیا۔

قَالَ اجْتَنَّا لِنُخْرِجَنَّا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَى ۝۶۲

اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم کو ہماری سرزمین (مصر) سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال کر باہر کر دے۔ یعنی کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم کو نکال کر ہمارے ملک پر توجہ نہ کر لے اور یہاں تیری حکومت ہو جائے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَكَ بِسِحْرٍ مِثْلِهِ فَاَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا اَلَّا نُخْلِفُكَ مَعْنً وَّلَا اَنْتَ مِمَّا تَكْتُمُ ۝۶۳

سوا ب ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے لہذا ہمارے اور اپنے

درمیان ایک وعدہ مقرر کر لے جس کے خلاف نہ ہم کریں نہ تو کسی ہموار میدان میں (مقابلہ کریں گے تاکہ سب دیکھ لیں) لَانُخْلِفُكَ یعنی ہم اس وعدے کے خلاف نہ کریں موعده بمعنی وعدہ۔ موعده اس جگہ ظرف زمان یا مکان نہیں ہے کیونکہ خلاف ورزی کا تعلق وعدے سے ہوتا ہے زمان و مکان ظرف سے نہیں ہوتا۔ سحوی کا ترجمہ قیادہ اور مجاہد نے برابر۔ یعنی ہمارے تمہارے درمیان مسافت برابر ہو۔ حضرت ابن عباس کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے کلبی نے کہا سحوی یعنی اس

جگہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقام (جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہ مولانا تھانوی نے لکھا ہے اور صحیح ترین معلوم ہوتا ہے۔)  
**قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۹۱**  
 تمہارے مقابلہ کے وعدے کا وقت وہ دن ہے جس میں (تمہارا) میلہ ہوتا ہے (یعنی تمہارے تہوار کا دن) اور جس میں دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

مَوْعِدُ (ظرف مکان) کو وعدے کی جگہ یعنی تمہارے مقابلہ کے وعدہ کی جگہ تہوار والے دن کا مقام ہے میلہ کا دن سب لوگ جانتے تھے جس میں لوگ جمع ہوتے تھے۔ مجاہد قتادہ مقاتل اور سدی نے کہا مصر والوں کا ایک تہوار سالانہ ہوتا تھا جس میں لوگ آراستہ و پیراستہ ہو کر میلہ کی شکل میں جمع ہوتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں مصریوں کے تہوار کا دن نوروز کا ہوتا تھا حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے فرمایا محرم کی دس تاریخ کو وہ تہوار مناتے تھے۔ میلہ کا دن حضرت موسیٰ نے اس لئے مقرر کیا کہ تمام لوگوں کے سامنے حق کا ظہور ہو جائے اور باطل کو شکست ہو جائے اور اس طرح اطراف ملک میں یہ خبر پھیل جائے۔  
 ضُحًى چاشت کے وقت دن چڑھے تاکہ سب لوگ دیکھ لیں اور کسی کو شک نہ رہے۔

**فَتَوَلَّى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدًا ثُمَّ أَتَى ۝۹۲**  
 غرض اس گفتگو کے بعد فرعون (دربار سے) لوٹ گیا پھر اپنا مکر (کاسامان) جمع کرنا شروع کیا (یعنی جادو کاسامان) پھر وعدہ پر آگیا۔  
 کَيْدٌ (مکر تدبیر) سے مراد ہیں جادو گر اور ان کے آلات و سامان۔  
 أَتَى یعنی مقررہ وعدہ پر مقام مقررہ پر پہنچ گیا۔

**قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَيَّ اللَّهُ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ۝۹۳**  
 موسیٰ نے ان (جادو گروں) سے کہا اے کم بختی مارو اللہ پر جھوٹ نہ تراشو کبھی وہ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست نابود ہی کر دے اور جو دروغ تراشی کرتا ہے (آخر) کو ناکام رہتا ہے۔  
 لَهُمْ یعنی فرعون اور اس کے ساتھی جادو گروں سے موسیٰ نے کہا بغوی نے لکھا ہے صرف جادو گروں کی طرف ضمیر راجع ہے جن کو فرعون نے (اطراف ملک سے) جمع کیا تھا یہ بہتر تھے اور ہر ایک کے پاس ایک لاشی اور ایک رسی تھی۔ کعب نے ان کی تعداد چار سو بتائی ہے بعض نے بارہ ہزار اس سے زائد بھی کہا ہے۔  
 وَيْلَكُمْ وویل ہلاکت، یعنی اللہ نے ہلاکت تم پر لازم کر دی ہے یا وویل فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، یعنی تم ہلاک ہو چکے یا جملہ ندائیہ ہے جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے یا جملہ دعائیہ ہے تمہارا استیانس ہو بری حالت کے اظہار کے لئے ممانعت افتراء سے پہلے بطور تمہیدیہ جملہ ذکر کیا۔

جھوٹ تراشنے سے مراد ہے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔  
**إِسْحَاتٌ** اور **سَحَتْ** (ثلاثی مزید و مجرد) ہم معنی ہیں اہل نجد و بنی تمیم اسحات بولتے ہیں اور حجاز والے سحت کہتے ہیں۔  
 مقاتل اور کلبی نے **لَيْسَ بِسِحْتِكُمْ** کا ترجمہ کیا وہ تم کو ہلاک کر دے قتادہ نے کہا وہ تیخ و بن سے تم کو اکھاڑ پھینکے۔ **بِعَذَابٍ** (میں تنوین عظمت کو ظاہر کر رہی ہے) یعنی کسی بڑے عذاب کے ساتھ۔ **خَابَ** ناکام ہوا، نامراد ہوا۔ مقصد کونہ پاسکا۔  
 واقعہ بھی ایسا ہی ہوا جیسا حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا، فرعون نے اللہ پر دروغ تراشی کی اور اپنی حکومت و خدائی کو محفوظ رکھنے کی ہر تدبیر کر گذرا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا ہر تدبیر میں نامراد رہا۔

یہ بات سن کر وہ (یعنی جادو گر) باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے یا  
**فَتَنَّا زَعْوًا أَمْ لَهُمْ بَيْنَهُمْ**  
 تَنَّا زَعْوًا کی ضمیر فرعون اور اس کے مشیروں کی طرف راجع ہے یعنی فرعون اور اس کے ساتھی (یا جادو گر) اس معاملہ میں مختلف رائے ہو گئے اور موسیٰ کا مقابلہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا جب حضرت موسیٰ نے ان کو مذکورہ بالا نصیحت کی تو جادو گروں نے باہم کہا یہ کلام تو جادو گر کا نہیں ہے۔



طرف پھیر دیں۔ قنادہ نے کہا اس زمانہ میں بنی اسرائیل تعداد میں بھی ساری قوم سے زیادہ تھے اور مال میں بھی اس لئے طریقہ مثلی سے بنی اسرائیل مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جائیں فرعون کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا اَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔

عام طور پر اہل تفسیر نے کہا کہ طریقہ مثلی سے مراد وہ دین ہے جس پر اہل مصر قائم تھے گویا فرعون نے جو کہا بَنِي إِسْرَائِيلَ اَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارے مذہب کو بدل دے گا۔ یہی مطلب ہے يَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَى یہ دونوں چاہتے ہیں کہ تمہارے اعلیٰ مذہب کو ختم کر دیں۔

سواب تم مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو پھر صاف آراستہ

فَاَجْمَعُوا كَيْدًا كَوَّمْتُمْ اَنْتُمْ اَصْفَاءُ  
کر کے مقابلہ میں آؤ۔

اَجْمَعُوا (مصدر اجماع باب افعال) کو بعض لوگوں نے ثلاثی مجرد۔ یعنی اَجْمَعُوا کا ہم معنی قرار دیا ہے یعنی اپنی تدبیریں ساری جمع کر لو۔ عرب کہتے ہیں اَجْمَعْتُ الشَّيْءُ اور جَمَعْتُ الشَّيْءُ دونوں کو ہم معنی کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اجماع کا معنی ہے متفق رائے ہو جانا کسی رائے پر اتفاق کر لینا، مطلب یہ ہے کہ اپنی تدبیر پر متفق ہو جاؤ۔ پختہ ارادہ کر لو، باہم اختلاف نہ کرو۔ ورنہ کام بگڑ جائے گا۔

صف ایک قطار بنا لینا آدمیوں کی ہو یا درختوں کی یا کسی اور چیز کی یہ مصدر ہے لیکن بمعنی اسم فاعل یعنی سب ایک قطار ہو کر اور جمع ہو کر آؤ تاکہ دیکھنے والوں کے دلوں میں ہیبت پیدا ہو۔ مقاتل اور کلبی نے کہا اسی کی مثل آیت اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفَاً صَفَاً صَفَاً (ایک قطار) ہے لیکن ابن عبیدہ نے کہا صف کا معنی جمع ہونے کی جگہ جاء نماز کو صف اسی مناسبت سے کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو جگہ مقرر ہے اس جگہ پہنچ جاؤ۔

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ اسْتَعْلَى ﴿۱۴﴾  
اور آج جو غالب آئے گا وہی کامیاب ہوگا۔

قَالُوا يَهُوسُفٰى اِمَّا اَنْ تُلْقٰى وَ اِمَّا اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۱۵﴾ قَالَ بَلٰى اَلْقُوْا

انہوں نے کہا اے موسیٰ آپ (اپنا عصا) پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں موسیٰ نے کہا (میں پہلے نہیں ڈالتا) آپ لوگ پہلے ڈالو۔

قَالُوا، یعنی جب جادوگر مقرر مقام پر جمع ہو گئے تو چونکہ ان کی اپنی تدبیروں کی عظمت پر اعتماد تھا اور غالب آنے کا یقین تھا پھر تہذیب کا تقاضا بھی یہی تھا اس لئے کہا کہ اگر آپ پہلے اپنا داؤ پھینکنا چاہیں گے تو پھینکے اور اگر آپ کہیں تو داؤ پھینکنے کی ابتداء کرنے والے ہم ہو جائیں (ہم پہلے اپنا داؤ پھینکیں) حضرت موسیٰ کو ان کے جادو کی پروا نہ تھی اور کچھ کچھ ان کا میلان بھی اللہ کی طرف محسوس ہو رہا تھا، انہوں نے (شعنی نعتی) اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى کہا تھا بلکہ اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى کہا تھا) اول کا لفظ صراحتہ اپنے لئے بولا تھا اس لئے ان کی حوصلہ افزائی بھی کرنی تھی پھر یہ مقصد بھی تھا کہ جو جال یہ لوگ بنا کر لائے ہیں اس کو پہلے سامنے آ جانا اور ان کی انتہائی طاقت کو میدان میں لانے کی مہلت دینا چاہیے تاکہ جب میں لاٹھی پھینکوں گا تو حق ظاہر ہو جائے گا اور باطل کو شکست ہو جائے مزید یہ کہ جادو گروں نے ادب کو پیش نظر رکھ کر موسیٰ کو اختیار دیا تھا اس کا بھی تقاضا تھا کہ موسیٰ تہذیب کا مظاہرہ کریں اور ان سے کہہ دیں کہ آپ لوگ ہی شروع کریں اور اس لئے فرمایا میں آغاز نہیں کرتا آپ لوگ ہی (جو پھینکنا چاہتے ہیں) پھینکیں۔

فَاِذَا حَبَّالَهُمْ وَعَصِيْبُهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِمْ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهُمْ اَسْعٰى ﴿۱۶﴾

پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کی نظر بندی سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے (سانپ کی طرح) چلتی دوڑتی ہوں۔ عبارت میں کچھ محذوفات ہیں (جن کو سمجھنے کے لئے رفتار کلام کافی ہے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہ تھا اس لئے ان کو حذف کر دیا گیا) اصل کلام اس طرح تھا، پس انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو اچانک موسیٰ کو ایسا خیال

ہونے لگا کہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں (سانپوں کی طرح) دوڑ رہی ہیں۔ قصہ کی تفصیل میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب جادو گروں نے رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور نظر بندی (یا خیال بندی) کی وجہ سے موسیٰ اور دوسرے حاضرین کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ایک میل تک زمین سانپوں سے بھر گئی ہے اور سانپ دوڑ رہے ہیں۔

پس موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔

فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿۶۷﴾

وَجَسَّ، آہٹ، ہلکی آواز۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے وَجَسَّ وہ گھبراہٹ اور خوف جو کسی آواز وغیرہ سے دل میں پیدا ہو جائے یا کانوں میں سنائی دے، مطلب یہ ہے کہ باقتضائے بشریت حضرت موسیٰ کے دل میں فوراً کچھ خفیہ خوف پیدا ہو گیا۔ مقاتل نے کہا (موسیٰ کو اپنا کوئی خوف نہیں ہوا تھا بلکہ) آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ دھوکہ کھا جائیں گے اور میرے معجزے میں ان کو شک پڑ جائے گا اور حق واضح نہ ہوگا۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ﴿۶۸﴾

ہم نے (موسیٰ سے) کہا تم کچھ خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی

سب پر غالب رہو گے۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ سے خوف نہ کرنے کی وجہ بیان فرمادی اور غالب رہنے کو چند تاکید الفاظ سے بیان فرمادیا، جملہ از سر نو شروع کیا (حرف عطف ذکر نہیں کیا) ان حرف تحقیق ذکر کیا ضمیر فصل بھی ذکر کی اور خبر پر الف لام بھی داخل کیا اور الْأَعْلَىٰ فرمایا تم ہی غالب رہو گے پھر اسم تفصیل کا صیغہ بھی استعمال کیا۔

اور جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو (زمین

وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا

پر) ڈال دو ان لوگوں نے جو کچھ جھوٹ (فریب دینے کے لئے) بنایا ہے اس کو یہ نکل لے گی۔ مَافِي يَمِينِكَ مبہم طور پر (جو کچھ) فرمایا، مراد لاٹھی ہے صراحتہ لاٹھی کا ذکر نہیں کیا اس سے ساحروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کی حقارت دکھانا مقصود ہے کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں تو اتنی حقیر ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں جو یہ ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے اس کو اگر زمین پر پھینک دو گے تو یہ بھی انکو نکل لے گا۔

إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سَلِيمٌ

ان لوگوں نے جو کچھ کارستانی کی ہے یہ تو جادو گر کا فریب ہے۔

اور جادو گر کہیں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ حضرت ابن

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿۶۹﴾

عباس نے فرمایا جادو گر زمین کے جس حصہ میں ہو اور جہاں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ بعض نے اتنی کا ترجمہ اِحْتَالَ کیا ہے یعنی جو تدبیر جہاں کرے کامیاب نہیں ہوتا۔ ابن حاتم اور ترمذی نے حضرت جناب بن عبد اللہ بکلی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جادو گر کو پاؤ تو اس کو قتل کر دو پھر حضور ﷺ نے آیت وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ تلاوت فرمائی۔

(یہ دیکھتے ہی) جادو گر فوراً سجدہ میں گر گئے کلام میں کچھ اختصار کر دیا گیا ہے

فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سُدًّا

(رفقہ کلام محذوفات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے) اصل کلام اس طرح تھا پس موسیٰ نے فوراً اپنے ہاتھ سے لاٹھی زمین پر ڈال دی وہ فوراً اُتر دہا بن گئی اور جو کچھ جادو گروں نے کارستانی کی تھی سب کو نکلنے لگی اس وقت جادو گر پہچان گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ خدا داد معجزہ ہے اتنا پہچاننے کے بعد فوراً توبہ کی اور سجدے میں گر گئے یا معجزے کی عظمت کا اعتراف کرنے کے لئے سجدے میں گر گئے اور خود نہ گرے بلکہ عرفان حق (اور تعظیم معجزہ) نے بے اختیار کر کے ان کو سجدہ میں گرا دیا گویا وہ گرا دیئے گئے۔

(اور) بول اٹھے کہ ہم ہاروں اور موسیٰ کے رب

قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ﴿۷۰﴾

پر ایمان لے آئے اس جگہ ہاروں کا لفظ موسیٰ سے پہلے آیا ہے اور سورہ شعراء و اعراف میں فرمایا ہے، آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ مُوسَىٰ وَ هَارُونَ اس میں موسیٰ کا لفظ ہاروں سے پہلے آیا ہے معلوم یہ ہوا کہ کوئی ترتیب پیش نظر نہیں ہے کہ اس میں موسیٰ کا لفظ ہاروں سے پہلے آیا ہے یا ہاروں کا بلکہ صرف بتانا یہ ہے کہ دونوں پیغمبروں کے رب پر وہ ایمان لے آئے۔

قَالَ امْنْتُمْ لَهُ قَبْلَ اَنْ اَذِنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرٌ كُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

فرعون نے (جادو گروں سے) کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لے آئے واقعی وہ (سحر میں) تم سے بڑا ہے جس نے تم کو سحر سکھایا ہے۔

لَكُمْ (ایمان کے بعد بچا ہے لیکن) اس جگہ لام آیا ہے کیونکہ اَمْنْتُمْ کے اندر اتباع کا مفہوم پوشیدہ ہے اور (اتباع کے بعد اگر آتا ہے تو لام آتا ہے نہیں آتا یعنی تم نے موسیٰ کی بات کو مان لیا اور اس کے پیرو ہو گئے) اِنَّهٗ لَكَبِيْرٌ كُمْ یعنی جادو میں تمہارا بڑا ہے تم سے زیادہ جادو مکر جانتا ہے اسی لئے تم پر غالب آ گیا اس کا نبوت کا دعویٰ غلط ہے یا کبیر سے مراد ہے استاد یعنی یہ تمہارا استاد ہے۔

الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ جس نے تم کو جادو سکھایا اسی لئے تم سب نے متفق ہو کر اس کی موافقت اور پیروی کر لی۔

فَلَا قِطْعَنَ اَيْدِيكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَا وَّصَلَبَتْكُمْ فِيْ جُدُوْعٍ النَّخْلِ

سواب میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں۔ اور تم سب کو کھجور کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں۔

مِّنْ خِلَافٍ یعنی سیدھا ہاتھ اور بائیں پاؤں۔ خلاف یعنی مخالف۔

فِيْ جُدُوْعٍ النَّخْلِ، درخت کھجور کے تنوں میں درخت کھجور لمبا ہوتا ہے دور سے نظر آتا ہے (اور دوسروں کو دکھا کر عبرت دلانی مقصود تھی) اس لئے درخت کھجور کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا۔ اور عَلِيٌّ جُدُوْعٍ کی جگہ فِيْ جُدُوْعٍ کہنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں تم کو تنوں کے ساتھ پیوست کر دوں گا جس طرح مظروف ظرف کے ساتھ پیوست ہوتا ہے۔

وَلَتَعْلَمَنَّ اَيُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝۱۱

اور تم کو یقیناً یہ بھی ضرور معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم میں سے کس کا عذاب سخت اور دیر پا ہے یعنی میں تم کو رب موسیٰ پر ایمان لانے کی زیادہ سخت سزا دے سکتا ہوں یا موسیٰ کا رب تم کو زیادہ سخت عذاب دے سکتا تھا، اگر تم اس پر ایمان نہ لاتے۔ وَاَبْقٰى اور کس کا عذاب دوامی ہے اور لازوال ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّوْثِرَكَ عَلٰی مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ

جادو گروں نے کہا ہم تجھ کو ہر گز ترجیح نہیں دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو مل گئے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے پس تجھ کو جو کچھ فیصلہ کرنا ہے کر ڈال۔ یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ تجھ کو جو کچھ کرنا ہے کر ڈال مگر الذکر ترجمہ پر مَا اَنْتَ قَاضٍ اقْضِ کا مفعول ہو گا اور اگر قضا کا معنی فیصلہ اور حکم کہا جائے تو مَا اَنْتَ اس کا مفعول نہ ہو گا کیونکہ باب قضا کے مفعول پر بآنا ضروری ہے اس صورت میں مَا اَنْتَ قَاضٍ مفعول مطلق ہو گا یعنی جو حکم تجھے دینا ہے دے ڈال۔

اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۲

تو بجز اس کے کہ اس دنیوی زندگی میں کچھ کر لے اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

تَقْضِيْ یعنی اس دنیوی زندگی میں جو چاہے کر لے یا جو حکم دینا چاہے دے لے۔ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا مفعول فیہ ظرف زمان ہے، مطلب یہ ہے کہ بس اسی دنیوی زندگی میں تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے یا جو کچھ حکم دینا چاہے دے لے، تیری حکومت اور سلطنت عنقریب ختم ہو جائے گی۔ بعض روایات میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ فرعون نے جو دھمکی جادو گروں کو دی تھی اس کے مطابق اس نے جادو گروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر لٹکوا بھی دیا۔ ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے یہ روایت نقل کی ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ ایسا کر نہیں سکا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اَنْتُمْ وَاَمِّنَ اتَّبَعَكُمْ اَمْ دُونَ اَمْ دُونَ اور جو تمہارے تابع ہیں سب غالب ہوں گے۔



إِنَّا أُمَّتَنَا بِرَبِّنَا لِيُغْفِرَ لَنَا خَطِيئَتَنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ

بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کو جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا معاف فرما

دے۔

### ایک شبہ

جادو گرائے اختیار سے آئے تھے، فرعون نے ان کو مجبور کب کیا تھا۔ خود ہی انہوں نے عزت فرعون کی قسم کھا کر کہا تھا کہ ہم غالب رہیں گے۔ پھر مَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

### ازالہ

بغوی نے حسن کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں کو فرعون جادو سیکھنے پر مجبور کرتا تھا تاکہ جادو کی جڑ قائم رہے مَا أَكْرَهْتَنَا سے یہی مراد ہے۔ مقاتل نے کہا جادو گر بہتر ۷۲ تھے دو قبطنی اور ستر اسرائیلی فرعون نے اسراہیلیوں کو جادو کرنے پر مجبور کیا تھا۔ عبدالعزیز بن ابان نے کہا کہ جادو گروں نے فرعون سے درخواست کی پہلے ہم کو موسیٰ کو سوتے میں دکھا دیجئے۔ (پھر کچھ رائے قائم کریں گے) چنانچہ حضرت موسیٰ جب سو رہے تھے اور لائھی آپ کا پیرا دے رہی تھی اس وقت فرعون نے جادو گروں کو بلوا کر حضرت موسیٰ کا معاینہ کرادیا جادو گر دیکھ کر کہنے لگے یہ تو سحر نہیں ہے جادو گر سو جاتا ہے تو اس کا جادو بھی ختم ہو جاتا ہے (لیکن لائھی تو موسیٰ کی سوتے میں نگرانی کر رہی ہے، یہ جادو نہیں ہو سکتا) فرعون نے جادو گروں کی بات نہیں مانی اور مقابلہ کرنے پر مجبور کیا مَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ کا یہی مطلب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ (تجھ سے بدرجہا) اچھا اور زیادہ بقا والا ہے یعنی جو شخص ایمان کے ساتھ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴿۷۳﴾ عمل صالح کرے اس کو ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ ثواب دینے والا ہے اور جو مجرم کفر کی حالت میں اس کے سامنے جائے گا اس کو عذاب بھی ساری مخلوق سے زیادہ پائیدار لازوال دے گا۔

محمد بن اسحاق نے کہا فرعون نے کہا تَهَا وَكَلْتَعْلَمَنَّ إِنَّا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَى سَاحِرُونَ نے اس کا یہ جواب دیا۔

إِنَّهُ مِنْ نِّيَاتٍ سَابِقَةٍ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ﴿۷۴﴾

جو شخص (بغوات کا) مجرم اپنے رب کے سامنے جائے گا اس کیلئے جہنم مقرر ہے اس میں نہ وہ مرے گا نہ اچھے گا۔ مَنْ نِيَاتٍ رَبِّهِ مُجْرِمًا یعنی کفر اور نافرمانی پر مرے گا۔ لا يموت جہنم کے اندر اس کو موت نہیں آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے۔ لا يَحْيَى نہ خوش گوار زندگی ملے گی کہ آرام پائے۔

وَمَنْ نِيَاتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى ﴿۷۵﴾ جَنَّاتٍ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جو شخص ایمان کی حالت میں مرے گا اور اس نے دنیا میں اعمال صالحہ کئے ہوں گے اس کو رہنے کے لئے باغ ملیں گے عدن بمعنی قیام و سکونت یہ جنات بڑے اونچے درجات ہوں گے۔

وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى ﴿۷۶﴾ کفر و معاصی کے میل کچیل سے پاک ہونے کی یہی جزا ہے کلبی نے کہا

تَزَكَّى کا یہ معنی ہے کہ جس نے اپنے نفس کی زکوٰۃ دے دی اور لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا۔ امام احمد ترمذی۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے صحیح سند سے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونچے درجات والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور ابو بکر انہیں میں سے ہوں گے اور عمر (بھی) یہ حدیث طبرانی نے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمر و حضرت ابو ہریرہ کی روایت

سے بیان کی ہے۔ سیخین نے حجین میں اور امام احمد نے حضرت ابو سعید کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حدیث مذکور مر فوعا اس طرح نقل کی ہے کہ اہل جنت او پروالے کمروں والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح (آسمان کے) مشرقی یا مغربی افق میں ڈبڈباتے چمکتے ستارے کو تم لوگ دیکھتے ہو اس کی وجہ ان کے باہم درجات کا تفاوت ہو گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر انبیاء کے مراتب کو ان کے علاوہ کوئی اور پہنچے گا نہیں فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انبیاء کی تصدیق کی (وہ بھی انبیاء کے ساتھ ہوں گے)

موخر الذکر تینوں آیات ساحروں کے کلام کا تمہ اور اللہ خیرٌ و ابقى کی علت بھی ہو سکتی ہے اور اللہ کی طرف سے ساحروں کے کلام کی تصدیق بھی ان کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ فَاَضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَافُ

دَرْكًا وَلَا تَخْشٰى ۝۴۰ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے ان بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو (مصر سے) راتوں رات (باہر) لے جاؤ پھر ان کے لئے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک راستہ بنا دینا تو تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہو گا اور نہ (کسی اور قسم کا) خوف ہو گا۔

یعنی جب اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کا ستیاناس کر دینا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دے دینے کا اس نے ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ان لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے باہر نکل جاؤ۔

فَاَضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا، یعنی ان کے لئے راستہ مقرر کر دو اس ترجمہ پر یہ جملہ محاورہ ضرب سہم سے ماخوذ ہو گا۔ عرب بولتے ہیں ضَرْبَ لَهٗ مِنْ مَّالِهٖ سَهْمًا اس نے اپنے مال میں اس کا ایک حصہ مقرر کر دیا۔ يَفَاضِرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا کا ترجمہ ہو گا بنا دو ان کے لئے راستہ۔ عرب کہتے ہیں ضَرْبَ اللَّيْنِ اس نے اینٹیں بنائیں۔ میں کہتا ہوں اضرب سے مراد لاٹھی مارنا بھی ہو سکتا ہے اصل کلام اس طرح تھا۔ فَاَضْرِبْ يَعْصَاكَ الْبَحْرُ يَكُنْ طَرِيقًا لِّىْ لَاتُخْشٰى مَارًا رَاسَةً خَشْكَ هُوَ جَاءَ غَا۔ دَرْكًا دشمن کا پہنچ جانا مراد ہے، یعنی دشمن کے تعاقب کرنے اور پہنچ جانے کا تم کو کچھ اندیشہ نہ ہو گا۔ وَلَا تَخْشٰى اور نہ ڈوبنے کا خطرہ۔

موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی، بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے، دریا پر پہنچے تو دریا میں لاٹھی ماری پانی پھٹ گیا اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح رک گیا خشک زمین نکل آئی بنی اسرائیل خشک زمین پر چل کر بار نکل گئے۔

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهٖ فَنَشِيْهُم مِّنَ الْيَمِّ مَآعِشِيْهِمْ ۝۴۱ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ

وَمَا هَدٰى ۝۴۱ پھر فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چلا تو دریا ان پر

جیسا ملنے کو تھا آ ملا اور فرعون اپنی قوم کو بری راہ پر لایا اور نیک راہ نہ بتائی۔ بِجُنُودِهٖ میں بمعنی مع کے ہے یعنی فرعون کو جب اطلاع ملی کہ موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر رات کو ہی مصر سے نکل گیا تو اس نے خود اپنے لشکر کے ساتھ موسیٰ کا پیچھا کیا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اتباع (باب افعال) بمعنی اتباع (باب افعال) کے ہے (یعنی لازم ہے) ب کے ذریعہ سے اس کو متعدی بنایا گیا ہے، یعنی فرعون اپنے لشکر کو لے کر پیچھے چلا۔ یا فرعون نے اپنے لشکر کو بنی اسرائیل کے پیچھے چلایا، مِّنَ الْيَمِّ یعنی دریا کا کچھ پانی۔ يَمٌّ دریا مِّنْ تَبْعِيْضِهٖ ہے (کچھ پانی) کیا بیان یہ ہے مَآعِشِيْهِمْ میں ما کا ابہام موجوں کی عظمت پر دلالت کر رہا ہے، یعنی ایسی موجیں اوپر سے آئیں کہ جن کی مقدار اور حقیقت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اضل یعنی دین کے معاملے میں فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کر دیا۔ وَمَا هَدٰى اور صحیح راستہ نہ دکھایا۔ دین کا مذاق اڑاتا رہا۔ اس نے قوم سے کہا تھا مَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشٰدِ میں تم کو نہیں بتاتا مگر سیدھا راستہ۔ لیکن اس نے سیدھا راستہ نہیں بتایا اس آیت سے فرعون کے قول مذکور کی تکذیب کر دی گئی یا یہ مطلب ہے کہ دریا کے اندر فرعون نے قوم کو بے راہ کر دیا اور خود بھی نجات نہ پائی۔

يٰۤاِبْنِ اِسْرٰٓءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَاَوْعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْاَيْمَنِ

اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے تم کو تمہارے (ایسے بڑے) دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) طور کے دائیں جانب آنے کا وعدہ کیا۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ سَے خطاب ان بنی اسرائیل کو ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور جو احسانات ان کے آباؤ اجداد پر کئے گئے تھے وہ موجودہ بنی اسرائیل کو یاد دلائے گئے ہیں لیکن اس مطلب پر ایک لائیکل اشکال یہ وارد کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور مکہ کی زندگی میں خطاب بنی اسرائیل کو نہیں ہو سکتا۔ پوری مکی زندگی میں مخاطب قریش یا کفار مکہ ہو سکتے ہیں اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ یہ گزشتہ واقعہ کا بیان ہے جن بنی اسرائیل کو اللہ نے فرعون کے پنجے سے رہا کر لیا اور فرعون کو مع لشکر کے غرق کیا تھا انہی کو اللہ نے اس وقت یہ خطاب کیا تھا اور اس خطاب کو نقل اس جگہ کیا اس مطلب پر لفظ فَكُنَّا مَحْذُوفٌ ماننا پڑے گا مطلب اس طرح ہو گا کہ فرعون کو غرق کرنے اور دوسرے واقعات ہو چکنے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ قَدْ اَنْجَيْنَاكُمْ

جَانِبِ الطُّورِ الْاَيْمَنِ جانب مفعول فیہ ظرف مکان ہے اور الْاَيْمَنِ جانب کی صفت ہے لیکن پہاڑ کا حقیقت میں کوئی دلیاں بائیں رخ نہیں ہوتا اس لئے کہا جائے گا کہ دلیاں جانب موسیٰ کا تھا اور موسیٰ پہاڑ پر تھے اس لئے پہاڑ کا دلیاں جانب کہہ دیا۔ اللہ نے موسیٰ سے مناجات کا اور توریت دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لے آئیں یہ وعدہ حضرت موسیٰ سے تھا لیکن اس وعدہ کا تعلق چونکہ بنی اسرائیل سے تھا اس لئے (مجازاً) فرما دیا کہ ہم نے تم کو وعدہ دیا تھا۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلٰوٰی ۝۸۰ كَلِمًا مِّنْ طَيِّبَاتٍ مَّا رَسَخْنَا فِيْكُمْ

اور ہم نے تم پر من و سلوی نازل کیا اور (اجازت دی کہ) ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ۔

مِنْ طَيِّبَاتٍ میں من بیان یہ ہے یا تبعیضیہ، یعنی وہ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں یا ہماری عطا کردہ پاکیزہ چیزوں میں سے کچھ چیزیں تم کھاؤ۔ طیبات سے مراد ہیں لذیذ یا حلال چیزیں (من و سلوی لذیذ چیزیں بھی تھیں اور حلال بھی۔) ہر نعمت خدا داد ہی ہے لیکن اس جگہ رَزَقْنَا میں اپنی طرف دینے کی نسبت صراحتہ کرنے سے مراد ہے نعمتوں کی عظمت کا

اظہار۔

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ اور اس (کھانے) میں حد (شرعی) سے مت گزرو۔ یعنی ہماری دی ہوئی نعمت میں حد سے

تجاوز نہ کرو۔ حد سے تجاوز کرنا کئی صورتوں سے ہوتا ہے شکر نہ کرنا فضول برباد کرنا یا بے ضرورت بیکار خرچ کرنا، مغرور ہو جانا، مستحق کو نہ دینا (اور مالی حقوق ادا نہ کرنا وغیرہ۔ مترجم)

فَيَحِلُّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحِلُّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰی ۝۸۱ کہیں میرا غضب

تم پر واقع ہو جائے اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گذرا ہوا۔ يَّحِلُّ (باب ضرب سے) واجب الادا ہونا یعنی جس پر میرا غضب لازم ہو جائے۔ يَّحِلُّ (بہ قرأت اعمش و کسائی حلول سے باب نصر) حُلُوْلٌ کا معنی ہے نازل ہونا اترنا، جس پر میرا غضب نازل ہو جائے۔ ہوی، ہلاک ہو گیا آگ میں لڑھک گیا۔

وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اٰهْتَدٰی ۝۸۲ اور (اس کے ساتھ

یہ بھی کہ) میں ایسے لوگوں کو بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر اسی راہ پر قائم بھی

رہیں۔

تَابَ یعنی شرک سے توبہ کی۔ امن سے مراد ہے اللہ پر اور ان تمام احکام پر ایمان لایا جو اللہ کی طرف سے اس کے پیغمبر

لے کر آئے تھے۔ عَمِلَ صَالِحًا یعنی اللہ کے حکم کے مطابق عمل کیا اِهْتَدٰی سے کیا مراد ہے علماء کے اقوال اس میں مختلف ہیں عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے پھر اس نے ہدایت پائی یعنی جان لیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے مجھے

ملا ہے۔ قنادہ اور سفیان ثوری نے ترجمہ کیا اسلام پر مرتے دم تک قائم رہا، شعبی مقاتل اور کلبی نے کہا یعنی یہ جان لیا کہ اللہ کی طرف سے اس کا ثواب مجھے ملے گا۔ زید بن اسلم نے کہا یعنی اس نے علم حاصل کیا تاکہ اس کے مطابق عمل کرے، ضحاک نے کہا یعنی ہدایت مذکورہ پر قائم رہا سعید بن جبیر نے کہا سنت اور جماعت کے مسلک پر قائم رہا۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اللہ تک پہنچنے اور مقام قرب تک چڑھنے کی اس کوراہ مل گئی اور یہ رسائی و عروج ہر کیفیت سے بالاتر ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔

اور اے موسیٰ تمہارے لئے اپنی قوم سے جلدی آنے کا  
 وَمَا أَعَجَبَكَ عَنْ قَوْمِكَ لِمُوسَى ۝۸۲  
 کیا سبب ہوا، یعنی کیا وجہ تھی کہ تم قوم کو پیچھے چھوڑ کر ان سے پہلے ہی آگئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے طور پر جانے کے لئے بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا تاکہ طور پر پہنچ کر حسب وعدہ اللہ کی کتاب حاصل کر لیں پھر ان کو پیچھے چھوڑ کر دیدار الہی کے شوق میں خود پہلے آگئے اور ان سے کہہ دیا تم لوگ پیچھے آجانا اللہ نے حضرت موسیٰ سے یہی سوال کیا ہے کہ تم قوم سے پہلے کیسے چلے آئے۔ میں کہتا ہوں یہ سوال (طلب علم کے لئے نہیں ہے نہ انکاری ہے بلکہ) تقریری ہے جس طرح محبوب جب اپنے عاشق کے والہانہ شوق اور شیفقتگی کو دیکھتے ہوئے چاہتا ہے کہ عاشق اپنے منہ سے اپنی محبت کا اظہار کرے اس لئے کہتا ہے کہ آپ کیسے آئے کیوں آئے۔

لیکن ساتھیوں کو چھوڑ کر آجانا کسی قدر نازیبا بھی تھا اس لئے سوال میں انکاری ہونے کی کچھ آمیزش بھی تھی اس لئے حضرت موسیٰ نے سوال کے دونوں رخوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کا جواب دیا۔

موسیٰ نے اپنے  
 قَالَ هُمْ أَوْلَاءٌ عَلَيَّ أَشْرِي وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى ۝۸۳  
 گمان کے موافق) عرض کیا وہ لوگ بھی تو میرے پیچھے پیچھے (آ رہے) ہیں اور میں آپ کے پاس جلدی اس لئے آیا کہ آپ (زیادہ) خوش ہوں گے۔

إِلَيْكَ تاکہ آپ زیادہ خوش ہوں بعض لوگوں نے کہا تعمیل حکم میں جلدی اور وعدے کی وفا میں سبقت زیادتی خوشی کا موجب تھی، یہی حضرت موسیٰ کے کہنے کا مطلب تھا میں کہتا ہوں لِتَرْضَى کا مطلب یہ ہے کہ محبت و شوق کی زیادتی، دیدار کی تمنا اور کلام سننے کی بے پایاں خواہش موجب تھی زیادتی مرضی کے حصول کی اسی لئے موسیٰ نے لِتَرْضَى کہا۔

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ  
 اللہ نے فرمایا ہم نے تمہاری قوم کو ایک بلا میں مبتلا کر دیا ہے۔ فتن سے مراد ہے آزمائش کرنی چاہنچایا گمراہ کر دینا یعنی (سامری نے گوسالہ بنایا اس میں) ہماری طرف سے جانچ تھی کہ کون اس کی پوجا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا یہ مطلب ہے کہ پچھڑے کی پوجا کی وجہ سے ہم نے تمہاری قوم کو گمراہ کر دیا۔

### ایک شبہ

فَانَا مِثْلُ سَبَبِيتِ كَلَامِ لَعْنَةِ اس سے پہلے کا کلام بعد میں آنے والے کلام کا سبب ہے اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ تمہاری جلدی چلے آنے سے تمہاری قوم گمراہ ہو گئی تمہاری عجلت آمد قوم کی گمراہی کا سبب بن گئی۔ لیکن بظاہر تو موسیٰ کے پہلے چلے آنے سے قوم گمراہ نہیں ہوئی تھی (کیا موسیٰ اگر جلدی کر کے ستر آدمیوں سے پہلے نہ چلے آتے اور انکو ساتھ لے کر آتے تو کیا باقی قوم گمراہ نہ ہوتی) میں اس کے جواب میں کہتا ہوں پیغمبر کی رسالت کے دو مقصد ہیں (۱) وہ لوگوں کو اسلام اور اللہ کے احکام سکھائیں اور تعمیل کی دعوت دیں۔ (۲) لوگوں کو اپنی باطنی کشش کی قوت سے اللہ کی طرف کھینچیں اور ایمان و معرفت کا نور ان کے دلوں میں ڈالیں تاکہ ان کے سینے روشن ہو جائیں اور وہ حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیں۔ لیکن انبیاء کے اس فریضہ کی مکمل ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب وہ مخلوق کی طرف کامل طور پر متوجہ ہوں حضرت موسیٰ پر بارگاہ الہی میں حاضری کا شوق اور ہم کلامی کی محبت کا اس وقت غلبہ تھا اور سکر کی حالت تھی اس لئے ان کی باطنی توجہ امت کی طرف باقی نہیں رہی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ بنی اسرائیل فتنہ اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ یہیں سے بعض اہل تصوف نے کہا ہے کہ ولایت

نبوت سے افضل ہے اس قول کی تشریح بعض اہل باطن نے اس طرح کی ہے کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت کا تقاضا ہے استغراق اور فنا فی اللہ اور ہر طرف سے توجہ کو ہٹا کر اللہ ہی کی طرف اپنا رخ کر کے ڈوب جانا اور نبوت کا تقاضا ہے (تبلیغ و ہدایت کے لئے) مخلوق کی طرف رخ کرنا (اور ظاہر ہے کہ خالق کی طرف کامل توجہ مخلوق کی طرف رخ کرنے سے افضل ہے) تحقیق وہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے۔ ولایت کسی نبی کی ہو یا غیر نبی کی بہر صورت اس کا مرتبہ نبوت سے نچلا ہے کیونکہ ولایت نام ہے تجلیات صفاتی کا اور نبوت عکس ہے تجلیات ذاتیہ کا۔ حضرت مجدد نے فرمایا، نبوت ہو یا ولایت ہر ایک کے دوزخ ہیں عروج و نزول بالائی رخ کی طرف اٹھنا اور زیریں رخ کی طرف اترنا۔ نبی ہو یا ولی مرتبہ عروج میں اس کی توجہ خالص اللہ کی طرف ہوتی ہے تاکہ خود اس کو کمال ذاتی اور ترقی مرتبہ حاصل ہو اور مرتبہ نزول میں دونوں کی توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے تاکہ دوسروں کو کامل بنا سکیں اور دوسروں کو ان سے نور چینی کا موقع مل سکے نبی اور ولی کے درمیان مرتبہ عروج میں یہ فرق ہوتا ہے کہ ولی کا عروج صفات کی جانب ہوتا ہے ذات کی جانب نہیں (یعنی سیر صفاتی اس کے پیش نظر ہوتی ہے سیر ذات تک اس کی رسائی نہیں ہوتی) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نزول کی حالت میں بھی مبداء فیض کی طرف اس کی کسی قدر توجہ رہتی ہے کامل طور پر وہ مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہو جاتا لیکن نبی مرتبہ نزول میں آ کر پورے طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور بظاہر نظر وہ اپنے آپ کو منقطع عن اللہ خیال کرتا ہے اور یہ کیفیت و حالت اس کے لئے بڑی شاق اور دشوار ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ اللہ سے اس حالت میں بھی منقطع نہیں ہوتا بلکہ اس کا رخ ذات کی طرف بھی ہوتا ہے اور اس کے سینے میں دونوں جانب متوجہ ہونے کی سمائی ہوتی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تب بھی غلط نہ ہو گا کہ حقیقت میں مخلوق کی طرف توجہ کرنے کی حالت میں بھی وہ اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے حکم اذن اور مرضی سے ہی وہ خلق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی لئے اس سیر نزولی کو سیر من اللہ باللہ (اللہ کی طرف سے اللہ کی مرضی اور حکم کے ساتھ سیر) کہتے ہیں ہم نے اس مسئلے کی تنقیح پورے طور پر سورۃ الم نشرح کی آیت **فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا** کی تفسیر کے ذیل میں کی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور حضرت موسیٰ کو تورات عطا فرمادی تو اس وقت فرمایا اپنی قوم کے پاس لوٹ کر جاؤ ہم نے ان کی آزمائش کی ہے (جا کر دیکھو ان کی کیا حالت ہو گئی)

تمہارے بعد یعنی تمہارے پہاڑ کی طرف روانہ ہونے کے بعد۔

مِنْ بَعْدِكَ

اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا اللہ گمراہی کو پیدا کرنے والا ہے اسی نے بنی اسرائیل کے اندر گمراہی پیدا کی اور سامری کے اندر بھی گمراہی اسی کی پیدا کردہ تھی

وَأَضَلَّهُمُ الشَّامِرِيُّ ۝۸۵

اس لئے فتنہ میں ڈالنے اور گمراہ کرنے کی نسبت (حقیقی) اپنی طرف کی لیکن

عملی گمراہی پیدا کرنے والا اور گمراہ کرنے کا سبب سامری تھا، پس فاعل اضلال کی حیثیت سے سامری کو گمراہ کرنے والا قرار دیا۔ بنو نعی نے لکھا ہے بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے، بارہ ہزار کے علاوہ باقی سب گمراہ اور گوسالہ پرست ہو گئے۔ سب نے پچھڑے کی پوجا کی۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ سامری مقام سامرہ کی طرف منسوب ہے یہ ایک گرمان کارہنے والا کافر تھا یا بنی اسرائیل کا کوئی سردار تھا بیضاوی نے لکھا ہے سامرہ بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ تھا جس کی طرف سامری منسوب تھا سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا یہ منافق تھا۔

غرض موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے۔ یعنی چلہ پورا کر کے تورات لینے کے بعد موسیٰ انتہائی عمگینہ اور رنج و فکر کی حالت میں قوم کی طرف لوٹے۔

فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا

قَالَ يَقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدَّ أَحْسَنَٰهُ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ

مِنْ رَبِّكُمْ فَاخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ۝۸۶

کہنے لگے اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا کیا تم پر (میعاد مقررہ سے زائد) کچھ زمانہ گزر گیا تھا یا تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا۔

قَالَ يَقَوْمِ واپس آکر موسیٰ نے جب قوم کو پچھڑے کی پوجا میں مبتلا پایا تو کہا وَعَدًا حَسَنًا، یعنی تورات دینے کا وعدہ جو سر اسر ہدایت اور نور تھی اَفْطَالَ سوال انکاری ہے یعنی تم میرے ساتھ تھے تو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اس کو واحد مانتے تھے اسی کی تنہا عبادت کرتے تھے اور مجھ سے تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد بھی اسی پر قائم رہو گے مگر میرے جدا ہونے کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ تمہاری یہ حالت ہو گئی اَنْ يَّجِلَّ عَلَيْكُمْ کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واجب ہو جائے۔ پچھڑے کی پوجا کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تم کو اپنے اوپر اللہ کا غضب نازل ہونا مقصود ہے یعنی تم نے ایسا کام کرنا چاہا جو موجب غضب الہی ہے۔

قَالُوا مَا آخَلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِسَلْكِنا

کہنے لگے (ایمان پر قائم رہنے کا جو وعدہ ہم نے آپ سے کیا تھا) آپ نے اس وعدے کی خلاف ورزی از خود نہیں کی۔ مُلْكٌ مُلْكٌ تینوں ہم معنی ہیں (کذافی القاموس) یعنی ہم نے اختیار سے ایسا نہیں کیا اگر آدمی خدا کی طرف سے آزمائش اور مصیبت میں پڑ جاتا ہے تو (ظاہر ہے کہ) اس کا اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا (اور باوجود با اختیار ہونے کے بے اختیار ہو جاتا ہے)

وَلَكِنَّا حَمَلْنَا أَوْسَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَدْ فَتِنَا بِكَذَلِكَ الْقَتْلِ السَّامِرِيِّ ۝۸۷

لیکن قوم (قبط) کے زیور کا (جو) بارہم پر لدر ہا تھا سو ہم نے اس کو (سامری کے کہنے سے آگ میں) ڈال دیا پھر سامری نے بھی اسی طرح ڈال دیا۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر جانے لگے تو قوم فرعون سے کچھ زیور بطور عاریت شادی میں شرکت کے نام سے لے لیا تھا۔ زِينَةُ الْقَوْمِ سے یہی زیور مراد ہے۔ کذا اخرج عبد بن حمید وابن ابی حاتم، عن ابن عباس، بغوی نے لکھا ہے بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے زیور اپنے اوپر بار اس لئے کہا کہ عاریت لیا تھا اور پھر واپس نہ کیا تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ساتھی جب دریا میں ڈوب گئے تو دریائے ان کا زیور باہر پھینک دیا بنی اسرائیل نے بطور مال غنیمت اس کو لے لیا لیکن مال غنیمت ان کے لئے جائز نہ تھا اس لئے انہوں نے اس کو بوجھ ہی کہا۔

فَقَدْ فَتِنَا هُمْ نِسْبَتِنا نے اس کو پھینک دیا یعنی ایک گڑھے میں بغوی نے لکھا بعض اہل روایت کا بیان ہے کہ سامری کے کہنے سے انہوں نے ایک گڑھا کھود کر ساراز یور اس میں ڈال دیا تاکہ موسیٰ جب واپس آئیں تو زیور کے متعلق شرعی حکم بتائیں۔

فَكَذَلِكَ الْقَتْلِ السَّامِرِيِّ یعنی سامری کے پاس جو زیور تھا اس کو سامری نے بھی اسی طرح گڑھے میں ڈال دیا تھا۔ سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان منقول ہے کہ حضرت ہارون نے آگ جلوا کر بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم لوگوں کے پاس جو زیور ہے وہ اس میں ڈال دو حکم کی تعمیل میں بنی اسرائیل نے ساراز یور آگ میں ڈال دیا، پھر حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی خاک (جو اس کے پاس تھی) آگ میں ڈال دی۔ قتادہ نے کہا وہ خاک سامری نے اپنے عمائے کے گوشہ میں رکھ لی تھی۔

فَاخْرَجَ لَهُمْ عَجَلًا جَسَدًا لَّهُ خَوَارٌ فَقَالُوا هَذَا آلُ الْهَكْمِ وَاللَّهُ مُوسَىٰ ه فَانْسَبِي ۝۸۸

پھر اس (سامری) نے ان لوگوں کے لئے ایک پچھڑا (بنا کر) ظاہر کیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک بے معنی آواز تھی سو وہ (احتمل لوگ) ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے موسیٰ تو بھول گئے (اور معبود کی تلاش میں کوہ طور پر چلے گئے) یا نَسَبِي کا یہ مطلب ہے کہ سامری بھول گیا (یعنی) اس نے ایمان کو ترک کر دیا اور اللہ کا منکر ہو گیا (گویا بھولنے سے مراد ہے بالکل ترک کر دینا) خوار سے گائے بیل کی آواز مراد ہے (جو بے معنی ہوتی ہے) فَقَالُوا یعنی سامری اور اس کے ساتھیوں نے جب سب سے پہلے پچھڑے کو دیکھا تو کہنے لگے۔

أَفَلَا يَرُونَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۖ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿۹﴾

کیا وہ لوگ اتنا نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا تھا اور نہ ان کو کسی طرح کا نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا تھا۔

استفہام انکاری اور دیکھنے سے مراد ہے جاننا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے (بے سمجھے) اس کو معبود بنا لیا اتنا بھی نہ جانتا کہ وہ کچھ بھی قدرت نہیں رکھتا اَلَا يَرْجِعُ فِيهِمْ قَوْلًا یعنی اُن کا جس کو اُن کر لیا اور اس کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے اصل میں اِنَّ تَهَا (یعنی اُن ناصبہ مصدر یہ نہیں ہے اسی لئے يَرْجِعُ پڑھا گیا يَرْجِعُ نہیں پڑھا گیا) تو لا یعنی وہ کوئی بات نہیں کر سکتا تھا نہ کوئی جواب دے سکتا تھا۔ اس کی کمزوری اور عاجزی تو پوجا کرنے والوں سے بھی زائد تھی۔ پھر انہوں نے اس کو کس طرح معبود بنا لیا۔ لَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا یعنی نہ فائدہ پہنچانا اس کی قدرت میں تھا نہ نقصان پہنچانا نہ نفع یا نقصان کو روکنا، بغوی نے لکھا ہے مروی ہے کہ سامری پچھڑا بنا رہا تھا کہ حضرت ہارون ادھر سے گزرے اور دریافت فرمایا کیا کر رہا ہے، سامری نے کہا میں ایسی چیز بنا رہا ہوں جو مفید ہوگی، ضرر رساں نہیں ہوگی آپ میرے لئے (کامیابی کی دعا کر دیجئے حضرت ہارون نے دعا کی اے اللہ یہ جو کچھ تجھ سے مانگ رہا ہے اس کو اس کی دلی مراد کے مطابق عطا فرما دے آپ کی دعا قبول ہوئی اور سامری نے جب پچھڑے کے منہ میں خاک ڈال دی تو بولا چیخا ہوا پچھڑا بن جا، چنانچہ ایسا ہی ہو گیا، حقیقت میں یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی جس میں اللہ نے بنی اسرائیل کو مبتلا کر دیا تھا۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ لِقَوْمِ إِثْمَانَ فِئْتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿۱۰﴾

اور ہارون ان لوگوں سے (موسیٰ کی واپسی

سے) پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میری قوم والو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم اس پچھڑے کی وجہ سے مصیبت میں پھنس گئے اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب رحمن ہی ہے پس میری راہ پر چلو اور میرا کہا مانو۔

فِئْتُم بِهِ یعنی پچھڑے کے سبب تمہاری جانچ کی گئی ہے کہ تم توحید و ایمان پر قائم رہتے ہو یا بہک جاتے ہو وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ یعنی تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارا وجود اور لوازم وجود اسی کی رحمت کا نتیجہ ہے یہ پچھڑا تم کو کیا دے سکتا ہے۔ فَاتَّبِعُونِي یعنی میری راہ پر چلو رحمن وحدہ لا شریک لہ کی عبادت پر قائم رہو وَأَطِيعُوا أَمْرِي اور میرا حکم مانو پچھڑے کی پوجا چھوڑ دو۔

قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْكَ عٰكِفِيْنَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿۱۱﴾

انہوں نے جواب دیا کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس آئیں ہم تو اس کی پوجا کرنے پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے۔ علیہ اس پر یعنی اس کی پوجا پر۔ عٰكِفِيْنَ قائم رہیں گے جمے رہیں گے اس جواب کے بعد حضرت ہارون اپنے ساتھ بارہ ہزار اشخاص کو لے کر باقی جماعت سے الگ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ واپس آئے تو آپ نے دور سے کچھ شور و غل کی آواز سنی کیونکہ لوگ پچھڑے کے گرد ناچ کود کر رہے تھے اور شور برپا تھا، حضرت کے ساتھ جو ستر آدمی گئے تھے انہوں نے عرض کیا یہ آواز تو کسی فتنہ کی محسوس ہو رہی ہے کوئی فتنہ برپا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ نے آکر لوگوں کو پچھڑے کے آس پاس ناچتے دیکھا تو غضب ناک ہو کر دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون کے سر کے بال اور بائیں ہاتھ سے داڑھی پکڑ لی۔

قَالَ يٰهُرُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ۗ أَالَّا تَتَّبِعِن ۗ ﴿۱۲﴾

ہارون جب تم نے (ان کو) دیکھا تھا کہ یہ بالکل گمراہ ہو گئے (اس وقت) تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون سا امر مانع ہوا۔ چونکہ مانع اور داعی میں گہرا تعلق ہے جو کسی چیز سے مانع ہوتا ہے وہ اس چیز کو ترک کرنا دعاغی ہوتا ہے، اس لئے بعض لوگوں کے نزدیک مَنَعَ کا (مجازاً) معنی ہے داعی یعنی کس چیز نے تم کو میرے اتباع نہ کرنے پر آمادہ کیا۔

جمہور کے نزدیک لازماً ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے تم کو وصیت کی تھی کہ ان لوگوں کو برابر توحید پر قائم رکھنے کی





میں رکھ دیا تھا اللہ نے اس کی پرورش کے لئے حضرت جبرئیل کو مامور فرمادیا کیونکہ اس کے ہاتھوں سے ایک فتنہ بنی اسرائیل میں پیا کرانا تھا۔ جبرئیل اس کی غذائی پرورش کرتے رہے یہاں تک کہ یہ خود اپنے پیروں کا ہو گیا اس وقت یہ جبرئیل کو پہچانتا تھا (اور گھوڑے کے قدموں کے نیچے کی خاک کی حیات بخشی سے بھی واقف تھا وہی خاک اس کے پاس تھی جو اس نے پچھڑے کے کلبہ کے منہ میں ڈال دی اور پچھڑا چیخنے لگا)

وَكَذَلِكَ سَأَلْتُ اور میرے دل نے یہی بات پسند کی اور میری نظر میں اس فعل کو پسندیدہ بنا دیا۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ

موسیٰ نے کہا تو بس تیرے لئے (اس دنیا کی) زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو کہتا پھرے گا چھوٹا نہیں (مجھے کوئی ہاتھ نہ لگانا) اور تیرے لئے (آخرت میں) ایک اور مقررہ وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں۔ مساس علم مصدر ہے (لفظی بمعنی نہی ہے) یعنی مجھے چھوٹا نہیں میرے قریب نہ آنا میں کہتا ہوں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اللہ نے اس کے دل میں انسانوں سے وحشت پیدا کر دی ہو اسی لئے وہ جنگلوں اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا تھا اسی حالت میں مر گیا، بغوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دے دیا تھا کہ اس سے میل جول نہ رکھنا اس کے پاس بھی نہ جانا۔ حضرت ابن عباس نے لامساس کی تفسیر میں فرمایا نہ تجھے چھوٹا ہے نہ تیری اولاد کو (یعنی نہ تجھے کوئی چھوئے گا نہ تیری اولاد کو) مَوْعِدًا یعنی آخرت میں عذاب کا اللہ کی طرف سے مقرر وعدہ ہے۔

وَإِنظُرْ إِلَى إِلْهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا

اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس (کی عبادت) پر تو جما بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے (جلا کر خاک کر دیں گے) پھر اس کی (راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے۔

إِلْهِكَ یعنی تیرے باطل خیال میں جو تیرا معبود تھا اس کو دیکھ لَنُحَرِّقَنَّهُ ہم اس کو آگ میں جلا ڈالیں گے یاریتی سے بالکل گھس ڈالیں گے۔ تَرَقُّ ریتی سے گھس ڈالا۔ باب افعال میں حَرَقَ کو لے گئے تو گھسنے میں مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو گیا بالکل گھس ڈالنا لَنَنْسِفَنَّهُ خاک اور راکھ کو یا گھسے ہوئے چورے کو بکھیر دیں گے اڑا دیں گے، دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے پھر اس کی خاک کا کوئی ذرہ بھی ہاتھ نہیں لگے گا ان یوقون کی حماقت کو ظاہر کرنے کے لئے حضرت موسیٰ نے ایسا کیا بھی۔

إِنَّمَا إِلْهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَدَىٰ لَهُ الْإِلهُ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا

حقیقت میں تمہارا معبود یعنی تمہاری عبادت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں (کیونکہ علم کی ہمہ گیری اور کمال قدرت میں کوئی اس جیسا نہیں بلکہ اس کی برابری کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا) اس کا علم ہر چیز کو (اپنے اندر) سمائے ہوئے ہے یہ پچھڑا معبود کیسے ہو سکتا ہے جس کو اول سونے چاندی کو پگھلا کر ڈھالا گیا بنایا گیا پھر اس کو خاک بنایا جائے گا اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو اتنا بے وقوف ہوتا کہ لوگ یوقونی میں اس کو ضرب المثل بناتے (اور کہتے یہ نیل ہے)

كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا

اسی طرح ہم تم سے واقعات گزشتہ کی کچھ خبریں بیان کرتے رہتے ہیں اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔

كَذَلِكَ نَقُصُّ یعنی جس طرح ہم نے تم کو موسیٰ کا قصہ سنایا اسی طرح ہم گزشتہ اقوام کے سابقہ احوال و واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ تم کو بصیرت حاصل ہو تمہارے علم میں افزونی ہو معجزات میں اضافہ ہو اور تمہاری امت کے بصیرت اندوز لوگوں کے لئے سرمایہ نصیحت و بیداری حاصل ہو۔

وَ قَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ذکر سے مراد ہے قرآن مجید، یعنی ہم نے تم کو ایسا قرآن عطا کیا ہے جس میں اقوام ماضیہ کے واقعات درج ہیں یہ قابل غور و فکر یادداشت اور نصیحت نامہ ہے بعض علماء کے نزدیک ذکر سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا بہترین ذکر اور آپ کی عظیم الشان شہرت اور قیامت تک قائم رہنے والا تذکرہ، یعنی ہم نے اپنی جانب سے تم کو شہرت اور اعلیٰ نام

آوری عطا کی۔ بعض اہل تفسیر نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ میں نے تمہارے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ اذان میں اقامت میں تشہد میں اور (کلمہ وغیرہ جیسی) دوسری چیزوں میں ملا دیا۔

مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ۝ خَلِيدِينَ فِيهِ ۝ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا ۝

جو لوگ اس سے منہ موڑیں گے وہ

قیامت کے دن بھاری بوجھ (عذاب کا) اپنے اوپر لادے ہوں گے اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ رہیں گے اور قیامت کے دن یہ بوجھ ان کے لئے (بہت) برا بوجھ ہو گا۔ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ یعنی جو شخص قرآن سے منہ موڑے گا اس کو نہیں مانے گا اور اس پر عمل نہیں کرے گا یعنی کی ضمیر ذکر کی طرف یا اللہ کی طرف راجع ہے یعنی جو تمہارے ذکر سے یا اللہ سے منہ موڑے گا۔

وِزْرًا، یعنی گناہوں کا بھاری بوجھ۔ سورہ مریم کی آیت یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفَدَا كِتَابِ تِجَارَةٍ فِيهِمْ عَمَلٌ كَثِيرٌ لَّهُمْ فِيهَا أَجْرٌ كَثِيرٌ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافر کے سامنے اس کا برا عمل بہت ہی مکروہ شکل اور سزا مند کے ساتھ آئے گا اور کافر سے کہے گا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا کافر جو اب دے گا نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری شکل بڑی مکروہ اور تیری بوجھ سڑی ہوئی بنائی ہے عمل کے گامیں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا عمل ہوں دنیا میں طویل مدت تک تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہوں گا، پھر حضور اقدس نے پڑھا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ غَنًا لِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ جس طرح بھاری بوجھ اگر پشت پر لدا ہو تو کمر ٹوٹنے لگتی ہے اسی طرح گناہوں کا عذاب بھی ناقابل برداشت ہو گا جس پر پڑے گا اس کو اٹھانے میں انتہائی دشواری ہو گی۔ فیہ یعنی بار گناہ کی سزا میں۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو قرآن سے روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن اپنے کندھے پر اس مال کا بوجھ اٹھائے گا جو دنیا میں اس نے ناجائز طور پر بغیر استحقاق کے لیا ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز دنیا کی اپنے حق کے بغیر نہ لے ورنہ جب اللہ کے سامنے وہ جائے گا تو وہ چیز قیامت کے دن اس کے اوپر سوار ہو گی میں تم میں سے کسی شخص کو اللہ کے سامنے اپنے اوپر بلبلا تے اونٹ ڈونٹ ڈونٹ گائے اور منمنائی بکری کو لادے ہوئے نہ پاؤں۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن ابی حمید الساعدی۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی قیامت کے دن اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت حکم بن حارث سلمیٰ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمانوں کے راستے کی بالشت بھر زمین لی وہ سات زمینوں سے اس کو اپنے اوپر لادے ہوئے (قیامت کے دن) آئے گا۔ امام احمد اور طبرانی نے حضرت یعلیٰ بن مرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی اللہ اس کو مکلف کرے گا کہ بالشت بھر کا گڑھا زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک یہ طوق گلے میں پڑا رہے گا۔

طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی، وہ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنے ہوئے آئے گا۔ امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

امام احمد اور شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ایک روز خطاب کرنے کے لئے) کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں خیانت کرنے کی بڑی برائی کی پھر فرمایا ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں پاؤں کہ بلبلا تے اونٹ کو اپنے گردن پر سوار کئے آ رہا ہو اور مجھ سے کہہ رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد کیجئے۔ میں کہہ دوں گا کہ اللہ کے مقابلہ میں، میں تیرے لئے (اب) کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے تجھے پیام پہنچا دیا حضور نے اس حدیث میں اسی

گردن پر ہنساتے گھوڑے اور منمناتی بکری کے سوار ہونے کا تذکرہ فرمایا تھا، ابو یعلیٰ اور بزار نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بھی اسی طرح یہ حدیث بیان کی ہے مال زکوٰۃ وصول کرنے والے اگر اس میں خیانت کریں تو اسی مضمون کی حدیث سعد بن عبادہ کی روایت سے امام احمد نے اور حضرت ابن عمر و حضرت عائشہ کی روایت سے بزار نے اور حضرت ابن عباس و حضرت عبادہ بن صامت و حضرت ابن مسعود کی روایت سے طبرانی نے بیان کی ہے۔

ابو نعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی مکان بنایا اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو کندھے پر اٹھائے، ابو داؤد ابن ماجہ اور طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی انصاری کے (تعمیر کردہ) ایک قبة (گول کمرہ) کی طرف سے گزرنے اور دست مبارک سے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو عمارت اس سے زائد ہوگی وہ قیامت کے دن اس عمارت کے مالک کے لئے مصیبت ہوگی اس مکان کے مالک کو یہ اطلاع پہنچی (حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے) تو انہوں نے اس عمارت کو ڈھا دیا۔ طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

منذری نے کہا اس حدیث کے دوسرے شواہد بھی ہیں۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک کنویں کی طرف سے جس سے پانی سینچا جا رہا تھا۔ گزرے فرمایا اس کنویں کا مالک اگر اس کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کو یہ کنواں اپنے اوپر لادنا ہوگا۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ سُورًا ۱۶

جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم اس روز مجرموں کو اس حالت سے جمع کریں گے کہ وہ کربے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن عمر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے صور کے متعلق دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا ایک سینگ ہوگا جس کے اندر پھونکا جائے گا، رواہ ابو داؤد الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم والبیہقی وابن المبارک۔ نسائی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے مسدود نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ زرقا سے مراد ہے نیلی آنکھوں والے، آنکھ کی سیاہی میں سبزی کی آمیزش کو زرقا کہتے ہیں عرب کے نزدیک ایسے رنگ کی آنکھ بہت بد نما اور بری مانی جاتی ہے رومیوں کی آنکھیں اسی رنگ کی ہوتی تھیں اور رومی عربوں کے دشمن تھے، قیامت کے دن کافروں کے چہرے کالے اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک زرقا سے مراد ہیں نابینا آنکھوں والے نابینائی آنکھ اذرق ہو جاتی ہے، دوسری آیت سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے دوسری جگہ فرمایا ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰی بعض نے کہا زرقا سے مراد ہے پیاسے۔

يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۱۷

چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس روز قبروں میں رہے ہو گے۔ چونکہ ان کے دل مرعوب اور ہول زدہ ہوں گے اس لئے چپکے چپکے باہم کہیں گے کہ تم لوگ دنیا میں صرف دس رات رہے یعنی بہت جلد دنیوی زندگی ختم ہو گئی۔ دس رات سے قلیل مدت مراد ہے جو مدت گذر گئی وہ ان کو قلیل ہی معلوم ہوگی اور آخرت کے مقابلہ میں تو ان کو دنیا کا قیام خصوصیت کے ساتھ قلیل محسوس ہی ہوگا، یا یوں کہا جائے کہ شدائد آخرت سامنے آنے کے بعد ان کو افسوس ہوگا کہ ہم نے دنیوی زندگی، نفسانی خواہشات پوری کرنے میں کھودی اور چند روزہ زندگی کو بیکار ضائع کر دیا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ قبروں کے اندر ٹھہرنے کو وہ دس روزہ قیام سے تعبیر کریں گے۔ بعض نے کہا کہ صور فنا اور صور بعث کے درمیان مدت چالیس سال کی ہوتی ہے ان دونوں صورتوں کے درمیان ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔ (اور آرام کی مدت قلیل ہی معلوم ہوتی ہے اس لئے وہ چالیس سال کو دس روز کہیں گے)

فَمَنْ اَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ اِذْ يَقُولُ اَمْثَلُمْ طَرِيقَةً اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۱۸

جس مدت کے متعلق وہ (اپنے اندازے سے) کہیں گے ہم خوب جانتے ہیں (کہ وہ کتنی ہوگی) جب کہ ان کا سب سے صائب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں ہم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے اَمْسَلَهُمْ طَرِيقَةً یعنی زیادہ سمجھدار اور بھر پور عقل والا اور سب سے بڑھ کر معتدل العقل یا معتدل العمل۔ اس قول کے قائل کو اللہ نے زیادہ صائب الرائے قرار دیا، کیونکہ آخرت کے طول کے مقابلہ میں دنیوی مدت انتہائی کم ہے اور اس قول میں کمترین مدت کا ہی اظہار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ کسی ثقفی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا قیامت کے دن ان پہاڑوں کا کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں آیت ذیل نازل ہوئی (رواہ البغوی) بعض نے کہا سوال کسی نے نہیں کیا تھا آیت میں جو جواب ہے وہ بر تقدیر سوال ہے یعنی اگر وہ سوال کریں تو آپ یہ جواب دیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۗ

اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں (کہ قیامت کے دن ان کا کیا ہوگا) سو آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر ان کو ایک چٹیل ہموار میدان (میں تبدیل) کر دے گا کہ جس میں آپ کو نہ ناہمواری دکھائی دے گی نہ (کہیں) بلندی۔ ابن المنذر نے ابن جریر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے سوال کیا تھا قیامت کے دن آپ کا رب ان پہاڑوں کا کیا کرے گا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

صحیح بات یہ ہے کہ کوئی خاص سائل نہ تھا اور بر تقدیر سوال جواب کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ قُلْ میں ف کا لانا بتا رہا ہے کہ یہ ف جزائیہ ہے اور شرط محذوف ہے یعنی اگر لوگ سوال کریں تو یہ جواب دیجئے دوسری آیات میں بھی سوالات کے جوابوں کی تعلیم دی گئی ہے لیکن وہاں چونکہ کوئی شرط محذوف ہے نہ مذکور اس لئے قُلْ سے پہلے ف نہیں ذکر کی گئی مثلاً فرمایا ہے وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَىٰ ۖ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ ۖ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلْ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَغَيْرِهِ۔

يَنْسِفُهَا یعنی ان کو جڑ سے اکھاڑ دے گا اور ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا نَسْفٌ جڑ سے اکھاڑ دینا۔ ہاضمیر زمین کی طرف راجع ہے اگرچہ زمین کا ذکر پہلے نہیں آیا کیونکہ جبال کا لفظ اپنی قرار گاہ یعنی زمین پر دلالت کر رہا ہے قاع نرم نشیبی زمین جس کے ادھر ادھر پہاڑیاں اور ٹیلے ہٹ گئے ہوں ہموار زمین نکل آئی ہو (قاموس) صَفْصَفٌ ہموار میدان قاموس عِوَجٌ کجی موڑ۔ اَمْتٌ ابھار۔ یعنی پہاڑوں کے تین احوال ہوں گے دیکھنے میں وہ ہموار چٹیل میدان محسوس ہوں گے اور نشیب فراز جانچنے کے آلہ سے دیکھو تو نہ ان میں کوئی کجی نظر آئے گی نہ ابھار۔

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَعِوَجَ لَهٗ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۗ

اس روز (سب کے سب خدا کی طرف سے) بلانے والے کے کہنے پر ہو لیں گے اس کے سامنے کسی کا ٹیڑھا پن نہیں رہے گا اور ساری آوازیں رحمن کے سامنے (اس کی ہیبت کی وجہ سے) دب جائیں گی پس اے مخاطب تجھے پاؤں کی آہٹ کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے گی۔

داعی یعنی اسرا فیل میدان حشر کی طرف سب کو بلائیں گے اور صخرہ بیت المقدس پر کھڑے پکار کر کہہ رہے ہوں گے اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو! اے ٹوٹے بالو! تم کو اللہ فیصلے کے لئے جمع ہونے کا حکم دیتا ہے (سب آجاؤ) ابن عساکر نے زید بن جابر شافعی کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے عِوَجٌ لَهٗ یعنی پکارے جانے پر بلانے والے سے دائیں بائیں طرف کو نہیں مڑیں گے بلکہ سیدھے تیزی کے ساتھ داعی کی دعوت پر آئیں گے۔ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ اور رحمن کی ہیبت سے آوازیں پست ہو جائیں گی دب جائیں گی۔

فَلَا تَسْمَعُ ف سبب سے اے مخاطب تو کسی کی آواز نہ سن پائے گا ہَمْسٌ



شریک قرار دیا۔

طلق بن حبیب کے نزدیک عناء سے مراد ہے سجدہ کرنا اس تفسیر پر آیت کا مطلب اس طرح ہو گا تمام چہرے حی و قیوم کو سجدہ کرتے ہیں اور جو شخص شرک کرے اور اللہ کو سجدہ نہ کرے وہ ناکام رہے گا۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿۱۱۷﴾

اور جس نے نیک کام ایمان دار ہونے کی حالت میں کئے ہوں گے سو اس کو نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہو گا اور نہ کسی کا مین الصلحہ میں من بمعنی بعض نیک کام، مراد فرائض کی ادائیگی۔ یا من ابتداء یہ ہے اور صالحات سے مراد ہیں صحیح درست نیتیں، یعنی جس نے نیک نیت سے کوئی کام کیا ہو گا۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ جملہ حالیہ ہے یعنی نیک کام بحالت ایمان کئے ہوں تمام عبادات، طاعات اور نیک کاموں کے قبول ہونے کی لازمی شرط ایمان ہے۔

فَلَا يَخْفُ جزا محذوف ہے ف سببیت کے لئے ہے۔ یعنی محذوف جزا کی علت بے خونی ہے مطلب یہ ہے کہ جو مومن نیک کام کرے گا وہ کامیاب ہو گا کیونکہ وہ حق تلفی سے بے خوف ہو گا۔ یا لَا يَخْفُ خبر ہے ہو ضمیر مبتداء محذوف ہے پس وہ نہیں ڈرے گا۔ ظلمًا یعنی گناہوں میں اضافہ کر دیئے جانے کا اس کو اندیشہ نہ ہو گا۔ وَلَا هَضْمًا اور نہ نیکوں کے ثواب کم ہونے کا اس کو خوف ہو گا۔ کذا قال ابن عباس حسن نے تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے نہ اس کو نیکوں کے ثواب میں کمی ہونے کا اندیشہ ہو گا۔ اور نہ اس امر کا خوف ہو گا کہ دوسرے گناہ گار کے گناہ اس پر لا دیئے جائیں۔ ضحاک نے کہا اس کو ناکردہ گناہ میں پکڑے جانے کا اندیشہ نہ ہو گا اور نہ کسی عمل کی اچھائی تلف ہونے کا خطرہ۔ هَضْمٌ كالغوى معنی ہے کم کرنا اور توڑنا ہضم الطعام اسی سے بنا ہے (معدہ کے اندر کھانے کا ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جانا)

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۸﴾

اور ہم نے اسی طرح اس کو عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ (سننے والے) ڈر جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے (کسی قدر تو) سمجھ پیدا کر دے۔

یعنی جس طرح ہم نے گزشتہ اقوال اور سابق امتوں کے واقعات آپ پر نازل کئے اسی طرح یہ قرآن بھی عربی میں نازل کیا جو ہماری طرف سے نازل کردہ ہے اور اس میں نیک ایمانداروں کے لئے اچھے ثواب کا وعدہ اور کافروں بدکاروں کے لئے برے عذاب کی وعید ہے۔ قُرْآنًا عَرَبِيًّا یعنی جو قرآن ہم نے نازل کیا وہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے سب کا اسلوب اور طرز ایک ہے سارا قرآن مجز ہے۔ وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ اور طرح طرح سے گھما پھرا کر بار بار وعید کی آیات بیان کیں تاکہ لوگ شرک اور معاصی سے پرہیز کر سکیں اور تقویٰ کی پائیدار قوت ان کے اندر پیدا ہو جائے یا (اگر کامل تقویٰ کی راسخ قوت ان کے اندر پیدا نہ بھی ہوتی بھی) یہ قرآن سننے والوں کے لئے کسی قدر نصیحت ہی پیدا کر دے گا اور گناہوں سے وہ کچھ توجیح جائیں۔

ایک شبہ: يَتَّقُونَ میں نسبت سننے والوں کی طرف کی گئی، کیونکہ تقویٰ ان ہی کے اندر ایک راسخ لازوال قوت ہو سکتا ہے اگر وہ ہی شرک و معاصی سے پرہیز کریں گے تو تقویٰ ان کے لئے مستحکم صفت اور راسخ قوت بن جائے گا اگر یہ نہ ہو سکا تو کم سے کم اتنا تو ہو ہی جائے گا کہ قرآن کے ذریعہ سے اللہ ان کو کچھ نصیحت و موعظت ہی عطا فرمادے (خواہ تقویٰ کے درجہ تک وہ نہ پہنچیں) احداث ذکر کی نسبت قرآن کی طرف مجازی ہے۔ قرآن سبب نصیحت پذیری ہے، فاعل حقیقی اور نصیحت پیدا کرنے والا تو خدا ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک أَوْ يُحْدِثُ أَوْ بِمَعْنَى وَآوَيْتُمْ (اس صورت میں مطلب زیادہ واضح ہو جائے گا کہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اور قرآن ان کے لئے نصیحت پیدا کر دے) فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ

سوال اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالی شان ہے فَتَعَلَى اللَّهِ یعنی جس طرح اللہ اپنی ذات و صفات میں مشابہت مخلوق سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی مخلوق کے کلام کی مماثلت سے اعلیٰ اور بالا ہے پس وہ برتر اور منزہ ہے مشرکوں کے شرکیہ

اقوال سے۔ میں کہتا ہوں، بلکہ وہ ان لوگوں کے بیان سے بھی برتر و بالا ہے جو اس کے اوصاف کامل طور پر بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کوئی اس کی ذات و صفات کو پورا پورا بیان نہیں کر سکتا۔ اَلْهَمَّ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ عَلٰی مَا اَرَدْتَ

اَلْمَلِكُ یعنی وہ ایسا بادشاہ ہے جس کا حکم نافذ ہے جس کی حکومت ہمیشہ سے ہے جس کا غلبہ ہمہ گیر اور عظیم الشان ہے اَلْحَقُّ یعنی اس کا وجود اور تمام صفات اور اقتدار ذاتی ہے (کسی کا عطا کردہ نہیں ہے) فناء بگاڑ اور زوال کا اس کے اقتدار، حکومت اور صفات و ذات میں کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُقْضَىٰ اِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور قرآن پڑھنے میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو عجلت نہ کیجئے اور کہئے کہ اے میرے

رب میرا علم بڑھا دے۔

یعنی جب تک جبریل پوری وحی پہنچانہ چکیں آپ قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کیجئے مطلب یہ ہے کہ جب تک جبریل وحی پہنچانہ چکیں آپ قرآن پڑھنا شروع نہ کیجئے۔ آیت لَا تُحْرِكْ يَدَيْكَ لِتَعْجَلَ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

مجاہد اور قتادہ نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کو قرآن پڑھانا اور لکھوانا اس وقت تک شروع نہ کیجئے جب تک آپ کے لئے اس کا مطلب اور معنی واضح نہ ہو جائے گویا مکمل بیان آنے سے پہلے مجمل آیات کی تبلیغ (اور توضیح) کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ جلدی کرنے کی جگہ آپ زیادتی علم کی درخواست کیجئے اور دعا کیجئے کہ پروردگار جو علم تو نے مجھے عنایت کیا ہے اس میں اور ترقی عطا کر اس کی وجہ یہ ہے کہ جو وحی آگئی وہ تو بہر حال پوری آکر رہے گی (اور یاد بھی ہو جائے گی اس میں عجلت بے سود ہے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلَىٰ اٰدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسِيَ وَاَنْتَ نَجِدُ لَهُ عَزْمًا ﴿۱۳۱﴾

اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو اس سے بھول اور (بے احتیاطی) ہو گئی اور ہم نے اس کے اندر پختگی نہیں پائی۔ عَهِدْنَا ہم نے آدم کو حکم دیا اور نصیحت کر دی کہ درخت کے قریب نہ جائے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے عَهِدْنَا اِلَيْهِ اس کو حکم دے دیا نصیحت کر دی فَنَسِيَ یعنی وہ حکم کو بھول گیا اور درخت سے بچے رہنے کا جو اس کو حکم دیا گیا تھا اس کو چھوڑ بیٹھا۔ وَاَنْتَ نَجِدُ لَهُ عَزْمًا اور حکم کو یاد رکھنے کی کوشش ہم نے اس کے اندر نہیں پائی یا جس چیز سے روکا گیا اس سے باز رہنے پر صبر اس کے اندر نہیں پایا۔ لغت میں عزم کا معنی ہے کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لینا۔ اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلٰی اللّٰهِ وَلَا تَعْزِمْوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ وَاِنْ عَزَمُوْا الظَّلٰقَ تَيْنُوْنَ آیات میں عزم کا معنی پختہ ارادہ ہی ہے۔ قاموس میں ہے عزم علیہ اس کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ بالکل طے کر لیا کہ ایسا ہی کرتا ہے۔ یا اس کام کی کوشش کی (دونوں معنی آتے ہیں) نہا یہ میں ہے، عزم کوشش اور صبر۔ میں کہتا ہوں اگر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس کا تقاضا ہے کہ اس کو کرنے کی کوشش کی جائے اور جو دشواریاں اور مشکلات راستہ میں آئیں ان پر صبر کیا جائے۔

بعض اہل تفسیر نے لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہم نے آدم کے دل میں نافرمانی کرنے کا ارادہ نہیں پایا وہ بھول گیا اس سے چوک ہو گئی۔ صاحب کشاف (زحشری) اور بیضاوی نے کہا ہے کہ لَقَدْ عَهِدْنَا كَا عَطْفٍ صَرَفْنَا رَہے مطلب یہ ہے کہ بار بار نصیحت و عید کے بعد بھی جو یہ لوگ عہد شکنی کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ آدم کی تخلیق کی

ابن زید نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اللہ نے جو آدم کو بتا دیا تھا کہ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِيْزُوْجِكَ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے آدم ابلیس کی عداوت کو اور اللہ کی اس نصیحت کو بھول گئے۔ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ اللہ نے فَنَسِيَ وَاَنْتَ نَجِدُ لَهُ عَزْمًا فرما کر خود ہی آدم کا عذر پیش کر دیا۔

بنیاد ہی عصیان پر ہے اور نسیان آدم کی سرشت میں ہے ہم نے اس سے بہت پہلے آدم کو بھی ایک حکم دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور اس سے چوک ہو گئی، حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کر دیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا جس کی وجہ سے ہر وہ نفس جس کو آدم کی نسل سے قیامت تک اللہ پیدا کرنے والا ہے آدم کی پشت سے نکل پڑا اور ہر شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان اللہ نے نور کی ایک چمک پیدا کر دی۔ پھر سب کو آدم کے سامنے لایا آدم نے پوچھا اے میرے رب یہ کون ہیں اللہ نے فرمایا یہ تیری نسل ہے آدم نے ان میں ایک شخص کو دیکھا جس کے دونوں آنکھوں کی درمیانی چمک آپ کو بہت اچھی لگی پوچھا اے میرے رب یہ کون ہے اللہ نے فرمایا داؤد۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے اللہ نے فرمایا ساٹھ برس۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب میری عمر میں سے چالیس برس لے کر اس کی عمر بڑھا دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدم کی عمر ختم ہو گئی اور (وہی) چالیس برس رہ گئے (جو آپ نے داؤد کو دے دیئے تھے) تو موت کا فرشتہ آگیا آدم نے کہا کیا ابھی میری عمر کے چالیس برس باقی نہیں ہیں۔ فرشتے نے کہا کیا آپ نے چالیس برس اپنے بیٹے داؤد کو دے نہیں دیئے تھے۔ آدم نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور آدم بھول گئے اور انہوں نے درخت (ممنوع) میں سے کھا لیا یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی بھولتی ہے اور آدم نے خطا (چوک) کی یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔

بعض اہل تحقیق نے کہا محشری اور بیضاوی کا مذکورہ بالا قول غلط ہے اگر اس آیت کا عطف صرّفنا پر ہو گا اور ظاہر ہے کہ کذٰلک کا تعلق صرّفنا سے ہے اور کذٰلک صرّفنا کا عطف کذٰلک نقص علیک پر ہے اور کذٰلک نقص سے حضرت موسیٰ کے قصہ کی طرف اشارہ ہے پس حضرت آدم کا قصہ حضرت موسیٰ کے قصے سے مشابہ ہونا چاہیے کیونکہ آدم کے واقعہ میں نسیان اور ترک امر کا ذکر ہے اور موسیٰ کے واقعہ میں نسیان یا ترک امر کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ آیت زیر تفسیر کا عطف وھل اتاک حدیث موسیٰ پر ہے حضرت آدم کا قصہ بھی گزشتہ قصوں میں داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ  
وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجُكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى ﴿۱۱۷﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے سامنے سجدہ کرو۔ فوراً سب نے سجدہ کیا۔ بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کر دیا۔ ہم نے کہا آدم یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے (نکال دینے کا سبب بن جائے) پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔

وَإِذْ قُلْنَا اور یاد کرو اس وقت کا واقعہ جب ہم نے کہا تھا تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ آدم سے بھول ہو گئی تھی ابی اس نے سجدہ کرنے یا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ابلیس کے استثناء کی علت بھی اس کو قرار دیا جاسکتا ہے فَقُلْنَا لِمَنْ كَا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے یعنی ہم نے آدم اور ان کی بی بی کو جنت میں داخل کر دیا پھر ہم نے کہا هَذَا یعنی ابلیس لَا يُخْرِجُكُمْ مِنْهَا ظاہر یہ ابلیس کے لئے ممانعت ہے مگر حقیقت میں ممانعت کا رخ آدم اور ان کی بی بی کی طرف ہے کہ دونوں (ہو شیار رہیں) ابلیس کا کہانہ مانیں ورنہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے گا یعنی تم دونوں کو جنت سے خارج کر دیئے جانے کا سبب بن جائے گا۔ اس کے بہکاوے کی وجہ سے اللہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے گا۔ فَلَا يُخْرِجُكُمْ مِنْهَا میں ف سببی ہے عداوت ابلیس چاہتی ہے کہ اس کا کہانہ مانا جائے۔ فَتَشْقَى پھر تھک جاؤ گے، تعب میں پڑ جاؤ گے خود اپنے ہاتھ سے کما کر چوٹی کا پسینہ اڑی تک بہا کر زمین کھود کر اس میں بیج بکھیر کر پھر کھیتی کاٹ کر دانہ پیس کر گوندھ کر پکا کر کھانا ہو گا۔ بغوی نے بحوالہ سعید بن جبیر لکھا ہے کہ آدم کے لئے ایک سرخ بیل بھی پیدا کیا گیا جس کے ذریعہ سے وہ زمین کھودتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے جاتے تھے یہی تشقی کا مفہوم ہے چونکہ آدم کا مصیبت میں پڑ جانا بی بی کے دکھ اور تکلیف کو بھی مستلزم ہے۔ آدم کے دکھ کے بعد بی بی کو سکھ کہاں مل سکتا تھا اس لئے تشقی سے (براہ راست) خطاب صرف آدم کو کیا گیا (بی بی سے خطاب ضمنی ہو گیا) یوں کہا جائے کہ شقاء سے مراد ہے



روزی کی تلاش میں تھکنا اور یہ کام صرف آدم کا تھا بی بی کا نہ تھا اس لئے صرف آدم کو خطاب کیا۔

إِنَّ لَكَ الْآكَافُ فِيهَا وَلَا تَعْرَى ۝ وَأَنْتَ لَا تَنْظُرُونَ فِيهَا وَلَا تَضْحَكُ ۝

جنت میں تو تمہارے لئے یہ بات ہے کہ اس میں نہ تم بھوکے رہو گے نہ ننگے اور یقیناً یہاں نہ پیاسے ہو گے نہ دھوپ میں تپو گے۔ عکرمہ نے کہا لا تضحیٰ کا یہ مطلب ہے کہ دھوپ میں تپنا نہ پڑے گا کیونکہ جنت کے اندر دھوپ ہی نہیں ہر وقت سایہ پھیلا رہتا ہے مطلب یہ ہے کہ جنت کے اندر تمام ضروریات زندگی فراہم ہیں بھوک دور کرنے کے لئے کھانا پیاس کے لئے پانی برہنگی کے لئے لباس اور سایہ دار مکان۔ نہ کمانے کی تکلیف۔ نہ سامان زندگی فراہم کرنے کے لئے کوشش۔ ہر چیز خدا واد موجود ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبُلَىٰ ۝

پھر ان کو شیطان نے بہکایا۔ کہنے لگا اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی (کی عطا کرنے) والا درخت بتاؤں اور ایسی بادشاہی جس میں کبھی زوال اور ضعف نہیں آئے گا۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ نے وسوسہ ڈالا جو آدم (کے دل) تک پہنچ گیا قَالَ يَا آدَمُ یہ وسوسہ کا بیان ہے۔ شَجَرَةُ الْخُلْدِ بِمَعْنَى خُلُودٍ یعنی ایسا درخت جس کا پھل کھانے والا ہمیشہ زندہ رہے گا۔ گویا ابلیس نے اپنے خیال کے مطابق درخت کو حیات دوام کا سبب قرار دیا۔ لَا يَبُلَىٰ جس کو کبھی زوال نہ ہو گا نہ اس میں ضعف آئے گا۔

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَّتْ كَهَمَّاسَاتِهِمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذُرِّ الْجَنَّةِ نَزَّ وَعَصَىٰ

سُو (اس کے بہکانے سے) دونوں نے اس

درخت سے کھا لیا، فوراً دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانکنے کو) دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔

دونوں نے کھا لیا یعنی آدم و حوا نے ورق الجنۃ سے مراد ہیں انجیر کے درخت کے پتے۔ عَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَعَوَىٰ یعنی آدم منزل مقصود سے بھٹک گئے۔ صحیح راستہ کھودیا اور ناکام ہو گئے درخت کا پھل کھانے سے

دوامی زندگی کے طلب گار ہوئے، حالانکہ وہ درخت سبب زوال تھا یا یہ مطلب ہے کہ جس بات کا ان کو حکم دیا گیا ہے اس سے کٹ گئے کج راہ ہو گئے یا ابلیس سے فریب کھا گئے اس لئے سیدھے راستے سے ہٹ گئے۔

ابن اعرابی نے غوی کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کی آرام کی زندگی بگڑ گئی، عزت سے ذلت کی طرف اور سکھ سے دکھ کی طرف چلے گئے۔ ابن قتیبہ نے کہا اگرچہ عَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ کہنا درست ہے (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) لیکن آدم کو عاصی کہنا غلط ہے کیونکہ عاصی اسی شخص کو کہتے ہیں جو عصیان کا عادی اور خوگر ہو (ایک مرتبہ اگر کسی سے صدور عصیان ہو جائے تو اس کو عاصی نہیں کہا جاسکتا) اگر کسی نے ایک بار کوئی کپڑا اسی لیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہے کہ اس نے کپڑا اسی لیا۔ لیکن جب تک سینے کا اعادہ

بار بار نہ کرے اور سینے کا عادی نہ ہو جائے۔ اس کو خیاط (درزی) نہیں کہا جاسکتا۔ (اس فقیر مترجم کی نظر میں ابن قتیبہ کا قول نامناسب ہے اسم فاعل کو صفت مشبہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اسم فاعل تو وہ ہوتا ہے جس سے کسی فعل کا صدور ہو جائے یا اس کے لئے اس فعل کا ثبوت ہو خواہ ایک ہی مرتبہ ہو ہر فعل کا کرنے والا فاعل ہوتا ہے۔ لیکن صفت مشبہ کا صیغہ اس وقت صادق آئے

گا جب کوئی وصف کسی ذات کے اندر موجود ہو اور قوت صدور اس میں موجود ہو خواہ ساری عمر اس سے اس فعل کا صدور نہ ہو اور پس خیاط وہ شخص ہے جس میں سینے کی صفت پائی جائے خواہ کبھی سیا ہو خواہ ایک ہی مرتبہ سیا ہو۔ اسم فاعل اور صفت مشبہ کا یہی فرق ہے پھر خیاط صرف صفت مشبہ کا مفہوم ہی اپنے اندر نہیں رکھتا، بلکہ بار بار خیاطت کرے گا تو خیاط کہلائے گا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، مبالغہ تعداد میں ہو یا کیفیت میں بہر حال صفت خیاطت کا مبالغہ کے ساتھ موجود ہونا خیاط کہلانے کے لئے لازم ہے عاصی

اسم فاعل ہے اس کے اطلاق کے لئے تو ایک بار صدور عصیان کافی ہے واللہ اعلم۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رب کے سامنے آدم اور موسیٰ کا باہم

کچھ مباحثہ ہوا، اور آدم موسیٰ پر غالب آگئے موسیٰ نے آدم سے کہا آپ آدم ہیں آپ کو اللہ نے اپنے (خاص) دست قدرت سے بنایا آپ کے اندر اپنی روح پھونکی فرشتوں سے آپ کو سجدہ کر لیا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا، پھر آپ نے اپنے قصور کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے زمین پر اترا دیا۔ آدم نے کہا آپ موسیٰ ہیں آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لئے منتخب فرمایا اور آپ کو (توریت کی) تختیاں عطا فرمائیں جن کے اندر ہر چیز کا واضح بیان تھا اور آپ کو ہم کلام بنانے کے لئے اپنا قرب عنایت کیا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے اللہ نے توریت لکھ دی تھی موسیٰ نے کہا چالیس برس پہلے آدم نے کہا کیا اس میں یہ بھی تھا کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا موسیٰ نے کہا ہاں۔ آدم نے کہا پھر آپ مجھے ایسا کام کرنے پر ملامت کر رہے ہیں جس کا مجھ سے صادر ہونا اللہ نے میری پیدائش سے چالیس برس پہلے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پس آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔

بغوی کی روایت میں حدیث کے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں موسیٰ نے کہا آدم آپ ہمارے باپ ہی نے ہم کو جنت سے نکلویا آدم نے کہا، اللہ نے آپ کو اپنے کلام کے لئے منتخب فرمایا اور اپنے ہاتھ سے توریت لکھ کر عطا فرمائی کیا آپ مجھے ایسے عمل پر ملامت کر رہے ہیں جو میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ نے میرے لئے مقرر کر دیا تھا۔ پس آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔

### ایک شبہ

جب حضرت آدم حکم کو بھول گئے اور جو کچھ کیا بھول چوک سے کیا تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ آدم نے گناہ کیا۔ معصیت کی نسبت آدم کی طرف کیوں کی گئی۔ انسان کا نسیان تو ناقابل مواخذہ ہے۔

### جواب

اس امت کے لئے نسیان ناقابل مواخذہ قرار پایا ہے۔ ہر امت اور ہر شخص کے لئے نسیان کا یہ حکم نہیں ہے طبرانی نے حضرت توبان و حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت سے بھول چوک اور وہ فعل جو کسی کو مجبور کر کے زبردستی کر لیا گیا اٹھالیا گیا ہے (یعنی معاف کر دیا گیا ہے) اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص اور ہر امت کے لئے بھول چوک معاف کر دی گئی ہے (بلکہ صراحتاً صرف اس امت کا ذکر کیا گیا ہے) ہاں مجنون وغیرہ کے متعلق (اس امت ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عموماً کسی کا نام لئے) فرمایا ہے قلم اٹھالیا گیا دیوانے مغلوب العقل سے جب تک وہ تندرست ہو اور سوئے ہوئے آدمی سے جب تک وہ بیدار ہو اور بچہ سے جب تک وہ بالغ ہو۔ ہم نے سورہ بقرہ کی آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا کی تفسیر کے ذیل میں لکھ دیا ہے کہ بھول چوک پر گرفت عقلاً ممنوع نہیں ہے گناہ ایک زہر ہے زہر قصداً کھلایا جائے یا بھول چوک سے اپنا ہلاکت آفریں اثر ضرور کرے گا۔ اسی طرح گناہ بھی قصداً ہو یا بھول کر اپنا نتیجہ ضرور پیدا کرے گا اور گناہ گار بہر حال عذاب اور سزا میں مبتلا ہو گا۔ بشرطیکہ اللہ اس کو معاف نہ کر دے۔ (توبہ یا مغفرت گناہ کے زہر کا علاج ہے مترجم) کلبی نے کہا کہ بنی اسرائیل سے اگر کسی حکم کے خلاف کوئی حرکت بھولے سے یا غلطی سے ہو جاتی تھی تو فوراً ان کو سزا دے دی جاتی تھی اور کوئی کھانے پینے کی چیز بطور سزا بقدر گناہ حرام کر دی جاتی تھی۔

میں کہتا ہوں اسی لئے حضرت آدم کی بھول پر ان کی پکڑ ہوئی اور جنت کی کھانے پینے کی چیزوں سے محروم کر دیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اہل تقویٰ کی نیکیاں بھی اہل قرب کے لئے گناہ ہیں۔ عام لوگوں کی بھول چوک پر آخرت میں پکڑ نہ ہوگی اور دوزخ کا عذاب نہ ہوگا لیکن خواص کا حکم اور ہے وہ بھول چوک پر آخرت میں دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہیں ان کا درجہ بلند ہے وہ اہل قرب ہیں اس لئے بھول چوک کی پاداش میں ان کے دلوں پر زنگ آجاتا ہے اور اللہ کے ساتھ ان کے معاملات قرب کے نہیں رہتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میرے دل پر بھی میل آجاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سومرتبہ معافی کا طلب گار ہوتا ہوں۔ رواہ مسلم و احمد و ابوداؤد و النسائی۔

صاحب مدارک نے کہا انبیاء ایسے نسیان پر ماخوذ ہیں کہ اگر وہ تکلیف کر کے بچنا چاہتے تو بچ سکتے تھے۔

فائدہ: اسی بنیاد پر بعض علماء قائل ہیں کہ نبوت سے پہلے انبیاء سے صغیرہ گناہ کا صدور ہو سکتا ہے۔

پھر ان کے رب نے ان کو (زیادہ) مقبول بنا لیا

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَاهُ ﴿۱۳﴾

سوال پر توجہ فرمائی اور راہ راست پر (ہمیشہ) قائم رکھا۔

اجْتَبَاهُ، جسی کا لغوی معنی ہے جمع کرنا جسی الخراج اس نے خراج جمع کیا اجْتَبَاهُ (اقتعال) اپنے پاس جمع کر لینا اپنے قرب میں لے آنا مراد جن لینا برگزیدہ بنا دینا مقرب بنا لینا یعنی آدم کو توبہ پر آمادہ کیا جب انہوں نے توبہ کر لی تو اللہ نے ان کو جن لینا مقرب بنا لیا۔

تَابَ عَلَيْهِ اللہ رحمت اور مغفرت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا۔ ہدی ان کو توبہ کا راستہ بتا دیا۔ اللہ ہی کی ہدایت و توفیق سے انہوں نے دعا کی رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَاللَّهُ لَعَلَّكَ تَوَّابٌ

اللہ نے فرمایا۔ تم دونوں (آدم و حوا) ساتھ ساتھ جنت سے اس حالت میں زمین پر اترو اور دنیا میں ایسی حالت میں جاؤ کہ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہو گا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کے نزول کے ساتھ ان کی آئندہ نسل کا نزول لازم تھا اس لئے حضرت حوا اور حضرت آدم کو خطاب مع ذرّیات کے ہو اور جمعاً کے لفظ سے اس مضمون کو پختہ کر دیا۔ ایک دوسرے کا دشمن ہو گا۔ یعنی تم دونوں کی نسل میں باہم دنیوی عداوت بھی ہوگی اور دینی و مذہبی بھی (کوئی موحد ہو گا کوئی مشرک، کوئی منکر)

فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ﴿۱۴﴾

پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو (تم میں سے) جو کوئی میری

ہدایت پر چلے گا وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہو گا نہ (آخرت میں) نامراد۔

بغوی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے گا اور جو تعلیم اس میں ہے اس پر چلے گا اللہ اس کو دنیا میں بھی گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر چلائے گا اور قیامت کے دن بھی حساب کی خرابی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اللہ نے خود فرما دیا ہے فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى شعیبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا، قرآن کی پیروی کرنے والے کو اللہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بد نصیب ہونے سے محفوظ رکھے گا، پھر حضرت ابن عباس نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

اور جو شخص میری نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہو گا۔ عَنْ ذِكْرِي، یعنی اس ہدایت سے جو میری یاد دلاتی ہے یا اس بلانے والے سے جو میری یاد کی طرف بلاتا ہے اعراض کرے گا ضنکا بہت تنگ۔ بطور مبالغہ مَعِيشَةٍ کی صفت قرار دیا ہے۔ ورنہ ضنکا مصدر ہے (زندگی تنگی والی یعنی تنگ ہوتی ہے خود تنگی نہیں ہوتی) چونکہ یہ لفظ مصدر ہے اس لئے مونث کی بھی صفت بن سکتا ہے۔

بغوی نے حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری کا قول نقل کیا ہے کہ مَعِيشَةٌ ضنکا سے مراد ہے عذاب قبر۔ بزار نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَعِيشَةٌ ضنکا عذاب قبر ہے۔ حضرت ابو سعید نے فرمایا زمین اس کو دبائے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جائیں گی۔ بعض مسند احادیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ اس پر قبر اس طرح سمٹے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جائیں گی اور قبر سے اٹھائے جانے کے وقت تک برابر یہ عذاب اس پر ہوتا رہے گا۔ یہ حدیث سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آئی ہے۔

میں کہتا ہوں، حرام رزق، ناپاک کمائی اور بد بختی قبر کی تنگی یاد دوزخ کی طرف لے جانے والی چیزیں ہیں اللہ نے فرمایا ہے إِذَا الْقُورُ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقْرَّبِينَ

ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ بندہ کو جو مال بھی دیا جائے تھوڑا ہو یا بہت اور وہ اس میں تقویٰ نہ

اختیار کرے تو ایسے مال میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی یہی مَعِيشَةٌ ضَنْكًا ہے ایسے لوگوں کو اللہ پر بدگمانی ہوتی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ (اگر یہ مال خرچ یا تلف ہو گیا تو) اللہ اسکی جگہ ان کو دوسری معاش (مال) عطا نہیں فرمائے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس سے قناعت چھین لیتے ہیں کہ کسی طرح وہ مال سے سیر ہی نہیں ہوتا۔ ان دونوں قولوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس کا اصلی مقصد، غنہائے خواہش اور مطمع نظر صرف دنیا کا مال و متاع ہوتا ہے ہر وقت مال کی ترقی کی فکر میں ڈوبا رہتا ہے اور گھائے سے اپنی جگہ ڈر تارہتا ہے۔ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا طلب گار ہوتا ہے۔ اللہ جو کچھ عطا فرمادیتا ہے وہ اس پر قانع اور شکر گزار ہوتا ہے۔ اس کا بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے اسی لئے اسکی زندگی خوشگوار اور پاکیزہ ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں اس مطلب پر ذکر خدا سے اعراض کرنے والے کافر ہی نہیں ہوں گے اور آیت میں صرف کافر ہی مراد نہ ہوں گے بلکہ جو شخص بھی اللہ کے ذکر کی کثرت سے گریز کرتا ہے وہ مراد ہو گا کافر ہو یا مسلمان بہت سے مسلمان بھی دنیا کی طلب میں ڈوبے رہتے ہیں ان کو بھی مالی کمی کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے کثرت ذکر خدا سے اعراض کرنے والا صرف دنیوی مال و متاع کو اپنا مقصد اول بنا لیتا ہے ایسے شخص کی زندگی تاریک ہو جاتی ہے اور احوال زندگی پر آگندہ رہتے ہیں اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مَعِيشَةٌ ضَنْكًا سے مراد اگر دنیوی تنگی اور شدت مصائب ہے تو اس میں کافروں فاسقوں کی ہی کیا خصوصیت ہے انبیاء اور صلحاء تو بہت زیادہ تنگ حال اور مبتلائے مصائب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے سب سے زیادہ سخت مبتلاء (مصائب) انبیاء ہوتے ہیں، ان کے بعد وہ لوگ جو دوسروں سے افضل ہوں پھر ان کے بعد وہ لوگ جو ماہی سے افضل ہوں۔ دین کے مطابق آدمی مبتلاء مصیبت ہوتا ہے اگر وہ دین میں ٹھوس (یعنی پختہ اور کامل) ہوتا ہے تو اس کی جانچ بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کچھ نرمی (کمزوری) ہوتی ہے تو دین کے مطابق اس کی جانچ ہوتی ہے (یعنی مبتلاء مصیبت ہوتا ہے) (رواہ احمد و البخاری فی الصحیحین و الترمذی و ابن ماجہ عن سعد طبرانی نے حضرت حذیفہ کی بہن کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ بخاری نے تاریخ میں حضرات امہات المؤمنین کی روایت سے اچھی سند کے ساتھ حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں مصیبت کے لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ سخت نبی ہوتا ہے یا کوئی (اور) منتخب نیک بندہ۔

میں کہتا ہوں اس شبہ کا جواب دو طرح سے دیا جاسکتا ہے۔

(۱) آیت میں جس تنگ معیشت کا ذکر کیا ہے وہ کافروں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تنگی سے مراد ہے دنیوی سامان کی قلت جیسے دوسری آیت میں آیا ہے اُمَّتِیۡہُ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّوْہُ اِلَیَّ عَذَابِ النَّارِ، مطلب یہ ہے کہ جو میرے ذکر سے اعراض کرتا ہے میں اس کو دنیا میں کچھ تھوڑی سی معاش دے دیتا ہوں۔ (اگر کروڑوں کی دولت ہو تب بھی وہ قلیل ہی ہے) متاع دنیا کتنی ہو پھر بھی قلیل ہے، چند روزہ ہے، تھوڑی مدت کیلئے ملتی ہے، پھر قیامت کے دن ہم اس کو نابینا ٹھائیں گے۔

(۲) مومن ہو یا کافر ہر ایک کے لئے دنیا کی معیشت تکلیف اور دکھ سے خالی نہیں (خالص سکھ ہر شخص کے لئے مفقود ہے) اللہ نے فرمایا ہے یَا اَیُّہَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلَیَّ رَبِّکَ۔ مومن پر جو دکھ آتا ہے اس سے اس کے گناہ مٹتے اور درجات کی ترقی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث مذکور سے واضح ہے یہ دکھ بظاہر تنگی معیشت کی شکل میں رونما ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے سینہ کی کشائش اور انشراح باطن حاصل ہوتا ہے البتہ کافر کا دکھ اس دنیا میں اس کے لئے موجب ضیق بھی ہے اور آخرت کا نمونہ بھی ہے۔ اللہ کی محبت موجود ہونے کی صورت میں جو دکھ بھی اللہ کی طرف سے آتا ہے مومن کو اس میں لذت آتی ہے۔ دل کو فرحت ہوتی ہے محبوب کی ضرب میں بھی مٹھاس ہوتی ہے۔

ابن ماجہ، عبد الرزاق اور حاکم نے ابو سعید خدریؓ کی روایت سے جو حدیث مذکور نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں سب سے زیادہ شدید البلاء انبیاء ہوتے ہیں ان کے بعد دوسرے نیک لوگ۔ ان میں سے بعض لوگ اس قدر فقیر ہیں مبتلا رہے کہ سوائے تن پر پہنے ہوئے عبا کے ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور اس میں بھی اتنی جوئیں تھیں کہ قتل کئے ڈالتی تھیں لیکن اس

مصیبت سے وہ اتنے زیادہ خوش ہوتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ عطیات (ملنے) سے اتنے خوش نہیں ہوتے۔  
 وَنَحْشُرُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰی ﴿۱۲۷﴾ اور قیامت کے روز ہم اس کو (قبر سے) اندھا اٹھائیں گے۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک اعمیٰ سے مراد ہے آنکھوں کا اندھا، مجاہد کے نزدیک کور بصیرت مراد ہے (جس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی) کوئی دلیل اس کو نہ سوجھے گی۔ آئندہ آیت حضرت ابن عباس کے قول کی موید ہے۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وہ (تعجب سے) کہے گا، اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا۔ اگر کور بصیرت مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دنیا میں صاحب بصیرت تھا، یعنی میرے پاس شرک کی دلیل تھی، حالانکہ شرک کی کوئی دلیل دنیا میں بھی اس کے پاس نہ تھی۔ اللہ نے فرمایا، وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهَا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ۔ دوسری آیت میں آیا ہے مَنْ كَانَ رَفِيْ هٰذِهِ اَعْمٰی فَهُوَ رَفِيْ الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی جس کے پاس شرک کی کوئی دلیل اس زندگی میں نہیں ہے نابینا ہے اس کے پاس آخرت میں بھی کوئی دلیل نہ ہوگی وہاں بھی نابینا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن عباس کا تفسیری قول صحیح ہے اور آیت زیر تفسیر میں اعمیٰ سے مراد ہے کور بصر۔ ابن ابی حاتم نے سعد بن جبیر کی سند سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا حضرت اللہ نے فرمایا ہے: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور فرمایا وَنَحْشُرُ هُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمِيًّا اس کا کیا مطلب ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا قیامت کے دن وہ ایک حالت میں کربے ہوں گے اور دوسری حالت میں نابینا۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتٰتَكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنٰسٰی ﴿۱۲۹﴾

ارشاد ہو گا ایسے ہی ہمارے احکام تیرے پاس پہنچے تھے (پھر تو اندھا بن گیا تھا) تو نے ان کا خیال نہیں کیا اور ایسا آج تیرا کچھ خیال نہیں کیا جائے گا۔ کَذٰلِكَ کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی تو نے ایسا ہی کیا تھا کہ ہماری کائناتی نشانیاں تیرے سامنے آئی تھیں یا ہماری وہ آیات جو انبیاء پر اتاری گئیں تھیں، تیرے پاس پہنچی تھیں، پس تو نے ان کو بھولا بسر کر دیا، یعنی ان کو چھوڑ دیا۔ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، نظر اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا جیسے اندھا چھوڑ دیتا ہے (اور نہیں دیکھتا) پس آج تجھے بھی (دوزخ کے اندر ڈال کر) اسی طرح بھلا دیا جائے گا۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک کَذٰلِكَ خبر ہے، مبتدا محذوف ہے۔ یعنی الْاَمْرُ كَذٰلِكَ (بات یونہی ہے) اس کے بعد اَتٰتَكَ سے جملہ سابقہ کی علت بیان کی ہے۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۳۰﴾

اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو جو حد (اطاعت) سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے (اس کے عمل کے مناسب) سزا دیں گے اور واقعی آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بڑا دیرپا ہے۔ اسراف حد سے گذر گیا یعنی ناجائز خواہشات میں ڈوب گیا اور آیات الہیہ سے منہ پھیر لیا۔ لَمْ يُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ یعنی رب کی آیات کی تکذیب کی، ان کو جھوٹا جانا، ان کی مخالفت کی۔ اَشَدُّ وَاَبْقٰی یعنی تنگی معیشت اور نابینا ہونے سے آخرت میں دوزخ کا عذاب بہت سخت اور بہت زیادہ دیرپا ہے۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يٰۤاَشْكُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لٰٰیٰتٍ لِّاُولِي النُّوْهِی ۙ ﴿۱۳۱﴾

کیا ان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں کہ ان (میں سے) بعض کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں یقیناً اہل فہم کے لئے اس میں کھلی ہوئی دلیلیں موجود ہیں۔  
 كَمَا اَهْلَكْنَا مِّنْ قَبْلِهِمْ خَبْرٌ يٰۤاَشْكُوْنَ رَفِيْ مَسٰكِنِهِمْ اس آیت کا مطلب دو طرح سے

بیان کیا گیا ہے اول یہ کہ یہ جملہ حالیہ ہے اور ہم ضمیر سے حال ہے یعنی مکہ کے کافروں کو اس بات سے بھی ہدایت نہیں ملی کہ بہت سے گزشتہ گروہوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ (ایسی حالت میں کہ) ان کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ گروہ اپنے مقامات سکونت میں چلتے پھرتے تھے کہ اسی حالت میں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (ہم نے ترجمہ اول ترکیب کے موافق کیا ہے) نہی عقلیں (یہ نہیہ کی جمع ہے مترجم)، جو غفلت میں پڑے رہنے اور نابینا بننے سے روکتی ہیں۔

وَكَوْلَا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِرِزَامًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝۱۶

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے (طے شدہ) نہ ہوتی اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی تو عذاب (اسی زندگی میں) لازمی ہوتا۔

کَلِمَةً سَبَقَتْ ایک بات جو پہلے طے کر دی گئی ہے، یعنی یہ پہلے سے اللہ نے طے کر دیا ہے کہ اس امت کے کافروں پر عذاب قیامت کے دن ہو گا اور رسول اللہ ﷺ کے رحمتہ للعالمین ہونے کی وجہ سے کافروں پر بھی اس دنیا میں ایسا عذاب نہیں آئے گا جو ان کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دے۔

لَكَانَ لِرِزَامًا تو ان کافروں کو گزشتہ انبیاء کی کافر امتوں کی طرح بالکل ہلاک کر دینا بھی لازم ہو جاتا۔ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى اس کا عطف کلمتہ پر ہے یعنی اگر دنیا میں ان کے باقی رہنے کی یا قیامت برپا ہونے کی یا ان کے عذاب کی میعاد مقرر و معین نہ ہوتی تو عذاب لازم ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کان کے اندر جو ضمیر پوشیدہ ہے اَجَلٌ مُّسَمًّى کا اس پر عطف ہو، اس صورت میں مطلب اس طرح ہو گا اگر تاخیر عذاب کا پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو دنیا میں فوری عذاب اور وہ عذاب جس کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے دونوں لازمی ہو جاتے۔

فَاَصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُولُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا

سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے۔ (اس میں نماز بھی آگئی) آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔

اور اوقات شب میں بھی پاکی بیان کیجئے۔ (مثلاً نماز مغرب و عشاء) اور دن کے دونوں طرفوں میں بھی (یعنی اول اور وَ مِنْ اَنْآئِ الْاَيْلِ قَسْبِخٍ وَاَطْرَافِ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ۝۱۷) تاکہ (جو ثواب آپ کو ملے) آپ اس سے خوش ہوں۔

فَاَصْبِرْ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یعنی کفار کے عذاب کی ایک میعاد مقرر ہے جب وہ دن آئے گا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے، اب جو آپ کے متعلق (دکھ پہنچانے والی) باتیں وہ کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے۔ وَسَبِّحْ اور پاکی بیان کیجئے یعنی نماز پڑھیے، بِحَمْدِ رَبِّكَ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ اس نے آپ کو نماز اور تسبیح کی توفیق دی۔ اس فقرے میں گویا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ کی عبادت کرنا ہے تو مغرور نہ ہو جائے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے عبادت کی توفیق دی اور مدد کی۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ سے بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سَبِّحْ کے ساتھ جو اس آیت میں بِحَمْدِ

رَبِّكَ آیا ہے اس سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے (کیونکہ سَبِّحْ سے مراد ہے نماز پڑھو اور بِحَمْدِ رَبِّكَ کا مطلب ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔ اور سورہ فاتحہ سورہ الحمد ہی ہے پس دونوں کو ملا کر یہ مطلب ہوا کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ نماز پڑھو۔ مترجم)

سینچین نے سینچین میں نیز امام احمد نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز نہیں مگر فاتحہ الکتاب (سورہ الحمد) کے ساتھ۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں جس نے فاتحہ الکتاب نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ آیت میں تسبیح کا حمد کے ساتھ اقرآن مجمل تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک نے آیت کے اجمال کی وضاحت کر دی اور آیت کے ساتھ

حدیث کو ملانے سے واضح ہو گیا کہ حمد سے (آیت میں) مراد سورہ فاتحہ کی قرأت ہے قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ یعنی فجر کی نماز۔ قَبْلَ غُرُوبِهَا یعنی عصر کی نماز۔ بعض نے کہا قبل الغروب سے پچھلادن مراد ہے جس کے اندر ظہر اور عصر دونوں نمازیں آئیں۔

وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ یعنی مغرب و عشاء کی نمازیں۔ آنَاءُ بمعنی ساعات یہ انہی کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس فقرہ میں اللَّيْلِ سے مراد ہے رات کا اول حصہ۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے تہجد بھی مراد ہو کیونکہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور تہجد کی نماز رسول اللہ ﷺ پر واجب تھی۔ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ كَقَبْلِ طُلُوعِ الشَّمْسِ پر عطف ہے یہ فجر و عصر کی نمازوں کا مکرر تاکید حکم ہے (کیونکہ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوبِهَا میں نماز فجر و عصر مراد ہے) مزید تاکید اور اظہار خصوصیت کے لئے ان دونوں نمازوں کا مکرر حکم دیا۔ فجر کا وقت یہی نیند کا وقت ہوتا ہے اور عصر میں دنیوی کاروبار میں مشغولیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں نمازوں کا حکم تاکید کے ساتھ دیا۔ اسی طرح حَافِظُوا عَلَي الصَّلَاةِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ میں صلوٰۃ وسطیٰ (عصر) اگرچہ صلوٰۃ کے لفظ میں داخل تھی لیکن تاکید کے لئے اس کا ذکر صراحتاً کر دیا یہ بھی ممکن ہے کہ اطراف النہار سے صرف ظہر مراد ہو کیونکہ ظہر کا وقت دن کے نصف اول کا اختتام اور نصف دوم کا آغاز ہوتا ہے پس یہ وقت نصف اول کا بھی کنارہ ہے اور نصف دوم کا بھی۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ آنَاءِ اللَّيْلِ سے صلوٰۃ عشاء اور اطراف النہار ظہر و مغرب کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ دن کے نصف اول کا آخری کنارہ اور نصف دوم کا ابتدائی کنارہ ظہر ہے پس ظہر طرفین کا مجموعہ ہے دن کا تیسرا کنارہ غروب آفتاب ہے اس وقت مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے یا اطراف النہار دن کے مختلف حصے ہیں اور تسبیح سے مراد نفل نماز ہے۔

لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ، یعنی اوقات مذکورہ میں نماز پڑھو تاکہ اللہ کی طرف سے تم کو وہ ثواب مل جائے جس سے تم خوش ہو جاؤ (تمہاری پسند کے مطابق ہو) بعض نے لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ کا مطلب یہ بیان کیا ہے تاکہ تم کو اللہ پسند کر لے جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے كَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔ بعض نے خوش ہونے سے مراد لیا ہے شفاعت کرنے سے خوش ہونا، تم شفاعت (کا حق حاصل ہونے) سے خوش ہو جاؤ (اس وقت لَعَلَّ كَو لِكُنِّي کے معنی میں لینے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ لَعَلَّ اپنے اصلی معنی پر ہی رہے گا۔ ترجمہ اس طرح ہو گا امید ہے کہ تم شفاعت کرنے کی اجازت پا کر خوش ہو جاؤ گے) یہی مضمون آیت وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ کا ہے۔ شیخین نے شیخین میں اور چاروں اصحاب السنن نے اور امام احمد نے حضرت جریر بن عبد اللہ کا بیان نقل کیا ہے، حضرت جریر نے فرمایا، ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا یقیناً تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کو دیکھنے میں تمہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی پس جہاں تک تم سے ہو سکے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نمازیں تمہاری ضائع نہ ہوں (تم مغلوب نہ ہو

لے حضرت مفسر قدس سرہ نے دور از کار تقریر کر کے قرآۃ فاتحہ کا ہر نماز میں وجوب ثابت کر دیا، اول تو بات ناقابل تسلیم ہے کہ سح سے مراد صرف نماز ہے تسبیح کا لفظ عام ہے اس میں نماز شامل ضرور ہے۔ صرف نماز ہی مراد ہے یہ ناقابل تسلیم ہے تو کیا جس طرح نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت کو واجب قرار دیا گیا ہے اسی طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر تسبیح بیان کرنے اور سبحان اللہ پڑھنے کے وقت سورہ فاتحہ کی قرأت کو واجب ہونا اس آیت سے مستنبط ہے۔

پھر حدیث میں جَوْلًا صَلَاةً لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْهُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ آیا ہے، اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد کمال صلوٰۃ کی نفی ہے کمال شئی کی نفی کو کبھی نفس شئی کی نفی سے تعبیر کر لیتے ہیں اور یہ بات احناف کو بھی تسلیم ہے کہ فضیلت اور کمال صلوٰۃ بغیر قرأت فاتحہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ کمال کی نفی حدیث میں مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ آیت قرآنی میں صراحتاً آیا ہے فَاقْرَأْ وَاَمَّا تَبَسُّرًا مِنَ الْقُرْآنِ اس آیت میں مَا كَالْفَصْحَامِ ہے پس قرآن کا جو حصہ پڑھا جائے گا نماز ہو جائے گی اگر لًا صَلَاةً سے مراد نفی صلوٰۃ ہو تو حکم قرآن اور حدیث میں تعارض و تضاد پیدا ہو جائے گا۔ وَالْفَصْحَامِ فِي الْفَقْهِ۔ مترجم۔

یعنی کسی اور مشغلہ کا غلبہ نہ ہو کہ تمہاری ان اوقات کی نمازیں مغلوب ہو کر جاتی رہیں) تو ایسا کرو پھر حضور ﷺ نے آیت  
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا تِلَاوَتِ فرمائی۔

ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ، بزار اور ابو یعلیٰ نے حضرت ابورافع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک  
مہمان آکر اتر آپ نے مجھے یہودی کے پاس آقا قرض خریدنے کے لئے بھیجا، دوسری روایت میں آیا ہے کہ اتنا اتنا آٹا یہ فرمایا کہ  
مجھے رجب کا چاند دیکھنے (یعنی پہلی تاریخ) تک کے لئے آٹا دے دو، یہودی نے کہا بغیر کسی چیز کو رہن رکھے میں نہیں دوں گا، میں  
نے حاضر خدمت ہو کر یہودی کا جواب عرض کر دیا، ارشاد فرمایا اگر وہ میرے ہاتھ بیچ ڈالتا یا فرمایا قرض بیچ ڈالتا تو میں  
(قیمت) ضرور ادا کرتا اور میں بلاشبہ آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں، جاؤ میری لوہے کی زرہ اس کے پاس لے  
جاؤ، میں حضور ﷺ کے پاس باہر نکلنے نہ پایا تھا کہ آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تَدْنَنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ط  
وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۝۱۳۱

اور ہر گز ان چیزوں کی طرف آپ اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے  
متمتع کر رکھا ہے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا بہتر اور دیرپا ہے۔  
آیت وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ سے دو باتیں معلوم ہوئی تھیں ایک یہ کہ کافروں پر (دنیا میں جڑ سے اکھاڑ دینے والا) فوری عذاب  
نہیں آئے گا، دوسری یہ کہ (آخرت میں) ان کو مقرر لازوال عذاب ہوگا۔ ان دونوں باتوں پر دو حکموں کو مرتب کیا اول بات یعنی  
عذاب عاجل کی نفی پر حکم صبر کو متفرع کیا، دوسری بات یعنی عذاب آخرت کے ثبوت پر ممانعت نظر کو مرتب کیا۔ (یعنی جسب)  
کافروں پر عذاب اجل نہ آنا پہلے سے طے شدہ ہے تو پھر آپکو صبر کرنا اور ان کی طرف سے پہنچنے والی سخت کلامی اور اذیتوں کو سہنا  
لازم ہے اور جب مرنے کے بعد ان کا بتلاء عذاب ہونا یعنی ہے تو آپ پر لازم ہے کہ انکی دولت و ثروت کو نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں یہ  
دولت ان کے لئے ایک آزمائشی چیز ہے اور چند روزہ ہے اس کا فنا ہونا اور سبب عذاب بن جانا یقینی ہے۔ مترجم) آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے  
کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی دولت و ثروت کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھیں اور یہ خواہش نہ کریں کہ آپ کو بھی یہ مل جائے۔  
أَزْوَاجًا مِنْهُمْ، یعنی کافروں کے مختلف گروہوں کو۔ أزواج بمعنی اصناف اصناف اور مِنْهُمْ میں بمن معنی بعض  
ہے اور یہ مَتَّعْنَا کا مفعول ہے یعنی مختلف اقسام کی نعمتیں جو ہم نے ان کافروں سے بعض کو دے رکھی ہیں۔

زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فعل محذوف کا مفعول ہے۔ زَهْرَةٌ رونق، زینت، تری، تازگی یا مَتَّعْنَا کا ہی مفعول ہے کیونکہ مَتَّعْنَا  
کے اندر عطا کرنے کا معنی ہے زَهْرَةٌ سے ہی از بہا ڈینا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو محفوظ رکھنا اور اس سے خوش ہونا۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں یا ہم انکو کفر و گمراہی میں چھوڑے رکھیں تاکہ وہ مزید سرکشی کریں یا یہ  
مطلب ہے کہ ہم نے ان کو یہ دنیا کی رونق اس لئے دی ہے کہ آخرت میں اس کے سبب سے ہم ان کو عذاب میں مبتلا کریں (فتن  
کے بعد جب فی آیا ہے تو تینوں معنی ہو سکتے ہیں، آزمائش کرنا، چھوڑ رکھنا اور اس کے سبب سے دکھ یعنی عذاب دینا۔ مترجم)

وَرِزْقُ رَبِّكَ اور آپ کے رب کی آپ کو عطاء یعنی ہدایت، نبوت، بقدر کفاف حلال روزی، یا جنت اور مراتب قرب۔  
خَيْرٌ یعنی ان کو جو کچھ دیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر ہے۔ وَأَبْقَى اور دیرپا، یعنی لازوال ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا اللہ کی  
تسکین وہی اور اطمینان بخشی سے اگر کسی کو تسکین قلبی اور اطمینان خاطر حاصل نہ ہو تو اس کا سانس حسرت دنیا میں ہی نکلتا  
ہے، اور جو لوگوں کے مال کی طرف چشم تمنا سے دیکھتا ہے اس پر غم چھلایا ہوتا ہے اور جو شخص خیال کرتا ہے کہ کھانا پینا اور لباس ہی  
اللہ کی نعمت ہے (ہدایت ایمان اور جنت نعمت خداوندی نہیں ہے) تو اس کے اعمال (حسنہ) کم ہو جاتے ہیں اور عذاب سامنے آ  
موجود ہوتا ہے۔

وَأَمَّا أَهْلُكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا تَسْأَلْكَ رِزْقًا مِّنْ دُونِ رِزْقِكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ۝۱۳۲



اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم دیتے رہے اور خود بھی اس کے پابند رہے ہم آپ سے معاش (کمواتا) نہیں چاہتے معاش تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔  
 اَهْلَكَ اهل سے مراد ہیں قوم، قبیلہ والے اور ہم مذہب (یعنی مسلمان) بِالصَّلٰوةِ متعلقین کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دینے کی ہدایت کی تاکہ سب باہم تعاون کریں اور ناداری کے خلاف سب متفق و متحد ہو جائیں اور پھر امر معاش کو اہمیت نہ دیں اور کوئی مسلمان دولت مندوں کی دولت کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔  
 وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا، یعنی خود بھی نماز کے پابند رہو۔

لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا، یعنی ہم آپ کو اس بات کا مکلف نہیں کرتے کہ آپ ہماری مخلوق میں سے کسی کو رزق کہیں سے دیں یا اپنا رزق خود پیدا کریں ہم نے تو آپ کو عمل صالح کا مکلف کیا ہے۔ نَحْنُ نَرْزُقُكَ یعنی ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور آپ کو بھی، پس امر آخرت کے لئے آپ کو فارغ البال اور مطمئن ہو کر کام کرنا چاہیے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی یعنی اچھا انجام تو اہل تقویٰ کا ہے، عمل صالح کے بعد کو اچھا نتیجہ اور ثواب حاصل ہو گا اس کو عاقبت کہا جاتا ہے۔ جس طرح عقاب اس عذاب کو کہتے ہیں جو برے عمل کے بعد آنے والا ہے۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا جن لوگوں نے آپ کو سچا جانا اور مانا اور آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے اور مجھ سے ڈرتے رہے ان کا انجام اچھا ہے۔ سعید بن منصور نے سنن میں اور طبرانی نے الاوسط میں اور ابو نعیم نے الحلیۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کو جب کوئی دکھ پہنچتا تھا تو آپ ان کو نماز کا حکم دیتے تھے اور یہ تلاوت فرماتے تھے۔

وَقَالُوا لَوْلَا آيَاتُنَا يَا أَيُّهَا مَن رَّبِّهِ أَوْلَمَّا تَأْتِيهِمْ بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝۱۳

اور وہ (مشرک عنادا) کہتے ہیں کہ یہ رسول کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) اپنے رب کے پاس سے کیوں نہیں لائے کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کے مضامین کا ظہور نہیں ہوا۔  
 يَا أَيُّهَا مَن رَّبِّهِ یعنی محمد کوئی ایسی کھلی نشانی کیوں نہیں پیش کرتے جو ان کے دعویٰ نبوت کی سچائی کو ثابت کر سکے۔  
 نشانیاں تو بکثرت موجود تھیں اور آچکی تھیں انہوں نے محض عنادا کی وجہ سے موجودہ آیات کا انکار کیا اور خود تراشیدہ نشانیوں کے طلب گار ہوئے، اللہ نے قرآن نازل کرنے کو سب سے بڑا اور ابدی معجزہ قرار دے کر ان کو الزامی جواب دے دیا (کہ یہ قرآن سب سے بڑا معجزہ تمہارے سامنے موجود ہے جو لازوال ہے) کیونکہ معجزہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ مدعی نبوت اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اپنی کوئی ایسی علمی یا عملی خصوصیت ظاہر کرتا ہے جس سے دوسرے انسان (اس زمانہ میں) محروم ہوتے ہیں اور پیغمبر کی یہ صفت خارق عادت انسانی ہوتی ہے۔ (تمام پیغمبروں سے عملی معجزات کا ظہور ہوا جو وقتی اور ہنگامی تھے اور مخصوص وقت تک قائم رہے) اور ظاہر ہے کہ علم عمل کی بنیاد ہے عمل سے علم افضل و اعلیٰ ہے، علم کا مرتبہ عمل سے بہت اونچا ہے جو معجزہ علمی ہو گا اس کا مرتبہ بھی عملی معجزات سے اونچا ہونا لازم ہے اور جس پیغمبر سے علمی معجزہ کا ظہور ہو وہ خود ان پیغمبروں سے افضل ہو گا جن سے عملی معجزات کا صدور ہوتا ہے۔ اَوْلَمَّا تَأْتِيهِمْ بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى استفہام انکاری ہے (اور جب ہمزہ انکاری کو منفی جملہ پر داخل کیا گیا تو تقریر اور اثبات مضمون ہو گیا کیونکہ نفی کی نفی اثبات ہوتی ہے، مترجم) یعنی کیا ابھی تک ان مشرکوں نے آپ کے دعویٰ نبوت کی سچائی کو نہیں پہچانا اور کیا توریت، انجیل اور دوسری آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے مضامین کا بیان قرآن کی صورت میں نہیں آگیا، قرآن کے اندر تو ان تمام عقائد و احکام عامہ کا خلاصہ اور نچوڑ موجود ہے جو پچھلی آسمانی کتابوں میں آئے ہیں اور یہ پیش کرنے والا ایک ناخواندہ شخص ہے جس نے نہ آسمانی کتابوں کو خود پڑھا، نہ کسی سے سیکھا، کیا یہ صداقت نبوت کی روشن نشانی نہیں ہے، آیت میں ایک مخفی تشبیہ ہے اس بات پر کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل وہ قرآن ہے جس کے صحیح ہونے کی شہادت گزشتہ کتابوں کے مضامین دے رہے ہیں جن کو قرآن نے بطور معجزہ (بغیر کسی انسان کی تعلیم کے) بیان کیا ہے لیکن دوسری آسمانی کتابیں ایسی نہیں ہیں ان کی صحت کا ثبوت شہادت پر موقوف ہے۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں جو مختلف اقوام و امم کے حالات بیان کئے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں سے اپنے فرمائشی معجزات طلب کئے اور جب وہ مطلوبہ معجزات ظاہر ہو گئے تو وہ ایمان نہ لائے۔ آخر اللہ نے دنیا ہی میں ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور ان کو تاخت و تاراج کر دیا، پس اگر ان مشرکوں کے مطلوبہ معجزات بھی ظاہر کر دیئے گئے اور یہ ایمان نہ لائے (اور حسب تاریخ اقوام یہ ظہور معجزات کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے) تو پھر ان کو جہاں سے کون بچائے گا کیا ان کا حال بھی پچھلی امتوں کی طرح نہیں ہو جائے گا کیا ان لوگوں نے کتب سابقہ کے بیانات نہیں پڑھے ہیں۔

وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بَعْدَ آيٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ الْبَيْتَ مِمَّن قَبِلَ  
أَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزَى ۝۱۳

اور اگر ہم ان کو اس سے (یعنی قرآن آنے سے) پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ (بطور عذر) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس (دنیا میں) کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم تیرے احکام پر چلتے قبل اس کے کہ ہم (یہاں خود) ذلیل ہوں اور (دوسروں کی نظر میں) رسوا ہوں۔

وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَا هُمْ أَوْ آخَرِينَ مِثْلَهُمْ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ الْبَيْتَ مِمَّن قَبِلَ  
أَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزَى ۝۱۳

مِن قَبْلِهِ مُحَمَّد ﷺ کو بھیجنے سے پہلے یا نصیحت کرنے اور بینۃ بھیجنے سے پہلے۔  
لَقَالُوا تَوْ قِيَامَتِ كَيْ دَنْ يَه كَهْتِي۔

لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا تَوْنِي هَمَارِي پَاس كُوْنِي رَسُوْل كِيُوْن نِهِيْس بِيْحَا كِي هَم كُو تُوْحِيْد كِي طَرَف بَلَا تَا۔ فَنَتَّبِعْ أُوْر  
هَم تِيْرِي اِن اِحْكَام پَر چَلْتِي جُو تُوْر سُوْل پَر نَا ذَل كَر تَا۔ مِّن قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ، قَبْلِ اِس كِي هَم دُنْيَا مِيْن ذَلِيْل هُوْتِي قِيْد اُوْر قَتْل هُوْنِي  
كِي ذَلْت اُتْهَاتِي۔ وَنَخْزَى اُوْر قِيَامَت كِي دَنْ دُوْر خ مِيْن پُر كَر رَسُوَا هُوْتِي۔ يَا ذَلْت سِي مَرَا دِي قِيَامَت كِي دَنْ ذَلِيْل هُوْنَا اُوْر  
رَسُوَا هُوْنِي سِي مَرَا دِي جَهَنَّم مِيْن پُر كَر رَسُوَا هُوْنَا۔

مسئلہ : آیات مذکورہ بتا رہی ہیں کہ پیغمبروں کی بعثت کے بغیر بھی اللہ پر ایمان لانا اور اس کو واحد جاننا واجب ہے اور ہر باہوش (بالغ) کو کفر عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے پیغمبروں کو بھیجنا اللہ پر لازم نہ تھا اس نے محض اپنی مہربانی سے انبیاء کو مبعوث کیا تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور کسی کو (ناقابل پذیرائی) معذرت کرنے کا موقع نہ مل سکے، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے لیکن امام شافعی کا قول اس کے خلاف ہے (امام شافعی کے نزدیک بغیر بعثت نبی کی اطلاع کے کفر بھی ناقابل مواخذہ ہے بغیر نبی کے عقل ایمان کا مکلف بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مترجم)

قُلْ كُلٌّ مِّنْكُمْ فَتَرْبُصُوا فَسْتَعْلَمُونَ مِّنْ أَصْحَابِ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَى ۝۱۴

آپ کہہ دیجئے ہم سب انتظار کر رہے ہیں سو تم (چندے اور) انتظار کرو، عنقریب تم کو (خود) معلوم ہو جائے گا کہ راہ راست والے کون ہیں اور وہ کون ہے جو منزل مقصود تک پہنچا۔

قُلْ، رَسُوْل اللّٰه كُو خَطَاب هِي اُوْر نِيَا كَلَام شُرُوْع كِيَا كِيَا هِي۔

كُلُّ هَم اُوْر تَم سَب

مُتَرَبِّصٌ نَتِيْجِي كِي مُنْتَظَرِي هِي اُوْر اِنْتَظَار كَر رِي هِي كِي تَمَارَا اِحَال كِيَا هُو تَا هِي اُوْر هَمَارَا كِيَا۔

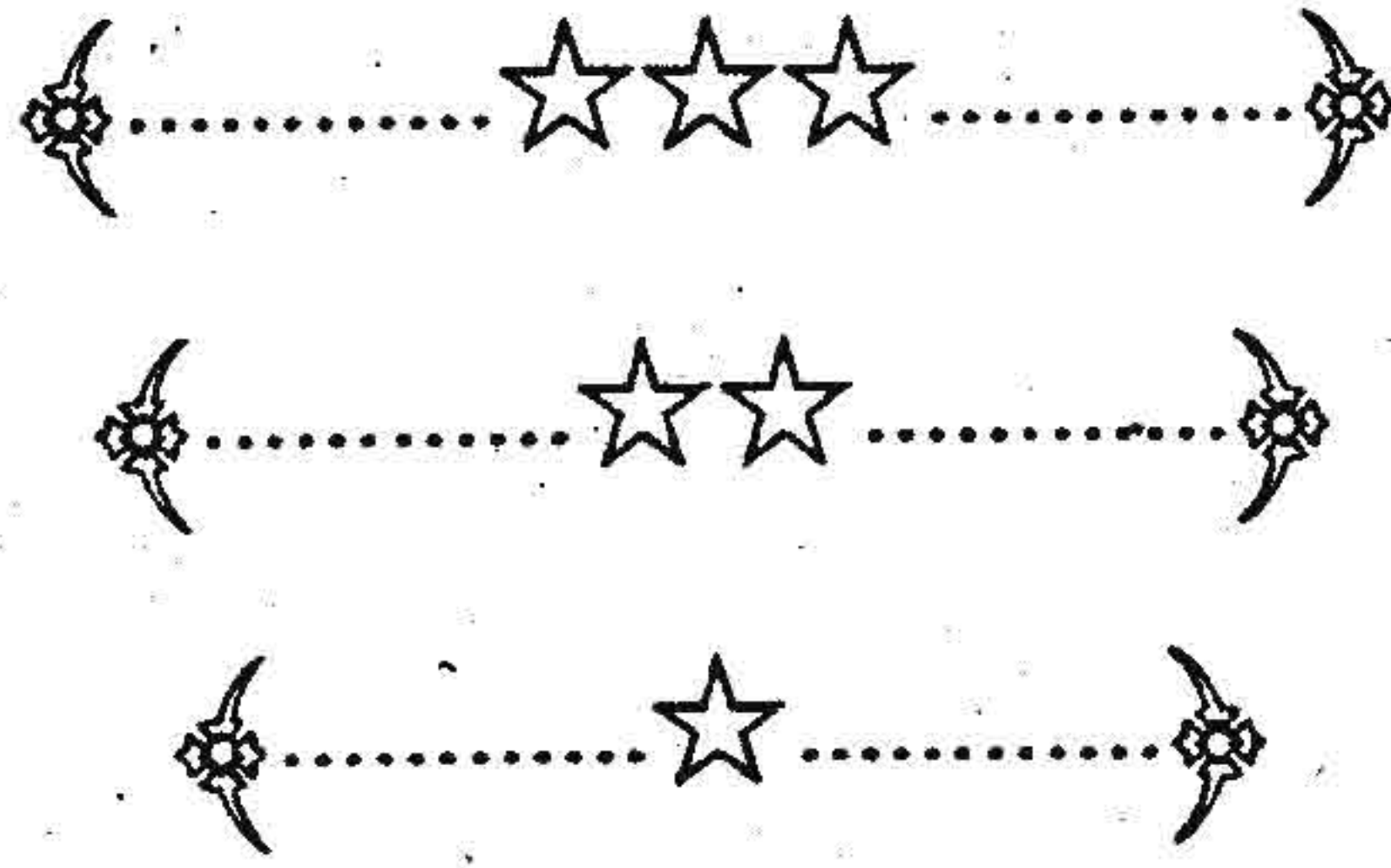
فَتَرْبُصُوا (کچھ اور) اِنْتَظَار كَر تِي رِهُو۔ مُشْرَكِيْن كَمَا كَر تِي تَحِي هَم مُنْتَظَرِي هِي كِي مُحَمَّد ﷺ پَر زَمَانِي كِي كَر دَشِيْس اَتِيْس اُوْر وِہ

حوادث دہر میں مبتلا ہو جائیں جب وہ مر جائیں گے۔ اسی وقت ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔

فَسْتَعْلَمُونَ عَنْ قَرِيبٍ يَعْنِي قِيَامَت كِي دَنْ تَم كُو مَعْلُوْم هُو جَا ئِي كَا۔

الصِّرَاطِ السُّوِيِّ سیدھا راستہ جنت تک پہنچانے والا۔

وَمَنْ اهْتَدَىٰ اور وہ کون ہے جس نے گمراہی سے ہدایت پائی یا وہ کون ہے جس نے لازوال راحت و چین کی راہ پائی۔  
حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت معقل بن یسار کی روایت سے اور بغوی نے حضرت ابن عباس کے  
حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے سورۃ بقرہ ذکر اول سے اور طہ اور طسم والی سورتیں اور حم والی سورتیں موسیٰ کی  
الواح (توریت) سے اور فاتحہ الكتاب (سورۃ الحمد) اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات زیرین عرش سے عطا کی گئی ہیں اور مفصلات  
(مجھے) زائد عطا کی گئی ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی اور ابن ماجہ نے حضرت امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول  
اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا وہ اسم اعظم کہ اگر اس کو لے کر دعا کی جائے تو اللہ قبول فرمالیتا ہے۔ تین سورتوں میں ہے سورۃ البقرہ اور  
آل عمران اور طہ۔



بحمد اللہ و فضلہ سورۃ طہ کی تفسیر ۸ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ کو ختم ہوئی۔ المنۃ للہ والشکر لہ کہ سورۃ طہ کی تفسیر مظہری کا اردو ترجمہ  
۲۴ ربیع الثانی المبارک ۱۳۸۸ھ کو صبح ۴ بجے پورا ہوا۔ فالحمد للہ والحمد بعدلہ

ہم تیری حمد کرتے ہیں اے خدا کہ تیرے سوا کوئی قابل پرستش نہیں، ہم تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتے ہیں، تجھ سے مدد کے خواستگار ہیں اور مغفرت کے طلب گار۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو سارے ملک کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے حکومت واقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت نکال لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت نصیب کرتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے اور ہر چیز پر تیرا قابو ہے، تو ہی ہمارا مالک ہے اور آسمان وزمین اور ان کی کائنات کا بھی مالک ہے۔

ہم دعاء رحمت و سلامتی کرتے ہیں تیرے رسول ﷺ اور حبیب کے لئے جو ہمارے آقا اور مولیٰ ہیں، جن کا نام نامی محمد ﷺ ہے اور تمام انبیاء و مرسلین کے لئے اور تیرے نیک بندوں کے لئے۔

..... ستر ہواں پارہ .....

## ..... سورۃ الانبیاء .....

اس سورۃ میں ایک سو بارہ آیات ہیں  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

**اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ**  
لوگوں کے قریب آگیا ان کا حساب یعنی گزشتہ زمانے کے مقابلے میں اب حساب (آخرت) کا زمانہ قریب آگیا۔ لِلنَّاسِ میں لَام بمعنی مِنْ ہے یعنی لوگوں سے قریب آگیا۔ النَّاسُ میں الف لام جنسی ہے عام لوگ یا عہدی ہے یعنی کافر لوگ، آئندہ آیت سے یہی معلوم ہو رہا ہے۔ کہ النَّاسُ سے مراد کافر ہیں۔  
**وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ**  
اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی دنیا اور نفسانی خواہشات میں غرق ہونے کی وجہ سے وہ محاسبہ آخرت سے بھی غافل ہیں اور اسی سزا سے بھی جو ان کو دی جائے گی۔

**مُعْرِضُونَ ①**  
منہ موڑے ہوئے یعنی حساب فہمی پر غور کرنے اور اس کی تیاری کرنے سے روگرداں ہیں۔  
رفی غَفْلَةٍ کے بعد مُعْرِضُونَ کا اضافہ اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ حساب کی طرف سے ان کا غافل ہونا دنیا میں ڈوبنے کی وجہ سے ہے، یہ بات نہیں ہے کہ وہ اللہ کی یاد میں غرق ہیں اس لئے ان کو آخرت کا خیال نہیں آتا۔  
اگر النَّاسُ میں الف لام استغراقی قرار دیا جائے اور تمام لوگ مراد ہوں تو هُمْ ضمیر بعض لوگوں یعنی کافروں کی طرف راجع ہوگی اور یہ جائز ہے جیسے آیت وَالْمُطَلَّقاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ - وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي الْمُطَلَّقاتِ كَالْفِطْرِ عَامٍ ہے، لیکن وَبُعُولَتُهُنَّ کی ضمیر ان مطلقات کی طرف راجع ہے جن کی طلاق رجعی ہو۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ②  
ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ (ان کے حسب حال) آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ (اس کے

ساتھ) ہنسی کرتے ہیں۔

مِنْ ذِكْرِ فِي مَن زَانِدٌ هُوَ جَارٌ مَجْرُورٌ مَحَلُّ فَاعِلٍ فِيهِ هُوَ۔ ذَكَرَ يَعْنِي أَيْسَى نَفِيحَتِ جَوْ خَوَابِ غَفَلَتِ سَعِ بَعْدَ اِرْكَرْدَعِ۔  
مُحَدَّثٌ تَاذَهُ جَدِيدٌ هُوَ، كَانُوا فِي بَارِبَارٍ آتَى تَاكَ نَفِيحَتِ بَذِيرِي بِرْتَبِيهِ هُوَ۔ مُحَدَّثٌ سَعِ يَ لَازِمٌ نَفِيحَتِ آتَاكَ ذَكَرٌ قَدِيمٌ هُوَ  
(كَيُونَكُ حُدُوثٌ سَعِ مَرَاوَزُولُ كَا حُدُوثٌ هُوَ، اِسَّ سَعِ مَعْتَرَاضِ كِي نَفِيحَتِي هُوَ كُنِي جَوْ كَلَامِ اللّٰهِ كُو حَادِثٌ كَهْتِي هُنَّ اَوْرُ مَحْدَثِ  
كِي لَفْظِ سَعِ حُدُوثِ بِرِ اسْتِدْلَالِ كَرْتِي هُنَّ۔ مَتْرَجَمٌ) وَهُمْ يَلْعَبُونَ، يَعْنِي قُرْآنَ سَعِ اسْتِزَاءِ كَرْتِي هُنَّ۔ اِنْتِهَائِي غَافِلٌ هُنَّ اِنْجَامِ  
كِي طَرَفِ سَعِ بِالْكَلِّ لَ اِپْرَوَاهِ هُنَّ اِسَّ لَعِ قُرْآنَ كَا ذِقَ اِزَاتِي هُنَّ۔

(قرآن میں غور کرنے اور انجام کو سوچنے سے) ان کے دل بے فکر ہیں۔ ابو بکر وراق نے

لَا هِيَةَ قُلُوبُهُمْ

لَا هِيَةَ كَا مَطْلَبِ بَيَانِ كِيَا كِي اِن كِي دِلِ دِنْيَوِي سَجَاوُثِ وَبِنَاوُثِ فِي مَشْغُولِ هُنَّ اِخْرَتِ اَوْرِ اِسَّ كِي هُوَ لَنَا كِيُوں سَعِ غَافِلٌ هُنَّ۔

اور چھپا کر سرگوشیاں کیں ظالموں نے۔ (سرگوشی تو خود

وَأَسْرُوا النَّجْوَى ۖ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ

پوشیدہ ہی ہوتی ہے کانوں کانوں میں بات کرنے کو نجوی کہتے ہیں، پھر اسروا کیوں فرمایا تو اس اضافہ سے پوشیدہ رکھنے میں مبالغہ کو

ظاہر کرنا مقصود ہے یا یہ مطلب ہے کہ ایسی جگہ سرگوشی کرتے ہیں کہ وہ مقام بھی پوشیدہ رہے کسی کو معلوم نہ ہو۔

أَسْرُوا فِي وَاؤُ زَانِدٌ هُوَ يَاضْمِيرُ جَمْعٍ كَا هُوَ اَوْرُ الَّذِينَ اِسَّ سَعِ بَدَلِ هُوَ يَاضْمِيرُ وَاؤُ سَعِ اِسَّ مَبْتَدَا مَحْذُوفٌ هُوَ اَوْرُ

الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ سَعِ اِسَّ مَبْتَدَا مَحْذُوفٌ هُوَ۔

نہیں ہے یہ مگر تم ہی جیسا انسان۔ کافروں کا خیال تھا کہ پیغمبر کا فرشتہ ہونا

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۗ

ضروری ہے اور یہ ہم جیسا انسان ہے اس لئے پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ غالباً ان کا خیال تھا کہ پیغمبر کو پیغامبر بنا کر بھیجنے والے کا ہم جنس

ہونا چاہئے اور ان کے گمان کے موافق ملائکہ اللہ کے ہم جنس تھے اسی لئے فرشتوں کو وہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے پس پیغمبر کا فرشتہ

ہونا لازم ہے، حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کا ہم جنس ہونا چاہئے جن کے پاس رسول کو بھیجا گیا ہو تاکہ اس کی ہدایت

سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکے اللہ تو کسی کا ہم جنس نہیں اس کی مثل تو کوئی نہیں (اور فرشتے انسان کے ہم جنس نہیں اس سے

لوگوں کو کیسے فائدہ پہنچنا ممکن ہے اگر بالفرض فرشتہ کو بھی پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا تو اس کی اصل شکل کو کوئی پہچان نہ سکتا تھا نہ اس

سے فائدہ حاصل کر سکتا تھا محالہ فرشتے بشکل بشری بھیجا جاتا لیکن کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی۔ مترجم)

اللہ کے پیغمبر نے جب دعویٰ رسالت کے ثبوت کے لئے معجزات پیش کئے اور کافروں سے اس کا جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگے۔

أَفْتَاتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۝۲۱

کیا تم پھر بھی دیدہ دانستہ جادو کی بات سننے جاؤ گے۔ یعنی

یہ شخص رسول نہیں ہے آدمی ہے اور یہ جو کچھ غیر معمولی عاجز کن چیزیں قرآن جیسی پیش کر رہا ہے تو یہ جادو ہے پس آنکھوں

سے جادو دیکھتے ہوئے کیا تم جادو کی پیروی کرنے لگو گے، رسول اللہ ﷺ کے معجزات کو جادو قرار دینے کی ان کے پاس کوئی دلیل

نہ تھی نہ کوئی ثبوت پیش کر سکتے تھے اس لئے مجبوراً وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ کہا یعنی ہدایت کا دعویٰ کیا اور ایسا جادو قرار دیا جس کو ثابت

کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ باہم مشورہ کو پوشیدہ رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ہم باہم متفق طور پر ایک ایسے فیصلہ پر پہنچنے کے

خواستگار تھے اور ایسے قول پر اتفاق کرنا چاہتے تھے جس سے نبوت کا مقابلہ کر سکیں اور قصر نبوت کو ڈھادیں جس کو سن کر سننے

والے نبوت کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہو جائیں وہ چاہتے تھے کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ تو اپنا نور

پورا پورا پھیلانے والا تھا خواہ کافروں کو ناگوار ہو۔

قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۲۱

پیغمبر نے کہا میرا رب ہر بات کو خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں جانتا ہے اور وہ ہی خوب سننے والا اور بخوبی جاننے والا ہے۔ یعنی ہر

قائل کی ہر بات کو آسمانوں میں ہو یا زمین میں ظاہر ہو یا پوشیدہ، چلا کر ہوا چپکے چپکے بہر حال اللہ اس کو جانتا ہے وہ سب کی باتیں

خوب سنتا اور سب کے احوال و افعال کو خوب جانتا ہے اس سے کوئی پوشیدہ بات بھی نہیں۔

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلْ افْتَرَاهُ

بلکہ اس شخص نے اس کو خود تراش لیا ہے۔

کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے اس لئے انکار کیا تھا کہ یہ آدمی ہیں اور آدمی پیغمبر نہیں ہو سکتا اللہ نے ان کے اس قول کو گزشتہ آیت میں نقل فرمادیا پھر کافروں نے قرآن کی شان میں کہا تھا کہ یہ بے ہودہ گڑ بڑ خوابوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ نے پہلے قول کو نقل کرنے کے بعد کلام کا رخ موڑا اور کافروں کے دوسرے قول کو نقل فرمایا۔

مخلوط اور گڑ بڑ خوابوں کا مجموعہ قرار دینے کا یہ مطلب تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی نہیں ہے۔ بلکہ کچھ بے ہودہ خواب ہیں جو ان کو سوتے میں نظر آجاتے ہیں۔ پھر اس سے بھی اعراض کیا (کیونکہ بے ہودہ خواب غیر مربوط اور بے بنیاد ہوتے ہیں اور افادیت سے بھی خالی ہوتے ہیں اور قرآن مربوط مفید پیام کا حامل ہے اس لئے) کہنے لگے (یہ اَضْغَاثُ أَحْلَامٍ نہیں ہے، بلکہ اس شخص نے خود اپنی طرف سے یہ کلام بنا لیا ہے اور اللہ کی طرف اس کی نسبت کر دی ہے۔

بَلْ هُوَ شَاعِرٌ مِّثْلُ

(پھر کہنے لگے یہ خالی دروغ بندی اور کذب تراشی ہی نہیں) بلکہ یہ شخص شاعر ہے (یہ اس کی شاعری کی بلند پروازی اور کمال شعری ہے) پہلے قرآن کو دروغ بندی قرار دیا تھا پھر اس سے گریز کیا اور اللہ کے کلام کو شعر کہنے لگے۔

بغوی نے لکھا ہے مراد یہ ہے کہ کچھ مشرکوں نے کتاب اللہ کو پرانگندہ خواب کہا کچھ لوگوں نے من گھڑت دروغ بندی قرار دیا اور بعض نے قرآن کو شعر کہا اور رسول اللہ ﷺ کو شاعر۔ مفتری اور شاعر میں فرق یہ ہے کہ افترا کرنے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جھوٹی بات کہہ کر سننے والے کو اس کے سچے ہونے کا یقین دلادے۔ اور شعر ان مقدمات کے مجموعہ کا نام ہے جن سے سننے والے اور پڑھنے والے کے دل میں خوف یا رغبت یا شوق یا خوشی یا غم یا تعظیم یا تحقیر یا کوئی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شعر کی غرض صرف جذبات کو برائیچختہ کرنا ہوتا ہے۔ تصدیق کرانی مقصود نہیں ہوتی (گویا شعر کلام خبری نہیں ہوتا انشائی ہوتا ہے اور افترا کلام خبری کا نام ہے) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر مقدمات شعریہ کے ساتھ کچھ واقعات بھی بیان کرتا ہے (خواہ کلام سچا ہو یا جھوٹا مگر واقعات کی تصویر کشی ضرور ہوتی ہے محض انشاء (یعنی ترہیب و ترغیب، تعظیم و تحقیر وغیرہ) غزل میں ہوتی ہے اور مثنوی میں انشاء کے ساتھ اخبار بھی ہوتا ہے، کافروں کے یہ پرانگندہ اقوال دلالت کر رہے ہیں کہ ان کو کسی بات کا یقین نہ تھا کبھی قرآن کے متعلق کچھ کہتے تھے کبھی کچھ۔

فَلْيَأْتِنَا بآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝

(یعنی محمد اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں) تو ہمارے

سامنے کھلی ہوئی نشانی لائیں ایسی (محسوس) جیسی پہلے انبیاء کو دے کر بھیجا گیا تھا مثلاً حضرت صالح کی اونٹنی، حضرت موسیٰ کا عصا اور ید بیضاء، حضرت عیسیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا اور مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو تندرست کر دینا وغیرہ۔

ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا آپ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اس سوال کے بعد فوراً اللہ کی طرف سے حضرت جبریل آئے انہوں نے کہا اگر آپ ﷺ چاہتے ہوں تو آپ ﷺ کی قوم کا سوال پورا کر دیا جائے اور (کوہ صفا کو سونے کا کر دیا جائے) لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر (سب کو ہلاک کر دیا جائے گا) مہلت نہیں دی جائے گی اور آپ چاہیں تو میں آپ کی قوم کو ڈھیل دوں اور (مزید سوچنے سمجھنے اور ایمان لانے کی) مہلت دے دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنی قوم کے لئے درخواست مہلت کرتا ہوں، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝

ان سے پہلے جن

بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں وہ (مطلوبہ معجزات دیکھنے کے بعد بھی) ایمان نہیں لائے تھے تو کیا یہ لوگ (اپنے مطلوبہ فرمائشی معجزات کو دیکھ کر) ایمان لے آئیں گے۔

قَبْلَهُمْ، یعنی مشرکین مکہ سے پہلے۔ مِنْ قَرِيْبَةٍ جَارٍ مَجْرُورِ فاعِل کے قائم مقام ہے اور مضاف محذوف ہے، یعنی اہل قریہ مِنْ قَرِيْبَةٍ میں مِنْ زائد ہے۔

أَفْهَمُ يُؤْمِنُونَ، استفہام انکاری ہے یعنی مکہ کے مشرک تو گزشتہ کافروں سے کفر میں سخت ہیں جب گزشتہ کافر ایمان نہیں لائے تو یہ لوگ یقیناً (مطلوبہ معجزات کے ظہور کے بعد بھی) ایمان نہیں لائیں گے۔ آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ مطلوبہ معجزات کو ظاہر اور نمودار نہ کرنے کی وجہ اور مصلحت صرف یہ ہے کہ لوگ (کفار مکہ) اگر ظہور معجزات کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے اور یقیناً ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو بھی گزشتہ کافروں کی طرح ہلاک کر دیا جائے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَتَلَوْا أَهْلَ الدِّيَارِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا جن کے پاس وحی بھیجتے تھے پس (اے مکہ والو) تم اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو اگر تم کو اس کا علم نہیں ہے۔ یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو کہ سابق پیغمبر آدمی ہوئے یا فرشتے، تاکہ تمہارا شبہ جاتا رہے۔ اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم دینے کی وجہ یہ تو یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ (اور دوسرے دینی امور) کے سلسلہ میں اہل کتاب پر اعتماد تھا ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ یا یہ وجہ ہے کہ متواتر خبر موجب یقین ہوتی ہے خواہ اہل تواتر کافر ہی ہوں اور چونکہ آدمیوں کا ہی پیغمبر ہونا ہر زمانہ میں بطور تواتر مسلسل بیان کیا جاتا رہا ہے اس لئے یہودیوں کا قول بھی اس کے متعلق قابل اعتبار ہے۔

اور ہم نے ان پیغمبروں کے ایسے جسم نہیں بنائے وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔ (یعنی فرشتے نہیں بنایا) جَسَدٌ اسم جنس ہے ایک ہو یا زیادہ سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یا مضاف محذوف ہے یعنی جسموں والے۔ جَسَدٌ رنگ دار جسم کو کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے جَسَدٌ کا معنی ہے کسی چیز کا باہم اکٹھا ہونا اور جڑنا۔

لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ، جَسَدًا کی صفت ہے یا علیحدہ ہے اور کافروں کے قول کا جواب ہے۔ کفار کہتے تھے کیا وجہ ہے کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے۔

وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ﴿۱۱﴾ اور وہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہیں ہوتے۔ آیت سابقہ کے مضمون کی تاکید اس آیت سے ہو رہی ہے کہ جس کی زندگی کی بقاء کھانے پر موقوف ہو لا محالہ اس کے جسم میں تحلیل ہوگی اور تحلیل کا نتیجہ فنا ہے۔ پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا اس کو سچ کر دکھایا، یعنی ہم نے پیغمبروں کی مدد کا جو وعدہ کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ (اپنے عذاب سے اور کفار کی ایذا رسانی سے) بچالیا۔ مَنْ نَشَاءُ سے وہ لوگ مراد ہیں جو پیغمبروں پر ایمان لے آئے تھے یا آئندہ ایمان لانے والے تھے یا آئندہ ان کی اولاد پیدا ہونے والی اور ایمان لانے والی تھی، یہی وجہ ہے کہ عرب عام تباہ کن عذاب سے محفوظ رکھے گئے (کیونکہ آئندہ ان کا یا آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کا ایمان لانا اللہ کے علم میں تھا)

وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۲﴾ اور (کفر و معصیت میں) حد سے بڑھنے والوں کو ہم نے تباہ کر دیا۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۳﴾ (اے گروہ قریش)

ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا ہے جس کے اندر تمہارا ذکر ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

ذکر یعنی تمہاری فضیلت اور بزرگی قرآن کے اندر ہے بشرطیکہ تم اس کو سمجھو (اور مانو) یا یہ مطلب ہے کہ قرآن میں تمہارے لئے شرف ہے کہ تمہاری زبان میں اتارا گیا۔ یا ذکر سے مراد ہے اللہ کا ذکر اور ضروری دینی امور کا تذکرہ۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ ذکر سے مراد ہے اچھا ذکر اور شہرت و ناموری۔ یا نصیحت یا وہ اعلیٰ اخلاق جن سے تم کو اچھا ذکر حاصل ہو۔ مجاہد کے

نزدیک ذکر سے اس جگہ مراد ہیں باتیں۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ذکر اور تذکار کسی چیز کو یاد رکھنا، ذکر کرنا زبان پر جاری کرنا، شہرت، تعریف، شرف، نماز، دعا، وہ کتاب جس میں قرض کی تفصیل ہوتی ہے مالی حساب ہوتا ہے۔  
 أَفَلَا تَعْقِلُونَ، میں ہمزہ انکاری ہے یعنی کیا تم اس کے اندر وہ باتیں نہیں سمجھتے جن سے تمہاری بہبودی اور شرف وابستہ ہے۔

وَكَمْ قَصَبْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۱۱

اور ہم نے بہت سی بستیاں جہاں کے رہنے والے ظالم (یعنی کافر) تھے، غارت کر دیں اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی۔  
 قَصَبْنَا توڑنا مراد بکثرت ہلاک کرنا۔ قَرْيَةٍ یعنی اہل قریہ بہت بستیوں والے۔ كَانَتْ ظَالِمَةً یعنی کفر اور گناہ کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ أَنْشَأْنَا ہم نے وارث بنایا۔ بَعْدَهَا اس بستی کو تباہ کرنے کے بعد۔

فَلَمَّا أَحْسَنُوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۱۲  
 عذاب کی شدت دیکھ لی تو یکدم تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگنے لگے۔

أَحْسَنُوا یعنی جب انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ بَأْسَنَا ہمارے عذاب کی شدت کو، يَرْكُضُونَ گھوڑوں کی ایڑا لگا کر تیزی سے بھاگنے لگے، یا یوں کہا جائے کہ سوار گھوڑے کو ایڑا مار کر تیزی سے بھگاتا ہے اور بستی والے بھی تیزی سے بھاگنے لگے اس لئے ان کو ایڑا مارنے والے سواروں سے تشبیہ دی۔

لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكَنَتُمْ

اور اپنے سامان عیش کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف واپس چلو۔ یعنی ان سے بزبان حال یا کسی فرشتے یا کسی مومن کی زبانی کہا گیا کہ (اب کیوں بھاگتے ہو) مت بھاگو، أُتْرِفْتُمْ جس عیش میں پڑے تھے اس کی طرف پلو۔ اِتْرَافٌ نعمت پر اتراجانا۔ خلیل نے کہا مُتْرَفٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو خوش حال فارغ البال ہو کوئی پریشانی اور فکر اس کو نہ ہو۔  
 لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ ۱۳  
 شاید تم سے کوئی پوچھے پانچھے۔

تاکہ کل کو تم سے پوچھا جائے کہ تم پر اور تمہارے مال و متاع پر کیا گذری اور تم اس کا جواب معاینہ کے بعد دے سکو۔ یا یہ مراد ہے کہ تم لوٹ کر جاؤ اپنے جلسوں میں بیٹھو۔ پھر تمہارے نوکر چاکر اور کارندے تم سے دریافت کریں کہ اب ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ شاید لوگ تمہاری مجلسوں میں آکر تم سے اپنی اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کے متعلق دریافت کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ شاید کل کو تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی یا تم کو عذاب دیا جائے گا، باز پرس بھی عذاب کی ابتدائی تمہید ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم سے قتل نبی کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول حضور ا کے باشندوں کے حق میں ہوا، حضور امین کی ایک بستی تھی جس کے باشندے عرب تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ایک نبی کو مبعوث فرمایا، پیغمبر نے ان کو توحید کی دعوت دی، اہل حضور انے نبی کی تکذیب کی اور اس کو قتل کر دیا، اللہ نے (بطور سزا) شاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا، بخت نصر نے ان کو قتل اور قید کیا جب عام طور پر لوگ قتل ہونے لگے تو پشیمان ہوئے اور (بستی چھوڑ کر) بھاگ کھڑے ہوئے، فرشتوں نے ان کو آواز دی بھاگو مت، اپنے گھروں اور مالوں کی طرف لوٹو شاید تم سے (کچھ) مانگا جائے، اور پھر جس کو چاہو تم دو اور جسکو چاہو نہ دو، تم بڑے مالدار اور اہل ثروت ہو، غرض بخت نصر نے ان کا تعاقب کیا اور بے دریغ قتل کیا اور کسی ہاتھ نے اوپر سے آواز دی انبیاء کا انتقام۔ یہ حالت دیکھ کر ان کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی۔ لیکن اقرار قصور نے ان کو فائدہ نہ دیا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا بھاگو نہیں لوٹ کر گھروں کو چلو شاید تم سے بطور تاوان مال طلب کیا جائے اور تم مال دے کر قتل ہونے سے بچ جاؤ اس وقت آسمان سے ندا آئی انبیاء کا انتقام۔

قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۱۴ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا آخِرِينَ ۱۵



کہنے لگے ہائے ہماری تباہی (آگئی) ہم بلاشبہ ظالم تھے۔ وہ برابر یونہی پکار مچاتے رہے آخر ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی (کی طرح تباہ اور) مردہ کر دیا۔ یعنی وہ برابر یَاوَيْلُنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ کی رٹ لگاتے رہے گویا وہ اپنی موت کو بلارہے تھے اور کہہ رہے تھے اے موت تو کہاں ہے آج اس وقت تیری ضرورت ہے حصید بکٹی ہوئی کھیتی۔ خامدین مردے، بجھے ہوئے، خمودنار آگ کا بجھنا۔ حَصِيدًا خَامِدِيْنَ، دونوں کا مجموعہ ہے، ایک اسم کی طرح ہو کر جَعَلْنَا کا مفعول دوئم ہے۔ یعنی ان کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہم نے کر دیا اور بجھی ہوئی آگ کی طرح بھی۔

اور ہم نے آسمان وزمین کو اور وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبِيْنَ ﴿۱۷﴾ جو کچھ کہ لنگے درمیان ہے اس کو اس طور پر نہیں پیدا کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔ لِعِبِيْنَ بیکار کام کرنے والے۔ یعنی آسمان وزمین اور ان کی درمیانی کائنات کی تخلیق ہم نے بیکار نہیں کی۔ بلکہ ان کے اندر حکمت کے عجائب کا اظہار کیا ہے۔ عبرت اندوز نظر رکھنے والوں کے لئے ان کے اندر ذخیرہ عبرت پوشیدہ ہے اور معاش و معاد کو درست کرنے کا سامان موجود ہے، ضروری ہے کہ موجودات کی ظاہری نظر فریبوں کا شکار نہ ہو جائیں، اصل حکمت پر غور کریں اور اس ساری کائنات کو تحصیل کمال کا ذریعہ بنائیں۔

كُوَاْسِدُنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهٗوَا لَا تَخَذُ نُهٗ مِنْ لَدُنَّا اِنْ كُنَّا فَعٰلِيْنَ ﴿۱۸﴾

اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا ہوتا تو ہم خالص اپنے ہی پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔ عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لہو سے مراد عورت ہے۔ حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ جماع کو لغت میں لہو کہتے ہیں اور عورت محل جماع ہے۔ کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ لہو سے مراد اولاد ہے۔ سدی کا بھی یہی قول ہے، آدمی اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلتا اور دل بہلاتا ہے۔

لَا تَخَذُ نُهٗ مِنْ لَدُنَّا كَايِهٖ مَطْلَبُ هٖ كِهٖ اِغْرَهٗم لِهٖو كَرْنِهٖ هٖ هٖ هٖ تَوَاپِنِ شَانِ كِهٖ مَنَاسِبِ اِنْ چِزُوں كُو ذَرِيعِهٖ لِهٖو بِنَاتِهٖ جُو هَمَارِي ذَاتِ كِهٖ مَنَاسِبِ هٖو تِيں۔ مَثَلًا وِهٖ مَخْلُوْقِ جُو مَادِهٖ سَهٗ خَالِي هٖ (مَجْرَدَاتِ، مَلَا نَكِهٖ) هَرِ چِزِ كَا جُو زَاوَرِ هَرِ شَخْصِ كِي اَوْلَادِ اِسْ كِي هَمِ جِنْسِ هٖو تِي هٖ اَوْر اللّٰه كَا هَمِ جِنْسِ كُو نِي نِهٖسِ هٖ اِس لَهٗ اِس كَا جُو زَاوَا اَوْلَادِ هٖو نَا مَحَالِ هٖ اَوْر نَا مَمْكُنِ چِزِ سَهٗ اللّٰه كِهٖ اِرَادِهٖ كَا تَعْلُقِ هٖو جَا ئِهٖ يِهٖ بَهِي مَحَالِ هٖ (مَوْقُوفِ عَلٰی الْمَحَالِ مَحَالِ هٖو تَا هٖ) اِس آيَتِ مِيں نَصَارِي كِهٖ عَقِيْدَهٗ كِي تَرْدِيْدِهٖ جُو مَسِيْح كُو اللّٰه كَا بِيْتَا اَوْر مَسِيْح كِي اِمَاں كُو اللّٰه كِي بِيُوِي قَرَار دِيْتِهٖ هٖن۔

اِنْ كُنَّا فَعٰلِيْنَ مِيں اِنْ شَرِيْطِهٖ هٖ كَلَامِ سَابِقِ جَزَا پَرِ دِلَالَتِ كَر رِهَا هٖ اِس لَهٗ جَزَا كِهٖ ذِكْر كِي ضَرُورَتِ نِهٖسِ۔ قَتَادَهٗ اَوْر اِبْنِ جَرِيْرٍ اَوْر مَقَاتِلِ كِهٖ زَرْدِيْكَ اِنْ نَافِيَهٖ هٖ لِيْعْنِي هَمِ اَيَا كَرْنِهٖ وَالِهٖ نِهٖسِ۔ گُو يَا يِهٖ جَمْلَهٗ كَلَامِ سَابِقِ كَا نَتِيْجَهٗ هٖ۔

بَلْ نَقْدِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَاِذَا هُوَ سَاهِقٌ ط

بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں۔ سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے سو وہ مغلوب ہو کر دفتا جاتا رہتا ہے۔ اس کا عطف سابق کلام پر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم کھیل کرنے والے نہیں۔ بلکہ باطل کو حق پر دے مارتے ہیں۔ حق سے مراد ہیں وہ آیات جو اللہ کی تنزیہ اور پاکی کو ثابت کر رہی ہیں اور اللہ کا بیوی بچوں سے پاک ہونا جن سے ظاہر ہو رہا ہے۔ قَدْفُ كَا مَعْنِي هٖ پَنكْنَا، پھینک مارنا۔ الْبَاطِلُ سَهٗ مَرَادِهٖ كُفْرٍ اَوْر جَهٗوْثِ اَوْر يِهٖ قَوْلِ كِهٖ اللّٰه كِهٖ بِيُوِي بَنِي هٖن۔ يَدْمَغُ لِيْعْنِي اِس كُو فَنَا كَر دِيْتَا هٖ۔ دَمَغٌ سُر تُو ز دِيْنَا، بِيْجَا چَل دِيْنَا جِس سَهٗ هَلَاكَتِ وَاقِعِ هٖو جَا ئِهٖ۔ مَجَازِ اَمْرَادِهٖ فَنَا كَر دِيْنَا، حَق كُو قَائِمِ كَرْنَا اَوْر بَاطِل كُو تَبَاهِ كَر دِيْنَا۔ قَدْفُ كَا لَفْظِ تَبَاهِ هٖ كِهٖ جِس چِزِ كُو پھينك كَر مَارَا گِيَا وِهٖ بَهَارِي اَوْر تُهٗوَسِ هٖ۔ اِبْطَالِ بَاطِل كُو دَمَغِ كِهٖنَا بَطُوْر مَبَالِغِهٖ هٖ، زَا اِهٖقُ هَلَاكِ هٖو نِهٖ وَالَا جِس كَا نَشَانِ بَهِي بَاتِي نِهٖ رِهٖ۔ قَامُوسِ مِيں هٖ زَهَقَ الْبَاطِلُ بَاطِل نَا بُوْدِ هٖو گِيَا زَهَقَ الشَّيْءُ وَهٖ چِزِ تَبَاهِ اَوْر هَلَاكِ هٖو گِي بَعْضِ نِهٖ كَمَلُ هٗوَقُ كَا مَعْنِي هٖ جَانِ نَكْلِ جَانَا۔

اور تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم گڑھتے ہو۔ خطاب

وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾

کافروں کو ہے۔ وَاِنَّ هُمْ لَهٰکُمْ بِمَا تَصِفُوْنَ، یعنی جو نامناسب اوصاف تم بیان کرتے ہو اور جو اللہ کی شان کو زیبا نہیں ہیں ان کی وجہ سے تمہارے لئے ہلاکت ہوگی۔

وَلٰکُمْ مِّنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَکَ سب اسی کے ہیں (وہ بھی اور جو اسکے پاس (یعنی اس کے مقرب) ہیں یعنی جو کوئی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے نہ کوئی اس کی مثل بننے کے لائق ہے نہ بیوی اور اولاد بننے کا سزاوار۔

وَمَنْ عِنْدَکَ اور جو اس کے مقرب ہیں وہ بھی اسی کے پیدا کردہ اور اسی کی ملک ہیں، یعنی ملائکہ، انبیاء اور دوسرے اہل قربت بھی اسی کے ہیں۔ اللہ کا قرب (جسمانی) نہیں بے کیف ہے (اس کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ مَنْ عِنْدَکَ کو مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے الگ مستقل طور پر بصورت عطف اس لئے بیان کیا کہ بعض ملائکہ مثلاً حاملین عرش اور انبیاء و ملائکہ کی حقائق اور دائرہ ظلال (یعنی حقائق امکانیہ اور اعیان ثابتہ) کا کوئی مکان نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ (اور ان میں سے) اللہ کے نزدیک جو (بڑے مقبول و مقرب) ہیں وہ اسکی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔

اِسْتَحْسِرُوْا تھکنا، ماندہ ہو جانا، اِسْتَحْسِرَا کے معنی میں حَسُوْر کے معنی سے زیادہ زور ہے۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی عبادت گو ثقیل ہے، دوام عبادت دشوار ہے، مقرب ملائکہ کو تھک جانا چاہیے لیکن وہ سست نہیں پڑتے کیونکہ ان کو عبادت میں لذت حاصل ہوتی ہے اس لئے ہر وقت عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں، ترک عبادت کو اپنی ہلاکت جانتے ہیں۔

یَسْبَحُوْنَ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَا یَفْئُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے (اور تعظیم الہی کا اظہار کرتے) ہیں سست نہیں پڑتے۔ کعب احبار نے کہا ملائکہ کے لئے تسبیح خداوندی ایسی ہے جیسے آدمی کے لئے سانس (سانس لینا باعث حیات ہے اور سانس لینے سے آدمی کسی وقت نہیں تھکتا فرشتوں کے لئے تسبیح باعث حیات ہے وہ پاکی بیان کرنے سے نہیں تھکتے۔

لَا یَفْئُرُوْنَ کمزور نہیں پڑتے، نہیں اکتاتے۔ وہ عبادت جس میں اہل قربت ہر وقت غرق رہتے ہیں اس سے مراد ذکر خفی اور ہر وقت اللہ کی طرف توجہ ہے جس طرح بڑی حیوان کے لئے ہو میں سانس لینا اور بحری جانور کے لئے پانی میں سانس لینا ہر وقت ضروری ہے اور یہی بقاء حیات کا سبب ہے اسی طرح اہل قربت کے لئے خواہ ملائکہ ہوں یا انسان ہر دم اللہ کی طرف توجہ رکھنا لازم ہے (یہی ان کی زندگی ہے۔)

ذکر خداوندی کے استغراق کی حالت میں بندہ جو کچھ کرتا ہے حقیقت میں وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کی طاعت و عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لئے کھاتا پیتا اور سوتا ہے۔ نکاح کرتا ہے تو اس کا مقصد ہوتا ہے سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع۔ امت اسلامیہ کی تعداد میں اضافہ اور حضور ﷺ کے اس فرمان کی تکمیل کہ نکاح کرو، تمہاری کثرت کے سبب میں دوسری امتوں پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔ چونکہ ہر دم استغراق رکھنے والا شخص کسی وقت یاد سے غافل نہیں ہوتا اس لئے اکثر اس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا اگر تقدیر الہی کوئی گناہ ہو بھی جاتا ہے تو اس کو فوراً پشیمانی ہو جاتی ہے اور وہ توبہ کر لیتا ہے اس طرح اللہ اس کی خطاؤں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ یہی بنیاد ہے اس قول کی کہ عالم کی نیند بھی عبادت ہے ایسے ہی لوگوں کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تھکتے نہیں رات دن اللہ کی یاد میں سرگرم رہتے ہیں سست نہیں پڑتے۔

اٰمَاتُ تَخٰذُوْا اِلٰهًا مِّنَ الْاَرْضِ (باوجود ان دلائل توحید کے) ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے (بالخصوص) زمین کی چیزوں میں سے)

اُمّ منقطعہ ہے جو بکل (بلکہ) مع ہمزہ استفہام کے معنی میں ہوتا ہے اور بکل کلام سابق سے اعراض کے لئے آتا ہے

(مطلب یہ ہوتا ہے کہ کلام سابق کا مضمون نہیں ہے بلکہ یہ بات ہے جو آئندہ بیان کی گئی ہے) اور ہمزہ انکار توحیح کے لئے ہے۔ آیات سابقہ کی ترتیب اس طرح ہے **اسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ** پھر فرمایا **بَلْ قَالُوا أَضْغَاتٌ أَحْلَامٌ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ**۔ اول مشورہ کر کے کہنے لگے یہ تو بس تم جیسا آدمی ہے (اور اسی کہنے پر اکتفا نہیں کیا) بلکہ کہنے لگے یہ پر آگندہ خواب ہیں بلکہ (اس سے بھی آگے بڑھ کر کہنے لگے) اس نے از خود بنا کر اور اپنے دماغ سے تراش کر خدا کی طرف نسبت کر دی ہے (پھر کہنے لگے نہیں یہ بھی نہیں ہے) بلکہ یہ شاعر ہے۔ اس تمام کلام کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کے متعلق (تاویل میں کرنے میں) حد سے آگے بڑھ گئے اور فقط نبوت و قرآن کے معاملہ میں انہوں نے حق سے تجاوز نہیں کیا بلکہ (اللہ کے ساتھ) انہوں نے دوسروں کو معبود بھی بنا لیا ہے اور معبود بھی وہ جو زمین کی پیداوار ہیں، زمین کی چیزوں سے بنائے گئے ہیں۔ پتھر، سونا، چاندی (پتیل) وغیرہ، ان معبودوں کا مادہ صنعت ہے۔ **مِنَ الْأَرْضِ** کہنے سے تخصیص مقصود نہیں (کیونکہ ان کے معبود ستارے اور جن وغیرہ بھی تھے) بلکہ معبودوں کی تحقیر مقصود ہے (کہ ان کے معبود ایسے حقیر و ذلیل ہیں جو موجودات ارضی سے بنائے گئے ہیں۔

**هُمْ يُشْرُونَ** ۲۱ وہ معبود مردوں کو زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ اس فقرے میں مشرکوں کی انتہائی جہالت کا اظہار، استہزائیہ طرز کے ساتھ ہے۔ مستحق عبادت صرف وہی ہو سکتا ہے جو زندہ کرنے، مارنے اور کامل نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور جب مشرک بتوں کو بھی معبود قرار دیتے ہیں تو گویا اس بات کے مدعی ہیں کہ بت بھی زندہ کرنے۔ مردہ کرنے اور نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہ دعویٰ واقعیت کے خلاف ہے۔

لو كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا  
معبود ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

جس طرح لفظ **غَيْرِ** استثنائیہ بھی آجاتا ہے اسی طرح **إِلَّا** کبھی بصورت صفت بمعنی **غَيْرِ** کے بھی مستعمل ہے۔ آیت مذکورہ میں استثنائی معنی درست نہیں، استثناء کے لئے ضروری ہے کہ **إِلَّا** کا مابعد (مستثنیٰ) **إِلَّا** کے ماقبل (مستثنیٰ منہ) میں استثناء سے قبل داخل ہو اور پھر کلمہ استثناء کے ذریعہ سے الگ کر لیا جائے اور یہاں **اللَّهُ** (مستثنیٰ) **إِلَهِةٌ** (مستثنیٰ منہ) میں داخل ہی نہ تھا، پھر استثناء متصل و منفصل کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

**لَفَسَدَتَا** سے مراد یہ ہے کہ شروع سے ہی بگاڑ ہو جاتا اور دونوں پیدا ہی نہ ہوتے کیونکہ چند اللہوں کا اگر مقصد میں اتفاق ہوتا تو سب کی یا ہی قدرت میں ٹکراؤ ہوتا یعنی ہوتا اور اگر اللہ کے مقصد و مراد میں اختلاف ہوتا تب تو وجود کائنات میں رکاوٹ پڑ جانا لازم ہی تھی۔

**فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ** ۲۲  
امور سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔

**سُبْحٰنَ** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی میں اللہ کی کامل پاکی بیان کرتا ہوں جو عرش کا رب (حاکم و مالک) ہے۔ عرش تمام اجسام کو محیط ہے۔ انتظامات عالم کا مرکز اور تمام مقادیر کا سرچشمہ ہے۔ اس عالم میں عرش کی حالت ایسی ہے جیسے انسانی جسم میں دماغ کی، **عَمَّا يَصِفُوْنَ** یعنی مشرک جو اللہ کی بیوی بچے اور شرکاء ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، میں ان کے اس بیان سے اللہ کے کامل طور پر پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔

**لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ** ۲۳  
اس سے اس کے فعل کی باز پرس نہیں کی جائے گی اور ان سے (یعنی آسمانوں و زمین والوں سے ان کے اعمال کی) باز پرس کی جائے گی، یعنی اللہ کی عظمت، اقتدار کی قوت، الوہیت میں یکتائی اور ذاتی حکومت کی وجہ سے اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ باز پرس نہ کی جاسکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا ہر فعل اپنی ملکیت میں تصرف ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جیسا چاہے تصرف کر سکتا ہے اس پر کوئی

اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور مخلوق کا تصرف اپنی ملک میں تصرف نہیں، مخلوق کسی چیز کی حقیقی مالک ہی نہیں ہے بلکہ اللہ کی ملک میں تصرف ہے اور اللہ کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، لہذا اللہ کی ملک میں تصرف کرنے والوں سے باز پرس کی جائے گی، لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ یہ پورا کلام سابق مضمون کی علت ہے کیونکہ جو مسئول ہو گا وہ اس ذات کا شریک کیسے ہو سکتا ہے جو غیر مسئول ہے۔

اور اتخذوا من دونه آلهة  
 کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں۔ اس جملہ کو دوسری مرتبہ ذکر کرنے سے مقصود ہے کفر کی برائی کی عظمت کا بیان اور کافروں کی جہالت کا مزید اظہار۔ تکرار کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلی مرتبہ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں کے پاس باطل معبودوں کو الٰہ قرار دینے کی کوئی عقلی دلیل نہیں، کیا وہ مردوں کو زندہ کر دیں گے اور دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھادیں گے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان کی الوہیت کا عقلاً کوئی استحقاق نہیں۔ پھر دوبارہ اسی جملہ کو ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کو اللہ کا شریک قرار دینے کی اجازت نہیں، اس لئے شرک کی کوئی نقلی دلیل بھی ہے۔

آپ ان سے کہئے کہ (اس دعویٰ پر) تم اپنی دلیل پیش کرو۔ یعنی شرک کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش کرو، بے دلیل بات صحیح نہیں، تمام عقلی و نقلی دلیلیں شرک کے خلاف موجود ہیں۔

ہذا ذکر من معی و ذکر من قبلی  
 یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود ہیں۔ یعنی یہ قرآن اور توریت و انجیل جو تمہارے سامنے موجود ہے یہ قیامت تک میری امت کے لئے بھی نصیحت نامہ ہے اور گزشتہ امتوں کے لئے بھی، یہی یادداشت اور درس نصیحت تھا (مراد یہ ہے کہ تینوں کتابیں درس توحید پر متفق ہیں کسی میں بھی شرک کی اجازت نہیں۔ پس یہی پیام توحید میری امت کے لئے بھی ہے اور سابق امتوں کے لئے بھی یہی درس نصیحت تھا) عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ذِکْرُ مَنْ مَعِيَ سے قرآن مراد ہے اور ذِکْرُ مَنْ قَبْلِي سے توریت و انجیل، مطلب یہ ہے کہ قرآن ہو یا توریت یا انجیل یا کوئی اور آسمانی صحیفہ سب کو پڑھو اور بتاؤ کہ کسی کتاب میں بھی کسی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے کسی کو اپنا شریک یا بیٹا بنایا ہے یا اپنے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

### ..... ایک شبہ .....

مکہ کے مشرک تونہ قرآن کو مانتے تھے نہ توریت و انجیل کو اگر ان کتابوں میں شرک کی اجازت نہ تھی تو مشرکین مکہ پر اس فیصلہ کا ماننا ان کی نظر میں کب ضروری تھا پھر کتب سماویہ میں شرک کی اجازت نہ ہونے کو ابطال شرک کی دلیل کیسے قرار دیا جاسکتا تھا۔

### ..... ازالہ .....

مشرکین مکہ عناد ان کتابوں کو نہیں مانتے تھے ورنہ ان کی صداقت و حقانیت تو واضح تھی خصوصاً قرآن کا اعجاز اور بلاغت اعلیٰ تو اس کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی کھلی دلیل تھی ایسی حالت میں کافروں کا انکار قابل التفات ہی نہیں تھا گویا اہل انصاف کی نظر میں ان کتابوں کی سچائی مسلمہ تھی (اور مسلمات یقینہ پر جس قیاس کی بناء ہوتی ہے وہ قیاس برہانی یعنی ہوتا ہے، پس کتب سماویہ میں شرک کی اجازت نہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک باطل ہے اور توحید ہی حق ہے) بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امر حق کا یقین نہیں رکھتے سو (اس وجہ سے) اعراض کر رہے ہیں۔ یعنی صداقت کے واضح ہونے کے باوجود یہ لوگ حق کو نہیں جانتے اور حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے، اس لئے توحید خداوندی اور اتباع رسول سے گریز کرتے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝۱۵

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے پھونکا نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو۔ اس کلام میں تخصیص کے بعد تمہم ہے یعنی توحید کا حکم صرف اس قرآن، توریت اور انجیل میں ہی نہیں ہے بلکہ جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجا اس کو یہی پیغام دیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم سب میری ہی خالص عبادت کرو۔

اور یہ (مشرک) یوں کہتے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝۱۶

ہیں کہ اللہ نے فرشتوں کو اولاد بنا رکھا ہے اللہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ فرشتے اس کے بندے ہیں معزز۔ اس کلام کا عطف اِمِ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنَ الْأَرْضِ کے مضمون پر ہے یعنی کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ رحمن نے اپنے لئے اولاد اختیار کی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے حق میں ہوا، جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ بلکہ بندے ہیں یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں، خدا ان کا باپ نہیں، خالق ہے۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يُعْمَلُونَ ۝۱۷

اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی اجازت و اذن کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور اللہ جو حکم ان کو دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ خلاف حکم کچھ نہیں کرتے۔

اللہ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے یہ گویا کلام سابق کی

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

علت ہے، مطلب یہ کہ اللہ سے فرشتوں کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں، نہ گزشتہ عمل، نہ موجودہ عمل، نہ ہونے والا۔ اور چونکہ اللہ ان کے تمام احوال سے واقف ہے اس لئے وہ بھی اپنے احوال کی نگہداشت کرتے اور اعمال کا انضباط رکھتے ہیں۔

اور بجز اس کے جس

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝۱۸

کے لئے شفاعت کرنے کی خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یعنی ہیبت الہیہ کی وجہ سے ان کا یہ حال ہے کہ فقط انہی لوگوں کی شفاعت کرتے ہیں جن کے حق میں شفاعت کو اللہ پسند فرماتا ہے اور (یہ شفاعت بھی) ڈرتے ڈرتے کرتے ہیں، عظمت الہیہ کا خوف ان پر چھلایا ہوتا ہے۔ تعظیم آمیز خوف کو خشیت کہا جاتا ہے اس لئے خشیت کو علماء کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اِشْفَاقٌ کا معنی ہے ڈرنا، خوف کھانا، اگر اس کے بعد لفظ مِّنِ آتا ہے تو کسی سے خوف کرنا اور ڈرنا مراد ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد عَلٰی آتا ہے تو کسی کو نقصان پہنچنے اور دکھ پانے سے ڈرنا اور اس پر رحم کھانا مراد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُقِلْ مِنْهُمْ إِلَى اللَّهِ مِنْ دُونِهِ فَذٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹

اور (بالفرض اگر) ان میں سے کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں، یعنی کوئی فرشتہ یا کوئی مخلوق اللہ ہونے کا مدعی بالفرض ہو جائے تو اس کی سزا جہنم ہے اس آیت کا مقصد غیر اللہ کی ربوبیت کی نفی اور اس بات کی تکذیب ہے کہ فرشتے مدعی الوہیت ہیں۔ اور مدعی الوہیت کی سزا کا اظہار کر کے مشرکوں کو عذاب کی تہدید ہے۔ اس آیت کا مضمون (تقریباً) ویسا ہی ہے جیسا آیت لَنْ يُسْتَنْكَفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدَ اللّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكَفْ عَنْ عِبَادَتِيْهِ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا کا ہے، قتادہ نے کہا مَنْ يُقِلْ مِنْهُمْ سے مراد ابلیس ہے، جو حقیقتہً یا حکماً ملائکہ میں سے تھا فرشتوں کے ساتھ اس کو شامل کر دیا گیا، ابلیس نے غرور کیا اور اپنی عبادت کی لوگوں کو دعوت دی۔ دوسرا فرشتہ اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے (گویا قتادہ کے نزدیک آیت میں ایک واقعہ کا اور اس کی سزا کا اظہار کیا گیا ہے محض فرض پر کلام کی بناء نہیں ہے)

اَوْ لَمْ يَرِ الدِّينَ كَفَرُوا وَاَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا

کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان وزمین (پہلے) بند تھے، پھر ہم نے دونوں کو اپنی قدرت سے کھول دیا۔

السَّمَوَاتِ یعنی آسمانوں کا مجموعہ، الْأَرْضِ زمینوں کا مجموعہ، رُتَقًا، حضرت ابن عباس ضحاک، عطاء اور قتادہ نے کہا آسمان وزمین سب باہم چسپاں اور ایک ہی تھے۔ فَفَتَقْنَاهُمْ پھر ہوا داخل کر کے ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ رُتَقًا کالغوی معنی ہے بند کرنا، ملا دینا اور فَتَقًا کا معنی ہے پھاڑ دینا، کھول دینا۔ کعب نے کہا اللہ نے آسمان وزمین کو اوپر نیچے (تہ بترتہ) بنایا تھا پھر ہوا پیدا کر کے اس کو دونوں کے بیچ میں داخل کر کے دونوں کو کھول دیا۔ (یعنی الگ الگ کر دیا) مجاہد اور سدی نے کہا آسمان وزمین چسپاں ایک طبقہ ہی تھے پھر اللہ نے ایک آسمان کے ساتھ کر دیئے اور اسی طرح ایک زمین بھی اس کے ساتھ (طبقے) بنا دیئے۔ عکرمہ اور عطیہ نے کہا آسمان بند (بلا سوراخ) تھا اس سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بھی بند (بلا سوراخ) تھی اس سے کوئی سبزہ نہیں اگتا تھا، پھر اللہ نے بارش کے ذریعہ سے آسمان میں شکاف (یعنی سوراخ) اور سبزہ اگا کر زمین میں سوراخ بنا دیئے اس مطلب پر السَّمَوَاتِ (بصیغۃ جمع) سے مراد ہوگا آسمان دینا اور چونکہ اس کے اجزاء بہت ہیں اس لئے سَمَوَاتِ کے لفظ کا اس پر اطلاق کیا (گویا سماء کے مختلف بلند اجزاء کو سَمَوَاتِ کہا گیا) یا سَمَاوَاتِ سے متعدد آسمان ہی مراد ہیں اور سب آسمانوں کو بارش برسائے میں داخل ہے (اس لئے تمام آسمانوں کو رُتَقًا فرمایا پھر ان سب کے اندر اللہ نے سوراخ کر دیئے) حضرت مفسر نے فرمایا یہی قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ تمام اہل عقل مؤمن ہوں یا کافر جانتے ہیں کہ پہلے بارش نہیں تھی پھر ہو گئی اور پہلے سبزہ نہ تھا پھر زمین سے اگنے لگا۔ بارش ہونا اور سبزہ پیدا ہونا ایک امر حادث ہے (جو پہلے نہ تھا پھر ہو گیا) اور ہر حادث کے لئے پیدا کرنے والے کی ضرورت ہے، کوئی حادث بغیر واجب الوجود محدث کے نہیں ہو سکتا۔

رہا پہلا مطلب کہ آسمان وزمین باہم چسپاں تھے پھر اللہ نے ان کو ہوا کے ذریعہ سے الگ الگ کر دیا تو عام کافروں کے لئے یہ (علمی مسئلہ) ظاہر نہیں لیکن وہ علماء سے دریافت کر سکتے ہیں، آسمانی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں، اس طرح ان کو بھی علم ہو سکتا ہے۔ آئندہ آیت عکرمہ اور عطیہ کے قول کی تائید کر رہی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔ اس کا عطف فقہا پر ہے یعنی ہم نے آسمان میں سوراخ کر دیئے اور اس سے بارش نازل کی اور زمین میں سوراخ کر دیئے اور اس سے سبزہ اگا دیا اور ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ اس مطلب پر رابطہ محذوف ہے۔ مطلب اس طرح ہو گا ہم نے ہر زندہ چیز کو جو آسمان و زمین کے درمیان ہے پانی سے پیدا کیا۔

جَعَلْنَا ہم نے پیدا کیا (جَعَلَ بسیط جو صرف ایک مفعول چاہتا ہے) اس وقت مِنَ الْمَاءِ کا تعلق جَعَلْنَا سے ہو گا اور كُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ مفعول ہو گا۔ جَعَلْنَا کا دوسرا ترجمہ ہم نے کر دیا پانی سے مخلوق ہر چیز کو (جعل مرکب جو دو مفعول چاہتا ہے) اس صورت میں كُلُّ شَيْءٍ مفعول اول ہو گا اور مِنَ الْمَاءِ کا تعلق کائِنًا مَخْلُوقًا محذوف سے ہو گا یعنی ہم نے پانی سے مخلوق کر دیا ہر چیز کو۔

### ..... ایک شبہ .....

گھاس کی پیدائش تو فی الجملہ پانی سے ہے۔ گھاس بھی کچھ نہ کچھ زندگی رکھتی ہے اس لئے گھاس کا پانی سے پیدا ہونا تو ٹھیک ہے۔ بعض حشرات الارض کا مادہ تخلیق بھی رطوبت ہی ہے اس لئے ان کی تخلیق کو پانی سے قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن انسان اور اکثر حیوانات کا مادہ تخلیق تو نطفہ ہے ان کو پانی کی پیداوار کہنا کس طرح درست ہے۔

### ..... جواب .....

کلام مجازی ہے ہر حیوان کو اپنی بقاء کے لئے پانی کی ضرورت اتنی زیادہ ہے کہ گویا ہر حیوان پانی ہی سے پیدا کیا گیا ہے، جیسے خَلِقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ آدَمِي طبعاً اتنا عجلت پسند واقع ہوا ہے اور ہر چیز کے نتیجے کو اتنی جلد طلب کرتا ہے کہ گویا اس کی

تخلیق ہی عجلت کے مادے سے ہوئی ہے یا لفظ بقا محذوف ہے۔ یعنی ہم نے ہر زندہ چیز کی بقا پانی سے کی ہے یا یوں کہا جائے کہ پانی سے رطوبت مراد ہے۔ نطفہ سے اکثر حیوانات کی تخلیق ہوتی ہے اور نطفہ مرطوب ہوتا ہے۔ الماء کے اندر نطفہ داخل ہے۔ ابو العالیہ نے کہا اکثر مفسرین نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا کہ ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں پانی سے مراد نطفہ، جیسے دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے، وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ اور اللہ نے ہر چوپایہ کو پانی سے پیدا کیا ہے، اس مطلب پر حدیث میں جو لفظ شیشی آیا ہے اس سے مراد حیوان ہے اور (چونکہ بعض حیوانات کی تخلیق پانی سے نہیں ہوئی جیسے آگ کے اندر پیدا ہونے والا کیراجس کو سمندر کہا جاتا ہے۔ مترجم) لفظ کُل سے اکثر مراد ہے جیسے حدیث مبارک میں کُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ یعنی تم سے اکثر لوگ نگرانی کے ذمہ دار ہیں۔

کیا (ان باتوں کو سن کر) پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ استفہام انکاری ہے اور تعقیب کے لئے یعنی صالح قدیم کی توحید ذاتی و صفاتی کی اتنی واضح اور عظیم الشان دلائل دیکھنے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ سَوَاسِيًّا أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے زمین اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس زمین میں کشادہ کشادہ راستے بنائے تاکہ وہ لوگ (ان کے ذریعہ سے) منزل مقصود کو پہنچ جائیں۔

رَوَاسِيًّا - جِبَالًا محذوف کی صفت ہے، جسے ہوئے پہاڑ، گڑے ہوئے پہاڑ۔ یہ لفظ رَسَا سے ماخوذ ہے رَسَا کا معنی ہے ثبت۔

أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ لفظ كَرَاهَةً یا حرف نفی (لا) اس سے پہلے محذوف ہے۔ تاکہ زمین اپنے باشندوں کو لے کر نہ لرزے۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا، یعنی زمین میں یا پہاڑوں میں فِجَاجًا دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے (قاموس) سُبُلًا کھلے ہوئے راستے۔ یہ سَبِيل کی جمع ہے (قاموس) فِجَاجٌ میں وسعت کا مفہوم ہے، سُبُلًا سے پہلے اسکو ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ آغاز تخلیق میں پہاڑی راستے کشادہ تھے، لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ تاکہ وہ اپنے مقاصد و مصالح کا راستہ پالیں، راہ چل کر اپنے مقصد کو حاصل کر لیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے آسمان کو مثل ایک چھت (کے) بنایا جو محفوظ ہے اور وہ لوگ اس کے اندر کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ (غور نہیں کرتے) یعنی ہم نے آسمان کو گرنے سے محفوظ بنایا محض اپنی قدرت سے بغیر ستونوں کے سہارے کے۔ یا قیامت تک ٹوٹنے، پھوٹنے، تباہ و برباد ہونے اور بگڑنے سے محفوظ کر دیا اس بات سے محفوظ کر دیا کہ کوئی شیطان اوپر چڑھ کر چوری چھپے کوئی خبر سن نہ پائے۔ عَنْ آيَاتِهَا یعنی چاند، سورج ستارے اور ان کے مختلف احوال جو صالح کے وجود، وحدت، کمال قدرت اور وسعت حکمت پر دلالت کر رہے ہیں ان کی طرف سے وہ لوگ روگرداں ہیں غور نہیں کرتے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۳﴾

اور وہ ایسا ہے کہ اسی نے رات و دن اور سورج اور چاند بنائے ہر ایک، ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

یہ بعض آیات ربوبیت والوہیت کا بیان ہے، کُلٌّ یعنی ہر ایک فَلَکٍ، یعنی مدار نجوم۔ جو سب ستاروں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے (قاموس) فَلَکٌ کی جمع أَفْلَاکٌ آتی ہے۔ عربی زبان میں ہر گول گھیرے کو فَلَک کہتے ہیں۔ تکلے کے دمرکے کو بھی اسی مناسبت سے فَلَک کہا جاتا ہے۔ حسن نے کہا فَلَک تکلے کے دمرکے کی شکل کی ایک چکی ہے، مراد یہ ہے کہ چکی کے گول چکر کی طرح ستارے دائرہ میں چلتے ہیں یعنی ستاروں کی رفتار متدیر ہے۔ قنادہ نے کہا فَلَک سے مراد آسمان ہے جس کے اندر ستارے موجود ہیں اور ہر ستارہ اسی آسمان میں چلتا ہے جو اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ کلبی نے کہا فَلَک آسمان کی گولائی

کو کہتے ہیں کچھ لوگوں نے کہا آسمان کے نیچے موج بستہ کا نام فلک ہے جس میں چاند، سورج اور ستارے چلتے ہیں۔  
(حضرت مفسر نے کہا)، میں کہتا ہوں فلک آسمان ہی ہے آسمان دنیا ہی پر سب ستارے چلتے ہیں اور فلک کی تین بتا رہی ہے کہ ہر ستارہ ایک دائرہ میں چل رہا ہے تمام ستاروں کے مدار مختلف متعدد گھیروں پر ہیں باوجود مدار کے تعدد فلک کو بصیغہ واحد ذکر کرنا عربی محاورے کے مطابق ہے۔ عرب بولتے ہیں امیر نے ان سب کو خلعت پہنایا (یعنی ہر ایک کو ایک ایک خلعت پہنایا)

يَسْبَحُونَ تیرتے ہیں یعنی تیز چلتے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والے کی (ہموار) رفتار ہوتی ہے يَسْبَحُونَ کی ضمیر جمع شمس و قمر کی طرف راجع ہے۔ شمس و قمر کے مطالع متعدد اور کثیر ہوتے ہیں اس لئے جمع کی ضمیر راجع کرنا درست ہے۔  
ابن المنذر نے ابوجوع کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے آپ کی وفات کی اطلاع دی گئی تو حضور ﷺ نے عرض کیا ابے میرے رب (میرے بعد) میری امت کا کون نگران ہو گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔  
وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ﴿۳۳﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ  
اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تجویز نہیں کیا پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔

خلد دنیا میں ہمیشہ رہنا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب کافروں نے کہا تھا ہم تو اس وقت کے منتظر ہیں جب محمد پر موت کا چکر پڑے (اور وہ مر جائیں) مطلب یہ ہے کہ آپ ہمیشہ رہنے والے نہیں یہ بات طے شدہ ہے پھر آپ کے بعد کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (ایسا ہرگز نہ ہوگا) ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، بدن سے روح کے جدا ہونے کی سختی سب کو چکھنی ہے۔

وَنَبَلُوكُمْ بِالْأَشْرَارِ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾  
اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں پھر اس زندگی کے بعد تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

نَبَلُوكُمْ یعنی ہم تمہارے ساتھ ویسا عمل کریں گے جیسا امتحان لینے والا کرتا ہے (اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اس لئے اصل کیفیت دریافت کرنے اور واقف ہونے کے لئے وہ ہماری جانچ نہیں کرتا، پس بلاء یعنی امتحان کی نسبت اس کی طرف حقیقی بلکہ محض مجازی اور ظاہری ہے، وہ بندوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جیسا امتحان ان لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔ جن کا وہ امتحان لیتا ہے)

بِالْأَشْرَارِ وَالْخَيْرِ یعنی برائی، بھلائی، سختی، نرمی، صحت، بیماری، دولت، افلاس اور ہر ناگوار و گوارا چیز سے ہم تمہاری جانچ کرتے ہیں تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ تم مرغوب و محبوب مقصد کو حاصل کر کے شکر کرتے ہو یا ناشکری۔ اور دکھ پر صبر کرتے ہو یا شکوہ و شکایت اور بے صبری۔

وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ اور ہماری ہی طرف تم کو لوٹا کر لایا جائے گا پس ہم ہی تم کو صبر و بے صبری اور شکر و ناشکری کی جزا و سزا دیں گے۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ پیدا کرنے کی اصل غرض جانچ کرنا اور عذاب و ثواب دینا ہے۔ اس جملہ میں آیت نَبَلُوكُمْ کے مضمون کی تائید ہے۔ ابن حاتم نے بروایت سدی بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ، ابو جہل اور ابوسفیان کی طرف سے گزرے حضور کو دیکھ کر ابو جہل ہنسنے لگا اور ابوسفیان سے بولا یہ ہے بنی عبد مناف کا نبی۔ ابوسفیان کو اس بات سے غصہ آگیا اور کہنے لگا بنی عبد مناف میں پیغمبر ہونا تم کو کیوں ناگوار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ گفتگو سن لی اور پلٹ کر ابو جہل کو ڈرایا اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تو اس وقت تک باز نہیں آئے گا جب تجھ پر وہ مصیبت نہ آ پڑے جو تیرے چچا پر پڑی تھی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَذَا الَّذِي كَذَّبْتُمْ



اور کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کی ہنسی اڑاتے ہیں اور (آپس میں کہتے ہیں) کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔

ہزوا مسخرہ یعنی کیا یہ ہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو برا کہتا اور ان کا ذکر برائی کے ساتھ کرتا ہے (برائی کے ساتھ) لفظ گو مذکور نہیں ہے مگر مراد ہے دشمن کا ذکر کرنا، برائی کے ہی ساتھ ہوتا ہے اور دوست کا ذکر اچھائی کے ساتھ۔  
فُلَانٌ يَذْكُرُ فُلَانًا فُلَانٌ شَخْصٌ اس آدمی کی برائی کر رہا تھا فُلَانٌ يَذْكُرُ اللّٰهَ فُلَانٌ شَخْصٌ اللّٰهَ کا ذکر کرتا ہے یعنی اللہ کی اچھی صفات بیان کرتا ہے یہ دونوں محاورے ہیں۔

اور خود یہ لوگ رحمن کے ذکر کا انکار کیا کرتے ہیں، رحمن  
وَهُمْ يَذْكُرُ الرَّحْمٰنَ هُمْ كُفْرًا ۝۳۶  
کے ذکر کے منکر ہیں، یعنی اللہ کی توحید و تعظیم کے منکر ہیں یا اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں یا قرآن کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رحمن یمامہ یعنی مسلمانہ کے علاوہ ہم اور کسی رحمن کو نہیں جانتے، پس ایسے لوگ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے استہزاء کی جائے اور ان کو مسخرہ بنایا جائے۔  
ہم کا تکرار تاکید اور تخصیص کے لئے ہے یا اس لئے ہے کہ اول ہم (مبتدا) اور کافرؤن (خبر) کے درمیان بد ذکر الرَّحْمٰن کے لفظ سے فصل ہو گیا ہے۔

انسان جلدی ہی کے خمیر کا بنا ہوا ہے۔ یعنی عجلت پسندی انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ انسان اتنا عجلت پسند اور بے صبر واقع ہوا ہے کہ گویا اس کے خمیر میں عجلت (داخل) ہے اگر کسی شخص سے کسی بات کا صدور کثرت سے ہوتا ہے تو محاورے میں کہا جاتا ہے اس کی تو سرشت میں یہ بات داخل ہے۔

فُلَانٌ خُلِقَ مِنْ غَضَبٍ۔ خُلِقَ فُلَانٌ مِنَ الْكُرْمِ فُلَانٌ شَخْصٌ کا خمیر ہی غصہ کا ہے، فلاں شخص کی سرشت ہی سخاوت سے ہوئی ہے، ایسا کلام بطور مبالغہ کے کہا جاتا ہے اور مجازی معنی پر محمول ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر اور سدی نے بیان کیا کہ جب حضرت آدم کے سر اور آنکھوں میں روح داخل ہو گئی تو جنت کے پھلوں پر فوراً نظر پڑی اس کے بعد روح پیٹ کے اندر پہنچی تو آپ کو کھانے کی اشتہا پیدا ہو گئی اور فوراً انگوں تک روح پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھل لینے کے لئے اٹھنے لگے، لیکن اٹھ نہ سکے اور گز پڑے، اسی لئے کہا گیا ہے، خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ اس آیت میں الْاِنْسَانُ سے مراد حضرت آدم ہیں آپ ہی کی عجلت پسندی آپ کی اولاد میں بطور توارث منتقل ہو کر آئی ہے۔ آدمی کی یہ عجلت پسندی ہی ہے کہ کفر کی طرف پیش قدمی کرتا ہے اور عذاب کی اس کو عید سنائی جاتی ہے تو فوراً نزول عذاب کا طلب گار ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں صوفیہ صافیہ کے قول کے مطابق تمام عالم اللہ کے اسماء و صفات کا پر تو اور سایہ ہے اور یہ صفات الہیہ تعینات خلأق کے مبادی ہیں اور اللہ کی صفات متضاد ہیں (وہ رَحِيْمٌ بھی ہے اور قَهَّارٌ بھی) پس جس طرح صُبُوْرٌ اس کا وصفی نام ہے اسی طرح وہ سَرِيْعُ الْحِسَابِ بھی ہے عجلت پسندی بھی اس کی ایک صفت ہے اور انسان کے اندر صفت عجلت پسندی کا یہی مبداء ہے اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ انسان کی سرشت اور تخلیق میں عجلت داخل ہے۔

### ایک شبہ

جب عجلت پسندی اللہ کی صفت ہے تو یقیناً یہ صفت اچھی ہی ہو گی لیکن رفتار آیت بتا رہی ہے کہ عجلت پسندی مذموم صفت ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ جب استعجال انسان کی فطرت میں داخل ہے تو اس کی ممانعت کیوں کی گئی، سرشتی چیز ناقابل تبدیل ہوتی ہے اس کو ترک کرنا انسان کے بس میں ہی نہیں ہے۔

### ازالہ

نفس استعجال بری چیز نہیں ہے ہاں اس میں حد سے تجاوز کرنا یا بے موقع اس کا استعمال برا ہے، دیکھو اللہ نے انبیاء کی تعریف میں فرمایا ہے وہ نیکیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں، پس استعجال کا فرط یا بے محل استعمال مذموم ہے اور اس کو ترک

کرنا ممکن نہیں ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کو اللہ نے تھوڑے وقت میں پیدا کیا تھا۔ آدم کی تخلیق میں عجلت سے کام لیا تھا، آپ کو جمعہ کے روز دن کے آخری حصے میں پیدا کیا گیا اور غروب آفتاب سے پہلے پہلے آپ کی تخلیق مکمل ہو گئی۔ دوسری مخلوق آپ سے پہلے دن کے آخری حصہ تک پیدا کی جا چکی تھی۔ حضرت آدم کے سر میں جب روح داخل ہو گئی تو آپ نے عرض کیا الہی غروب آفتاب سے پہلے میری تخلیق پوری کر دے، یہ قول مجاہد کا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا اللہ نے حضرت آدم کو جلد یعنی یکدم پیدا کر دیا، دوسرے آدمیوں کی تخلیق تربیتی ہے پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر بستہ خون، پھر بوٹی وغیرہ، حضرت آدم کی تخلیق اس طرح نہیں کی گئی۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ عجل کا معنی ہے گیلی مٹی، کیچڑ۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ عجل بفتح عین و جیم کیچڑ یا لیسہ اردو دل۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

وَالنَّخْلُ تَنْبَتُ مِنْ مَاءٍ وَمِنْ عَجَلٍ  
وَالنَّبْعُ فِي الصَّخْرَةِ الصَّمَاءِ مُنْبَتُهُ

درخت نبع کی پیدائش کا مقام ٹھوس پتھروں میں ہوتا ہے اور کیچڑ کا درخت پانی اور کیچڑ سے پیدا ہوتا ہے۔

سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿۳۷﴾

پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔

نشانیوں سے مراد ہے (عذاب دنیا و آخرت یعنی) بدر کا واقعہ اور عذاب دوزخ۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ کا مطلب یہ ہے کہ آیات کے ظہور کا ایک وقت مقرر ہے، وقت مقرر سے پہلے تم ان کی طلب نہ کرو۔ مقرر وقت پر ان کا وقوع ضرور ہو جائے گا۔ حقیقت میں یہ تردید کافروں کے اس خیال کی ہے کہ عذاب کا وقوع بعید از فہم ہے اور اگر واقعی عذاب آنے والا ہے تو فوراً آجانا چاہیے وہ استہزاء کہتے تھے کہ اے اللہ محمد جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر یہ حق ہے، تیری طرف سے ہے (اور ہم اس کے منکر ہیں) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول نصر بن حارث کے حق میں ہوا نہ کہ کورہ بالا قول اسی کا تھا۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾

قیامت کی (وعید کب آئے گی اگر تم (اس وعید میں) سچے ہو) تو بیان کرو کہ کب اس کا وقوع ہوگا

کُنْتُمْ کے مخاطب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہیں۔ اور کلام سابق چونکہ مفہوم جزا پر دلالت کر رہا ہے اس لئے اِنْ كُنْتُمْ کی جزا کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۳۹﴾

اگر کافر جان لیتے تو اس وقت (کے سماں) کو جب کہ وہ آگ کو نہ اپنے چہروں کی طرف سے روک

سکیں گے نہ پشت کی جانب سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ شرط کا جواب محذوف ہے یعنی اگر کافر جان لیں اس وقت کو جب

کہ ہر طرف سے ان کو آگ اپنے گھیرے میں لے لے گی اور اس کو وہ نہ خود دفع کر سکیں گے نہ کوئی اور ایسا مددگار ملے گا جو عذاب

کو دفع کر سکے تو اپنے کفر پر قائم نہیں رہیں گے یا عذاب آنے کی جلدی نہیں مچائیں گے یا ایسی بات نہیں کہیں گے۔

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۴۰﴾

پر اچانک آڑے کی اور ان کو حیران بنا دے گی پھر نہ وہ اس کو لوٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

تَأْتِيهِمْ کی فاعلی ضمیر نار کی طرف راجع ہے یا وَعْدِ کی طرف یا حِينَ کی طرف۔ معنوی اعتبار سے وَعْدِ بمعنی مدت

مقررہ اور حِينَ بمعنی ساعت ہے، اس لئے مؤنث کی ضمیر ان کی طرف لوٹ سکتی ہے۔

بَغْتَةً اچانک ناگہان، وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ یعنی جس طرح دنیا میں مہلت دی گئی ہے اس وقت مہلت نہیں دی جائے گی۔

لَا هُمْ يُنصَرُونَ اور لَا هُمْ يُنظَرُونَ میں ہُمْ کو فعل سے پہلے ذکر کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صرف کافروں کا

کوئی مددگار نہ ہو گا اور صرف انہیں کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ گناہ گار مومنوں کی یہ حالت نہیں ہوگی انبیاء، اولیاء، صلحاء اور ملائکہ کی سفارشی مدد ان کو حاصل ہو سکے گی اور ان کو مہلت بھی دی جائے گی اور مغفرت کر دی جائے گی۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزِئَ بِرَسُولٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴۱﴾

اور آپ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ان سے بھی استہزاء (سخراپن) کیا جا چکا ہے آخر وہی (عذاب) ان پر نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق بناتے تھے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین ہے اور استہزاء کرنے والوں کے لئے عذاب کی وعید۔

فَحَاقَ، یعنی جس چیز کا وہ استہزاء کرتے تھے اسی کی سزا اور عذاب ان پر نازل ہوا۔

قُلْ مَنْ يَكْفُرْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ﴿۴۲﴾ (اے محمد ﷺ! آپ ان استہزاء کرنے والوں سے) کہئے کہ رات اور دن میں رحمن (کے عذاب) سے تمہاری کون حفاظت کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی اگر رحمن تم کو عذاب دینا چاہے گا تو تمہارا بچاؤ کون کرے گا، یا یہ مطلب ہے کہ اگر رحمن کا عذاب تم پر نازل ہو گا تو کون تم کو بچائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ عذاب سے دنیا میں بچانے والا سوائے اللہ کی رحمت عامہ کے اور کوئی نہیں۔ اور عذاب کا دفاع اسی وقت ہو گا جب اللہ ہی مہلت دے گا۔

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۴۳﴾ بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے روگرداں ہی ہیں۔ یہ حکم سوال سے اعراض ہے، مطلب یہ ہے کہ رحمن سے انکو خوف دلاؤ اور اس کے عذاب سے ڈراؤ۔ اس کے بعد فرمایا، بلکہ یہ ڈرانا بیکار ہے۔ قرآن اور اللہ کے مواعظ سے تو یہ روگرداں ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دل میں تو رحمن کا خیال ہی نہیں آتا اس کے عذاب سے کیسے ڈریں گے۔

أَمْ لَهُمُ الْهَيْهَاتَ مِنْهُمْ مِّنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۴۴﴾

کیا ان کے پاس ہمارے سوائے معبود ہیں کہ (عذاب مذکور سے) ان کی حفاظت کر لیتے ہوں، وہ تو اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔

تَمَنُّعُهُمْ، یعنی ایسے معبود جو ہمارے عذاب سے ان کو بچا سکیں۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ یعنی ان کے معبود تو اپنی مدد بھی خود نہیں کر سکتے۔ اگر ان پر مکھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتے۔

وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ اور نہ ان کے ساتھ ہماری مدد ہو سکتی ہے جس طرح ان لوگوں کے ساتھ ہوگی جو گناہ گار اہل ایمان کی شفاعت کریں گے یعنی انبیاء، اولیاء، ملائکہ، جو گناہ گار مومنوں کی شفاعت کریں گے ان کے ساتھ تو ہماری مدد ہوگی اور ان بتوں کے ساتھ (جن کو کافر اپنا شفیع سمجھتے ہیں) نہیں ہوگی۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس جملہ کا ترجمہ اس طرح کیا کہ وہ (بت) بھی اپنے عذاب سے محفوظ نہ ہوں گے یعنی ان معبودوں پر بھی عذاب ہوگا۔ اسی طرح کا مضمون آیت اِنْكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حُصْبٌ جُكْهَمٌ میں ادا کیا گیا ہے۔ تم اور جن بتوں کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ مجاہد نے یُصْحَبُونَ کا ترجمہ یُنصَرُونَ کیا یعنی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ قتادہ نے کہا ان کے ساتھ اللہ کی طرف سے اذن، شفاعت اور مدد نہ ہوگی۔

بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَاٰبَاءَهُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَيْهِمُ الْعَمْرُوتُ ﴿۴۵﴾ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر اسی حالت میں عرصہ دراز گزر گیا۔

مَتَّعْنَا یعنی ہم نے نعمت دی اور مہلت بھی دی، هَؤُلَاءِ ان کافروں کو حَتّٰی طَالَ عَلَيْهِمُ الْعَمْرُوتُ یعنی ان کی مدت زندگی لمبی ہو گئی۔

کافروں کو وہم ہو سکتا تھا یا وہم تھا کہ یہ تمام امور ہمارے معبودوں کی وجہ سے ہوئے، اللہ نے اس خیال سے اعراض کیا اور فرمایا ایسا نہیں ہے کہ تم کو نعمت و مدت زندگی معبودوں کی وجہ سے ملی ہو بلکہ یہ سب کچھ ہم نے دیا۔ یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے جو ان کو نعمت سے نواز اور طویل زندگی عطا کی تو یہ خیال ہوا کہ ہم کو یہ سب کچھ ہمارے ذاتی استحقاق کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور ہماری یہ حالت ہمیشہ رہے گی، اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ہماری طرف سے ڈھیل ہے آئندہ آیت اس تاویل کی تائید کر رہی ہے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ بَاتِي الْأَرْضِ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۳۱﴾

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم (کافروں کی) زمین کناروں کی طرف سے گھٹا رہے ہیں پس کیا یہ پھر بھی غالب آجائیں گے۔

الْأَرْضُ سے مراد ہے کافروں کی سر زمین۔ کافروں کے مقبوضات گھٹانے سے مراد یہ ہے کہ کافروں کے قبضے سے نکال کر مسلمانوں کے تسلط میں ہم دے رہے ہیں تو ایسی حالت میں کیا کافر رسول اللہ ﷺ پر اور مسلمانوں پر غلبہ پاسکیں گے۔

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۗ  
آپ کہہ دیجئے میں تم کو وحی کے ذریعہ سے (عذاب سے) ڈرا رہا ہوں۔  
یعنی عذاب کا ڈراوا اپنی طرف سے نہیں دے رہا ہوں بلکہ جو قرآن میرے اوپر اترا ہے اس میں اللہ نے عذاب کی اطلاع دی ہے اور اللہ کی اطلاع میں غلطی کا احتمال بھی نہیں ہے اس لئے اس خبر کو تم بعید از فہم نہ سمجھو اور نہ تعجب کرو۔

وَلَا يَسْمَعُ الصَّخْمُ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنَادُونَ ﴿۳۲﴾  
اور بہرے پکار کو نہیں سنتے، جب ان کو ڈر لیا جاتا ہے (کیونکہ وہ بہرے ہیں، پکارنے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا) مطلب یہ کہ کافر بہرے ہیں ان کو پکارنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

وَلَكِنَّ مَسْتَهْمَرْنَ فَحَةَ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

اور اگر آپ کے رب کے (اس) عذاب کی (جس سے ان کو ڈر لیا جا رہا ہے اور جس کے جلد آجانے کے یہ خواستگار ہیں) ایک ذرا سی لپٹ بھی چھو جائے تو کہنے لگیں گے ہائے ہماری خرابی، ہم ہی ظالم تھے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دے کر اور اللہ سے نہ ڈر کر ہم نے اپنے اوپر خود ظلم کیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے نَفْحَةٌ کا ترجمہ کیا کنارہ، بعض نے کہا تھوڑا سا۔ ابن جریج نے کہا نَفْحٌ یعنی ایک حصہ نَفْحٌ فَلَانٌ لِفُلَانٍ فلاں نے فلاں کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دے دیا۔ بعض نے نَفْحَةٌ کا ترجمہ کیا مارنا۔ نَفْحَتِ الدَّابَّةِ بَرَجِلْهَا گھوڑے نے اپنی ٹانگ ماری۔ لغوی اعتبار سے نَفْحَةٌ خوشبو کی لپٹ کو کہتے ہیں۔

مَسٌّ چھو جانا نَفْحَةٌ ایک ادنی جھونکا، ذرا سی لپٹ۔ اس میں تاوحدت کی ہے، ان دونوں لفظوں سے مبالغہ کا اظہار کیا ہے کہ بڑا عذاب آنا اور پورے عذاب میں مبتلا ہونا تو درکنار ایک ذرا سی لپٹ ان کو چھو لگی جائے تو موت کو پکارنے لگیں گے اور اپنے ظالم ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ  
اور قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) الْقِسْطُ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یعنی انصاف والی ترازو میں یا بطور مبالغہ موازین کو بعینہ انصاف قرار دیا۔ قِسْطُ مصدر ہے۔

لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ میں لَام بمعنی فنی ہے، قیامت کے دن میں یا جَزَا كَالْفِظِ يَوْمٌ سے پہلے محذوف ہے قیامت کے دن کے بدلے کے لئے یا اہل قیامت کے لئے مراد ہے۔ یعنی يَوْمٌ سے پہلے لفظ اہل محذوف ہے۔ کچھ علماء نے کہا (میزان سے حقیقی ترازو مراد نہیں ہے بلکہ) ٹھیک حساب فہمی اور اعمال کے مطابق بدلہ دینے کا موازنہ مراد ہے، یعنی بطور تمثیل و تشبیہ مجازاً صحیح طور پر ٹھیک حساب فہمی اور معاوضہ اعمال کو میزانِ عدل قرار دیا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ تاویل درست نہیں بلکہ

صحیح یہ ہے کہ میزان عدل بصورت ترازو حقیقتاً قائم ہوگی۔ ابن مبارک نے الزہد میں اور آجری نے الشریعتہ میں حضرت سلمان کی موقوف روایت بیان کی ہے۔ اور ابن حبان نے اپنی تفسیر میں بروایت کلبی از ابو صالح حضرت ابن عباس کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے اللہ نے آسمان وزمین کی مثل میزان کے دو پلڑے پیدا کئے ہیں۔ الحدیث۔ بیہقی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے حضرت عمر کا بیان حدیث جبرئیل کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جبرئیل نے کہا محمد ﷺ! ایمان کیا چیز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا (ایمان یہ ہے) تم اللہ کو، اس کے ملائکہ کو، اس کے پیغمبروں کو، جنت اور دوزخ کو اور میزان کو مانو اور مرنے کے بعد اٹھنے پر بھی یقین رکھو اور اچھی بری تقدیر کو بھی عقیدے کے ساتھ تسلیم کرو۔ جبرئیل نے کہا اگر میں ایسا کر لوں گا (یعنی ان تمام چیزوں کو مان لوں گا) تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں جبرئیل نے کہا۔ حاکم نے متدرک میں بر شرط مسلم بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ حضرت سلمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی۔ اگر اس میں آسمان کو اور زمین کو تو لا جائے گا تو ان کی بھی اس کے اندر سمائی ہو گی۔

ترمذی اور بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ حضرت انس نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضور قیامت کے دن میرے لئے شفاعت فرمائیں۔ ارشاد فرمایا، میں ایسا کروں گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حضور ﷺ کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا، سب سے پہلے مجھے صراط پر تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا اگر میں وہاں آپ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو میزان کے پاس مجھے تلاش کرنا، میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس بھی حضور ﷺ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو حوض کے پاس تلاش کرنا، ایسا نہ ہو گا کہ ان تینوں مقامات میں سے کسی ایک جگہ نہ ملوں۔ حاکم بیہقی اور آجری کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا، میں نے عرض کیا آپ لوگ (یعنی مرد) اپنی بیویوں کو قیامت کے دن یاد کریں گے، فرمایا تین مقامات ہیں کہ کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔

(۱) اس جگہ جہاں میزان قائم کی جائے گی تا وقتیکہ اس کو اپنی میزان کا بھاری یا ہلکا ہونا معلوم نہ ہو جائے۔

(۲) اس جگہ جہاں صراط قائم کی جائے گی تا وقتیکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ صراط سے نجات پاتا ہے یا نہیں۔

(۳) اس جگہ جہاں اعمال نامے اڑتے ہوں گے تا وقتیکہ اس کو معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا اعمال نامہ کہاں آکر پڑتا ہے

دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے۔ ایسی احادیث بکثرت ہیں جن میں میزان کا ذکر آیا ہے سورۃ القارعہ کی آیت فَمَنْ تَقَلَّتْ مُوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ کی تفسیر میں کچھ نقل کی ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤد نے اپنے رب سے درخواست کی کہ مجھے میزان دکھا دی جائے، اللہ نے ان کو میزان اس حالت میں دکھا دی کہ اس کا ہر پلڑا اتنا تھا کہ مشرق سے مغرب اس کی وسعت تھی، حضرت داؤد بیہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو عرض کیا الہی ایسا کون ہے جو اپنے نیکیوں کے پلڑے کو بھر سکے، اللہ نے فرمایا داؤد جب میں اپنے بندے سے راضی ہوں گا تو ایک چھوٹے کو خیرات کرنے سے اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھر دوں گا۔ الْمَوَازِينُ جمع کا صیغہ ہے نسبی نے بحر الکلام میں اس کی چند وجوہ لکھی ہیں (۱) ہر شخص کی میزان الگ الگ ہوگی۔ (۲) یا یوں کہا جائے کہ جمع کا صیغہ بول کر واحد مراد لے لیا جاتا ہے جیسے آیت فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ میں ملائکہ سے جبرئیل مراد ہیں اور يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ كَلِّمْنَا مِنَ الطَّيِّبَاتِ میں الرَّسُولُ سے مراد صرف رسول اللہ کی ذات ہے۔ (۳) یا یوں کہا جائے کہ میزان کے ہر جز کو میزان مان کر اس کی جمع موازین ذکر کی جیسے سراویل (پاجامہ شلوار) جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد سُرَاوِلَةٌ اور پاجامہ کے ہر جز کو سُرَاوِلَةٌ قرار دے کر مجموعہ اجزاء کو سُرَاوِيلُ کہا جاتا ہے۔

پھر کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ادنیٰ حق تلفی کی جائے رہا، نہ برائیوں

فَلَا تَظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا

میں کوئی اضافہ کیا جائے گا۔

وَلَنْ كَانِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا  
 اور اگر اس کا عمل رائی کے دانے کے برابر ہوگا تو ہم اسکو بھی میزان میں لے آئیں گے۔ رائی کے دانے سے مراد ہے حقیر ترین (رائی کے دانہ کے برابر ہو یا اس سے کم و بیش)۔  
 ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے قیامت کے دن لوگوں کا محاسبہ کیا جائے گا، جس کی نیکیوں کی تعداد برائیوں سے ایک بھی زائد ہوگی وہ جنت میں جائے گا اور جس کے گناہوں کی تعداد نیکیوں سے ایک بھی زائد ہوگی وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ایک دانہ کے وزن سے میزان ہلکی یا بھاری ہو جائے گی اور جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف میں سے ہوگا اور اس کو صراط پر روک لیا جائے گا۔  
 وَكُفِيَ بِنَا حَسِبِينَ ﴿۳۵﴾ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

سدی نے حاسِبِينَ کا ترجمہ کیا مُحْصِبِينَ گنتی میں احاطہ کرنے والے، حَسَب کا معنی ہے اندازہ کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا جاننے والے، یاد رکھنے والے جو شخص کسی چیز کی گنتی کرتا ہے یقیناً اس چیز کا اس کو علم ہو جاتا ہے اور وہ چیز اس کو حفظ ہو جاتی ہے۔ کُفِيَ بِنَا کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے علم و عدل سے کسی کا علم و عدل بڑھ کر نہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ کو بھی ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور ان متقیوں کے لئے نصیحت کی چیز یعنی توریت عطا کی تھی۔ الْفُرْقَانَ یعنی توریت جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی اور دونوں میں امتیاز پیدا کر دینے والی تھی۔

ضِيَاءٌ عظیم الشان روشنی۔ جو لوگ حیرت و جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے ان کو روشنی عطا کرنے والی۔ ذِكْرًا متقیوں کے لئے ہدایت نامہ، یادداشت جس سے اہل تقویٰ نصیحت حاصل کرتے تھے یا ذکر سے مراد یہ ہے کہ اس میں ضوابط شریعہ بیان کئے گئے تھے۔ غرض یہ کہ توریت میں تینوں اوصاف تھے۔

ابن زید نے کہا فُرْقَانَ سے مراد ہے دشمنوں پر فتح۔ اللہ نے یَوْمَ الْفُرْقَانِ یوم بدر کو فرمایا ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ بعض نے کہا فُرْقَانَ (جدا کرنے) سے مراد ہے سمندر کو پھاڑنا (پلیاب بنا دینا) اس قبول پر ضیاء اور ذکر سے مراد توریت ہوگی جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آتی تھی۔ اور اس کی روشنی میں حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے تھے۔

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۳۷﴾

جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ ہی قیامت سے بھی خوف کھاتے ہیں۔ یہ متقین کی صفت ہے۔ یا فعل مدح محذوف ہے اور الَّذِينَ اس کا مفعول۔ مُشْفِقُونَ، ڈرنے والے۔ ہُم کو شروع میں لانے سے یا تو مبالغہ مقصود ہے یا غیر متقین پر تعریض کہ جو متقی ہیں وہی ڈرتے ہیں اور جو متقی نہیں ہیں وہ نہیں ڈرتے۔

وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ أَنْتُمْ كَارُونَ ﴿۳۸﴾  
 اور یہ قرآن بھی ایک کثیر الفائدہ نصیحت کی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے تو کیا پھر بھی تم اس سے منکر ہو۔

هَذَا یعنی قرآن، ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ یعنی ایسا ذکر عظیم ہے جس کی افادیت اور خیر کثیر ہے۔  
 أَنْزَلْنَاهُ یعنی اس کو ہم نے محمدؐ پر اتارا ہے۔ أَنْتُمْ سے خطاب اہل مکہ کو ہے اور استفہام انکاری ہے۔

یعنی جب یہ قرآن کثیر خیر والا ہے اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے تو پھر تم کو اس کا انکار نہ کرنا چاہئے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿۳۹﴾  
 پہلے ابراہیم کو (ان کی شان کے مناسب) راستی فہم عطا کی تھی اور ان سے (ان کے احوال سے) خوب واقف تھے۔ اور ہم نے موسیٰؑ سے بہت

رُشْدٌ یعنی توحید اور بت پرستی سے پرہیز۔ رُشْدُهُ میں اضافت بتا رہی ہے کہ رُشْدٌ میں ابراہیم کا بہت بڑا اور جہ تھا۔ مِّنْ

تفسیر

قَبْلُ یعنی موسیٰ اور ہارون سے پہلے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو محمد کے پاس وحی بھیجی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمیشہ سے اللہ کا یہی دستور رہا ہے، مخلوق کی اصلاح کے لئے اللہ پیغمبروں کے پاس وحی بھیجتا رہا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے مِنْ قَبْلُ کی تشریح کی ہے بلخ ہونے سے پہلے جب کہ حضرت ابراہیم پچھ ہی تھے اور غار سے باہر آئے تھے اور سورج و چاند سے روگرداں ہو کر اللہ ہی کی طرف رخ کیا تھا اور اِنِّیْ وَجْهْتُ وَجْهَیْ لِلذِّیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے بچپن میں ہی ابراہیم کو نبوت عطا کر دی تھی۔ اسی طرح حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا اَتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۔

یہ مطلب ہے کہ نبی بنانے سے پہلے ہم نے ابراہیم کو رشد عطا کر دی تھی۔ وَكُنَّا بِهٖ عَلِيْمِيْنَ یعنی ہم ابراہیم کو جانتے تھے کہ وہ ہدایت و نبوت کے اہل ہیں۔ کیونکہ ان کا مبداء تعین اللہ کا اسم ہادی اور عالم تھا (پس ان پر اللہ کی صفت ہدایت و علم کا پرتو پڑا تھا۔ مترجم)

اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ السَّمٰوٰتِ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۷﴾

جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی عبادت پر تم جے ہوئے ہو۔ حضرت ابراہیم نے اہانت آمیز لہجے میں دریافت کیا اور قوم والے جو مورتیوں کی تعظیم کرتے تھے اس پر ان کو تنبیہ کی، یہ مورتیاں ہیں، بے جان ہیں، نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں، نہ نقصان چونکہ عٰكِفُوْنَ کے بعد عَلٰی آتا ہے اس لئے لہا میں لام تعدیہ کا نہیں بلکہ اختصاص کے لئے ہے۔ یعنی خصوصیت کے ساتھ تم ان کی لئے جے ہوئے ہو یا لام بمعنی عَلٰی ہے یعنی تم ان کی عبادت پر جے ہوئے ہو یا عٰكِفُوْنَ کے اندر عبادت کا معنی داخل ہے، یعنی تم ان کی عبادت کرتے ہو۔

انہوں نے کہا ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ان کی پوجا کرتے پایا (یعنی ہمارے اسلاف ان کی پوجا کرتے تھے، قدیم سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے کیا ہمارے باپ دادا بے وقوف تھے (مترجم) قوم والوں نے اپنی بت پرستی کا سبب بیان کیا کہ ہم اپنے اسلاف کی تقلید کرتے ہیں (کوئی عقلی وجہ نہ بیان کر سکے تو قومی رواج کا سہارا لیا) ابراہیم نے کہا تم بھی یقیناً گمراہی میں

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۸﴾

پڑے ہوئے ہو اور تمہارے باپ دادا بھی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ یعنی تم سب کھلی ہوئی غلطی پر ہو، پتھروں کی پوجا کرتے ہو جو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔ تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی غلط راہ پر تھے اور تم ان کے پیرو ہو تو تم بھی غلط راستہ پر ہو۔

قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا بِالْحَقِّ اٰمَرًا مِّنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۹﴾

خیال کیا کہ شاید ابراہیم کوئی دل لگی کی بات کہہ رہا ہے۔

کیا واقعی کوئی صحیح بات ہم سے کہہ رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو یعنی کیا کوئی ایسی حق بات کہہ رہے ہو جس کی کوئی عقلی سند اور واقعی ثبوت ہو یا یہ محض تفریح طبع کے طور پر یوں ہی کہہ رہے ہو۔ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہاری بات مبنی بر حق تو نہیں ہے، اسلاف کو گمراہ بتانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے (معلوم ہوتا ہے تم دل لگی کر رہے ہو۔)

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۗ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

ابراہیم نے کہا (میں دل لگی کے طور پر یہ بات نہیں کہتا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا رب (مالک و حاکم) ہے، جس نے ان کو نیست سے ہست کیا ہے اور میں بھی اسی کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں۔ فَطَرَهُنَّ یعنی بغیر سابقہ نظیر کے اللہ نے ان کو نیست سے ہست کیا ہے، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ کے بعد فَطَرَهُنَّ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جاہل لوگ رب کا اطلاق بادشاہ اور ہر سر پرست پر بھی کرتے ہیں اور نمرود نے تو کہا ہی تھا اَنَا

أُحْسِنُ وَأُبَيِّنُ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے فرمایا، اللہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ایسا رب ہے کہ اسی نے ان کو پیدا کیا اور وہی عدم محض سے وجود میں لایا ہے۔ بلکہ لفظ سے گریز ہے یعنی میں تفریح کے لئے ایسی بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ زمین و آسمان شہادت دے رہے ہیں کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے، یہ سب ممکن اور محل حوادث ہیں یہ اپنی ہستی میں ایسے واجب الوجود کے محتاج ہیں جو وحدہ، لا شریک اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے پس وہی معبود ہونے کا مستحق ہے۔ میں بھی ان خاموش شہادت دینے والوں میں سے ہوں، اور زبان اور دل سے اس کی توحید ذاتی و صفاتی کی شہادت دے رہا ہوں۔

وَتَاللَّهِ لَآ كَيْدَانٌ أَصْنَأْكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ﴿۵۵﴾  
اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم ان کے پاس سے منہ پھیر کر چلے جاؤ گے۔

کَیْدٌ کا معنی ہے مکر۔ تدبیر یہاں مراد یہ ہے کہ کسی تدبیر سے میں ان کو توڑنے کی کوشش کروں گا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ت قسمیہ واو قسمیہ سے بدل کر آئی ہے اس میں تعجب کا معنی ہے (واو قسمیہ میں تعجب کا معنی نہیں ہوتا) چونکہ بتوں کو توڑنا یا نقصان پہنچانا ایک مشکل کام تھا بت پرستوں کو نمرود کی اور ساری قوم کی حمایت حاصل تھی نمرود کی حکومت تھی، ان سب کے مقابلہ میں بت شکنی عجیب بات تھی اس لئے بجائے واو کے ت قسمیہ اور لفظ کَیْدٌ کا استعمال کیا۔

مُدْبِرِينَ یعنی جب ان کو پیچھے چھوڑ کر میلہ میں چلے جاؤ گے تو میں ان کو نقصان پہنچانے اور توڑنے کی کوئی تدبیر کروں گا۔

بغوی نے مجاہد اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ بات چپکے سے کہی تھی۔ سوائے ایک شخص کے اور کوئی نہیں سن سکا تھا۔ اسی نے یہ بات پھیلا دی اور اسی نے کہا تھا کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے بتوں کا ذکر کر رہا تھا ہم نے خود سنا تھا۔

سدی نے کہا قوم نمرود کا سالانہ تہوار پر ایک میلہ ہوتا تھا جب وہ میلہ سے واپس آتے تھے تو سیدھے بتوں کے پاس آتے تھے، ان کو سجدے کرتے تھے، پھر گھروں کو جاتے تھے حسب معمول جب میلہ کا وقت آیا تو حضرت ابراہیم سے ان کے باپ نے کہا تم بھی اگر ہمارے ساتھ میلے کو چلو تو بہتر ہے ہمارا دین (رواج، مذہب ہی دستور) تم کو پسند آئے گا۔ باپ کے کہنے سے حضرت ابراہیم ان کی ساتھ ہوئے کچھ ہی راستہ طے کیا تھا کہ آپ نے خود اپنے کوزمین پر گر لیا اور کہنے لگے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میرے پاؤں میں چوٹ آگئی ہے جب سب لوگ چلے گئے اور صرف کمزور لوگ پیچھے رہ گئے تو حضرت نے پکار کر وہ الفاظ کہے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے لوگوں نے آپ کے الفاظ سن لئے پھر حضرت ابراہیم لوٹ آئے اور بت خانہ کی طرف پہنچے، تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار بند رکھے ہوئے تھے، بت خانہ کے دروازہ کے سامنے سب سے بڑا بت تھا اس کی برابر اس سے چھوٹا، پھر اس کی برابر اس سے بھی چھوٹا، اسی طرح سب کی قطار تھی اور سب کے سامنے تیار کھانا بھی رکھا ہوا تھا، کھانا اس لئے سب کے سامنے چنا گیا تھا کہ بتوں کی وجہ سے کھانے میں بربکت آجائے اور میلہ سے واپس آکر سب لوگ اس کو کھائیں۔ حضرت ابراہیم نے بطور استہزاء بتوں سے فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں جب کوئی جواب نہیں ملا تو فرمایا تمہیں کیا ہو گیا تم بولتے کیوں نہیں اس کے بعد بتوں کی طرف مڑے اور دائیں ہاتھ سے اس قسم کی وجہ سے جو بتوں کو توڑنے کے سلسلے میں آپ نے کھائی تھی اور فرمایا تھَا تَاللّٰہِ لَآ کَیْدَانٌ اَصْنَأْکُمْ بَیْنَہُمْ بِتُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ (آیت میں آیا ہے فَرَاغَ عَلَیْہِمْ ضَرْبًا بِالْیَمِیْنِ اور یمین دائیں ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قسم کو بھی، مترجم)

فَجَعَلَهُمْ جُذًا اِذَا لَکِبْرًا لِّہُمْ  
پس ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا مگر بڑے بت کو بغیر توڑے ان کے لئے چھوڑ دیا۔ جُذًا برون فَعَالٌ بمعنی مفعول ہے جیسے حُطَام۔ یہ جُذٌ سے ماخوذ ہے جُذٌ کا معنی ہے کاٹنا، بعض اہل لغت کہتے ہیں جُذًا جمع کا صیغہ ہے لیکن اس کا کوئی مفرد نہیں ہے، کَبِیْرٌ سے مراد ہے بڑا بت جس کو حضرت ابراہیم نے نہیں توڑا اور اس کے کاندھے پر تبر رکھ دیا۔ فَجَعَلَهُمْ میں جمع مذکر کی ضمیر اس لئے ذکر کی کہ بت پرستوں کے خیال میں ان



کے بت ذی علم تھے۔

لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ کہ شاید وہ لوگ ابراہیم کی طرف دریافت کرنے کے لئے لوٹیں۔ الیہ کی ضمیر ابراہیم کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابراہیم بتوں سے دشمنی رکھنے اور بت پرستی کی مخالفت کرنے میں مشہور تھے اس لئے حضرت نے بتوں کو توڑ دیا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا، یہ خیال کر کے کہ جب یہ لوگ واپس آئیں گے تو میرے پاس آئیں گے اس وقت میں ان کو جتلا دوں گا کہ تمہارے معبود ایک آدمی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یا الیہ کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرست لوگ جب میلہ سے واپس بڑے بت کے پاس آئیں گے تو اس سے دریافت کریں گے کہ چھوٹے بتوں کی یہ حالت کس نے کی معبود کو علم ہونا اور جواب دینا چاہیے۔ وہ معبود ہی کیا جو نہ کچھ جانے، نہ جواب دے، آخر جواب نہ پا کر خود ہی ذلیل ہوں گے۔

یا الیہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، مطلب یہ کہ جب بتوں کی بے بسی ان پر ظاہر ہوگی تو شاید وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۹﴾ انہوں نے کہا ہمارے ان معبودوں کے ساتھ کس نے یہ حرکت کی بلاشبہ وہ ظالموں میں سے ہے (کہ ان بے چاروں کو بے تصور اس نے توڑا اور ہمارے جذبہ مذہبی کا بھی لحاظ نہیں کیا اور ہم کو دکھ پہنچایا، مترجم)

مَنْ فَعَلَ میں مَنْ سوالیہ ہے اور موصولہ بھی ہو سکتی ہے یعنی جس نے بھی یہ حرکت کی وہ ظالم ہے، اس نے معبودوں سے یہ گستاخی کی یا ان کو ایسا توڑا کہ ریزہ ریزہ کر دیا یہ کہ اس نے اپنے اوپر خود ظلم کیا کہ اپنے کو ہلاکت کے لئے تیار کیا۔

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذُكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ أَبْرَاهِيمُ ﴿۶۰﴾ کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرتے سنا تھا اس نوجوان کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ یہ خبر نمرود اور اس کے اراکین سلطنت کو جب پہنچی تو۔

قَالُوا فَأَتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿۶۱﴾ انہوں نے کہا (اگر اس نے ایسا کیا ہے تو) اس کو لوگوں کی نظروں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ (اس کے قول و فعل کی) شہادت دیں اور بلا ثبوت ہم سزا دینے کے مرتکب نہ ہوں قنادہ، حسن اور سدی نے یہی مطلب بیان کیا ہے، بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ أَعْيُنٍ سے مراد ہیں سردار یعنی سرداران قوم اور حکام کے سامنے اس کو لاؤ۔ محمد ابن اسحاق نے کہا يَشْهَدُونَ کا یہ مطلب ہے کہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ اس کو ہم کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ غرض جب لوگ ابراہیم کے پاس آئے تو۔

قَالُوا يَا بَرِّءُ مَا لَكِ بِآلِهَتِنَا يَا أَبْرَاهِيمُ ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَسَلُّوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿۶۳﴾ ابراہیم نے کہا بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے تم ان بتوں سے پوچھ دیکھو اگر یہ بول سکیں گے (تو بتا دیں گے)۔

حضرت ابراہیم کو بڑے بت پر بڑا غصہ تھا اور اس سے آپ کو نفرت زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اسی لئے بت شکنی کی نسبت آپ نے بڑے بت کی طرف مجازاً کر دی۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ نے بت شکنی پر تعریض اقرار نما کی استہزاء کے طرز میں خود بت توڑنے کا اقرار کر لیا۔ جیسے اگر آپ کسی ایسے آدمی کی جو خوشخط نہ ہو کوئی خوشخطی کی تحریر دیکھ کر کہیں کیا یہ تم نے لکھا ہے اور وہ جواب دے میں نے نہیں بلکہ آپ نے لکھا ہے یہ تعریضی اقرار ہے۔ گویا حضرت ابراہیم نے یوں جواب دیا میں نے نہیں کی بلکہ اس بڑے بت نے کی۔ یا یوں کہا جائے کہ بت پرستوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بڑے بت کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی بوجہ سے بڑا بت ناراض ہوتا ہے آپ نے ان کے عقیدہ کی نقل کر دی۔ تمہی نے کہا معنوی حیثیت سے كَبِيرُهُمْ هَذَا کا تعلق فَسَلُّوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ سے ہے مطلب یہ کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ایسا کر بھی سکتے ہیں اور

بول نہیں سکتے تو ایسا کر بھی نہیں سکتے گویا اس ضمن میں آپ نے بت شکنی کا اقرار کر لیا اور بتوں کا عجز ظاہر کر دیا۔ قسمی کی یہ توجیہ غلط ہے کیونکہ کسائی نے کہا ہے جب ابراہیم نے اعراض کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اگر ضمنی اقرار مانا جائے گا تو ایسا ہوگا جیسے کوئی کہے میں نے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے کیا اور ظاہر ہے کہ یہ منفی مثبت کا اجتماع غلط ہے، پھر حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فعلہ پر وقف نہیں ہے (بلکہ فَعَلَهُ کا تعلق کَبِيرُهُمْ سے ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابراہیم نے تین بار کے علاوہ (صورۃ بھی) جھوٹ نہیں بولا۔ دو بار ذات خداوندی کے متعلق (۱) اِنِّیْ سَقِیْمٌ کہا تھا (۲) اور بَلْ فَعَلَهُ کَبِیْرُهُمْ کہا تھا اور (تیسری بار کا واقعہ یہ ہوا کہ) کسی روز ابراہیم اور سارہ کا گزر کسی ظالم بادشاہ کی طرف سے ہوا، بادشاہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک شخص نو وارد ہے جس کے ساتھ بہت ہی حسین عورت ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوایا اور دریافت کیا کہ یہ کون عورت ہے، ابراہیم نے کہا میری بہن ہے، پھر واپس آکر سارہ سے کہا اگر اس ظالم کو معلوم ہو جاتا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تم کو مجھ سے چھین لیتا اب اگر تم سے وہ دریافت کرے تو تم یہی کہنا کہ میں ابراہیم کی بہن ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ تم میری اسلامی بہن ہو۔ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مؤمن نہیں ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے سارہ کو بلوایا اور ابراہیم نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے سارہ کو اس ظالم کے پاس پہنچایا تو اس نے سارہ پر دست درازی کرنی چاہی لیکن فوراً پکڑ لیا گیا (یعنی غیبی پکڑ ہو گئی) یہاں تک کہ پاؤں زمین پر ٹکٹے لگا اور سارہ سے درخواست کی، میرے لئے اللہ سے دعا کر دے، میں تجھے اچھا ہو کر کوئی دکھ نہیں دوں گا۔ سارہ نے اللہ سے دعا کی، اللہ نے بندش کھول دی دوبارہ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ پکڑا گیا۔ اس نے پھر دعا کی درخواست کی اور ضرر نہ پہنچانے کا وعدہ کیا، سارہ نے پھر دعا کی اور اللہ نے رہائی دے دی، رہا کے بعد بادشاہ نے کسی دربان کو بلوایا اور کہا تو میرے پاس انسان کو نہیں بلکہ جن کو لے کر آیا ہے اس کے بعد اس نے ہاجرہ کو خادمہ کے طور پر سارہ کو دے کر رخصت کر دیا۔ سارہ ابراہیم کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیا خبر ہے۔ سارہ نے کہا اللہ نے کافر کے فریب کو اسی کے سینہ پر پلٹ دیا اور اس نے خدمت کے لئے ہاجرہ مجھے دی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا اے ماء السماء کی اولاد (آسمانی پانی سے مراد خالص نسب کا دعویٰ کرنے والا) یہ (ہاجرہ) ہی تمہاری ماں ہے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تعریضات اور ایہام، کو کذب مجازاً فرمایا کیونکہ بظاہر تعریض کذب کے مشابہ تھی۔ اللہ نے مشابہت صوری کی وجہ سے جَزَاءُ سَیِّئَةٍ کَوْسَیِّئَةٍ فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم نے خود صراحتاً فرمادیا کہ تم میری دینی بہن ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نے تعریفی الفاظ بولے تھے (جو بظاہر جھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور حقیقت میں سچ ہیں ہر لفظ کے دو معنی ہیں ایک فریب الفہم دوسرے گہرے اور بعید از فہم۔ حضرت ابراہیم کی مراد گہرے معنی تھا جو ان کا مخاطب نہ سمجھ سکا وہ فریب الفہم معنی سمجھ کر دھوکہ میں پڑ گیا)

فَرَجِعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۷۳﴾  
اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچے پھر (آپس میں) کہنے لگے، حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو۔ یعنی اس وقت انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور غور و فکر کیا اور سمجھے کہ ابراہیم کی بات حق ہے اور ہم غلطی پر ہیں۔ اس لئے اپنے دل میں یا باہم کہنے لگے کہ تم ہی بڑا ظالم کر رہے ہو کہ جو بت بول نہیں سکتے نفع خود اپنے کو نہیں پہنچا سکتے۔ اپنے دکھ کو دفع نہیں کر سکتے ان کی پوجا کرتے ہو۔

ثُمَّ نَكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ ۖ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هُمْ بِكَاذِبُونَ ﴿۷۵﴾  
پھر (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کو جھکا لیا اور (بولے) ابراہیم تم کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ (بت) کچھ بولتے نہیں ہیں۔ یعنی کچھ دیر کے لئے تو عقلوں کی طرف انہوں نے رجوع کر لیا تھا اور سمجھے تھے کہ ابراہیم کی بات درست ہے اور ہم غلطی پر ہیں لیکن پھر کفر کی طرف

پلٹ گئے اور جھگڑا کرنے کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے تم یہ بات تو یقیناً جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں ہیں، بات نہیں کرتے۔ کفر کی طرف پلٹنے کو کسی چیز کو سرنگوں کرنے سے تشبیہ دی، سر نیچے ٹانگیں اوپر اعلیٰ کو اسفل اور نیچے کو الٹ کر اونچا کر دینا حق کو نیچا اور کفر کو سر بلند کر دینا ہے۔ مَا هُوَ لَّا يَنْطِقُونَ یعنی یہ بت بات نہیں کر سکتے بولتے نہیں تو ہم ان سے دریافت کیا کریں۔

قَالَ افْتَعْبُدُونِ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۹۷﴾

ابراہیم نے کہا تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچاتی ہے نہ نقصان۔ تف ہے تم پر (کہ باوجود وضوح حق کے تم باطل پر جمے ہوئے ہو) اور ان پر جن کو خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

یعنی ابراہیم نے کہا کیا یہ بات جاننے کے بعد بھی کہ یہ بت نہ بولتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں تم ان کو پوجتے ہو۔ نہ بول سکتا اور اپنے پرستاروں کو فائدہ نہ پہنچا سکتا اور پرستش نہ کرنے والوں کو ضرر پہنچانے کی طاقت نہ رکھنا ایسی کمزوری ہے جو الوہیت کے منافی ہے، تمہاری حالت پر افسوس ہے کہ باطل پر جمے ہوئے ہو باوجود یہ کہ تمہاری نظر میں بھی اس کا باطل ہونا واضح ہو گیا اور ان معبودوں کی حالت بھی قابل نفرت و افسوس ہے کہ باوجود اسحقاق نہ ہونے کے ان کو معبود بنایا جا رہا ہے۔ کیا تم یہ باتیں دیکھتے ہو پھر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ بت قابل پرستش نہیں واجب العبادت اور مستحق معبودیت صرف اللہ ہے۔

اف اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے کراہیت کرنے والا اور اکتا جانے والا اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کسی چیز کی تحقیر کے لئے یا بدبو محسوس کر کے جو آواز نکلتی ہے اس کو اف کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ناک میں ایک مرتبہ کسی طرح کی بدبو آئی اور آپ نے بدبو محسوس کر لی تو فرمایا اف اور کپڑا ناک کو لگا لیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اف کا معنی ہے سچ اور بدبو جب وہ لوگ عاجز ہو گئے (اور کوئی جواب بن نہ پڑا) تو آزار اور دکھ دینے کے درپے ہو گئے۔

قَالُوا احْرِقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فاعِلِينَ ﴿۹۸﴾ اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم ایسا کرنے والے ہو (تو کرو)۔

ان كُنْتُمْ شرط ہے، کلام سابق جزا پر دلالت کر رہا ہے، اس لئے آگے جزا کی ضرورت نہیں۔ یہ بات ایک شخص نے کہی جس کا نام ہنون کہا گیا ہے اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ بعض نے کہا یہ بات نمرود نے کہی تھی، جب نمرود اور اس کی قوم کا بائفاق آراء فیصلہ ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کو آگ میں جھونک دیا جائے تو آپ کو گرفتار کر کے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور باڑہ کی طرح کا ایک احاطہ بنایا گیا کہ کوئی اس میں نہ آسکے اور نہ نکلے۔ ابراہیم کو جلانے کے لئے وہاں اکٹھی کیں اور عام جوش اس حد تک پہنچ گیا کہ بیمار منت ماننا تھا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں دوں گا۔ عورتیں اگر مراد مانگتی تھیں تو کہتی تھیں اگر ہماری مراد پوری ہو گئی تو ہم ابراہیم کو جلانے والی آگ میں لکڑیاں ڈالیں گے، لوگ وصیت کرتے تھے کہ ہمارے بعد لکڑیاں خرید کر ڈھیر میں شامل کر دینا عورتیں چرخہ کاٹ کر اس کی مزدوری سے لکڑیاں خرید کر بامید ثواب ڈھیر میں شامل کرتی تھیں۔

ابن اسحاق کا بیان ہے اس طرح ایک ماہ تک لوگ لکڑیاں جمع کرتے رہے جب حسب منشاء لکڑیاں جمع کر چکے تو ڈھیر میں ہر طرف سے آگ لگادی آگ بھڑک اٹھی، جب خوب تیز ہو گئی اور اس حد تک پہنچ گئی کہ پرندہ بھی جلنے کے ڈر سے اوپر سے نہ اڑ سکتا تھا تو انہوں نے مزید سات روز تک بھڑکنے دیا اور ابراہیم کو اس میں ڈالنا چاہا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آگ میں کیسے پھینکیں ابلیس نے آکر منجیق گو پھن یا چرخہ قائم کرنے کی تدبیر بتائی لوگوں نے چرخہ بنانی اور سب سے اونچی عمارت کی چوٹی پر اس کو قائم کیا اور ابراہیم کو باندھ کر اس میں بٹھایا یہ دیکھ کر آسمان وزمین ملا نکلے اور سوائے جن دانس کے ساری مخلوق چیخ پڑی اور عرض کیا اے ہمارے رب ابراہیم تیرا خلیل ہے اور آگ میں اس کو ڈالا جا رہا ہے اس کے سوا روئے زمین پر اور کوئی تیری عبادت کرنے والا

نہیں ہے ہم کو اجازت مل جائے تو ہم اس کی مدد کریں۔ اللہ نے فرمایا ابراہیمؑ میرا خلیل ہے اس کے سوا اور کوئی میرا خلیل نہیں اور میں ہی اس کا معبود ہوں میرے سوا اس کا اور کوئی معبود نہیں۔ اگر وہ تم میں سے کسی کی مدد کا خواستگار ہو یا دعا کرے تو جس سے وہ مدد طلب کرے وہ اس کی مدد کر سکتا ہے میری طرف سے اس کو اجازت ہے اور اگر میرے سوا وہ کسی اور سے مدد کا طلبگار نہ ہو تو میں اس کی حالت کو خوب جانتا ہوں، میں ہی اس کا کارساز ہوں میرے اور اس کے درمیان تم حائل نہ ہو جو ہی لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنا چاہا تو وہ فرشتہ جو پانی کا خازن (کارندہ) تھا آیا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں اور ہوا کا موکل بھی آیا، اس نے کہا اگر آپ کا منشاء ہو تو میں آگ کو ہوا میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا مجھے تمہارے مدد کی ضرورت نہیں میرے لئے اللہ کافی ہے وہی میرا کارساز ہے۔

حضرت ابی بن کعب کی روایت میں آیا ہے کہ جب لوگوں نے ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے لئے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا تو آپ نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ اس کے بعد منجیق میں رکھ کر آپ کو آگ کی طرف پھینک دیا گیا، اسی دوران میں جبرئیلؑ نے سامنے سے آکر کہا ابراہیمؑ اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو تو میں موجود ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں، جبرئیلؑ نے کہا تو پھر اپنے رب سے درخواست کیجئے، حضرت ابراہیمؑ نے کہا مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے۔ میری حالت کا اس کو علم ہے، میرے لئے یہی کافی ہے۔ کعب احبار کا بیان ہے ہر چیز نے ابراہیمؑ کی آگ بجھانے میں حصہ لیا سوائے گرگٹ کے یہ آگ کو پھونکیں مار رہا تھا (تاکہ مزید اشتعال پیدا ہو)

بغوی نے بوساطت سعید بن مسیب حضرت ام شریک کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا ابراہیمؑ پر بھڑکتی آگ میں پھونکیں مار رہا تھا اور آگ کو بھڑکا رہا تھا۔ شیخین نے صحیحین میں اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے گرگٹ کو قتل کرو خواہ کعبہ کے اندر ہی ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فَوْسِيقُ (فاسق بچہ) فرمایا۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے گرگٹ کو برچھے کی پہلے ضرب سے قتل کیا اس کے لئے سونکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دوسری ضرب سے قتل کیا اس کے لئے اس سے کم نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے تیسری ضرب سے قتل کیا اس کے لئے اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی رواہ مسلم۔

ہم نے حکم دیا ہے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہو جا  
 قُلْنَا يَا كُورَنِي بَرِّدَا وَسَلِّمَا عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ ﴿٤٩﴾  
 ابراہیمؑ کے لئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر اللہ سلامانہ فرماتا تو آگ کی انتہائی سردی کی وجہ سے ابراہیمؑ مر جاتے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ سَلَامًا (کورنی کی خبر نہیں ہے) بلکہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو کامل طور پر سالم رکھا۔

بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ اس روز تمام روئے زمین کی آگ بجھ گئی تھی دنیا بھر میں کوئی اس روز آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا اگر اللہ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ نہ فرماتا تو ہمیشہ کے لئے آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔ میں کہتا ہوں بظاہر آگ کی خاصیت سلب نہیں ہوئی تھی جلانے کی خاصیت حسب معمول موجود تھی۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کے لئے وہ ضرور رساں نہیں رہی تھی۔ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

سدی نے کہا ملائکہ نے حضرت ابراہیمؑ کے بازو پکڑ کر زمین پر بٹھا دیا، آپ نے وہاں اچانک شیریں پانی کا چشمہ اور خوب صورت سرخ گلاب کے پھول (اپنی نظر کے سامنے) دیکھے۔ کعب کا بیان ہے آگ سے حضرت کے جسم کا کوئی حصہ متاثر نہیں

ہوا صرف بندھن کی رسی جل گئی۔ اہل روایت نے کہا ہے ابراہیم وہاں سات روز رہے۔ منہال بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نے کہا جس آرام اور راحت کے ساتھ میں چند روز آگ میں رہا اتنے آرام سے کبھی نہیں رہا۔ ابن یسار نے کہا اللہ نے سایہ کے موکل کو ابراہیم کی صورت عطا فرما کر بھیجا جو آگ میں رہا اور ابراہیم کے پہلو میں آپ کی وحشت دور کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اور بحکم خدا حضرت جبریل جنت کا ایک قیص اور مندلے کر آئے۔ قیص حضرت ابراہیم کو پہنایا اور کہا آپ کا رب فرماتا ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرے دوستوں کو آگ ضرر نہیں پہنچایا کرتی ہے۔ کچھ مدت کے بعد نمرود نے ایک اونچی عمارت کے اوپر سے حضرت ابراہیم کو جھانک کر دیکھا اور آپ کو باغ میں بیٹھا پایا اور ایک فرشتہ کو (بصورت انسان) آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھا اور آپ کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی جو لکڑیوں کو جلا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر پکار کر کہا ابراہیم تیرا معبود بہت بڑا ہے جس کی قدرت اس حد تک ہے کہ وہ تیرے اور اس آگ کے درمیان حائل ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابراہیم کیا تو اس سے نکل بھی سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، ہاں، نمرود نے کہا کیا تجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر وہاں رہے گا تو آگ تجھے دکھ پہنچائے گی۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا نہیں۔ نمرود نے کہا تو پھر اٹھ کر وہاں سے نکل آ۔ حضرت ابراہیم اٹھ کھڑے ہوئے اور آگ میں قدموں سے چل کر باہر آگئے۔ نمرود نے کہا ابراہیم! وہ کون آدمی تھا جو تمہارے پہلو میں میں نے بیٹھا دیکھا تھا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا وہ سایہ کا موکل تھا، میرے رب نے آگ کے اندر میری وحشت دور کرنے کے لئے اس کو میرے پاس بھیج دیا تھا، نمرود نے کہا میں تیرے معبود کے لئے کچھ قربانی پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کی قدرت اور طاقت کا ظہور تیرے معاملے میں دیکھ لیا ہے کہ جب تو نے اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے انکار کر دیا اور اس کی توحید پر قائم رہا تو اس نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا، میں اس کے نام پر چار ہزار گائیں قربان کروں گا، حضرت ابراہیم نے فرمایا جب تک تو اپنا مذہب چھوڑ کر میرے مذہب کو نہ اختیار کر لے گا میرا رب تیری قربانی قبول نہیں کرے گا۔ نمرود نے کہا میں اپنی سلطنت تو نہیں چھوڑ سکتا (مذہب تبدیل کروں گا تو سلطنت چھوڑنا پڑے گی) ہاں قربانی ضرور پیش کروں گا۔ چنانچہ نمرود نے چار ہزار گایوں کی قربانی کر دی اور پھر ابراہیم سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اللہ نے ابراہیم کو محفوظ کر دیا۔

شعیب جبائی کا بیان ہے کہ جس وقت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا اس وقت آپ سولہ سال کے تھے۔

اور ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی

وَاسْرَادُوا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاٰخْسِرِيْنَ ﴿۷﴾

چاہی تھی سو ہم نے انہی لوگوں کو ناکام کر دیا۔

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاٰخْسِرِيْنَ کی تشریح میں بعض لوگوں نے کہا کہ قوم نمرود کی مراد حاصل نہیں ہوئی، چیزوں کے نرخ گراں ہو گئے اور منگانی بڑھ گئی، بعض نے کہا اللہ نے چھروں کی فوج بھیج دی جس نے نمرود کا گوشت کھا لیا اور ایک چھرا اس کے دماغ میں گھس گیا جس کی وجہ سے نمرود ہلاک ہو گیا۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے اللہ نے جب ابراہیم کے لئے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی بخش کر دیا تو یہ منظر دیکھ کر آپ کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن نمرود اور اس کے حکام کا خوف تھا (اس لئے انہوں نے ایمان کا اعلان نہیں کیا) مجملہ ان کے آپ کے بھتیجے لوط بن ہاران بن تارخ بھی ایمان لے آئے۔ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ تھا جو حضرت لوط کا دادا تھا تارخ بن ثالث تھا، ثالث کو ناخور بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی سارہ بنت ہاران بھی ایمان لے آئی تھیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم نے قریہ کوئی (علاقہ عراق) کو چھوڑ دیا اور لوط و سارہ کو ساتھ لے کر ترک وطن کر دیا، آپ کا یہ ترک وطن اللہ کے واسطے تھا، اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی غرض سے تھا اور اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کرنے کیلئے تھا، آپ نے فرمایا تھارانی مٰہاجر الی ربّی لوط کے مؤمن ہونے کا ذکر اللہ نے آیت فَاٰمَنَ لَهُ لُوْطٌ میں فرمایا ہے۔ کوئی سے چل کر آپ حران پہنچے کچھ مدت وہاں قیام کیا پھر وہاں سے چل کر مصر پہنچے پھر مصر سے شام کی طرف چل دیئے اور علاقہ فلسطین میں سبع کے مقام پر اترے، یہاں سے مَوَسِّیَاتِ کی بستیاں (سدوم وغیرہ جو بحیرہ میت کے ساحل کی پانچ بستیاں تھیں۔ مترجم) چوبیس گھنٹے کی مسافت پر تھیں حضرت لوط وہاں چلے گئے اور اللہ نے ان کو پیغمبر بنا کر وہاں بھیج دیا۔

وَجَعَلْنَاهُ وَاوْطَا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿۵﴾ اور ہم ابراہیمؑ کو اور لوطؑ کو بچا کر اس زمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے لئے خیر و برکت رکھی تھی۔ برکت سے مراد ہے سرسبزی، باغات، درختوں اور پھلوں کی کثرت۔ مجملہ برکات کے یہ بھی ہے کہ بکثرت انبیاء کی بعثت اس سر زمین پر ہوئی۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے ارض مبارکہ کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ وہاں شیریں پانی کی کثرت ہے اور صحرا بیت المقدس کے نیچے سے ایک چشمہ جاری ہے۔

بغوی نے بروایت قتادہ بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا تم مدینہ میں منتقل کیوں نہیں ہو جاتے وہ تو رسول اللہ ﷺ کا مقام ہجرت ہے اور روضہ پاک بھی وہیں ہے۔ کعب نے کہا امیر المؤمنین! میں نے اللہ کی کتاب (توریت) میں پڑھا ہے کہ ارض شام تمام زمین میں اللہ کا خزانہ ہے اور وہیں اللہ کے خاص بندوں کا خزانہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آئندہ ہجرت ہوگی (لوگ وطن چھوڑ چھوڑ کر بھاگیں گے) پس بزرگ مرتبہ والے لوگ ابراہیم کے مقام ہجرت کی طرف چلے جائیں گے۔ دوسری روایت میں آیا ہے ابراہیم کے مقام ہجرت سے جو لوگ چمٹے رہیں گے وہ زمین کے تمام باشندوں میں برگزیدہ ہوں گے۔ اور (باقی) زمین پر برے لوگ رہ جائیں گے، ان کی زمینیں ان کو باہر نکال پھینکیں گی اللہ ان سے نفرت کرے گا بندروں اور سوروں کے ساتھ ایک آگ ان کو ہٹکائے گی جہاں وہ رات کو قیام کریں گے، آگ بھی رات کو ان کو ساتھ رہے گی اور جہاں وہ دوپہر کو ٹھہریں گے آگ بھی دوپہر کو ان کے ساتھ ٹھہرے گی۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت زید بن ثابتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شام کے لئے خوشی ہو ہم نے عرض کیا کس وجہ سے فرمایا، رحمت کے فرشتے اپنے پر پھیلائے اس پر سایہ لگن ہوں گے۔ رواہ احمد و الترمذی۔  
حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آگ حضر موت (یمن) کی طرف سے نکلے گی یا یہ فرمایا کہ حضر موت سے ایک آگ لوگوں کو ہٹکا کر لائے گی، ہم نے عرض کیا پھر حضور ہم کو کیا حکم دیتے ہیں فرمایا تمہارے اوپر شام (میں رہنایا آجانا) لازم ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابو جوالہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب ایسا ہوگا کہ تمہاری تین مجتمع فوجیں ہو جائیں گی ایک فوج شام میں، ایک فوج یمن میں اور ایک فوج عراق میں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں نے وہ زمانہ پالیا تو مجھے حکم دیجئے (میں اس وقت کیا کروں) فرمایا تیرے اوپر شام (میں رہنایا آجانا) لازم ہے اللہ کی زمین میں شام کی سر زمین برگزیدہ ہے۔ برگزیدہ بندے ہی اس کی طرف آئیں گے اگر تم ایسا نہ کر سکو تو پھو یمن میں رہنایا اہل یمن کا ساتھ دینا تم پر لازم ہے اللہ نے میرے لئے شام اور اہل شام کی ذمہ داری لی ہے۔ رواہ احمد و ابو داؤد۔

شرح بن عبید کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے سامنے اہل شام کا ذکر آیا اور لوگوں نے کہا امیر المؤمنین ان پر لعنت کیجئے، فرمایا نہیں۔ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس آدمی ہوں گے جب ان میں سے کوئی مر جائے گا تو اس کے بدل میں اللہ کسی اور شخص کو مقرر فرمادے گا ان کی برکت سے بارشیں ہوں گی اور انہیں کی وجہ سے دشمنوں پر فتح عطا کی جائے گی اور انہیں کے سبب سے اہل شام کی طرف سے عذاب کا رخ پھیر دیا جائے گا۔ رواہ احمد۔

حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے اپنے سر کے نیچے سے نور کا ایک عمود نکلتا دیکھا یہ ستون جگمگاتا رہا یہاں تک کہ اوپر اٹھنے کے بعد شام میں پہنچ کر ٹھہر گیا۔ رواہ ابی ہشام فی الدلائل۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۗ وَهُوَ الَّذِي بَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ۚ ثُمَّ إِنَّهُ عَلَّمَهُ الْقُرْآنَ حَتَّىٰ إِنشَأَ ۚ وَهُوَ الَّذِي عَلَّمَ الْحَبْلَ ۚ وَالْحَبْلَ عَلَّمَهَا ۚ وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ إِنَّ إِلَهَنَا لَشَدِيدُ ۚ عَلَاقَةُ ۚ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۗ وَهُوَ الَّذِي بَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ۚ ثُمَّ إِنَّهُ عَلَّمَهُ الْقُرْآنَ حَتَّىٰ إِنشَأَ ۚ وَهُوَ الَّذِي عَلَّمَ الْحَبْلَ ۚ وَالْحَبْلَ عَلَّمَهَا ۚ وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ إِنَّ إِلَهَنَا لَشَدِيدُ ۚ

بعض علماء کا قول ہے کہ عَاقِيَّة کی طرح نَافِلَةٌ بھی مصدر ہے اور گو لفظ اس کا فعل پہلے مذکور نہیں مگر وَهَبْنَا کا معنی بھی عطا کرنے کے ہیں اس لئے یہ وَهَبْنَا کا مفعول مطلق ہے۔ مجاہد اور عطاء نے کہا نَافِلَةٌ کا معنی ہے عطیہ۔ اسحق اور یعقوب دونوں اللہ کے عطا کردہ تھے اس

صورت میں نَافِلَةٌ دونوں سے حال ہوگا۔ حسن اور ضحاک نے کہا نافلہ کا معنی ہے فضل مہربانی یعنی ہم نے اپنی مہربانی سے ابراہیم کو بیٹا (اسحاق) اور پوتا (یعقوب) عطا کیا۔ اس صورت میں نَافِلَةٌ علت بہ (مفعول لہ) ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابی بن کعب، ابن زید اور قتادہ کا قول مروی ہے، کہ نَافِلَةٌ صرف یعقوب تھے، نَافِلَةٌ کا معنی ہے زائد۔ حضرت ابراہیم نے اللہ سے بیٹا مانگا تھا اور دعا کی تھی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور اسحاق بیٹا عطا فرما دیا اور مزید اپنی طرف سے (بلا طلب) پوتا (یعقوب) بھی عطا کر دیا۔ اس صورت میں نَافِلَةٌ یعقوب سے حال ہوگا۔ اس کا قرینہ موجود ہے اس لئے عبارت میں کوئی کمزوری نہیں۔

وَكَلَّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿۱۷﴾ اور (ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب میں سے) ہر ایک کو ہم نے صالحین میں سے کر دیا۔ یعنی غیر اللہ کے ساتھ لگاؤ سے ان کے دلوں کو پاک صاف کر دیا۔ برے اخلاق و اعمال سے ان کو شستہ رکھا، ہر زنگ کو ان کے نفسوں سے صاف کر دیا اور پھر اعلیٰ اوصاف و اخلاق کی ان کے دلوں پر جلا کر دی، گناہوں کی آلودگی سے ان کے بدنوں کو پاک رکھا۔ طاعت و صلاح میں ہر وقت مشغول رکھا، بگاڑ کہیں پیدا نہ ہونے دیا، نہ دل میں، نہ نفس میں، نہ جسمانی اعمال و اطوار میں۔

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهَدُونَ بِأَمْرِنَا جو ہمارے علم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔ ہمارے دین کا راستہ بتاتے تھے۔ اور بنایا ہم نے ان کو بھلائیوں اور صحیح افکار و اعمال میں لوگوں کا پیشوا

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ان کے پاس حکم بھیجنا ایک کام کرنے کا اور خصوصاً نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے۔ خیرات، یعنی وہ باتیں جو بذات خود بھی اچھی ہیں اور شریعت نے بھی ان کو اچھا قرار دیا ہے، اِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ کا عطف فِعْلَ الْخَيْرَاتِ پر ہے۔ زکوٰۃ اور صلوٰۃ خصوصیت کے ساتھ اچھے اور اہم امور ہیں ان کا عطف عام فعل الخیرات پر ایسا ہی ہے جیسے اہمیت کی وجہ سے عام پر خاص کا عطف کر دیا جاتا ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اچھے کام کریں اور کامل طور پر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ۔ یعنی وہ موحد اور عبادت کرنے میں مخلص تھے۔

وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرِيْبَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيْثَ ط

اور ہم نے لوط کو دیا حکم و علم (حکمت یا نبوت یا مقدمات کو فیصل کرنے کی قوت) اور ہم نے اس کو اس بستی سے جو گندی حرکات کرتی تھی بچالیا۔ علم سے مراد ہے اللہ کی ذات و صفات کا اور پیغمبرانہ اوصاف کا علم۔ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ یعنی بستی والے گندے کام کرتے تھے، خیانت سے مراد ہے لواطت اور غلے مارنا اور پرندوں سے کھیلنا وغیرہ۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سَوِيًّا فَسِقِيْنَ ﴿۱۹﴾ بلاشبہ وہ بڑے بدکار نافرمان لوگ تھے۔ یہ جملہ سابق کلام کی علت ہے۔

وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا، کیونکہ وہ بلاشبہ نیکوں میں سے تھے۔

رحمت سے مراد ہے اہل رحمت یا جنت۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ عالم مثال میں بنظر کشف اللہ کی صفات بصورت دائرہ دکھائی دینی ہوں اور یہ بھی نظر آتا ہو کہ صوفی اپنی حقیقت کے فناء اور صفات الہی کی ساتھ بقاء کے مرتبے میں داخل ہو رہا ہے۔ گویا نَجَّيْنَا سے مراد یہ ہے کہ لوط کو کثافت ذاتی سے ہم نے نکال دیا اور اَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنی صفات کے دائرہ میں اس کو داخل کر دیا الصَّالِحِينَ یعنی وہ لوگ جن کے لئے ہلے سے ہی اللہ نے بھلائی مقدر کر دی ہے۔

وَنُوحًا اور نوح کو اس کا عطف لُوطًا پر ہے یعنی ہم نے نوح کو حکم اور علم عطا کیا تھا۔

اِذْ نَادَى مِنْ قَبْلِ  
کرنے کے لئے بددعا کی تھی۔

پس ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔

اور ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو یعنی ان لوگوں کو۔

جوان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سخت غم سے نجات دی۔ ابن عباسؓ نے

فرمایا، ڈوبنے سے اور قوم کی جانب سے تکذیب سے نجات دی۔ حضرت نوحؑ کی عمر تمام انبیاء سے زیادہ ہوئی۔ اور سختیاں بھی آپ

نے سب سے زیادہ برداشت کیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قوم والے حضرت نوح کو مارتے تھے اور اتنا مارتے تھے کہ

اپنے خیال میں مردہ کر دیتے تھے پھر ایک نمدہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال دیتے تھے۔ لیکن دوسرے روز آپ پھر گھر سے برآمد ہو

کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ عبید بن عمیر لیشی نے کہا مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ لوگ حضرت نوحؑ کو پکڑ کر آپ کا گلا

گھونٹتے کہ آپ بیہوش ہو جاتے پھر ہوش آتا تو کہتے میرے رب میری قوم کو بخش دے وہ ناواقف ہیں۔

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا. ہم نے نوحؑ کا بدلہ ان لوگوں سے جنہوں نے ہمارے احکام کو جھوٹا قرار دیا لے

بِأَيَّتِنَا أَنْتُمْ كَانُوا قَوْمٌ سَوَاءٌ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۷۰﴾ لیا، بلاشبہ وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

وَنَصَرْنَاهُ اور ہم نے اس کی مدد کی، پس وہ غالب آگیا اور نجات پائی۔ بِأَيَّتِنَا یعنی ہماری ان آیات کی جو نوحؑ کی رسالت کو

ثابت کر رہی تھیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے اللہ نے ساری قوم نوح کو ہلاک کر دیا، کیوں کہ انہوں نے حق کی تکذیب بھی کی تھی اور

عملی شر میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ جس قوم کے اندر بھی یہ دونوں خرابیاں یکجا ہو گئیں، شاید اللہ نے اس ساری قوم کو برباد ہی کر

دیا۔

وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَدِيثِ

اور داؤد و سلیمان کا تذکرہ کیجئے جب دونوں ایک کھیت کے

بارے میں مشورہ کرنے لگے۔

حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ وہ کھیت انگور کی بیلوں کا تھا جس میں خوشے نکل

آئے تھے، قنادہ نے کہا وہ غلے کا کھیت تھا۔

إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ

جب کہ اس کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں جا پڑی تھیں۔ از کا تعلق

یحکمان سے ہے یعنی وہ دونوں اس وقت فیصلہ کر رہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریاں بغیر چرواہے کے کسی کے کھیت میں پھیل

گئی تھیں اور انہوں نے رات کے وقت کھیت کو چرواہے کی غیر موجودگی میں چر لیا تھا۔ کذابی القاموس۔ نہایہ میں ہے نَفَسَتْ

السَّائِمَةُ چرنے والے جانوروں نے رات کے وقت چرواہے کی غیر موجودگی میں چر لیا۔ اگر دن میں بغیر چرواہے کے کسی کھیت یا

محفوظ چراگاہ میں جا پڑیں اور چرنے لگیں وَهَلَمَّتِ السَّائِمَةُ کہا جاتا ہے۔ نَفَسَتْ كَالغَوَى معنی ہے پھیل جانا دھنی ہوئی اون کو

بھی اسی مناسبت سے عَيْنٌ مَنفُوشٌ کہا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے كَالْعَيْنِ الْمَنفُوشِ۔

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿۷۱﴾ اور ہم ان سب کے فیصلے سے واقف تھے۔

سب سے مراد ہیں داؤد، سلیمان اور فریقین مقدمہ۔ فراء نے کہا صرف حضرت داؤد، حضرت سلیمان مراد ہے جمع کا

صیغہ بول کر تثنیہ دو فرد مراد ہو سکتا ہے، اللہ نے فرمایا فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلْيَأْتِيَهُ السُّدُسُ اگر میت کے چند بھائی ہوں تو اس

کی مال کا (کل مال کا) چھٹا حصہ ہوگا۔ باجماع علماء إِخْوَةٌ (جو جمع کا صیغہ ہے) سے مراد کم سے کم دو بھائی ہیں۔

فَفَقَّهْنَاهَا سُلَيْمَانَ، پس ہم نے (صحیح) فیصلہ یا فتویٰ سلیمان کو سمجھا دیا، ان کی سمجھ میں ڈال دیا۔ اس جگہ کچھ کلام

محذوف ہے، پورا کلام اس طرح تھا۔ ہمارے سمجھانے کے مطابق سلیمان نے فیصلہ کر دیا اور داؤد نے اپنا فیصلہ منسوخ کر کے



سلیمان کا فیصلہ جاری کر دیا۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اللہ نے داؤد کے لئے کتاب اللہ کی تلاوت بہت آسان کر دی تھی۔ گھوڑوں پر زمینیں کسنے کا حکم دے کر وہ قرآن پڑھنا شروع کرتے تھے اور زمینیں کسنے نہ پاتی تھیں کہ وہ پڑھ لیتے تھے اور داؤد صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں قرآن سے مراد زبور ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس اور قتادہ کا یہی قول بتایا ہے۔  
مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ فیصلہ کرنے کے بعد اگر حاکم کی رائے بدل جائے تو حکم جاری کرنے سے پہلے وہ سابق فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس، قتادہ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤد کے پاس آئے، ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ کھیت والے نے کہا اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں پڑ گئیں اور سارا کھیت چر گئیں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ حضرت داؤد نے فیصلہ کیا کہ کھیت کے عوض وہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت داؤد کے پاس سے دونوں حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے۔ حضرت سلیمانؑ نے پوچھا تم دونوں کے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا جو فیصلہ حضرت داؤد نے کیا تھا دونوں نے بیان کر دیا، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اگر تمہارا مقدمہ میرے سپرد کر دیا جاتا تو میرا فیصلہ کچھ اور ہی ہوتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے یہ بھی کہا تھا کہ میرا فیصلہ دونوں کے لئے فائدہ بخش ہوتا۔ حضرت سلیمانؑ کے اس قول کی اطلاع حضرت داؤد کو بھی ہو گئی۔ آپ نے سلیمانؑ کو بلوا کر فرمایا، تم فیصلہ کرو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤد نے اپنی نبوت اور حق پداری کا واسطہ دے کر فرمایا، مجھے بتاؤ وہ کیا فیصلہ ہے جو فریقین کے لئے سود مند ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا بکریاں کھیت والے کو دے دیجئے اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیجئے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ، اون اور نسل سے اتنی مدت تک فائدہ اندوز ہوتا رہے جتنی مدت تک کھیت بکریوں والے کی سپردگی میں رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج بکھیر دے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آجائے تو تیار کھیت، کھیت والے کو دیدے اور اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤد نے فرمایا صحیح فیصلہ یہی ہے جو تم نے کیا پھر آپ نے یہ فیصلہ جاری کر دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ فیصلہ کرنے کے وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور ابن المنذر و ابن مردویہ نے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے بغوی کے اس بیان کی طرح قصہ نقل کیا ہے، بیضاوی نے لکھا ہے حضرت داؤد کا فتویٰ امام ابو حنیفہ کے فتویٰ کی طرح ہے جو مجرم غلام کے سلسلہ میں آپ نے دیا ہے اور حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ امام شافعی کے فتوے کی طرح ہے کہ معصوب غلام اگر بھاگ جائے اور کوئی جنایت کر لے تو تاوان میں غلام سے کمائی کرائی جائے اور کمائی سے جب اصل حق ادا ہو جائے تو پھر غلام اصل مالک کو واپس کیا جائے۔ میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ فقط اسی کے قائل نہیں کہ غلام کے آقا پر تاوان جنایت عائد کیا جائے گا اور عبد کو جنایت کے عوض میں صاحب حق کو دے دیا جائے گا بلکہ ان کے نزدیک تو غلام کا مالک اختیار رکھتا ہے خواہ جنایت عبد کا تاوان اپنے پاس سے ادا کرے یا غلام ہی کی ملکیت منتقل کر دے اور غلام کو ہی صاحب حق کی ملکیت میں دے دے۔ مطلب یہ کہ امام ابو حنیفہ کا فتویٰ حضرت داؤد کے فیصلے کی طرح نہیں ہے جس میں بکریوں کی ملکیت سے محروم کر دیا گیا تھا، بلکہ امام کا فیصلہ اپنے اندر دونوں رخ رکھتا ہے غلام کو ہی تاوان میں دے دیا جائے، یا غلام کا مالک اپنے پاس سے تاوان ادا کرے اور غلام کو اپنے ملکیت میں باقی رکھے۔

خصاص نے کہا تاوان ادا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ انہوں نے بکریوں کو باندھ کر نہیں رکھا تھا۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ اسلام میں یہ حکم منسوخ ہے۔ بلکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ اگر مویشی چھوٹ جائیں اور رات کو کسی کا نقصان کر دیں تو بقدر نقصان جانوروں کے مالک پر تاوان عائد ہوگا اور اگر چھوٹے ہوئے دن میں کسی کے کھیت وغیرہ کا نقصان

کر دیں تو کوئی تاوان عائد نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں شاید حضرت داؤد کے زمانے میں تلف شدہ کھیتی کی قیمت چرنے والی بکریوں کے برابر ہوگی اسی لئے تو آپ نے کھیت والے کے حق میں ساری بکریوں کی ڈگری دے دی۔

عام طور پر رواج ہے کہ کھیت والا دن میں کھیتی کی رکھوالی کرتا ہے اور جانور بھی دن ہی میں چرتے ہیں اور شام کو گھر واپس آجاتے ہیں اس لئے دن میں کھیتی تلف ہو جانے کی ذمہ داری کھیتی کی حفاظت نہ کرنے والے پر ہے، اور رات میں کھیتی تلف کرنے کی ذمہ داری جانوروں کے مالک پر ہے کہ اس نے رات کو جانوروں کو باندھ کر نہیں رکھا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک چھوٹے ہوئے جانوروں نے کسی کی کھیتی کو دن میں نقصان پہنچایا ہو یا رات میں مالک مویشی پر کوئی تاوان نہیں پڑے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ الْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَاحْمَدُ وَاصْحَابُ السُّنَنِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ هُرَيْرَةَ۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے امام محمد نے فرمایا عجماء سے مراد ہیں چھوٹے ہوئے جانور یعنی اگر چھوٹے ہوئے جانور کسی کو زخمی کر دیں تو اس کا کچھ معاوضہ نہیں۔ جمہور نے حرام بن سعد بن معیصہ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب کی اونٹنی نے کسی کے باغ (یا کھیت) میں داخل ہو کر کچھ نقصان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مقدمہ آیا تو آپ نے فیصلہ کیا دن میں کھیتوں کی حفاظت ان کے مالکوں کے ذمہ ہے اور رات کو جانوروں نے کچھ نقصان کیا ہے تو جانوروں کے مالک پر اس کا تاوان پڑے گا۔ رواہ مالک فی الموطا والشافعی واصحاب السنن الاربعہ والدارقطنی وابن حبان والحاکم والبیہقی۔ امام شافعی نے فرمایا اسی حدیث سے ہم نے اپنے قول پر استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث متصل ہے اور اس کے راوی معروف ہیں۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے اس حدیث کی روایت کا مدار زہری پر ہے اور زہری کے الفاظ میں دوسری سند کے لحاظ سے اختلاف ہے موطا کی روایت تو وہی ہے جو ذکر کر دی گئی اور لیث از زہری کی روایت میں عن ابی معیصہ کا نام نہیں ہے اور معن بن عیسیٰ کی جو روایت عن مالک ہے اس میں عن جدہ معیصہ آیا ہے اور معمر عن الزہری کی روایت عن حرام عن ابیہ آیا ہے اور اس کا متابِع کوئی نہیں۔ آخر جہ ابو داؤد ابن حبان۔ لیکن اوزاعی اور اسامعیل بن امیہ اور عبد اللہ بن عیسیٰ نے جو زہری کی حدیث نقل کی ہے اس میں عن حرام عن البراء آیا ہے۔

میں کہتا ہوں ابن جوزی نے تحقیق التعلیق میں از طریق احمد اسی طرح بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا حرام نے براء سے سماعت نہیں کی عبد الحق نے ابن حزم کے اتباع میں ایسا ہی کہا ہے۔ نسائی نے من طریق محمد ابن ابی حصہ عن الزہری اس طرح بیان کیا، زہری نے کہا میں ابو اسامہ بن سہل نے خبر دی کہ براء کی اونٹنی اٹخ۔

ابن ذئب کی روایت میں ہے کہ زہری نے کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ براء کی اونٹنی اٹخ پس تینوں اماموں نے العجماء جر حہا جبار کے عموم کا ناقص البراء والی حدیث کو مخصوص قرار دیا اور کہا العجماء جبار کا حکم بھی دن کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہم کہتے ہیں عام بھی خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے جب تک دونوں کا ایک وقت میں ہونا ظاہر نہ ہو جائے اس کو منسوخ قرار دیا جائے گا اور اگر اتران زمانی یا تاخر زمانی کچھ بھی ثابت نہ ہو تو تعارض قائم رہے گا اور چونکہ حدیث العجماء جبار اور حدیث ناقص البراء کا نہ ایک زمانے میں ہونا ظاہر ہو کہ عام کو خاص پر محمول کر سکیں، نہ تاخر و تقدم ثابت ہے کہ سابق کو منسوخ سمجھا جائے اس لئے دونوں میں تعارض باقی ہے پس شک کی حالت میں تاوان عائد ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ قاعدہ ہے کہ دو حدیثوں کا تعارض اگر دور نہ ہو سکے تو قیاس کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ ضمان تاوان عائد نہ کیا جائے کیونکہ مویشیوں کے مالک کا کوئی قصور نہیں وہ موجود ہی نہ تھا مویشی آزاد تھے، نہ اس نے جانوروں کو چھوڑ دیا تھا، نہ ہنکایا تھا، نہ کھینچ کر لایا تھا، کسی موجب ضمان فعل کی اس کی طرف نسبت نہیں کی جاسکتی اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی جانور مسلمانوں کے راستہ میں چھوڑ دیا اور جانور نے کسی کو دکھ پہنچا دیا تو تاوان چھوڑنے والے پر عائد ہوگا، کیونکہ جب تک وہ جانور اس راستہ پر چلتا رہے گا اس کی رفتار کی نسبت چھوڑنے والے کی طرف رہے گی، ہاں اگر جانور کسی طرف کو مڑ گیا تو اس میں بائیں ہو گیا یا

ٹھہر گیا اور اس کے بعد کسی کو دکھ پہنچایا تو مالک کی طرف یہ فعل منسوب نہ ہوگا، راہ پر چھوڑنے کا حکم منقطع ہوگا۔

مسئلہ: اگر گھوڑے والا گھوڑے پر سوار ہو یا لگام پکڑے لئے جا رہا ہو یا پیچھے سے ہنکار رہا ہو اور گھوڑا کسی کولات مار دے یا روند ڈالے یا سر مار دے یا کاٹ لے یا اندھا دھند چل پڑے یا کسی سے ٹکرا جائے یا کھڑا کھڑا کسی کو ٹکر مار دے اور وہ جگہ گھوڑے والے کی ملک ہو یا ٹھیکے وغیرہ کے ذریعہ سے اس کے قبضہ میں ہو تو سوائے اول الذکر صورت کے باقی کسی صورت میں گھوڑے والے پر تاوان عائد نہ ہوگا صرف پہلی صورت میں ضمان دینا پڑے گا کیونکہ سوار ہونے کی حالت میں اس کا بوجھ گھوڑے کی پشت پر پڑے گا ایسی حالت میں اگر گھوڑا کسی کو روند ڈالے گا تو گویا سوار بھی گھوڑے کے ساتھ روندنے میں شریک سمجھا جائے گا۔ پس اس حالت میں اس سوار کو مرتکب اتلاف قرار دیا جائے گا۔ باقی صورتوں میں ہم نقصان رسانی اور ایذا دہی کا سبب آخریں کہہ سکتے ہیں اور مسبب پر تاوان اس وقت عائد ہوگا جب اس کی طرف سے بالارادہ اس فعل کا ظہور ہو (اور خود وہ چاہتا ہو کہ گھوڑے سے کسی کو ضرر پہنچے) اور نہ کورہ بالا صورتوں میں بالارادہ ایذا رسانی کا سبب پیدا کرنا ثابت نہیں لیکن اگر وہ جگہ گھوڑے کے مالک کی نہ مملوک ہونے مقبوض بلکہ اس کو وہاں چلنے کی اجازت ہو کھڑا رہنے کی اجازت نہ ہو جیسے عام شاہراہ یا چلنے اور ٹھہرنے دونوں کی اجازت ہو جیسے کوئی جنگل یا مویشیوں کا نخاسہ جہاں سے گزرنے اور ٹھہرنے دونوں کی اجازت ہوتی ہے اس حالت میں مذکورہ بالا تمام صورتوں میں تاوان عائد ہوگا، خواہ سوار ہو یا لگام پکڑے جا رہا ہو یا پیچھے سے ہنکار رہا ہو لیکن ان حالات میں بھی اگر گھوڑا کسی کولات مار دے یا دم مار کر کچھ ضرر پہنچادے تو گھوڑے والے پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ عام راستہ میں سلامتی کے ساتھ دوسرے کو ضرر پہنچانے بغیر گزرنا ہر مسلمان کا حق ہے راستہ سب کا مشترک ہے راستہ سے فائدہ اٹھانا بھی ہر ایک کا حق ہے لیکن یہ اباحت اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ دوسرے کو ضرر نہ پہنچے مگر اسی حد تک سلامتی ضروری ہے اس حد تک گزرنے والے کے حدود اختیار میں ہو، سوار کے لئے یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو گھوڑے کے قدموں سے نہ روند ڈالے کسی کو روندنا حق سیر کا تقاضا نہیں۔ ہاں چلنے میں دم اور لات سے لوگوں کو محفوظ رکھنا سوار کے اختیار سے باہر ہے پس اگر چلتے چلتے گھوڑا سر راہ کسی کے لات مار دے یا دم سے کچھ ضرر پہنچادے تو سوار کو شریک جرم نہیں قرار دیا جاسکتا صرف اس وقت سوار پر تاوان عائد ہوگا جب وہ مسلمانوں کے راستے میں گھوڑے کو کھڑا کر دے اور اس حالت میں گھوڑا کسی کے لات یا دم مار دے۔

امام مالک نے فرمایا اگر گھوڑے کے سوار یا لگام پکڑ کر چلانے والے یا ہنکانے والے کی طرف سے گھوڑے کو کچھ ترغیب نہ ہو یا گھوڑے کو وہ مارے نہیں تو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت میں گھوڑے والے پر کوئی تاوان نہیں ہوگا اس گھوڑے کو بھڑکی دیں یا ماریں اور کسی کو گھوڑے سے کچھ ضرر پہنچ جائے تو گھوڑے پر تاوان عائد ہوگا، العجماء جبار حدیث مبارک ہے جس میں عجماء کی ضرب کو بلا معاوضہ قرار دیا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا جانور اپنے منہ یا ٹانگ یا دم سے اگر کسی کو کچھ دکھ پہنچادے تو گھوڑے والے پر تاوان عائد ہوگا خواہ اس کی طرف سے کوئی سبب ضرر پیدا ہو یا نہ پیدا ہو اور خواہ گھوڑے پر اس وقت سوار ہو یا ہنکا کر لے جا رہا ہو یا کچھ بھی نہ کرے صرف ساتھ ہو۔

امام احمد نے فرمایا اگر گھوڑے کا مالک گھوڑے پر سوار ہو اور گھوڑا اپنے منہ یا اگلی ٹانگوں سے کسی کو ضرر پہنچادے تو مالک پر ضمان عائد ہوگا اور اگر لات مارنے سے کسی کو نقصان پہنچ جائے تو مالک پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے الرجل جبار لات کا کوئی معاوضہ نہیں۔ رواہ الدار قطنی عن سعید بن المسیب مرسلًا۔ واللہ اعلم۔

فائدہ

مجاہد نے کہا حضرت سلیمان کا فیصلہ صلح کے طور پر تھا اور حضرت داؤد کا فیصلہ حکم تھا اور صلح حکم سے بہتر ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کا فیصلہ وحی پر مبنی تھا، لیکن حضرت سلیمان کا فیصلہ ناسخ تھا جس سے حضرت داؤد کا فیصلہ منسوخ ہو گیا یہ قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء کے لئے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم دینا جائز

نہیں۔ کیونکہ ان کے پاس وحی آتی ہے۔ ان کو اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ اجتہاد میں تو غلطی ممکن ہے، اور انبیاء سے غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کا فیصلہ اجتہادی تھا۔ حضرت داؤد کا اجتہاد غلط تھا اور حضرت سلیمان کا صحیح۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان کے فیصلے کی تعریف فرمائی۔ انبیاء کے اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے۔ مگر انبیاء اس پر قائم نہیں رہتے جب حق واضح ہو جاتا ہے تو وہ اپنے فیصلے سے رجوع کر لیتے ہیں۔

وَكَلَّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا  
اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔

حسن نے کہا اگر آیت وَكَلَّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا نہ ہوتی تو حکام تباہ ہو جاتے لیکن اللہ نے اس آیت میں ہر اجتہادی فیصلہ کی تعریف فرمائی ہے۔

آیت وَكَلَّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد مبنی بر صواب ہوتا ہے (کسی کو غلطی نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اللہ نے اس آیت میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کی تعریف فرمائی ہے)۔

لیکن ظاہر یہ کا یہ استدلال غلط ہے آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بزرگوں کو اللہ نے قوت فیصلہ و علم عطا کی تھی دونوں فیصلوں کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ آیت فَفَقَهُمْنَا هَا سُلَيْمَانَ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت سلیمان کا فیصلہ صحیح تھا اور حضرت داؤد کا فیصلہ اس کے خلاف تھا یعنی غلط۔

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا فرما رہے تھے جب حاکم اجتہاد کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرے اور فیصلے میں حق پر پہنچ جائے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہو گا اور اگر اجتہادی فیصلہ میں اس سے غلطی ہو جائے تب اس کے لئے اکہرا اجر ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد واصحاب السنن الاربعہ والترغیبی عن ابی ہریرہ۔

یہ حدیث صراحتہ بتا رہی ہے کہ مجتہد سے فیصلہ میں غلطی بھی ہو جاتی ہے اور کبھی اس کا فیصلہ حق بھی ہوتا ہے صواب و خطا یکجا جمع نہیں ہو سکتے یا فیصلہ صحیح ہو گا یا غلط، لیکن فیصلہ میں غلطی ہو جائے تب کبھی اس کو ایک اجر ضرور ملے گا، غلطی ہو جانے کی بناء پر نہیں بلکہ فکری کوشش اور اجتہاد پر اس کو اکہرا اجر ملے گا۔ اجتہاد بجائے خود عبادت ہے طلب حق کی کوشش موجب اجر ہے اجتہاد کے بعد غلطی قابل تسامح ہے اور صحت نتیجہ کی صورت میں دو اجر ہوں گے ایک طلب حق کی کوشش کا اور دوسرا حق پر پہنچ جانے کا۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے دو عورتیں تھیں ہر ایک کا ایک بچہ اس کے ساتھ تھا بھڑیا آیا ایک بچہ کو لے گیا، ایک عورت نے دوسری سے کہا بھڑیا تیرے بچہ کو لے گیا میرا بچہ محفوظ ہے، دوسری نے اس کی تردید کی اور کہا تیرے بچہ کو لے گیا میرا بچہ یہ ہے جو موجود ہے دونوں جھگڑالے کر حضرت داؤد کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے بڑی کو ڈگری دے دی اور چھوٹی ہار گئی اس کے بعد دونوں کا گزر حضرت سلیمان کی طرف سے ہوا اور آپ سے تفصیل بیان کی۔ حضرت سلیمان نے فرمایا، میرے پاس چھری لے آؤ میں بچہ کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو بانٹ دوں گا یہ سنتے ہی چھوٹی بولی آپ پر اللہ کی رحمت ہو یہ بچہ بڑی کا ہی ہے اسی کو دے دیجئے۔ حضرت سلیمان نے بچہ چھوٹی کو دلوادیا۔

اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا  
وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ  
پھاڑوں کو جو داؤد کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔

کہا گیا ہے کہ داؤد جب ذکر کرتے کرتے سست پڑ جاتے تھے اور بدن میں کچھ کسل آجاتا تھا تو آپ کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھنے لگتے تھے تاکہ پہاڑوں کی تسبیح سن کر داؤد میں ذکر الہی کرنے کی تازہ چستی پیدا ہو جائے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ الطیر کا عطف الجبال پر ہے پرندوں کی تو پھر بھی ظاہری زبان ہوتی ہے وہ کچھ نہ کچھ بولتے ہی ہیں لیکن پہاڑوں کی کوئی زبان بظاہر نہیں ہوتی، پہاڑوں کا تسبیح خداوندی میں مشغول ہونا بہت ہی تعجب آفریں ہے اسی لئے

الْجِبَالِ كَأَنَّ الظُّيْرَ سَ مِنْهُ يَكْبَدُ  
وہب نے کہا حضرت داؤد کی تسبیح کے جواب میں پہاڑ اللہ کی پاکی بیان کرتے تھے اور پرندوں کا بھی یہی حال تھا۔ قتادہ نے کہا یعنی جب داؤد نماز پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، حضرت داؤد درختوں اور پتھروں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ يُسَبِّحُنَّ سُبَّاحَاتٍ سے ماخوذ ہے اور سبحات کا معنی ہے تیرنا چلنا، حضرت داؤد چلتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ چلتے تھے۔

وَكُنَّا فَوَاحِشًا عَالِينَ ﴿۹﴾  
اور ایسا کرنے والے ہم ہی تھے۔ یعنی داؤد کو علم و حکمت کی فہمائش اور پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر ہمارا فعل تھا۔

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِنَحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿۱۰﴾  
اور ہم نے اس کو زرہ بنانے کی صنعت تم لوگوں کے فائدے کے لئے سکھائی تاکہ وہ تم کو لڑائی میں ایک دوسرے کی زد سے محفوظ رکھے۔ تو کیا تم اب بھی شکر ادا نہ کرو گے۔

لَبُوسٌ ہر پہننے والی چیز کو کہتے ہیں عرفاً اس کا استعمال اسلحہ کے لئے ہوتا ہے اس جگہ لوسے کی زرہ مراد ہے۔ قتادہ نے کہا حضرت داؤد سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی، سب سے اول آپ نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔ حدیث صحیح پہلی گزر چکی ہے کہ حضرت داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

لَكُمْ سے خطاب قریش کو ہے، لِنَحْصِنَكُمْ تاکہ وہ صنعت یا حلقہ دار زرہ تم کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھے۔ سدی نے کہا اسلحہ کی مار پڑنے سے تم کو محفوظ رکھے۔ فَهَلْ أَنْتُمْ پس اے اہل مکہ ہم نے جو دشمن سے محفوظ رہنے کا ذریعہ تمہارے لئے آسان کر دیا۔ کیا اس کا تم شکریہ ادا کرو گے۔ هَلْ أَنْتُمْ میں امر بصورت استفہام ہے۔

وَلَسَلِمِينَ الرِّيحَ  
اور ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، سلیمان کا عطف داؤد پر ہے اور الرِّيح کا عطف الجبال پر۔ حرف عطف ایک ہی ہے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی عامل کے مفعول ہے۔ بعض اہل تحقیق نے بیان کیا ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کا داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھنا بامر داؤد نہ تھا بلکہ براہ راست اللہ کے حکم تسخیری کے ماتحت تھا اس لئے داؤد کے ساتھ لفظ مَعَ (ساتھ) نہ لیا اور ہوا کی رفتار بامر سلیمان ہوتی تھی اس لئے لَسَلِمِينَ سلیمان کے لئے لام کے ساتھ فرمایا۔

عَاصِفَةً تیز، کہ تھوڑے وقت میں سلیمان کو لشکر سمیت دور لے جاتی تھی اللہ نے فرمایا ہے خَدُّوْهَا شَهْرًا وَرَوَّاحُهَا شَهْرًا شروع آدھے دن کی رفتار ہو ایک مہینے کی مسافت کے برابر اور آخری آدھے دن کی رفتار ایک ماہ کی مسافت کے بقدر تھی۔ اتنی تیز رفتار کے باوجود ہوا کی چال نرم تھی جھکڑ نہ تھے خوشگوار تھی (زیروز بر کرنے والی نہ تھی) بعض لوگوں نے کہا ہوا کی رفتار حضرت سلیمان کی مرضی کے تابع تھی کبھی تند کبھی نرم۔

تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا  
سلیمان کے حکم سے ہوا اس زمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت عطا کی ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ إِلَى الْأَرْضِ میں إِلَى بمعنی رَفِئِ (میں) ہے یعنی ملک شام میں مراد یہ ہے کہ بحکم سلیمان ہوا آپ کو فرود گاہ شام سے اصل وطن کی طرف لے جاتی تھی۔ حضرت سلیمان وطن سے صبح کو چل کر ملک شام میں جا کر فرود کش ہوتے تھے اور پچھلے دن میں ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر شام سے اصل وطن کی طرف لوٹ آتے تھے۔ بعض نے کہا الٰہی اس جگہ اپنے اصلی معنی پر ہے۔

وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ﴿۱۱﴾  
اور (ازل میں ہی) ہم ہر چیز سے واقف تھے۔ یعنی ہماری ازلی مصلحت کا جو تقاضا ہے اور ہماری حکمت جو چاہتی ہے ہم اسی کے مطابق جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں چنانچہ ہوا وغیرہ کو سلیمان کے حکم کا تابع بنا دینے کی غرض یہ تھی کہ سلیمان اپنے رب کے سامنے اور جھک جائیں، وہب نے کہا حضرت سلیمان کی مجلس پر پرندے چھائے ہوئے ہوتے تھے، جن صف بستہ کھڑے ہوتے تھے اور اس شان کے ساتھ آپ جلوہ افروز ہوتے۔ حضرت سلیمان بڑے مرد مجاہد تھے

دنیا کے جس حصہ میں کسی بادشاہ کے ہونے کی آپ کو اطلاع ملتی آپ فوراً وہاں پہنچ کر اس فرماں روا کو اطاعت پر مجبور کر دیتے تھے۔ اہل روایت کا قول ہے کہ آپ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ کے لئے پہلے تختے بصورت تخت بچھائے جاتے پھر اس پر خیمہ ڈیرہ قائم کیا جاتا پھر آپ اس پر آدمیوں کو جانوروں کو اور جنگی سامان کو چڑھواتے پھر حسب الحکم تند ہوا تختوں کے نیچے آجاتی اور سب کو اوپر اٹھاتی اور اوپر پہنچ کر نرم بن جاتی تھی۔ اتنی نرم رفتار ہوتی کہ کسی کھیتی کی طرف سے گزرتی تو اس کی پتی بھی نہ ہلتی۔ اس کی رفتار سے گرد و غبار بالکل نہ اڑتا اور نہ کسی پرندے کو تکلیف ہوتی، سبک سیر اتنی کہ ایک ماہ کی مسافت دن کے نصف اول میں اور ایک ماہ کی مسافت پچھلے دن میں طے کر لیتی تھی۔

وہب نے یہ بھی بیان کیا کہ دجلہ کے کسی ساحلی مقام پر ایک کتبہ تھا جس پر حضرت سلیمان کے کسی ساتھی نے لکھ دیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ساتھی جن تھا یا آدمی۔ ”ہم یہاں اترے ہم رات کو یہاں نہیں رہے صبح اصطرخ سے چلے تھے دوپہر کو یہاں قیلولہ کیا پچھلے دن میں انشاء اللہ یہاں سے چل دیں گے اور رات کو شام میں رہیں گے۔“

مقاتل نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان کے لئے جنات نے سونے اور ریشم کے تاروں سے ایک فرش بنا تھا، جس کی لمبائی چوڑائی ایک ایک فرسخ تھی، اس فرش کے وسط میں حضرت کے لئے سنہری ممبر رکھا جاتا تھا جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے اور ممبر کے ارد گرد سونے چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ سونے کی کرسیوں پر اور علماء چاندی کی کرسیوں پر فروکش ہوتے تھے اوپر سے پرندے اپنے پر پھیلائے سایہ فلک ہوتے تاکہ دھوپ کسی پر نہ پڑے کرسیوں کے گرد اگر دوسرے آدمی ہوتے تھے اور آدمیوں کے پیچھے جنات، ہوا، اس فرش کو (اور فرش والوں کو) اوپر اٹھاتی تھی اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ایک ایک ماہ کی مسافت تک لے جاتی تھی۔

سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان کے دربار میں چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں اگلی قطاروں میں آدمی اور آدمیوں کے پیچھے جنات بیٹھتے تھے پرندے اوپر سے سایہ کئے ہوتے تھے اور ہوا ان سب کو اٹھاتی تھی۔

حسن کا بیان ہے کہ جب پیغمبر خدا سلیمان کی عصر کی نماز گھوڑوں کے معاینہ کی وجہ سے فوت ہو گئی تو آپ کو لوجہ اللہ غصہ آگیا اور آپ نے سب گھوڑوں کو قتل کر دیا۔ پھر اللہ نے مقتول گھوڑوں کے عوض دوسرے بہتر گھوڑے عطا فرمادئے، ہوا آپ کے حکم سے آپ کی مرضی کے مطابق تیزی کے ساتھ آپ کو اٹھا کر لے جاتی تھی صبح کو ایلیا سے چلتے تو قیلولہ (دوپہر کا قیام) اصطرخ میں کرتے پھر پچھلے دن میں اصطرخ سے چلتے تو شام بابل میں کرتے۔

ابن زید نے بیان کیا تختوں سے بنی ہوئی آپ کی ایک سواری تھی جس کے ایک ہزار پائے تھے ہر پایہ کھوکھلا تھا جس کے اندر ہزار خانے تھے آپ کے ساتھ انس و جن سوار ہوتے تھے ہر پایہ کے نیچے (اٹھانے والے) ایک ہزار جنات ہوتے تھے جو اس تخت کو اٹھائے ہوتے تھے، تخت اونچا ہو جاتا تو نرم ہوا آکر اس تخت کو اٹھالیتی صبح کو چل کر آپ دوپہر کو ان لوگوں کے پاس قیام کرتے جو ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ہوتے تھے پھر شام ایسے لوگوں میں کرتے جن کی دوری ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہوتی۔ لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اچانک آپ لشکر سمیت آ پہنچتے۔

روایت میں آیا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان عراق سے صبح کو چلے مرو میں دوپہر کو پہنچے وہاں قیام کیا پھر بلخ میں عصر کی نماز پڑھی پھر بلخ سے روانہ ہو کر ترکستان میں داخل ہو گئے پھر ترکستان سے سرزمین چین تک پہنچ گئے ہوا کے کندھوں پر یہ راستہ طے کیا اور پرندے، سر پر سایہ فلک رہے۔ آپ صبح کے دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے تھے اور شام کے دن میں بھی اتنی ہی دور پہنچ جاتے تھے، یہاں سے آپ نے مشرق کی طرف رخ کیا یہاں تک کہ قندھار پہنچ گئے پھر قندھار سے مکران اور کرمان پہنچے تو پھر یہاں سے گزر کر بلا و فارس میں پہنچے اور وہاں چند روز فروکش رہے پھر صبح کو یہاں سے روانہ ہو کر دوپہر کو کسکر پہنچے پھر شام تک ملک شام میں آگئے آپ کی اصل قرار گاہ شہر تدمر میں تھی شام سے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ نے جنات کو حکم دیا تھا کہ ایک عمارت بنا میں چنانچہ جنات نے پتھر کی چٹانوں اور ستونوں اور سفید و زرد مرمر سے ایک عمارت تیار کی

تھی۔

وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَغْوِصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿۸۷﴾

اور کچھ شیاطین ایسے تھے جو سلیمان کے لئے (جوہر نکالنے کی غرض سے) سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ اور ہم ہی ان کو سنبھالنے والے ہیں۔

اور کچھ جنات سمندروں میں غوطے مار کر آپ کے لئے جوہر نکال کر لاتے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ جیسے اونچی اونچی عمارتیں اور مجسمے اور بڑے بڑے حوض اور ایک جگہ قائم رہنے والی دیگیں اور شہروں کی تعمیر اور عجیب عجیب نادر مصنوعات کی تخلیق وغیرہ۔

کُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ کا یہ مطلب ہے کہ ہم جنات کی نگرانی رکھے ہوئے تھے کہ کہیں سلیمان کی اطاعت سے سرکشی نہ کرنے لگیں۔ زجاج نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں بنائی ہوئی چیز کو تباہ نہ کر دیں۔

بغوی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کسی کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرمادیتے جب اس کام سے یہ فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا ایسا نہ ہو کہ یہ کئے ہوئے کام کو برباد کر دے، جنات کی یہ عادت ہی تھی کہ جب کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بنے ہوئے کام کو ہی تباہ کر دیتے۔

اور ایوب کا تذکرہ کیجئے جب اس نے مصائب میں اپنے رب کو

وَإِيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ

پکارا۔ اے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔ نادای یعنی دعا کی۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت ایوب رومی تھے، آپ کا جدی نسب اس طرح تھا۔ ایوب بن احرص بن رازح بن روم بن عبص بن اسحاق بن ابراہیم آپ کی والدہ حضرت لوط بن فاران کی اولاد میں سے تھیں۔

آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے اللہ نے آپ کے لئے دنیا وسیع کر دی تھی، سر زمین شام میں ایک گھائی جس کے اندر میدانی زمین بھی تھی اور پہاڑی بھی آپ کی ملک تھی۔ اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھیر، بکری، گھوڑے گدھے ہر قسم کے بکثرت جانور آپ کے پاس تھے، پانچ جوڑ بیلوں کے کھیتی کرنے کے لئے بھی آپ کے پاس تھے۔ ہر جوڑ کا خادم ایک غلام تھا اور ہر غلام کے بیوی بچے بھی تھے۔ بیلوں کی ہرجٹ کا یعنی کھیتی کرنے اور اہل جو تنے وغیرہ کا سامان اٹھانے کے لئے ایک گدھی تھی اور ہر گدھی کے دود تین تین چار چار پانچ پانچ اور اس سے زیادہ بچے تھے اللہ نے آپ کو اہل و عیال لڑکے اور لڑکیاں بھی عطا کی تھیں۔ آپ بڑے نیک، پرہیزگار، غریبوں پر رحم کرنے والے، مسکینوں کو کھانا کھلانے والے، یتیموں کی خبر گیری کرنے والے، یتیموں کی سرپرستی کرنے والے اور بڑے مہمان نواز تھے، مسافروں کو خرچ دے کر وطن تک پہنچا دیتے تھے، اللہ کی نعمتوں کا شکر اور اللہ کا حق ادا کرتے رہتے تھے اللہ نے شیطان مردود سے آپ کو محفوظ کر دیا تھا۔ ابلیس دوسرے مال داروں اور عزت یاب لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل بنا دیتا ہے لیکن آپ اس کی دسترس سے باہر تھے۔ آپ کے پاس تین (خاص) آدمی تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے ایک یعنی تھا جس کا نام الیقن تھا اور دو آپ ہی کی بستی کے رہنے والے تھے ایک کا نام یلد اور دوسرے کا نام صافر تھا، یہ تینوں میانہ عمر کی آدمی تھے۔

اس زمانہ میں ابلیس کی رسائی آسمانوں پر تھی، آسمانوں میں جہاں چاہتا ٹھہر سکتا تھا۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد چار آسمانوں پر جانے کے اسے ممانعت کر دی گئی پھر رسول اللہ ﷺ کی پیدائش پر باقی آسمانوں سے بھی اس کو روک دیا گیا۔

حضرت ایوب اللہ کا ذکر اور اس کی حمد کرتے رہتے تھے ایک بار جب آپ نے اللہ کا ذکر کیا اور حمد کی تو فرشتوں نے اس وقت مل کر آپ کے لئے دعائے رحمت کی، ابلیس نے فرشتوں کی دعا سن پائی۔ سن کر جل گیا اور فوراً آسمان پر چڑھ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچا اور اللہ سے التجا کی اور کہا الہی میں نے تیرے بندے ایوب کے معاملہ پر غور کیا، میں نے دیکھا کہ تو نے اپنے بندے کو نعمتوں سے نوازا ہے اور اس لئے اس نے تیرا شکر کیا، تو نے اس کو عافیت عطا کی اس لئے اس نے تیری حمد کی، تو نے جو کچھ اس

کو مرحمت کیا ہے اگر تو اس سے لے لے اور اس کو مصیبت میں مبتلا کر دے تو یہ مصیبت اس کو عبادت و حمد سے روک دے گی اور وہ تیری طاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے اس کے مال پر تجھے دسترس عطا کر دی، دشمن خدا ابلیس یہ اختیار لے کر آسمان سے زمین کی طرف آیا پھر خبیث جنات اور سرکش شیطانوں کو جمع کر کے کہنے لگا مجھے ایوب کے مال پر تسلط عطا کر دیا گیا ہے اور یہ ایسی سخت مصیبت ہے جس پر بڑے بڑے لوگ صبر نہیں کر سکتے بتاؤ تمہارے اندر کیا طاقت ہے تم اپنی اپنی طاقتوں کی تفصیل بتاؤ۔ ایک خبیث شیطان بولا مجھے ایسی قوت دی گئی ہے کہ اگر میں چاہوں تو آتشیں بگولہ بن جاؤں پھر جس چیز پر گزروں اس کو جلا ڈالوں۔ ابلیس نے کہا اچھا تو جس وقت ایوب کے اونٹ اپنی چراگاہوں میں جھے بیٹھے ہوں تم اونٹوں کی طرف جاؤ اور سب کو جلا ڈالو، یہ کہتے ہی لوگوں کو پتہ بھی نہ چلا اور ایک دم زمین کے نیچے سے ایک آتشیں بگولہ اٹھا اور جب اونٹوں کے پاس سے اتر اتوان کو اور چرواہوں کو جلا کر سوختہ کر دیا یہاں تک کہ سب اونٹوں کو جلا کر ختم کر دیا اس کے بعد ابلیس اونٹوں کے ٹکراں کی صورت بنا کر ایک اونٹ پر سوار ہو کر حضرت ایوب کے پاس پہنچا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہنے لگا ایوب ایک آگ آئی سب اونٹوں کو ہر طرف سے اس نے گھیرے میں لے لیا سب اونٹ اور ان کے چرواہے سوختے ہو گئے۔ حضرت ایوب نے فرمایا الحمد للہ جس نے دیئے تھے اسی نے لے لئے، میں تو ہمیشہ سے اپنی جان و مال کو فنا ہونے والا سمجھے ہوا ہوں، ابلیس بولا آپ کے رب نے ان پر آسمان سے آگ بھیج دی جس سے سب جل گئے لوگ حیرت میں پڑ گئے اور ان کو بڑا تعجب ہوا کوئی کہنے لگا ایوب کسی کی پوجا ہی نہیں کرتے تھے محض دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے، بعض لوگ کہنے لگے ایوب خدا کی عبادت کرتے تھے خدا ہی نے یہ آگ بھیجی تاکہ ایوب کے دشمن خوش ہوں اور دوستوں کو دکھ پہنچے کسی نے کہا اگر ایوب کے معبود میں طاقت ہوتی اور وہ حفاظت کر سکتا تو ضرور اس کی کار سازی کرتا۔ حضرت ایوب نے یہ باتیں سن کر فرمایا الحمد للہ! اسی نے مجھے دیا تھا اسی نے مجھ سے لے لیا ہر حال میں وہ قابل حمد ہے۔ میں ماں کے پیٹ سے ننگا پیدا ہوا تھا اور ننگا ہی لوٹ کر مٹی میں جاؤں گا اور ننگا ہی اٹھ کر اللہ کی پاس جاؤں گا۔ جب اللہ تجھے کوئی چیز عاریتہ دے دے تو تجھے اترانے کا حق نہیں ہے اور جب اپنی عاریت پر قبضہ کر لے تو تجھے جزع و فزع نہ کرنا چاہئے اس چیز اللہ ہی زیادہ مستحق ہے اور وہی تیرا بھی مالک ہے اور اے شخص اگر اللہ کو تیرے اندر کوئی بھلائی معلوم ہوتی تو تو بھی شہید ہو جاتا اور ان روحوں کے ساتھ تیری روح بھی منتقل ہو جاتی، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو تیری طرف سے شر ہی معلوم ہوئی۔ اسی لئے آگ کے اندر سے اور شہیدوں کے گروہ سے تجھے نکال دیا۔ حضرت کی اس گفتگو سے ابلیس ذلیل و خوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور ان سے کہا اب تمہارے پاس کوئی طاقت ہے میں تو ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا ایک دیو بولا میرے اندر ایسی قوت ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں ایسی چیخ ماروں کہ جو جان دار اس کو سنے اس کی جان نکل جائے، ابلیس نے کہا تو تم بھیڑ بکریوں اور ان کے چرواہوں کو جا کر ختم کر دو حکم پا کر دیو فوراً چل دیا اور بھیڑ بکریوں کے درمیان پہنچ کر ایک چیخ ماری جس سے تمام بکریاں اور ان کے چرواہے مر گئے اس کے بعد ابلیس چرواہوں کے دارؤفہ کے بھیس میں حضرت ایوب کے پاس پہنچا آپ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے ابلیس نے پہنچ کر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی اور حضرت ایوب نے بھی پہلے کی طرح جواب دیا ابلیس اپنے رفقاء کے پاس واپس چلا گیا اور بولا اب بتاؤ تمہارے پاس کیا طاقت ہے میں تو اب بھی ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا۔ ایک خبیث جن کہنے لگا۔ اگر میں چاہوں تو آندھی بن سکتا ہوں جو ہر چیز کو اڑا کر لے جائے گی۔ ابلیس نے کہا تو بیلوں اور کھیتوں کے پاس جا، بیٹ جن چلا گیا، اور اچانک ایک طوفانی ہوا چلی اور ہر چیز کو اڑا کر لے گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کے بعد ابلیس کھیتی باڑی کے میجر کی شکل بنا کر حضرت ایوب کے پاس آیا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ابلیس نے وہی پہلے والی بات کی اور آپ نے بھی وہی سابق کا جواب دے دیا اور مصیبت پر صبر کرنے پر اپنے دل کو جمالیا آخر جب آپ کے پاس کسی طرح کا مال نہ رہا اور ابلیس نے آپ کا سارا مال تباہ کر دیا تو آسمان پر پھر گیا اور بارگاہ الہی میں عرض کیا الہی ایوب جانتا ہے کہ جب آل و اولاد سے تو نے اس کو بہرہ اندوز کیا ہے تو مال بھی عنایت کر دے گا اس لئے مطمئن ہے کیا تو مجھے اس کی اولاد پر تسلط عطا فرمادے گا یہ مصیبت ایسی ہے جس پر بڑے بڑے آدمیوں کے دل برقرار نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے



تجھے ایوب کی اولاد پر دسترس عطا کی۔ دشمن خدا چلا آیا حضرت ایوب کی اولاد ایک قصر کے اندر تھی ابلیس نے اس قصر کے درو دیوار کو جھنجھوڑ ڈالا.... دیواروں کو باہم ٹکرا دیا لکڑیاں اور پتھر اوپر سے پھینکے، یہاں تک کہ جب سب لوگوں کو خوب زخمی کر دیا تو محل کو اٹھا کر الٹ دیا، سب لوگ سرنگوں ہو کر گر پڑے اور ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد بچوں کے اتالیق کی شکل بنا کر حضرت ایوب کی خدمت میں پہنچا خود بھی اس وقت زخمی تھا چہرے پر خراشیں تھیں خون بہ رہا تھا جا کر واقعہ کی اطلاع دی اور کہا اگر آپ وہ منظر دیکھ لیتے جب کہ آپ کے بچے سخت اذیتوں میں مبتلا ہوئے تھے خون بہ رہا تھا اور دماغ بھی باہر نکلنے لگے تھے، پیٹ پھٹ گئے تھے، انتڑیاں بکھری پڑی تھیں اسی حالت میں قصر الٹ گیا اور سب لٹے ہو کر جاں بحق ہو گئے تو آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ابلیس برابر اسی طرح کے دردناک الفاظ کہتا رہا اور حضرت ایوب سنتے رہے آخر آپ کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگے اور ایک مٹھی خاک اپنے سر پر ڈال لی اور کہا کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، ابلیس نے اس بات کو غنیمت سمجھا اور ایوب کے بے صبری کو دیکھ کر فوراً آسمان پر چڑھ گیا ادھر حضرت ایوب نے اپنے الفاظ سے رجوع کر لیا اور توبہ و استغفار کی اور آپ کی توبہ و استغفار کو ملائکہ لے کر ابلیس کے پیچھے سے پہلے ہی جانچے اور بارگاہ الہی میں پیش کر دی اللہ تو پہلے ہی بخوبی واقف تھا ملائکہ کی پیشی بھی حسب الحکم ہو گئی ابلیس ذلیل ہو گیا اور کہنے لگا۔ الہی تو نے ایوب کو تندرستی دی ہے جسمانی اذیت سے محفوظ رکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی تندرستی ہے تو اللہ مال و اولاد اور عنایت کر دے گا اس لئے مال و اولاد کی ہلاکت کا اس پر اثر نہیں پڑا تو مجھے اس کے جسم پر تسلط عطا کر دے گا تو اس کا قدم ڈگمگائے گا۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے ایوب کے جسم پر تجھے تسلط عطا کیا لیکن زبان اور دل پر تیرا تسلط نہیں ہے زبان و دل کی علاوہ باقی جسم کو تیرے زیر تسلط کر دیا گیا۔ اللہ نے ابلیس کو یہ تسلط صرف اس لئے عطا فرمایا تھا کہ ایوب کے ثواب میں اضافہ ہو صبر کرنے والوں کے لئے مثال ہو۔ ہر دکھ اور مصیبت پر صبر کرنے کی دوسروں کو تلقین ہو اور بامید ثواب ہر اذیت پر ان کو صبر ہو۔ اللہ کا دشمن اجازت پا کر فوراً آیا، ایوب اس وقت سجدے میں تھے سر اٹھانے نہ پائے تھے کہ ابلیس آگیا اور چہرے کی طرف سے آکر ناک کے سوراخ میں ایک پھونک ماری جس سے حضرت ایوب کا جسم آگ کی طرح بھڑکنے لگا اور سر کی چوٹی سے پاؤں کی نوک تک ایسے دمبل نکل آئے جیسے بکری کی کلجی اور ان میں کھلی پیدا ہو گئی حضرت ایوب نے ناخنوں سے اس کو کھجانا شروع کیا یہاں تک کہ سب ناخن گر گئے پھر کھر درے ٹاٹ سے کھجایا ٹاٹ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا پھر نوک دار کھر درے ٹھیکروں اور پتھروں سے کھجایا اور اتنا کھجایا کہ گوشت کٹنے لگا، بودینے لگا، سڑ گیا۔ بستی والوں نے آپ کو بستی سے باہر نکال کر ایک گھورے پر جھونپڑی بنا کر اس میں ڈال دیا اور سب نے چھوڑ دیا صرف آپ کی بی بی رحمت بنت افراسیم بن یوسف بن یعقوب نے ساتھ دیا بعض نے رحمت کو حضرت یوسف ہی کی صاحبزادی کہا ہے، رحمت آپ کے پاس آئی رہیں اور آپ کی ضروریات فراہم کر کے لاتی رہیں جب حضرت کے تینوں رفقاء الیقین، یلد اور صافر نے حضرت ایوب کی یہ ابتلائی حالت دیکھی تو وہ بھی کنارہ کش ہو گئے اور (شرعی جرم کرنے کی) آپ پر تہمت لگائی مگر آپ کے دین کو نہیں چھوڑا جب مصیبت بڑھ گئی تو ایک روز تینوں حضرت کے پاس آئے اور خوب سخت ست کہا اور کہنے لگے آپ کو اللہ کی طرف سے یہ گناہ کی سزا دی گئی اللہ سے توبہ کیجئے۔

راوی کا بیان ہے ایک نوجوان مومن بھی ان تینوں کے ساتھ تھا اس نے کہا اے عمر رسیدہ لوگو آپ لوگ اپنی عمروں کی بیشی کی وجہ سے کلام کرنے کے زیادہ مستحق ہو لیکن آپ لوگوں نے جو کچھ کہا خیال کیا اور جو بات کی اس سے زیادہ اچھا کلام بہتر بنائے اور مناسب ترین بات بھی پیش کر سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوب کا تم پر حق ہے، ذمہ داری ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ تم نے کس کی توہین اور بے عزتی کی وہ کیسی شخصیت ہے جس پر تم نے عیب تھوپے اور نکتہ چینی کی کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کا پیغمبر ہے اس وقت تمام اہل ارض سے برگزیدہ اور اللہ کا منتخب بندہ ہے پھر تم کو یہ بھی نہیں معلوم اور نہ اللہ نے تم کو بتایا ہے کہ جب سے ایوب کو پیغمبری ملی کبھی بھی اللہ نے اس کی کسی حرکت کو ناپسند کیا ہو یا جو عزت اس کو عطا فرمائی ہے اس کا کوئی حصہ چھین لیا ہو نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت سے جب سے تم اس کے ساتھ ہوئے ہو کبھی بھی آج تک اس نے اللہ

کے سلسلہ میں کوئی ناحق بات کہی ہو۔ جس دکھ اور تکلیف کو تم ایوب کے لئے اپنے خیال میں باعث تذلیل و تحقیر سمجھتے ہو وہ ایسا نہیں ہے اللہ اپنے پیغمبروں، صدیقیوں، شہیدوں اور نیک لوگوں کو دکھ میں مبتلا کرتا چلا آیا ہے اس کی طرف سے یہ دکھ اور امتحان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس طبقہ سے ناراض ہے نہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی نظر میں یہ لوگ ذلیل ہو گئے بلکہ یہ امر تو ان کے لئے مزید عزت افزائی اور فضیلت ہے۔

اور بالفرض اگر ایوب اللہ کے نزدیک اس مرتبہ پر نہیں بھی ہوں تب بھی وہ تمہارے بھائی تو ہیں، تم نے ان کے ساتھ رہ کر ان سے برادری کی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو پیغمبر نہیں مانتے تو دوست ہی سمجھو مدت تک تم ان کی ساتھ رہے ہو اور کسی دانش مند کے لئے جائز نہیں کہ اپنے دوست سے اس کی مصیبت کے وقت کنارہ کش ہو جائے یا اس کو لعنت و ملامت کرے وہ تو خود غم رسیدہ اور دکھی ہے اس پر نکتہ چینی کرنا اور نکتہ چینی بھی وہ جس کا علم عار دلانے والے کو نہیں کسی طرح درست نہیں۔ مناسب تو یہ ہے کہ اس سے ہمدردی کی جائے اس کے رونے میں شرکت کی جائے اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے اور جو تدبیریں اس کے معاملے کو درست کرنے والی ہیں وہ بتائی جائیں۔ دانش مند اور ہدایت یافتہ وہ شخص نہیں جو ان باتوں سے ناواقف ہو۔

سن رسیدہ بزرگو! اللہ کی عظمت و جلال کا مطالعہ اور موت کی یاد تمہاری زبانوں کو کاٹ دیتی ہے اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو بڑے فصیح اللسان، بلیغ البیان، دانش مند اور عالم ہیں نہ گونگے ہیں نہ بیان سے عاجز اس کے باوجود اللہ کے خوف نے ان کو خاموش کر دیا ہے جب وہ اللہ کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی زبانیں ماسوا کے تذکرے سے کٹ جاتی ہیں، رو نگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دل پارہ پارہ ہو جاتے ہیں اور ہوش و حواس پرال ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی عظمت کو دیکھنے اور جلال الہی کا مشاہدہ کرنے کے وقت ہوتا ہے لیکن جب ان کو ہوش آتا ہے اور استقامت حال نصیب ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنے پاکیزہ اعمال کے ساتھ اللہ کی طرف دوڑتے ہیں مگر اپنا شمار خطا داروں اور ظالموں کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ابرار اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں لیکن قصور داروں اور گناہ گاروں کے ساتھ ہوتے ہیں یہی لوگ بڑے دانش مند اور اصحاب قوت ہیں۔ حضرت ایوب نے اس نوجوان کی یہ تقریر سن کر فرمایا اللہ چھوٹے بڑے کے دل میں اپنی رحمت سے حکمت کی تخم پاشی کرتا ہے پھر دل میں پودا پیدا ہوتا ہے تو زبان پر اللہ اس کو ظاہر فرما دیتا ہے حکمت کا مدار نہ طول عمر اور بڑھاپے پر ہے نہ تجربے کی فراوانی پر اگر اللہ کسی کو بچپن میں ہی باحکمت بنا دیتا ہے تو اس کا مرتبہ دوسرے حکماء کے نزدیک کم نہیں ہوتا۔ اہل حکمت جانتے ہیں کہ نور عزت خدا داد ہے اس کے بعد حضرت ایوب نے ساتھیوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور

اپنے رب کی طرف رخ کر کے فریاد و زاری میں مشغول ہوئے۔ عرض کیا اے میرے رب تو نے مجھے کس لئے پیدا کیا کاش تو نے مجھے پیدا نہ کیا ہوتا۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ مجھ سے کونسی خطا ہو گئی اور میں نے کونسا ایسا کام کیا جس کی وجہ سے تو نے اپنا مبارک رخ میری طرف سے پھیر لیا، اگر میں نے کوئی گناہ کیا تو مجھے مار ڈالتا اور میرے آباؤ اجداد کے ساتھ مجھے ملا دیتا، موت ہی میرے لئے زیادہ مناسب تھی، کیا میں مسافروں کے لئے قیام گاہ اور مسکینوں کے لئے قرار گاہ نہیں بنا ہوا تھا، کیا میں یتیموں کا والی اور بیواؤں کا سرپرست نہیں تھا۔ الہی میں تیرا بندہ ہوں اگر تو مجھ سے بھلائی کرے گا تو تیرا احسان ہے اور اگر میرے ساتھ برائی کرے گا تو مجھے سزا دینے کا تجھے اختیار ہے، تو نے مجھے مصیبتوں کی آماج گاہ اور دکھوں کا نشانہ بنا دیا، مجھ پر ایسی مصیبت پڑی ہے کہ اگر تو پہاڑ پر ڈال دیتا تو وہ بھی نہ اٹھا سکتا، پھر میری کمزوری اس کو کیسے برداشت کر سکتی ہے تیرے قطعی حکم نے مجھے ذلیل کر دیا اور تیری ہی حکومت نے مجھے بد حال بنا دیا اور میرے جسم کو دبلا کر دیا۔ اگر میرا رب اپنی ہیبت کو نکال دے جو میرے دل میں ہے اور میری زبان کو رواں کر دے کہ میں منہ بھر کر بول سکوں، پھر یہ مناسب بھی ہو کہ بندہ اپنی طرف سے حجت پیش کر سکے تو امید ہے کہ جو مصیبت مجھ پر ہے اس سے مجھے بجاؤ عطا کر دے گا لیکن وہ تو مجھ سے بہت بالا و اعلیٰ ہے وہ مجھے دیکھتا ہے میں اسے نہیں دیکھتا وہ میری بات سنتا ہے میں اس کی آواز نہیں سنتا اس کی نظر عنایت میری طرف نہیں۔ نہ وہ مجھ پر

رحم کرتا ہے نہ مجھ سے قریب ہے نہ مجھے اپنے قریب کرتا ہے کہ میں اپنا عذر پیش کر سکوں اور اپنی براءت کی بات کر سکوں اور اپنا دفاع کر سکوں۔ حضرت ایوب اتنی ہی بات کرنے پائے تھے اور آپ کے ساتھی آپ کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ یک دم ایک بادل چھا گیا ساتھیوں نے خیال کیا کہ اس کے اندر کوئی عذاب آیا، لیکن اس کے اندر سے آواز آئی اے ایوب! اللہ فرماتا ہے میں تیرے قریب ہوں اور ہمیشہ سے تیرے قریب ہی رہا، اٹھ اپنا عذر پیش کر اور اپنی براءت کی بات کر اور اپنی طرف سے دفاع کر اور کمر کس کر اٹھ کھڑا ہو اور اس مقام پر کھڑا ہو جس مقام پر کوئی طاقت ور کھڑا ہو کر دوسرے طاقتوں کا دفاع کرتا ہے اگر تجھ سے ہو سکے۔ مجھ سے وہی جھگڑا کر سکتا ہے جو مجھ جیسا ہو، اے ایوب تیرے نفس نے تجھے آرزو مند بنا دیا ہے کہ تو اپنی قوت سے اپنے مقصد کو پہنچ جائے گا تو کہاں تھا جس روز میں نے زمین کو پیدا کیا، اور اس کی بنیاد پر اس کو قائم کیا، کیا تو میرے ساتھ زمین کے کناروں کو پھیلا رہا تھا کیا تو واقف ہے کہ میں نے کس انداز سے اس کو بنایا، کس چیز پر اس کے اطراف کو قائم کیا کیا تیری اطاعت کر کے پانی نے زمین کو اٹھایا ہے کیا تیری حکمت سے زمین پانی کا سرپوش بنی ہوئی ہے تو اس روز کہاں تھا جب میں نے آسمان کو چھت کی شکل میں ہوا میں بلند کیا تھا نہ اوپر سے کوئی رسی ہے کہ آسمان اس سے بندھا لٹک رہا ہو، نہ نیچے سے ستون اس کو اٹھائے ہوئے ہیں کیا تو اپنی حکمت سے اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ آسمان کے نور کو بہا دے یا ستاروں کو چلا دے کیا تیرے حکم سے رات و دن کا اول بدل ہو رہا ہے۔ جس روز دریاؤں کے نوارے میں نے زمین سے نکالے تھے اور سمندروں کو ان کی حدود میں بند کیا تھا تو کہاں تھا کیا تیری قوت سے سمندروں کی لہریں ان کی حدود کے اندر روکی گئی ہیں یا مدت حمل ختم ہونے پر رحم کا منہ تو کھولتا ہے جب میں نے پانی کو خاک پر روکا تھا اور اونچے پہاڑ برپا کئے تھے، تو کہاں تھا کیا مجھے علم ہے کہ کس چیز پر میں نے پہاڑوں کو برپا کیا ہے یا کس توازن سے ان کو قائم کیا ہے کیا تیرے پاس ایسی کلاسیاں ہیں جو ان کا بوجھ اٹھا سکیں۔ کیا تو جانتا ہے کہ جو پانی میں آسمان سے اتارتا ہوں وہ کہاں سے آتا ہے کس چیز سے بادل پیدا ہوتا ہے۔ برف کا خزانہ کہاں ہے، اولوں کے پہاڑ کہاں ہیں، دن کے اندر رات کا خزانہ کہاں ہے اور رات میں دن کا خزانہ کہاں رہتا ہے اور ہواؤں کا خزانہ کہاں ہیں، درخت کس زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ کس نے انسان کے جوف سینہ یا پیٹ یا سر میں عقل پیدا کی اور کس نے کانوں اور آنکھوں کے یہ شگاف بنائے، فرشتے کس کے اقتدار کے مطیع ہیں اور کس نے اپنی تمہاری طاقت سے سب طاقتوروں کو مغلوب کر رکھا ہے اور کس نے اپنی حکمت سے رزق کی تقسیم کی ہے۔ اللہ نے اسی طرح کے کلام میں اپنی آثار قدرت کا بکثرت اظہار فرمایا۔

ایوب نے عرض کیا، الہی جو تفصیل تو نے بیان فرمائی اس کو سمجھنے اور جواب دینے سے میری حالت اور میرا مرتبہ حقیر ہے میری زبان گنگ ہو گئی میری عقل و دانش کند ہو گئی اور میری قوت کمزور پڑ گئی۔ اے میرے معبود! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو نے بیان فرمایا وہ تیرے ہی دست قدرت کی کاریگری اور تیری ہی حکمت کی تدبیر کا نتیجہ ہے بلکہ تیری تدبیر، حکمت و صنعت اور قدرت اس سے بھی بڑی ہے کوئی چیز تجھے بے بس نہیں کر سکتی کوئی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ میرے معبود، مجھ پر دکھ ایسے پڑے کہ میں بے قابو ہو کر بول پڑا مصیبت نے ہی میری زبان چلا دی۔ کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا اور ایسی بات اپنے رب کی شان میں نہ کہتا جو میرے رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی، کاش اس سے پہلے ہی سخت ترین دکھ سے پیدا ہونے والے غم کی وجہ سے میں مر چکا ہوتا میں نے جو کچھ زبان سے نکالا وہ اس لئے نکالا کہ تو میری معذرت قبول فرما لے اور خاموش رہا تو اس لئے کہ تجھے مجھ پر رحم آجائے۔ میری زبان سے غلطی سے ایک بات نکل گئی دوبارہ ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا ہے اور دانتوں کے نیچے زبان دبالی ہے اور چہرے پر خاک مل لی ہے۔ آج میں تیرے عذاب سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں، سخت دکھ سے تیرے ہی جوار رحمت کا خواستگار ہوں مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ میں تیری سزا سے محفوظ رہنے کے لئے تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں میری فریاد رسی فرما، میں تیری ہی مدد کا طلبگار ہوں میری مدد کر میں مجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں میرا کام پورا فرما دے میں تیرے ہی ذریعہ سے بجاؤ کا خواہاں ہوں مجھے اپنی حفاظت میں لے لے، میں تجھ سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرما دے میں آئندہ ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو تیری مرضی کے خلاف ہو۔ اللہ نے ایوب

سے فرمایا تیرے بارے میں میرا علم (پہلے ہی) نافذ ہو چکا تھا اور میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے میں نے تیرا قصور معاف کیا تیرے اہل و عیال اور مال کی واپسی کا حکم دے دیا بلکہ جتنا تیرے پاس تھا اتنا ہی مزید تجھے دے دیا تاکہ پیچھے آنے والوں کے لئے قدرت کی نشانی مصیبت زدہ لوگوں کے لئے عبرت اور صبر کرنے والوں کے لئے باعث عزت ہو جائے اپنی ایڑی زمین پر مار دیکھ یہ ٹھنڈا پینے کا اور نہانے کا پانی ہے، اسی میں تیری شفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر اور ان کے لئے دعاء مغفرت کر انہوں نے تیرے متعلق میری نافرمانی کی ہے یعنی تیرے متعلق برا خیال قائم کیا اور تجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ حسب الحکم ایوب نے زمین پر اپنی ایڑی ماری فوراً ایک چشمہ پھوٹ نکلا، ایوب نے اس میں گھس کر غسل کیا اور فوراً ہی اللہ نے سارے دکھ دور کر دیئے آپ چشمہ سے نکل کر آکر بیٹھ گئے اتنے میں سامنے سے آپ کی بی بی آگئی اور ایوب جہاں پہلے پڑے تھے وہاں آپ کو تلاش کرنے لگی اور جگہ خالی پا کر متحیر دیوانی ہو کر ادھر ادھر ڈھونڈنے لگی آخر ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ کر حضرت ایوب سے ہی پوچھنے لگی اللہ کے بندے تم کو اس بیمار کا کچھ پتہ ہے جو یہاں پڑا ہوا تھا ایوب نے جواب دیا جی ہاں (میں اس کو پہچانتا ہوں) نہ پہچاننے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہہ کر آپ مسکرا دیئے اور فرمایا وہ میں ہی تو ہوں ہنسنے سے بی بی نے پہچان لیا اور دوڑ کر گلے لگ گئی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عبد اللہ بن عباس کی جان ہے بی بی ایوب کے گلے سے اس وقت تک لپٹی رہی کہ سارے موسیٰ اور اولاد جو فنا ہو چکی تھی دوبارہ زندہ ہو کر ان کے سامنے سے گزر گئی۔ اسی کا تذکرہ ہے آیت ذیل میں۔

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أِنِّى مَسَّنِيَ الضُّرُّ اُور يَادِ كِر وَايُوبَ كَا وَاقَعَه جَب اَس نَ اِپنَ رِب كُ وِپَكَرَا كَه اَ اِ مِرَ رِب  
مجھے دکھ لگ گیا ہے۔

ضُرُّ حالت کا خراب ہونا، جسمانی ہو یا مالی یا عزت کی بربادی۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے ضُرُّ (بالفتح) اور ضُرُّ (بالضم) مصدر ہے اور ضُرُّ (بالضم) اسم بھی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے۔ ضُرُّ (بالفتح) کا استعمال ہر دکھ کیلئے عام ہے بدنی ہو یا مالی اور ضُرُّ (بالضم) کا استعمال صرف بدنی دکھ کیلئے ہوتا ہے جیسے کوئی بیماری یا بدن کی لاغری کمزوری۔

حضرت ایوبؑ کتنی مدت دکھ میں مبتلا رہے، کب دعا کی اور کیوں کی۔

اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ زہری نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ایوب اٹھارہ برس دکھ میں مبتلا رہے۔ وہب بن منبہ نے کہا پورے تین سال مبتلا رہے ایک دن بھی زائد نہیں ہوا، کعب احبار کے قول میں سات سال کی مدت مذکور ہے۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ مدت مرض سات سال سات ماہ اور سات دن ہوئی۔ حسن بصری نے کہا ایوب سات سال اور چند ماہ بنی اسرائیل کے گھورے پڑے رہے آپ کے بدن میں کیڑے سے ریگتے تھے، سوائے بی بی رحمت کے کوئی پاس بھی نہیں جاتا تھا صرف رحمت آپ کے ساتھ جمی رہیں آپ کے لئے کھانا لاتی تھیں اور جب ایوب اللہ کی حمد کرتے تھے تو بی بی بھی حمد میں شریک ہوتی تھیں۔ اس حالت میں بھی ایوب ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے، ابلیس یہ بات دیکھ کر چیخ پڑا اور اطراف زمین سے اپنے تمام لاؤ لشکر کو بلا کر اپنے پاس جمع کر کے کہنے لگا مجھے تو اس بندے نے عاجز کر دیا ہے میں نے نہ اس کا مال چھوڑا، نہ اولاد اس حالت میں بھی یہ صبر کرتا رہا بلکہ پہلے سے زیادہ اس نے صبر کا اظہار کیا پھر مجھے اس کے بدن میں بھی اختیار مل گیا تو میں نے اس کے سارے بدن کو پھوڑا بنا کر چھوڑ دیا کہ یہ گھورے پر پڑا رہتا ہے اور سوائے اس کی بیوی کے اور کوئی اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتا ہے مگر اس حالت میں بھی اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اب میں تم سے فریاد کرتا ہوں تم ہی میری مدد کرو اب میں کیا کروں ابلیس کے ساتھیوں نے کہا وہ تدبیر کیا ہوئی جس کی وجہ سے آپ نے گزشتہ لوگوں کو برباد کر کے چھوڑا۔ ابلیس نے کہا وہ ساری تدبیریں بے کار گئیں مجھے کچھ اور مشورہ دو، ساتھیوں نے کہا آدم تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی تھی کہ آپ نے اس کو جنت سے نکلوایا۔ ابلیس نے کہا میں نے اس کی عورت کا ذریعہ اختیار کیا تھا، ساتھیوں نے

کہا تو اب بھی ایوب کے سلسلہ میں اس کی عورت کے ذریعہ سے کچھ تدبیر کیجئے ایوب بیوی کے خلاف نہیں کر سکے گا اور بیوی کے علاوہ کوئی اور اس کے پاس جاتا نہیں ہے، ابلیس نے کہا تمہارا مشورہ ٹھیک ہے اس کے بعد ابلیس حضرت ایوب کی بیوی کے پاس پہنچا اور مرد کی شکل میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دریافت کیا اللہ کی بندی تیرا شوہر کہاں ہے بیوی نے کہا وہ یہی تو ہیں جو اپنے پھوڑوں کو کھج رہے ہیں اور ان کے بدن کے اندر کیڑے رنگ رہے ہیں، شیطان نے بی بی کے منہ سے یہ بات سنی تو اس کو امید ہو چلی اور اس نے خیال کیا کہ شاید یہ الفاظ بے صبری کے ہوں اور میں اس عورت کو مزید درد مند بنا کر بے صبر بنا سکوں چنانچہ اغوا کے طور پر بی بی کو راحوں کا وہ دور یاد دلایا جس سے وہ گزر چکی تھیں موشیوں کا اور مال کا تذکرہ ایوب کے گزشتہ شباب کا ذکر کیا اور موجودہ دکھ اور تکلیف کا بھی بیان کیا اومیہ بھی کہا کہ اب یہ دکھ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

حسن کی روایت میں ہے ان تذکروں کو سن کر بی بی چیخ پڑی، اس کی چیخ سن کر ابلیس سمجھ گیا کہ اب اس عورت کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور تدبیر کا کامیاب ہو جانا ممکن ہے چنانچہ اس نے ایک بکری کا بچہ بی بی کو لاکر دیا اور کہا ایوب کو چاہئے کہ اس بچے کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دے اس طرح وہ تندرست ہو جائے گا۔ بی بی حضرت ایوب کی طرف لوٹی اور دور سے ہی چیختی ہوئی آئی ایوب کب تک آپ کا رب آپ کو دکھ دیتا رہے گا۔ مال کہاں گیا، اولاد کہاں گئی، دوست کہاں گئے، آپ کا خوبصورت رنگ کیا ہوا آپ کا حسین جسم کس طرف چلا گیا۔ بکری کے اس بچہ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیجئے یہ دکھ جاتا رہے گا آپ آرام سے ہو جائیں گے، حضرت ایوب نے فرمایا، دشمن خدا تیرے پاس چاہتا ہے اور تیرے اندر اس نے پھونک مادی، تیرا براہو یہ تو بتا کہ جس مال موشی اولاد اور صحت پر تو رو رہی ہے وہ دی کس نے تھی۔ بی بی نے کہا اللہ نے۔ ایوب نے کہا اور کتنے زمانے تک ہم مزے اڑاتے رہے۔ بی بی نے کہا اسی برس تک۔ ایوب نے کہا اب کتنے زمانے سے ہم پر یہ مصیبت پڑی ہے، بی بی نے کہا سات برس اور چند مہینوں سے۔ ایوب نے کہا تو کیا یہ تیری انصاف کی بات ہوگی اگر تو اسی برس تک مصیبت نہ جھیلے جس طرح اسی برس تک ہم راحت سے بہرہ اندوز رہے اگر اللہ نے مجھے شفا دے دی تو خدا کی قسم میں تیرے سوتازیاں ماروں گا تو مجھے مشورہ دے رہی ہے کہ میں اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کروں تو جو کھانا پینا لے کر آئی ہے مجھ پر حرام ہے اور آئندہ بھی جو کچھ تولے کر آئے گی اس کو چکھنا بھی میرے لئے حرام ہے میرے پاس سے تو الگ ہو جائے صورت نہ دکھا۔ عرض ایوب نے بی بی کو نکال دیا اور وہ چلی گئی، اس کے بعد جب ایوب نے دیکھا کہ اب تو میرے پاس نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پینے کو نہ میرا کوئی دوست ہے تو سجدہ میں گر پڑے اور دعا کی اے میرے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔

وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِیْنَ ﴿۸۳﴾ اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ حضرت ایوب نے عرض مدعا نہیں کیا بلکہ پہلے اپنی قابل رحم حالت کا اظہار کیا اور پھر اللہ کے رحم الراحمین ہونے کا۔

فَاَسْتَجِبْنَا لَهُ وَ فَكَّشْنَا مَا يَدُهُ مِنْ ضُرِّهِ اور جو کچھ اس کو دکھ تھا ہم نے دور کر دیا۔ حضرت ایوب کو حکم دیا گیا زمین پر ایڑی مارو۔ ایوب نے حکم کی تعمیل کی فوراً پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا، حسب الحکم، آپ نے اس میں غسل کیا غسل کرتے ہی ہر ظاہری بیماری جاتی رہی اور حسن و شباب لوٹ آیا اور چالیس قدم چلے پھر دوبارہ ایڑی مارنے کا حکم ہوا آپ نے حکم کی تعمیل کی تو ایک اور چشمہ پھوٹ نکلا جس کا پانی ٹھنڈا تھا، حکم ہوا اس میں سے پانی لے کر پیو، جو نہی آپ نے وہ پانی پیا تمام اندرونی بیماریاں بھی دفع ہو گئیں اور مکمل ترین تندرست، حسین، جوان مردوں کی طرح ہو گئے اس کے بعد آپ نے لباس پہنا اور دائیں بائیں گردن موڑ کر دیکھا تو وہ تمام مال و اولاد جو پہلے ان کے پاس تھی سب موجود پائی بلکہ اللہ نے اس کو دو گنا کر دیا۔ دولت کی کثرت اتنی ہو گئی کہ جس پانی سے آپ غسل کر رہے تھے اس کی چھینٹیں جب سینہ پر پڑیں تو وہ سونے کی ٹڈیاں بن گئیں اور حضرت ایوب ان کو پکڑنے کے لئے ہاتھ مارنے لگے، اللہ نے وحی بھیجی ایوب کیا میں نے تجھے غنی نہیں بنا دیا ہے، آپ نے عرض کیا بے شک تو نے مجھے غنی بنا دیا، لیکن یہ تو تیری مزید عنایت ہے اور مزید رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے۔

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایوب برہنہ غسل کر رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں آپ کے اوپر گرنے لگیں آپ ان کو کپڑے میں بھرنے لگے، ندا آئی ایوب کیا میں نے تجھ کو اس سے بے نیاز نہیں کر دیا ہے تیرے پاس تو بہت مال ہے تجھے سونے کی ٹڈیاں پکڑنے کی کیا ضرورت ہے ایوب نے کہا تیری عظمت کی قسم تو نے مجھے غنی ضرور بنا دیا ہے لیکن تیری طرف سے نازل ہونے والی برکت سے تو میں بے نیاز نہیں ہوں۔

حسن کا بیان ہے تندرست ہونے کے بعد حضرت ایوبؑ ایک اونچی جگہ پر جا بیٹھے ادھر بیوی نے اپنے دل میں کہا اگر ایوبؑ نے مجھے نکال بھی دیا ہے پھر بھی میں کس کے بھروسہ پر اس کو چھوڑ سکتی ہوں یوں وہ بھوکا مر جائے گا اور اس کو درندے کھا جائیں گے، یہ سوچ کر بیوی لوٹ آئی تو وہاں نہ وہ گھورا ملا، نہ گزشتہ حالت کا نشان۔ سب چیزیں بدل گئی تھیں جہاں پہلے گھورا تھا۔ بے چاری چکر کاٹنے اور رونے لگی، یہ سب واقعہ ایوب کی نظر کے سامنے ہو رہا تھا اور چونکہ آپ ایک اچھا لباس پہنے تھے اس لئے وہ بی بی آپ کے پاس آکر پوچھنے سے ڈر رہی تھی حضرت ایوب نے خود ہی اس کو بلایا اور دریافت کیا اللہ کی بندی تیرا کیا مقصد ہے، بی بی رونے لگی اور کہا یہاں گھورے پر ایک بیمار پڑا تھا مجھے اس کی تلاش سے معلوم نہیں وہ مر گیا یا کیا واقعہ اس کو پیش آیا حضرت نے پوچھا وہ تیرا کون تھا بی بی نے رو کر کہا وہ میرا شوہر تھا۔ حضرت نے کہا اگر تو اس کو دیکھ لے تو پہچان لے گی، بیوی نے کہا کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اس کو دیکھا ہو اور پہچان نہ سکے، پھر ڈرتے ڈرتے وہ آپ کو تکنے لگی اور کہا جب وہ تندرست تھا تو نقشہ میں آپ کے ساتھ بہت مشابہ تھا۔ حضرت نے فرمایا میں ہی ایوبؑ ہوں جس کو تو نے ابلیس کے نام پر قربانی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن میں نے اللہ کا حکم مانا اور شیطان کا کہنا نہ مانا۔ میں نے اللہ سے دعا کی اس نے مجھے وہ سب چیزیں لوٹا کر دے دیں جو تیری نظر کے سامنے ہیں۔

وہب کا بیان ہے ایوب برسون دکھ میں رہے اور ابلیس پر غالب آئے اور شیطان ان پر بالکل قابو نہ پاسکا تو ایک گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت ایوب کی بیوی کے راستہ میں آکھڑا ہوا ظاہری شکل آدمی کی بنائی تھی لیکن عجیب ہیئت تھی دوسرے آدمیوں سے جسم، قد اور حسن کے لحاظ سے بالکل ممتاز تھا اور گھوڑے کی جسامت نظر فریبی اور اعضاء کی مکمل ساخت بھی دوسرے گھوڑوں سے اعلیٰ تھی، جب حضرت ایوب کی بیوی ادھر سے گزری تو شیطان نے اس سے کہا کیا تم اس دکھی ایوب کی بیوی ہو۔ بیوی نے کہا ہاں، شیطان نے کہا کیا تم مجھے پہچانتی ہو بیوی نے کہا نہیں، شیطان نے کہا میں زمین کا دیوتا ہوں میں نے ہی ایوب کا یہ حال کر رکھا ہے کیونکہ اس نے مجھے چھوڑ کر آسمان کے خدا کی پوجا کی تھی اور مجھے ناراض کر دیا تھا اب بھی اگر وہ مجھے ایک سجدہ بھی کر لے تو میں نے ایوب کا جو مال والا دلے لیا ہے وہ تم دونوں کو لوٹا دوں گا وہ سب چیزیں میرے پاس موجود ہیں، یہ کہہ کر شیطان نے وادی کے اندر عورت کو تمام وہ جانور دکھادیئے جو مر چکے تھے۔ وہب کا بیان ہے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ابلیس نے زوجہ ایوب سے یہ بھی کہا کہ اگر تیرا آدمی بغیر بسم اللہ کے کھانا کھالے گا تو اس کو تندرست کر دیا جائے گا اور جس مرض میں وہ مبتلا ہے وہ دکھ دور کر دیا جائے گا۔

بعض کتابوں میں آیا ہے کہ ابلیس نے عورت سے کہا تھا مجھے ایک سجدہ کر لے میں تیرا مال اولاد واپس کر دوں گا اور تیرے شوہر کو بھلا چنگا بنا دوں گا۔ عورت نے واپس آکر حضرت ایوب کو اس بات کی اطلاع دی، حضرت ایوب نے فرمایا وہ دشمن خدا تیرے پاس دین سے بہکانے کے لئے آپہنچا، پھر آپ نے قسم کھائی کہ اگر اللہ مجھے تندرست کر دے گا تو میں سوتا زیا نے تیرے ماروں گا۔ جب آپ نے دیکھا کہ ابلیس کو اب یہ خیال ہو چلا ہے۔ کہ آپ کی بیوی اس کو سجدہ کر لے گی اور اس نے بیوی کو اور مجھ کو کفر کی دعوت دینے کی جرات کی ہے اس وقت آپ نے دعا کی رَبِّ اِنِّیْ مَسْتَسْنِیْ الضَّرَّ چُونکہ آپ کی بی بی رحمت نے مصیبت میں آپ کا ساتھ دیا اور صبر کیا اس لئے اللہ نے اس پر رحمت فرمائی اور اس کے لئے حکم میں تخفیف کر دی اور حضرت ایوب کو قسم پوری کرنے کی یہ تدبیر بنا دی کہ سوشاخوں کا ایک گٹھالے کر ایک دم رحمت کے مار دو اس طرح تمہاری قسم پوری ہو جائے گی حضرت ایوب نے حکم کی تعمیل کی چھوٹی چھوٹی سوشاخوں کا ایک گٹھالہ بنا کر بیوی کے ایک مرتبہ مار دیا۔

بعض روایت میں آیا ہے کہ ابلیس ایک صندوقچہ میں دوا میں بھر کر طبیب کی ہیئت بنا کر حضرت ایوب کی بیوی کے راستہ میں آکھڑا ہوا۔ بی بی ادھر سے گزری اور طبیب کو دیکھا تو اس سے کہا میرا ایک بیمار ہے کیا تم اس کا علاج کر دو گے۔ ابلیس نے کہا ہاں علاج کر دوں گا اور اس کے سوا اور کسی معاوضہ کا طلب گار بھی نہیں ہوں گا کہ جب میں اس کو تندرست کر دوں تو وہ اتنا کہہ دے کہ تم نے مجھے صحت مند کر دیا، بیوی نے جا کر حضرت ایوب سے اس بات کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا وہ ابلیس ہے جس نے تجھے فریب دیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر اللہ نے مجھے شفاء عطا فرمادی تو میں تیری سونچیاں ماروں گا۔

وہب وغیرہ کا بیان ہے کہ ایوب کی بیوی کچھ محنت مزدوری کر کے ایوب کے لئے کھانا لے آتی تھی جب ایوب کا دکھ اور بڑھ گیا تو لوگوں نے آپ کی بیوی کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور ایک روز تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کسی نے اس کو کام پر لگایا ہی نہیں دن بھر اس نے کام کی تلاش کی مگر کوئی کام نہیں ملا مجبوراً اس نے اپنے سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک روٹی کے عوض اس کو بیچ ڈالا۔ روٹی لے کر ایوب کے پاس آئی تو آپ نے پوچھا سر کی لٹ کیا ہوئی۔ بی بی نے واقعہ بیان کر دیا اس وقت آپ نے کہا: **مَسَّنِي الضَّرُّ**۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے جب زخموں کے کیرے آپ کے دل اور زبان کی طرف جانے لگے تھے، آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں اللہ کے ذکر و فکر سے بھی رہ جاؤں۔

حسب بن ثابت نے کہا جب تین باتیں حضرت ایوب کے سامنے آگئیں اس وقت مجبوراً آپ نے **مَسَّنِي الضَّرُّ** کہا۔ (۱) حضرت ایوب کی بیماری کی اطلاع پا کر آپ کے دو دوست آئے اور دیکھا کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہی ہیں اور عام حال بھی برا ہے، کہنے لگے اگر اللہ کے ہاں تمہارا کچھ بھی مرتبہ ہوتا تو یہ دکھ تم کو نہ پہنچتا۔ (۲) بیوی نے آپ کے لئے کھانا تلاش کیا لیکن قیمت موجود نہ ہونے کی وجہ سے میسر نہ آیا مجبوراً اپنا ایک گیسو کاٹ کر (فروخت کر کے اس کی قیمت سے) کھانا لے کر آئی اور آپ کو کھلایا۔ (۳) ابلیس نے کہا تھا کہ میں ایوب کا علاج کر دوں گا، شرط یہ ہے کہ شفاء پانے کے بعد وہ یہ اقرار کر لے کہ تو نے مجھے تندرست کر دیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ایوب کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ شاید بیوی نے حرام زنا کیا اور گیسو کاٹ دیا، اس وسوسہ کے پیدا ہونے پر آپ کے لئے صبر کرنا مشکل ہو گیا اور بیوی کو بلا کر بھگت کر کے میں تیرے سوا تازیا نے ماروں گا اور پھر دعا کی۔

**مَسَّنِي الضَّرُّ** کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ دشمنوں کی شہادت کا مجھے دکھ لگ گیا ہے بعض روایت میں آیا ہے کہ تندرست ہو جانے کے بعد جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ مصیبت کے زمانے میں سب سے بڑھ کر تکلیف دہ چیز آپ کے لئے کیا تھی فرمایا میرے دکھ پر دشمنوں کا خوش ہونا۔

بعض اقوال میں آیا ہے کہ ایک کیرا ران سے نیچے گر گیا آپ نے اس کو اٹھا کر پھر اس کی جگہ ران میں رکھ دیا اور فرمایا کیا مجھے اللہ نے تیری غذا بنایا ہے۔ اس وقت کیرے نے ایسا کاٹا کہ جتنے کیروں نے اس سے پہلے کاٹا تھا سب کی تکلیف سے اس کیرے کے کاٹنے کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ نے بے ساختہ **مَسَّنِي الضَّرُّ** کہا۔

ایک شبہ

اللہ نے تو ایوب کو صابر کے خطاب سے سرفراز فرمایا، حالانکہ اپنے دکھ کا شکوہ کیا اور بے صبری کا مظاہرہ کیا **اِنَّيْ مَسَّنِي الضَّرُّ** بھی کہا اور **مَسَّنِي الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ** بھی فرمایا۔

ازالہ

یہ شکایت نہ تھی دعا تھی کیونکہ اللہ نے اس دعا کے سلسلہ میں فرمایا **فَاَسْتَجِبْنَا لَهُ** ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جزع اور بے صبری تو مخلوق سے بیماری کی شکایت کرنے کی صورت میں ہو سکتی ہے، اللہ سے بیماری کے

اظہار کا نام جزع اور بے صبری نہیں۔ حضرت یعقوب نے فرمایا تھا۔ **إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَ حُزْنِي إِلَى اللَّهِ** میں اللہ سے اپنے اندرونی اندوہ و غم کا شکوہ کرتا ہوں۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے جو شخص فیصلہ خد لوندی پر راضی ہو اور لوگوں سے اپنے دکھ کا اظہار کرے تو یہ بے صبری اور جزع نہیں ہے بلکہ اپنی حالت کا اظہار ہے جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے زمانہ میں جبرئیل آئے اور پوچھا آپ اپنے کو کیسا پاتے ہیں یعنی آپ کو اپنی حالت کیسی محسوس ہوتی ہے، مزاج کیسا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنے کو مغموم اور بے چین پاتا ہوں۔ میں کہتا ہوں ابن جوزی نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبرئیل نے آکر کہا اللہ آپ کو سلام فرماتا ہے اور دریافت فرماتا ہے آپ کا کیا حال ہے۔ الحدیث۔

جب حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مزاج پر سی کے جواب میں کہا ہائے میرا سر تو حضور ﷺ نے بھی اپنے درد سر کی شکایت کی اور فرمایا تم کو ہی درد سر کی شکایت نہیں میں بھی کہتا ہوں ہائے میرا سر یعنی میرے سر میں بھی درد ہے۔ ابن اسحاق اور امام احمد نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ بقیع سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے سر میں درد ہو رہا تھا اور مجھے بھی سر کا دکھ تھا یعنی درد سر تھا میں نے کہا ہائے سر فرمایا تم ہی نہیں میں بھی کہتا ہوں آہ میرا سر۔ الحدیث۔

وَأَتَيْنَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ اور ہم نے اس کو عطا کئے اس کے بیوی بچے اور اتنے ہی اور بھی۔

کیا مرے ہوئے بچے زندہ کر دیئے گئے یا دوسری اولاد عطا کی گئی

یہ مسئلہ اختلافی ہے حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، قتادہ، حسن اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اللہ نے بعینہ وہی مرے ہوئے اہل و عیال زندہ کر دیئے تھے اور اتنے ہی اور بھی عطا فرمادئے تھے۔ ظاہر آیت اسی تفسیر پر دلالت کر رہی ہے، حسن کا قول ہے کہ اتنے ہی مویشی اور اولاد اسی مویشی اور اولاد کی نسل سے پیدا کر دیئے جن کو مرنے کے بعد اللہ نے زندہ کیا تھا، اس مطلب کی تائید حضرت ابن عباس کے اس قول سے ہوتی ہے جو بروایت ضحاک آیا ہے کہ اللہ نے اس بیوی کو دوبارہ جو ان کر دیا اور اس کے بطن سے اس کے بعد چھبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ وہب نے کہا سات لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے، ابن یسار نے کہا حضرت ایوب کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں ہوئیں۔

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضرت ایوب کے دو خرمن تھے ایک گیہوں کا دوسرا جو کا۔ اللہ نے دو بدلیاں بھیجیں ایک بدلی نے ایک خرمن پر سونے کی بارش کی اور دوسری بدلی نے دوسرے خرمن پر چاندی بہادی۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ایوب کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا اللہ نے آپ کو آپ کے صبر کی وجہ سے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے خرمن کو باہر نکل کر دیکھو حسب الحکم آپ باہر نکلے اللہ نے آپ کے خرمن پر سونے کی ٹڈیاں بھیج دیں، ایک ٹڈی جو اڑی تو ایوب نے اس کا پیچھا کیا اور پکڑ کر واپس لے آئے، فرشتے نے کہا جو کچھ ٹڈیاں خرمن کے اندر ہیں کیا وہ آپ کے لئے کافی نہیں تھیں، حضرت ایوب نے کہا یہ تو میرے رب کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے اور میں اپنے رب کی نوازشوں سے سیر نہیں ہو سکتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جو مویشی اور اہل و عیال مر چکے تھے اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا بلکہ ان جیسے دوسرے عطا فرمادئے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت ایوب سے کہا گیا کہ تیری اولاد آخرت میں تجھے ملے گی اب اگر تو چاہتا ہے تو ہم اس دنیا میں تیرے پاس بھیج دیں اور اگر تیری خواہش ہو تو وہ اولاد آخرت میں تیرے لئے رکھ دیں اور ان کی مثل ویسی ہی اولاد تجھے دنیا میں دے دیں۔ حضرت ایوب نے آخری شق کو پسند کیا کہ مرنے والی اولاد تو آخرت میں عطا کر دی جائے اور ان کی مثل دوسری اولاد دنیا میں مل جائے۔ اس روایت کے بموجب آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ ہم نے ایوب کو اس کی مر جانے والی اولاد تو آخرت میں عطا کرنے کے لئے رکھ لی اور انہی کی طرح دوسری اولاد دنیا میں مرحمت فرما دی۔ آیت میں اہل سے مراد ہے اولاد۔



رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرًا لِّلْعَبِيدِ ﴿۱۷۱﴾  
 اور (دوسرے) عبادت گزاروں کو نصیحت کرنے کے لئے۔

اور اسمعیل (بن ابراہیم) کو اور اور لیس (یعنی اخنوخ) اور ذوالکفل

کو۔ ذوالکفل کون تھے پیغمبر تھے یا نہ تھے اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ عطاء کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کے پاس وحی آئی کہ آپ کے انتقال کا وقت قریب آگیا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی حکومت رکھیے اور جو شخص اس بات کی ذمہ داری لے کہ وہ رات میں نمازیں پڑھے گا..... سستی نہیں کرے گا اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھے گا، کسل نہیں کرے گا اور لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے گا اور اس کو غصہ نہیں آئے گا اس کو حکومت سپرد کر دیجئے۔ پیغمبر نے بنی اسرائیل کے سامنے معاملہ رکھا، مجلس میں سے ایک جوان اٹھا اور عرض کیا میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں اس جوان نے ذمہ داری قبول بھی کر لی اور اس کو پورا بھی کیا اور اللہ نے بھی اس کی قدر افزائی کی اور اس کو نبوت سے سرفراز فرما دیا اسی جوان کا نام ذوالکفل ہوا۔ مجاہد نے کہا جب ایسے پیغمبر بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے کسی کو اپنی جگہ مقرر کرنا چاہا لیکن یہ طے کر لیا کہ اپنی زندگی میں کسی کو اپنا پورا کام سپرد کر کے دیکھ لوں کہ وہ لوگوں کا انتظام کیسا کرتا ہے چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا جو شخص میری تین باتیں پوری کرنے کی ذمہ داری لے گا میں اپنا کام اس کے سپرد کر دوں گا۔

(۱) ..... ہمیشہ دن کو روزہ رکھے۔

(۲) ..... رات کو نمازیں پڑھے۔

(۳) ..... اور لوگوں کے معاملات طے کرنے میں غصہ نہ کرے۔

یہ سن کر ایک شخص جو دیکھنے میں حقیر سا معلوم ہوتا تھا کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں ایسا کر سکتا ہوں۔ حضرت ایسح نے اس کو قبول نہیں کیا پھر دوسرے روز بھی یہی اعلان کیا اس وقت بھی سب لوگ خاموش رہے صرف وہی جوان کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں ایسا کر سکتا ہوں آخر ایسح نے اس کو اپنا جانشین بنا دیا۔ جب یہ خلیفہ اپنی خواب گاہ میں قیلولہ کرنے کے لئے پہنچا اور دن رات میں وہی وقت اس کے سونے کا تھا فقط قیلولہ کے وقت ہی وہ ایک نیند لے لیتا تھا۔ اچانک ایک کمزور بوڑھے کی شکل میں ابلیس آ پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفہ نے پوچھا کون ہے، ابلیس نے جواب دیا ایک بہت بوڑھا مظلوم۔ خلیفہ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، بوڑھے نے کہا میری اور میری قوم کے درمیان کچھ جھگڑا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ یہ حرکتیں کی ہیں۔ بوڑھے نے اپنی بات کو اتنا طول دیا کہ قیلولہ کا وقت جاتا رہا اور پچھلا دن آگیا، خلیفہ نے کہا شام کو جب میں جاؤں گا تو تیرا حق دلوادوں گا، ابلیس چلا گیا اور خلیفہ پچھلے دن میں جب اپنی مجلس میں پہنچا تو اس بوڑھے کو تلاش کرنے کے لئے ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا لیکن وہ کہیں نہیں دکھائی دیا۔ دوسرے دن صبح کو بھی جب خلیفہ نے لوگوں کے مقدمات طے کرنے کے لئے اجلاس کیا تب بھی بوڑھے کو تلاش کیا لیکن وہ نظر نہ آیا، اجلاس کے بعد قیلولہ کرنے کے لئے جب اپنی خواب گاہ میں پہنچا تو بوڑھے نے دروازہ کھٹکھٹایا خلیفہ نے دروازہ کھول دیا، بوڑھا آگیا، خلیفہ نے کہا میں نے تجھ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ جب اجلاس کروں اس وقت آنا، بوڑھے نے کہا وہ بہت برے لوگ ہیں، جب آپ اجلاس میں بیٹھے تھے اور ان کو معلوم ہو گیا۔ تو انہوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ ہم تجھے تیرا حق دے دیں گے اور جب آپ اجلاس سے اٹھ گئے تو انہوں نے اداء حق سے انکار کر دیا۔ خلیفہ نے کہا اب تو جا پھر جس وقت میں پچھلے دن میں اجلاس کروں تو میرے پاس آنا اس گفتگو میں اس دوپہر کا آرام بھی خلیفہ کا جاتا رہا اور پچھلے دن میں جب وہ مجلس میں لوٹے تو بوڑھے کو ادھر ادھر دیکھنے لگے لیکن اس کو نہ پایا پھر اونگھ سے مغلوب ہو گئے تو تیسری دوپہر کو خلیفہ نے گھر والے خادم کو حکم دیا کہ کسی کو دروازے کے قریب آنے کی بھی اجازت نہ دینا تاکہ میں سو جاؤں میرے اوپر نیند کا غلبہ ہو رہا ہے۔ غرض جب سونے کا وقت آیا تو وہ بوڑھا آ پہنچا مگر خادم نے اجازت نہیں دی، بوڑھا بے بس ہو گیا اسی اثناء میں اس کو کمرے کا روشن دان نظر آیا فوراً کود کر اس کے اندر داخل ہو گیا اور اندر پہنچ گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا تاکہ خلیفہ بیدار ہو جائے

خلیفہ بیدار ہو گیا اور خادم کو آواز دے کر کہا اے شخص کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی شخص دروازے پر نہ آئے، خادم نے کہا میری طرف سے تو کوئی آیا نہیں ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ یہ شخص کس طرف سے آیا ہے خلیفہ نے اٹھ کر دروازہ کو دیکھا تو اس کو مقفل پایا لیکن وہ شخص کمرے کے اندر موجود تھا وہ کہنے لگا کیا آپ یہاں سوتے رہیں گے ایسی حالت میں کہ اہل معاملہ دروازہ پر موجود ہوں۔ اب خلیفہ نے اس کو پہچانا اور کہا اے خدا کے دشمن تو ہے ابلیس نے کہا ہاں آپ نے مجھے عاجز کر دیا اور میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ محض غصہ دلانے کے لئے تھا لیکن اللہ نے آپ کو مجھ سے محفوظ رکھا اسی خلیفہ کو ذوالکفل کہا گیا کیونکہ انہوں نے ایک کام کا ذمہ لیا تھا اور اس ذمہ کو پورا بھی کر دیا۔

بعض روایات میں بھی آیا ہے کہ ابلیس ذوالکفل کے پاس آیا ہے اور کہنے لگا میرا ایک قرض دار ہے جو ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہے آپ میرے ساتھ ذرا اٹھ کر چلیے اور میرا حق وصول کر دیجئے آپ اس کے ساتھ اٹھ کر چل دیئے لیکن ابلیس بازار میں پہنچ کر ذوالکفل سے علیحدہ ہو گیا اور آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے حضرت ذوالکفل سے معذرت کی اور کہا میرا مدعا علیہ مجھ سے بھاگ گیا۔

بعض اہل روایت نے کہا کہ ذوالکفل وہ شخص تھا جس نے مرتے دم تک ہر رات کو سو رکعت پڑھنے کا عہد کیا تھا اور اس عہد کو پورا کیا، بعض علماء نے کہا کہ ذوالکفل نبی تھے۔ عبارت قرآنی کی رفتار سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن کون سے نبی تھے اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ بعض نے ذوالکفل زکریا کو ہی قرار دیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا ذوالکفل نبی نہیں تھے ایک نیک آدمی تھے۔

ان میں سے ہر ایک مصائب پر اور مشقت اطاعت پر صبر کرنے والوں میں سے تھا۔  
 خواہشات نفس اور گناہوں سے نفس کی باگ روکنے والوں میں سے تھا۔  
 اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ رحمت سے مراد ہے نبوت، جنت اور مراتب قرب۔

بلاشبہ وہ اہل صلاح میں سے تھے یعنی ان لوگوں میں سے تھے جن کو بگاڑ اور خرابی  
 کی ہر کدورت سے بچالیا گیا تھا۔  
 اور ذوالنون مچھلی والے کو یاد کرو۔ ذوالنون سے مراد حضرت یونس بن متی ہیں، جن کو صاحب الحوت بھی کہا گیا ہے۔

جس وقت وہ انتہائی غصے میں چل دیا تھا۔

حسب روایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ضحاک نے بھی یہی کہا ہے کہ حضرت یونس اپنی قوم کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے، کسی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ساڑھے نو قبیلوں کو قید کر کے لے گیا صرف ڈھائی قبیلے باقی رہ گئے۔ اللہ نے شعیانی کے پاس وحی بھیجی کہ تم حرقیاد شاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ کسی طاقتور نبی کو دشمنوں کے پاس بھیج کر بنی اسرائیل کو قید سے رہا کرانے۔ میں دشمنوں کے دلوں میں بنی اسرائیل کو رہا کرنے کا خیال پیدا کر دوں گا۔ شعیانی شاہ حرقیاد کے پاس گئے اور پیام پہنچایا۔ حرقیاد کی سلطنت میں پانچ پیغمبر تھے۔ حضرت شعیاد سے اس نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے کس کو بھیجوں۔ حضرت شعیاد نے کہا یونس کو وہ طاقتور بھی ہے اور لمانتدار بھی۔ بادشاہ نے کہا نہیں یونس نے کہا کیا مجھے اللہ نے نامزد کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا نہیں یونس نے کہا تو میرے سوا یہاں دوسرے طاقتور پیغمبر ہیں کسی اور کو بھیج دو لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی اور جانے پر اصرار کیا، یونس پیغمبر بادشاہ اور قوم سے ناراض ہو کر غصہ کی حالت میں (کسی طرف کو) چل دیئے اور بحر روم پر پہنچ کر کشتی میں سوار ہو گئے۔

عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یونس اپنی قوم کو چھوڑ کر اللہ سے ناراض ہو کر چل

دئے تھے اور خدا سے ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ یونس نے حسب حکم خدا قوم کو عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب کا وقت مقرر کر دیا تھا لیکن جب قوم یونس نے علامات عذاب دیکھ کر توبہ و استغفار کیا تو اللہ نے عذاب ٹال دیا، یونس کو اس پر ناگواری ہوئی ان کو خیال ہوا کہ اب لوگ مجھے جھوٹا قرار دیں گے۔ شرم کے مارے قوم کو چھوڑ کر چل دیئے ان کو کیا معلوم تھا کہ عذاب ٹال جانے کی وجہ کیا ہوئی، آپ کی ناراضگی صرف اس سبب سے ہوئی کہ آپ کا جھوٹا ہونا قوم کی نظر میں محقق ہو گیا آپ کو اندیشہ ہوا کہ آئندہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت یونس کی قوم کا دستور تھا کہ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے حضرت یونس کو بھی عذاب ٹال جانے کی وجہ سے یہی اندیشہ ہوا کہ عذاب موعود نہیں آیا اب لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔

مُغَاضِبَت (باب مفاعلتہ) اس جگہ اشتراک طرفین کے لئے نہیں ہے بلکہ مُسَافِرَت اور مُعَاقِبَت کی طرح ثلاثی مجرد کے معنی میں ہے یعنی مُغَاضِبًا کا معنی ہے غَضَبَان۔

حسن نے کہا اللہ سے حضرت یونس کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے یونس کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور ان کو ہمارے عذاب سے ڈراؤ اور دعوت ایمان دو، یونس نے درخواست کی کہ مجھے روانگی کی تیاری کرنے کی مہلت دی جائے، جواب ملا، معاملہ اس سے بھی جلدی کا ہے، فوراً چلے جاؤ۔

یونس نے درخواست کی مجھے جو تہ پہن لینے کی تو اجازت دے دی جائے، لیکن اللہ کی طرف سے اتنی بھی مہلت نہیں ملی اور فطری طور پر آپ کے اندر قوت حلم کی کمی تھی اس لئے روانہ تو ہو گئے مگر غصہ کی حالت میں۔ وہب نے کہا یونس نیک آدمی تھے۔ پھر جب آپ پر نبوت کا بار ڈالا گیا تو آپ دب گئے اور بھاگ نکلے اسی لئے اللہ نے آپ کو اولو العزم پیغمبروں کی فہرست سے خارج کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا آپ اولو العزم پیغمبروں کی طرح صبر کیجئے پھلے والے کی طرح نہ ہو جائے۔

فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ  
پس یونس کا یہ خیال ہوا کہ ہم اس پر بندش کی تنگی نہیں کریں گے۔ قدرت کے معنی اس جگہ تنگی کرنے کے ہیں۔ یہی معنی دوسری آیت میں بھی آئے ہیں۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ اللّٰهُ  
جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا تنگ کرنا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ عطاء اور کثیر علماء کا تفسیری قول یہی ہے۔  
لیکن مجاہد، ضحاک، کلبی اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ قدر کا معنی ہے فیصلہ الہی یعنی یونس کا خیال ہوا کہ ہم اس کو سزا دینے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ تَقْدِيرٌ اور قَدْرٌ ہم معنی ہیں اللہ نے فرمایا ہے نَحْنُ قَدْرٌ نَابِئِكُمْ  
الموت۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یونس نے خیال کیا کہ ہم اس کے معاملے میں اپنی قدرت سے کام نہیں لیں گے بعض نے کہا آیت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یونس کے حال کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جو اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی قوم کو ذلت کی حالت میں چھوڑ کر چلا گیا ہو اور اس نے خیال کر لیا ہو کہ ہم اس پر قابو نہیں رکھتے۔  
ابن زید نے کہا جملہ سوالیہ ہے حرف استفہام محذوف ہے اور استفہام انکاری و توخنی ہے یعنی کیا یونس نے یہ خیال کر لیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پائیں گے۔

بعض نے کہا یہ ظن (غالب خیال) نہ تھا بلکہ ایک شیطانی دوسوہ تھا یونس کے وہم میں یہ بات گزری تھی چونکہ پیغمبروں کے لئے ایسا وہم بھی ظن کا حکم رکھتا ہے، مترجم) اس لئے بطور مبالغہ اس کو ظن قرار دیا۔

حسن نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ یونس سے جب گناہ سرزد ہو گیا اور وہ اللہ سے ناراض ہو کر چل دیئے تو شیطان نے ان کو راہ حق سے پھسلادینا چاہا، یہاں تک کہ انہوں نے خیال کر لیا کہ میں خدا کے قبضے سے نکل جاؤں۔ لیکن ان کی گزشتہ نیکیاں اور عبادت گزاریاں تھیں اس لئے اللہ نے نہ چاہا کہ ان کو شیطان کے لئے چھوڑ دیا جائے، بلکہ پھلے والے کے پیٹ میں ان کو ڈال دیا وہاں وہ

چالیس شبانہ روز ہے، عطاء کا قول ہے کہ سات روز ہے، بعض کا خیال ہے تین روز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مچھلی اپنی پیٹ میں ان کو چھ ہزار سال کی مسافت پر لے گئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ساتویں زمین کی حدود تک لے گئی پھر اپنے اپنے رب سے توبہ کر لی۔

فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ  
پھر وہ پکارا تاریکیوں میں یعنی سخت ترین تہ برتہ تاریکی میں، شدید ترین تاریکی کو متعدد تاریکیاں قرار دیا۔ یا متعدد تاریکیوں سے مراد ہیں رات کی تاریکی سمندر کی تاریکی، اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔ سیاق کلام بتا رہا ہے کہ کچھ عبارت یہاں محذوف ہے۔ یعنی ناراض ہو کر غصے کی حالت میں یونس چل دیئے اور سمندر پر پہنچ کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ پھر کشتی کے اندر قرعہ اندازی کی گئی (کہ کس کی نحوست کی وجہ سے کشتی اڑ کر کھڑی ہو گئی ہے اور چکر کاٹ رہی ہے) تو یونس کا نام نکلا پھر ان کو سمندر میں پھینک دیا گیا انہوں نے خود اپنے کو سمندر میں ڈال دیا اور فوراً مچھلی نے ان کو منہ میں لے کر نگل لیا پھر انہوں نے پکارا۔

أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾  
کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی میں تیری اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر چل دیا اور انتظام نہیں کیا حقیقت میں یہ میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

بعثت ابوہریرہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا یونس کو پکڑ لے لیکن اس کے خراش نہ آئے نہ کوئی ہڈی ٹوٹے، حسب الحکم مچھلی نے آپ کو لے لیا اور اپنے مقام پر نیچے لے گئی جب سمندر کی تہ میں لے کر پہنچی تو یونس نے تسبیح (سبحان اللہ کہنے) کی آواز سنی، دل میں خیال کیا یہ کیسی آواز ہے اللہ نے وحی بھیجی یہ آواز سمندری جانوروں کی تسبیح کرنے کی ہے، یہ جان کر آپ نے بھی مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی تسبیح کرنی شروع کر دی۔ ملائکہ نے تسبیح یونس کی آواز سنی تو عرض کیا ابے ہمارے رب ہم نے ایک عجیب زمین میں ایک ضعیف آواز سنی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں نے کہا آواز تو جانی پہچانی ہے اور زمین انجان ہے، اللہ نے فرمایا یہ ہمارے بندے یونس کی آواز ہے جس نے میری نافرمانی کی تھی۔ میں نے اس کو مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا فرشتوں نے کہا کیا یہ وہی نیک بندہ ہے جس کی طرف سے روزانہ کوئی نیک عمل تیری طرف چڑھایا جاتا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہاں اس وقت ملائکہ نے یونس کے لئے شفاعت کی اور اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس کو اگل دے۔ مچھلی نے کنارے پر آکر یونس کو اگل دیا، اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے، فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ۔

فَأَسْتَجِبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الغَمِّ  
پھر ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اس کو غم سے نجات دے دی۔ یعنی گناہ کے غم سے اور مچھلی کا لقمہ بن جانے کے غم سے۔

وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ اور اسی کی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ وہ ہم کو پکاریں اور ہم سے فریاد کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مچھلی کے پیٹ کے اندر ذوالنون نے اپنے رب کو پکارا تھا ان کی دعا تھی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اس دعا کے ساتھ جو مسلمان کسی معاملہ میں اپنے رب کو پکارے گا اللہ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ رواہ احمد والترمذی والحاکم وصحیح من حدیث سعد بن وقاص۔ حاکم کی ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اگر تم میں سے کسی پر کوئی دکھ یا مصیبت آ پڑے اور وہ اس چیز کے ذریعہ سے اللہ سے دعا کرے تو اللہ ضرور اس کی مصیبت دور کر دے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا وہ ذوالنون کی دعا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

ابن جریر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے اللہ کا وہ نام کہ جس کے ذریعہ سے اگر اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالتا ہے اور اگر اس سے کچھ مانگا جاتا ہے تو عطا فرمادیتا ہے (ذوالنون کی دعا یعنی) لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ہے۔

سورہ آل عمران کے آغاز میں ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ اللہ کا اسم اعظم تہلیل یعنی نفی و اثبات ہے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اور لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ کا درجہ بہت اونچا ہے (یعنی ضمیر غائب و حاضر کا ذکر صراحتہً لفظ اللہ کو ذکر کرنے سے افضل ہے) کیونکہ لفظ اللہ اگرچہ ذات پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے اندر صفات کمالیہ کا لحاظ ضرور ہوتا ہے اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ کو جامع ہے اور ضمیریں خالص ذات پر دلالت کرتی ہیں، پھر ضمیروں میں بھی خطاب کی ضمیر کا درجہ غائب کی ضمیر سے اعلیٰ ہے کیونکہ خطاب کے اندر کامل ظہور ہوتا ہے (جس میں شرک کی احتمالی بو بھی باقی نہیں رہتی اور غائب کے ضمیر میں ابہام ہوتا ہے۔ مترجم)۔

### حضرت یونسؑ کو کب پیغمبر بنایا گیا

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیرؓ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے رہائی کے بعد حضرت یونسؑ کو پیغمبر بنایا گیا کیونکہ سورہ الصافات میں پہلے فَنبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ کے بعد وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ بَابِ أَلْفِ أَوْيَازٍ يُدُونِ آیا ہے (اور ترتیب ذکر ترتیب واقعہ پر دلالت کرتی ہے معلوم ہوا کہ پہلے مچھلی نے حضرت یونسؑ کو خشک زمین پر اگلا، پھر اللہ نے ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی ہدایت کے لئے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا مترجم)۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ دو واقعوں کے درمیان و او عطف کو لانا ترتیب واقعات پر دلالت نہیں کرتا صرف اتنی بات بتاتا ہے کہ دونوں واقعے ہوئے، کون پہلے ہوا او عاطفہ سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ آپ کی رسالت مچھلی کے نکلنے اور اگلنے سے پہلے ہی تھی کیونکہ اللہ نے فرمایا وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ اور یونسؑ پیغمبروں میں تھے جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے تھے۔

اور یاد کرو زکریاؑ کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا  
وَذَكَرْنَا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا  
میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ یعنی بغیر اولاد کے نہ رکھ اولاد کو میرا جانشین بنا دے۔

وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۱۹﴾ اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں۔

یعنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد اللہ ہی باقی رہنے والا ہے اور سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ وَرَاحَةً  
جس کا نام یحییٰ تھا اور اس کی بی بی کو ٹھیک کر دیا، یعنی پہلے وہ بانجھ تھی اللہ نے اس کا بانجھ پن دور کر دیا۔

بے شک وہ تمام پیغمبر نیکوں  
إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا  
کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور امید و خوف کے ساتھ ہم کو پکارتے تھے۔ رغبت سے مراد ہے ملاقات خداوندی کی رغبت، قرب الہی کی رغبت یا ثواب کی رغبت اور امید قبولیت یا طاعت کی رغبت۔ امام احمد نسائی حاکم اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کے اندر میری آنکھ کی ٹھنڈک بنادی گئی ہے۔ خوف سے مراد ہے اللہ سے جدا ہونے کا خوف یا گناہ کا خوف یا عذاب کا خوف۔

وَكَانُوا لَنَا خُشِعِينَ ﴿۲۰﴾ یعنی وہ ہمارے ڈر سے دعا کرنے والے تھے۔

مجاہد نے کہا دل میں بیٹھے ہوئے ڈر کو خشوع کہا جاتا ہے چونکہ اللہ کی عظمت کو وہ پورے طور پر جانتے تھے اس لئے عظمت الہی کا خوف ان کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا۔ قتادہ نے آیت کا ترجمہ کیا وہ ہمارے حکم کے انتہائی تابع تھے (یعنی ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے اور ہمارے حکم کی اطاعت عاجزی کے ساتھ کرنے والے تھے۔ مترجم)

وَإِلَّتِي أَحْصَنْتُ فَرَجَهَا  
اور اس عورت کو یاد کرو جس نے اپنی شرم گاہ کو (حلال اور حرام دونوں سے محفوظ رکھا  
(اس سے مراد مریم بنت عمران ہیں جو دوشیزہ اور پاک دامن تھیں۔ مترجم)

فَنَفَخْنَا  
پھر ہم نے پھونکا یعنی ہمارے حکم سے جبرئیل نے پھونک ماری۔

فِيهَا اس کے اندر یعنی مریم کے گریبان کے اندر جبرئیل نے پھونک ماری اور یہ پھونک مریم کے جسم کے اندر پہنچ گئی اور اس پھونک سے اللہ نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو پیدا کر دیا۔

مِنْ رُوحِنَا اپنی روح سے یعنی اس روح سے جو ہمارے حکم سے ہے۔ اضافت کی وجہ سے مضاف کی عظمت کا اظہار مقصود ہے یا روح سے مراد ہیں عیسیٰ اور مِنْ رُوحِنَا میں مِنْ زائد ہے (اور رُوحِنَا مفعول کے قائم مقام ہے۔ مترجم)۔ یا رُوحِنَا سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی مِنْ جِهَةِ رُوحِنَا اور اس سے مراد ہیں حضرت جبرئیل۔

وَجَعَلْنَهَا وَأَبْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ۹۱ اور ہم نے اس عورت کو اس کے بیٹے کو (یعنی ان کے قصے اور واقعہ کو) جہان والوں کے لئے (یعنی انسانوں کے لئے۔ مترجم) نشانی بنا دیا۔ جو ہماری قدرت کی ہمہ گیری پر دلالت کر رہی ہے کہ ہم بغیر باپ کے اولاد پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

إِنَّ هُدَاةَ أَقْبَاتِكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۙ ایمان لانے والوں کی ملت تمہاری ملت ہے (یعنی تم سب کی ملت ایک ہی ہے۔ مترجم)۔ اے انسانو! تم سب پر لازم ہے کہ اسی ملت کو اختیار کرو اور اس پر قائم رہو۔ یہ ایک ہی ملت ہے انبیاء کی ملتوں میں کوئی اختلاف نہیں اور دوسرے لوگوں کی ملتوں کا اس کے ساتھ اشتراک نہیں صرف اسی کا اتباع معتبر ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَمَنْ يُبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

لِقَوْلِ اللَّهِ قَدْ خَلَقْنَاكُمْ مِنْ نَارٍ وَتُرَابٍ لَقَدْ أَتَيْتُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا يَتَّبِعُونَ إِلَّا مَا يَشَاءُ اللَّهُ وَمَا يُشِئُ اللَّهُ لَنْ يَفْضَلَ عَلَيْهِمْ شَيْئًا ۙ اس کو امت کہا جاتا ہے۔ کذافی القاموس۔ دین اور سنت ہی ساری جماعت کا مقصود ہے اس لئے اس پوری جماعت کو امت کہا جاتا ہے۔

وَأَنَا رَبُّكُمْ فَأَعْبُدُونِ ۹۲ اور میں ہی تم سب کا رب ہوں۔ یعنی میرے سوا تمہارا کوئی رب نہیں ہے۔ سو میری عبادت کرو، کسی اور کی نہ کرو۔

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۙ كُلُّ إِلَهٍ لَكُمْ لَحْمٌ ۙ اور انہوں نے آپس میں اپنے کام یعنی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر فرقہ ہماری طرف لوٹ کر آنے والا ہے۔

امر سے مراد ہے دین۔ تَقَطَّعُوا اگرچہ باب تفعیل ہے لیکن باب تفعیل مراد ہے یعنی انہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے۔ ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے باوجود یہ کہ ان کے لئے اس کا جواز نہ تھا۔ ہمارے پاس لوٹ کر آنے سے یہ مراد ہے کہ ہم ان کو سزا جزا دیں گے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۙ مومن ہونے کی حالت میں کرے گا اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی۔

مومن ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اعمال کا ثواب پانے کی شرط ایمان ہے (بغیر ایمان کے کوئی نیکی ثواب آخرت کے قابل نہیں۔ مترجم) ایمان سے مراد ہے اللہ پر اس کے پیغمبروں پر اور پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعتوں پر ایمان رکھنا اور سب کو سچا ماننا۔

کفر ان سے مراد ہے ثواب نہ ملنا اور نیکی کا برباد چلا جانا جس طرح اللہ کی طرف سے بندے کی طاعت کی شکر گزاری کا معنی ہے ثواب عطا کرنا اسی طرح ناشکری کا معنی ہے ثواب نہ دینا۔

وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ۙ اور ہم بلاشبہ اس کے عمل اور کوشش کو لکھ رکھنے والے ہیں یعنی فرشتے اعمال ناموں میں ان کے اعمال درج کر لیتے ہیں اور اللہ ان کو اعمال ناموں میں قائم رکھتا ہے۔

وَحَوَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۙ اور ہم جن بستیوں کو عذاب سے یا موت

سے فنا کر چکے ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں۔

حرام ہے یعنی ناممکن ہے تصور میں بھی نہیں لایا جاسکتا۔ اَهْلَكُنْهَا یعنی جس کو ہلاک کرنے کا ہم نے حکم دے دیا، جس کو تباہ کر دیا، ہلاکت سے مراد ہے کفر یعنی جس بستی کو ہم نے کافر پایا اس کی نیکیوں کا اکارت نہ جانا ناممکن ہے، ہم اس کے نیک اعمال کو ضرور ضائع کر دیں گے یا حرام کا یہ مطلب ہے کہ اس بستی کا توبہ کرنا ناممکن ہے یا دنیا میں دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے یا سزا کے لئے ان کا قیامت کی دن زندہ کر کے نہ اٹھایا جانا ناممکن ہے۔ اس مطلب پر اَنْهَمُ لَا يَرْجِعُونَ کلام سابق کی علت ہوگی یعنی یہ غیر ممکن ہونا اس لئے ہے کہ ان کا توبہ کرنا اور ہماری طرف رجوع کرنا اور گزشتہ کفر کی ایمان لا کر تلافی کرنا ہو نہیں سکتا۔ یا حرام خبر مقدم ہے اور اَنْهَمُ لَا يَرْجِعُونَ مبتدا مؤخر مطلب یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس بستی کا لوٹ کر مقام حساب اور مکان سزا تک نہ پہنچنا ناممکن ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے تشریحی مطلب اس طرح بیان فرمایا کہ جس بستی کو ہم نے تباہ کر دیا اس کا دنیا میں واپس لوٹنا ممکن نہیں اس مطلب پر لَا يَرْجِعُونَ میں لازماً ہوگا۔

بہر صورت مطلب کچھ بھی ہو آیت میں کافروں کے لئے وعید عذاب اور اہل ایمان کے لئے وعدہ ثواب ہے۔

یہاں تک کہ جب

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿۹۱﴾

یا جوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ انتہائی کثرت کی وجہ سے ہر بلندی یعنی پہاڑ اور ٹیلہ سے نکلتے معلوم ہوں گے۔

وَهُمْ اور وہ یعنی یا جوج ماجوج۔ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ ہر ابھار اور ہر ٹیلہ کی آڑ سے۔ يَنْسِلُونَ پھیل پڑیں گے یا جوج اور وَعْدُ رَبِّي حَقًّا کی تفسیر میں ہم نے نقل کر دی ہے، اس حدیث میں آیا ہے کہ اللہ یا جوج ماجوج کو بھیج دے گا اور وہ ہر ٹیلہ کی آڑ سے پھیل پڑیں گے۔

ہر ٹیلہ کی آڑ سے پھیل پڑنے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ یا جوج ماجوج کے مسکن پہاڑوں سے پرے ہوں گے اور وہ پہاڑوں سے نیچے اتریں گے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک وَهُمْ کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہوگی اور حَدَبٍ سے مراد ہوگی یعنی لوگ قبروں سے جلد جلد تیزی کے ساتھ نکل آئیں گے۔ مجاہد کی قرأت میں تو حَدَبٍ کی جگہ جَدَّتِ آیا ہے اور جَدَّتِ کا معنی ہے قبر۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے فرمایا ہے فَاِذَا هُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ۔

حضرت حذیفہ بن اسد غفاری کا بیان ہے ہم لوگ کچھ باہم بات چیت کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ برآمد ہو گئے اور فرمایا کس چیز کا تذکرہ کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا جب تک قیامت سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھو گے، قیامت پانہ ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے دخان دھوئیں کا خروج و جال کا، دلہۃ الارض کا مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب کا، نزول عیسیٰ بن مریم کا، خروج یا جوج ماجوج کا تین مقامات پر زمین کے دھسنے گا۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرۃ العرب میں اور آخر میں یمن سے ایک آگ کے برآمد ہونے کا، جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی، ذکر فرمایا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک آگ قعر عدن سے نکل کر لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ ایک اور روایت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے دسویں چیز اس ہو کہ قرار دیا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔ رواہ مسلم۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اور سچا وعدہ قریب ہو جائے گا۔ یعنی روز قیامت و او عاطفہ ہے اور اس کا عطف

فُتِحَتْ پر ہے۔ لیکن فراء اور علماء کی ایک جماعت نے واو کو زائد کہا ہے اور اقْتَرَبَ کو شرط کی جزا قرار دیا ہے۔ یعنی جب یا جوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے اور پھیل جائیں گے تو اس وقت قیامت قریب آجائے گی۔ ایک اور

آیت میں واؤ زائد آیا ہے اور مابعد واؤ جزاء شرط ہے فرمایا ہے فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّہُ لِلْجَبِیْنِ وَكَأَدَيْنَاهُ پھر جب دونوں نے مان لیا اور ابراہیم نے اسمعیل کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے اس کو پکارا۔ اس مطلب کے ثبوت کے لئے حضرت حذیفہ کی حدیث کو پیش کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کسی آدمی نے پچھیر لالا ہوگا۔ خردن یا جوں و ماجوں کے بعد تو پچھیر سواری کے قابل نہ ہوگا کہ قیامت بپا ہو جائے گی۔ علاء نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ واؤ زائد ہو اور مابعد واؤ جزا ہو ایسا نہیں ہوتا۔

فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارِ الَّذِينَ كَفَرُوا  
تو اس وقت اچانک کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ شخص بصرہ اس کی آنکھ کھل گئی یا اس نے اپنی آنکھ کھول دی۔ أَبْصَار سے مراد ہیں پوٹے پلکیں اور إِذَا مفا جاتیہ بمعنی اچانک، ناگہاں، یکدم ہے یعنی ہولناکی کی وجہ سے کافر نظر گھمانہ سکیں گے۔ حیران ہو کر رہ جائیں گے۔

يُؤَيِّنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۹۷﴾  
کہیں گے ہائے ہماری تباہی ہم اس دن کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔ یعنی اس دن کو حق نہیں جانتے تھے۔ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ یعنی ہم اپنے نفسوں پر خود ظلم کرنے والے تھے ہم نے خود اپنے غور و فکر کو بگاڑ رکھا تھا یا ناقابل معبودیت کو معبود بنا رکھا تھا، ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو بے محل رکھنا اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا، عبادت کا بے محل استعمال ہے اسی لئے اس کو ظلم قرار دیا۔ مترجم۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ  
عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہے یا سب جہنم میں پھینکے جاؤ گے۔

مَا تَعْبُدُونَ سے مراد بے عقل بت ہیں۔ اور سامری کا بنایا ہوا بچھڑا اور ان جیسی دوسری بے جان چیزیں۔ جو چیزیں جاندار اور ذی عقل ہیں اگر لوگوں نے ان کو معبود بنا لیا ہو اور وہ اپنی پوجا کرانے پر راضی ہوں جیسے شیاطین اور انسانوں میں سے فرعون نمرود وغیرہ تو وہ بھی مَا تَعْبُدُونَ کے حکم میں داخل ہیں، ان کو بھی جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا (کیونکہ باوجود ذی عقل ہونے کے انہوں نے عقل کا صحیح استعمال نہیں کیا اور باوجود مخلوق عاجز ہونے کے خالق اور قادر مطلق کے مقام پر پہنچنے کے مدعی بن بیٹھے، اس لئے وہ بھی بے عقل چیزوں کی طرح ہو گئے ان کو ذی عقل مخلوق میں شمار کرنا ہی غلط ہے۔ مترجم۔) باقی وہ مقدس عقلمند ہستیاں جو کسی سے اپنی عبادت کرانی نہیں چاہتے اور نہ وہ اپنے کو معبود کہنے پر راضی تھے نہ اس حرکت کو پسند کرتے تھے وہ مَا تَعْبُدُونَ کے حکم سے خارج ہیں۔ (جیسے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیز یا ملائکہ وغیرہ) کوئی کسی دوسرے کا گناہ اپنے اوپر نہیں اٹھا سکتا۔ اس تفصیل و توضیح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اکثر محققین لغت کے نزدیک مَا کا لفظ عام ہے۔ ذی عقل اور غیر ذی عقل دونوں کو شامل ہے اس لئے مراد کی تعیین ضروری ہے، بیضاوی نے اس جگہ ایک حدیث نقل کی ہے کہ ابن زبیری نے یہ آیت سن کر دریافت کیا کیا یہ حکم ہمارے ہی معبودوں کے لئے مخصوص ہے اَوَّلِكُلِّ مِّنْ عِبَادِ مَنِ دُونِ اللَّهِ يَا اِنَّ تَمَامِ لُغُوں كَا بھي هِي حَكْمِ جَن كِي پُو جَا اللّٰه كے سوا كِي هُو۔ حضور ﷺ نے فرمایا بَلْ لِكُلِّ مِّنْ عِبَادِ مَنِ دُونِ اللَّهِ۔ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کا یہی حکم ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی گئی ہے (اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آیت میں لفظ مَا ذی عقل کو بھی شامل ہے، اسی لئے ابن زبیری کو دریافت کرنے کی ضرورت پڑی اور حضور ﷺ کے جواب سے بھی اس کی تائید ہو گئی کہ آپ نے ذی عقل باطل معبودوں کو آیت کے حکم میں داخل قرار دے دیا۔ مترجم۔)

ابوداؤد ابن منذر، ابن مردويه اور طبرانی نے دوسری سند سے یہ حدیث بروایت ابن عباس بیان کی ہے۔ اگر لفظ مَا کو بے جان، بے عقل مخلوق کے ساتھ مخصوص قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ پھر وہ مقدس ہستیاں جو اپنے کو معبود قرار دیئے جانے کو پسند نہیں کرتی تھیں آیت کے حکم میں داخل نہیں ہوں گی۔ حَصَبُ جَهَنَّمَ وہ چیز جو جہنم میں پھینکی جائے اور اس سے جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائے۔ حَصَبُہُ اس پر پتھر برسائے۔ حَصَبَاءُ پتھریاں، سنگ ریزے۔ كَذَا قَالَ الضحاک۔



مجاہد اور قتادہ نے کہ یعنی زبان میں حَصَبٌ جلائی جانے والی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے۔ عکرمہ نے کہا یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے جلائی جانے والی لکڑیاں ایندھن۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی قرأت میں حَصَب کی جگہ لفظ حَطَبٌ ایندھن آیا ہے۔

آنتُمْ لَهَا وَرِدُونَ ﴿۹۸﴾ تم اس پر (خصوصیت کے ساتھ) اترنے والے ہو (اتر دو گے) لہٰذا میں لَام بجائے علی خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ خطاب مشرکوں کو ہے اور ان کے ذیل میں ان کے معبود بھی داخل ہیں یعنی تم اپنے معبودوں سمیت جہنم میں اتر دو گے۔

لو كَانَ هَوَاكُمُ الْاِلَهَةً مَا وَرَدُوْهَا  
یعنی جہنم میں سب کو داخل کرنے کے بعد کفار سے بطور توحیح کہا جائے گا کہ اگر یہ معبود حقیقت میں ہوتے تو جہنم میں نہ اترتے۔  
وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ اور (عابد و معبود) سب جہنم کے اندر ہمیشہ رہیں گے۔

ان کے لئے جہنم کے اندر کراہٹ ہوگی۔ زفیر کراہٹ تنفس کی شدت۔  
اور وہاں وہ اپنے غل شور میں کسی کی کوئی بات نہیں سنیں گے ابن جریر، ابن ابی حاتم

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کی روایت نقل کی ہے کہ جب دوزخ کے اندر جس دوام کے جہنمی رہ جائیں گے تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا اور لوہے کی میخیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو جہنم کے نچلے حصہ میں پھینک دیا جائے گا اور ہر ایک یہی خیال کرے گا کہ میرے سوا کسی کو عذاب نہیں دیا جا رہا ہے یعنی کوئی کسی کی آواز نہیں سنے گا یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن مسعود نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

بغوی نے لوہے کے صندوقوں اور لوہے کی کیلوں کی جگہ آگ کے صندوقوں اور آگ کے کیلوں کا لفظ نقل کیا ہے باقی حدیث حسب سابق ہے۔

حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اِنكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبٌ جَهَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا پوجا تو اللہ کے سوا عیسائی اور عزیز اور ملائکہ کی بھی کی جاتی ہے پھر یہ بھی جہنمی قرار پائیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ الْاٰتِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾  
جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

الْحُسْنٰى یعنی اچھا مرتبہ، درجہ قرب یا اچھی خصلت یعنی سعادت یا اللہ کی طرف سے طاعت کی توفیق یا جنت کی بشارت۔ حضرت جنید نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا جن کو ابتداء میں ہماری عنایت حاصل ہو گئی انتہا میں ان کو ولایت نصیب ہو گئی۔

ابن مردویہ نے اور البخاری میں ضباع نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ عبد اللہ ابن الزبیری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد ﷺ تم دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ نے تم پر اِنكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبٌ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ نازل کیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ابن الزبیری نے کہا پھر پوجا تو چاند، سورج، ملائکہ اور عزیر کی بھی کی جاتی ہے۔ یہ سب بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ اس پر آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اور آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا..... خَصِمُوْنَ تک نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سردار ان قریش حطیم میں موجود تھے اور کعبہ کے گرد اگر د ۳۶۰ بت نصب تھے نصر بن حارث گفتگو کرنے کو آگے بڑھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے کلام کیا، یہاں تک کہ اس کو خاموش کر دیا پھر آپ نے

اس کو اِنْكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ سے آیات پڑھ کر سنائیں، پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے، اتنے میں سامنے ابن الزبیری آگیا، ولید بن مغیرہ نے اس سے رسول اللہ ﷺ کی بات نقل کر دی۔ ابن الزبیری نے رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کر کے کہا کیا آپ کہتے ہیں اِنْكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ابن الزبیری نے کہا کیا یہودی عزیر کی اور عیسائی مسیح اور بنی ایلح ملائکہ کی پوجا نہیں کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا نہیں وہ عزیر مسیح وغیرہ کو نہیں پوجتے بلکہ شیطانوں کی پوجا کرتے ہیں اس پر آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى نازل ہوئی اور ابن الزبیری کے حق میں اللہ نے نازل فرمایا مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدًّا لَّيْلٍ هُمْ قَوْمٌ خٰصِمُوْنَ۔ واحدی نے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے بغوی کے بیان کی طرح واقعہ نقل کیا ہے۔

اصول فقہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن الزبیری سے فرمایا تم اپنی قوم کی زبان سے بھی کتنے ناواقف ہو، تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے، کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی یہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اِنَّ بِمَعْنٰی اسْتِثْنَاءٍ یعنی اِلَّا الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى۔ یہ تاویل دود جوہ سے غلط ہے۔ (۱) اِنَّ بِمَعْنٰی اسْتِثْنَاءٍ عربی میں نہیں آتا۔ (۲) اگرچہ بعض لوگ استثناء منفصل کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن عام طور پر استثناء کا استعمال اتصال کی صورت میں ہوتا ہے اور نزول آیت کا جو سبب ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ انفصال پر دلالت کر رہا ہے اس لئے اکثر علماء کے نزدیک یہ آیت سابق آیت کے عموم کی تخصیص ہے یعنی اس آیت میں سابق آیت سے استثناء نہیں ہے بلکہ اس کے عموم کی تخصیص ہے۔ مترجم۔ اور مستقل کلام خواہ مترسخی ہو اور دیر کے بعد کہا گیا ہو لیکن اس سے پچھلے کلام کی تخصیص ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس کا یہی مسلک ہے عام صحابہ کا قول اس کے خلاف ہے وہ تخصیص کے لئے اتصال زمانی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ مترجم۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ مستقل کلام جو پہلے سے مترسخی ہو یعنی دونوں کا وقت ایک نہ ہو پہلے کلام کا نسخ ہو سکتا ہے تخصیص نہیں ہو سکتا اور نسخ کا قول اس جگہ ممکن نہیں کلام خبری میں نسخ جاری نہیں ہوتا (کسی محکم یا ممانعت کو منسوخ کیا جاسکتا ہے خبر کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا خبر کو منسوخ کیا جائے تو پہلے کلام کی تکذیب ہو جائے گی مترجم) اس لئے کہنا پڑے گا کہ یہ جدید کلام ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے کلام سے مجازی معنی مراد ہے۔

ابوداؤد اور ابن ابی حاتم اور ثعلبی اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیروں میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک بار خطبہ دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا میں ان میں سے ہوں اور ابو بکر اور عمر اور عثمان اور طلحہ اور زبیر اور سعید اور عبدالرحمن بن عوف اور ابو عبیدہ بن جراح بھی ان میں سے ہیں اس کے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ کھڑے ہو گئے اور چادر کھینچتے ہوئے (چلتے ہوئے) فرمانے لگے۔

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيْسَهَا  
وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے یعنی جنم سے اتنی دور رکھے جائیں گے کہ اس کی آہٹ بھی ان کو سنائی نہیں دے گی۔

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾  
اور وہ اپنی جی چاہی مرغوب طبع چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

فِيْهَا كُوْ خٰلِدُوْنَ سے مقدم ذکر کرنا اختصاص اور اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ صوفیہ صافیہ کی ذات خداوندی کے سوا کوئی اور خواہش ہی نہیں ہوتی اس لئے ہر وقت وہ وصل کی حالت میں دیدار خداوندی کے استغراق میں رہیں گے لیکن یہ وصل اور استغراق ناقابل بیان کیفیت کا حامل ہو گا زمان و مکان اور ہیبت و شکل کی قیود سے خالی اور جہت و امتداد و مسافت سے پاک اسی لئے اس کو بلا کیف کہا جاتا ہے۔ مترجم۔

ان کو بڑی گھبراہٹ غمگین نہ بنائے گی۔

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ

بنغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فزع اکبر سے مراد صور کا اخیر نغمہ دوبارہ صور پھونکنا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی نغمہ اخیرہ سے مراد وہ نغمہ ہے جو دنیا کے اختتام پر ہوگا یعنی نغمہ اولی جس سے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مترجم بعض نے کہا نغمہ سے بیہوشی مراد ہے مگر میرے قول میں اور اس قول میں تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلے صور ہی کی آواز سے سب گھبرا جائیں گے بیہوش ہو جائیں گے۔ مترجم۔ مر جائیں گے۔ قرطبی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں صرف دو مرتبہ صور پھونکے جانے کا ذکر ہے ایک نغمہ صعق یعنی نغمہ موت، دوسرا نغمہ بعث جس کی وجہ سے سب زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے ابن عربی نے کہا نغمات تین ہوں گے۔ (۱) نغمہ فزع (۲) نغمہ صعق (۳) نغمہ بعث۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔

ابن جریر نے تفسیر میں، طبرانی نے مطولات میں، ابو یعلیٰ نے مسند میں، بیہقی نے البعث میں ابو موسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معین نے کتاب الطاعة والعصيان میں ابو الشیخ نے کتاب العظمتہ میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ایک طویل مرفوع حدیث نقل کی ہے اس حدیث میں ہے کہ صور میں تین بار پھونکا جائے گا (۱) نغمہ فزع (۲) نغمہ صعق (۳) نغمہ قیام۔ حدیث میں فزع کی جو تشریح آئی ہے ہم سورۃ النمل میں اس کو بیان کریں گے۔

حسن نے کہا فزع اکبر اس وقت ہو گا جب لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ ابن جریر نے کہا فزع اکبر اس وقت ہو گا جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور ندا آئے گی اے دوزخ والو دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے اور موت بھی نہیں آئے گی۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا یہ وہ وقت ہو گا جب دوزخ کو اوپر سے سر بند کر دیا جائے گا اور دوزخ کا سر پوش اس وقت بند کیا جائے گا جب اس کے اندر سے ان لوگوں کو نکالا جا چکا ہو گا جن کو اللہ نکالنا چاہے گا۔

وَتَتَلَفَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، یعنی وہ جب قبروں سے نکل کر جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے۔

هٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝۱۰ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یعنی یہ اسی ثواب کا دن ہے جس کا آسمانی کتابوں میں اور پیغمبروں کی زبانی تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

یَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز نغمہ اولی کے وقت ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ طے نشتر کی ضد ہے یعنی لپیٹنا نہ کرنا۔ سَجَلٌ كَاغِدٌ مُسَاجِلَةٌ (باب مفاعلت) مُكَاتَبَةٌ باہم مل کر لکھنا۔ یعنی ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے، جس طرح کاغذ کو لکھنے کے لئے تہ کیا جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح لکھے جانے والے مضمون کے لئے کاغذ کو تہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور اکثر اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا۔ جس طرح لکھے ہوئے کثیر مضامین کی وجہ سے کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔

سدی نے کہا سَجَلٌ اس فرشتہ کا نام ہے جو بندوں کے اعمال لکھا کرتا ہے اور لِلْكُتُبِ میں لام زائد ہے۔ جیسے رَدِفٌ لَكُمْ میں لام زائد آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح سَجَلٌ فرشتہ اعمال ناموں کو لپیٹ دیتا ہے اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سَجَلٌ رسول اللہ ﷺ کا ایک کاتب تھا۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے میثاق نامہ یا تحریری معاہدہ کو کتب السجل کہتے ہیں اس کی جمع سجلات آتی ہے اور حبشی زبان میں کاتب کو بھی کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ایک کاتب کا نام بھی سَجَلٌ بمعنی کاتب آتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سَجَلٌ اس پتھر کو کہتے تھے جس پر کچھ تحریر کیا جاتا تھا پھر ہر اس چیز کو سَجَلٌ کہنے لگے جس پر کچھ لکھا جائے خواہ کاغذ ہو چھلی ہو ہڈی ہو یا کچھ اور ہو۔ مترجم۔

کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعْبُدُكَ  
جس طرح ہم نے شروع میں ابتداء تخلیق کی تھی اسی طرح  
آسانی سے ہم اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تخلیق ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے کی  
ہے اسی طرح اس کو دوبارہ بھی ہم لوٹا کر لے آئیں گے، قدرت قدیمہ کے اندر انسان کی دونوں تخلیقات داخل ہیں اور دونوں ممکن  
ہیں اور ہر ممکن احاطہ، قدرت میں داخل ہے یعنی تخلیق میں تعدد ہوگا۔ انسان وہی ہوگا بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ جس  
طرح ابتدائی تخلیق ہماری قدرت سے خارج نہیں ہم نے پیدا کر دیا اسی طرح دوبارہ تخلیق بھی ہماری قدرت میں داخل ہے ہم  
دوبارہ بھی پیدا کر دیں گے، یعنی دوسری تخلیق بھی اسی طرح ممکن ہے جس طرح پہلی تخلیق ممکن تھی۔ اس صورت میں دوسری  
تخلیق اول تخلیق کی طرح ممکن ہوگی لیکن مخلوق الگ الگ ہوگی۔ دوسری بار پیدا کیا ہو انسان پہلی مرتبہ پیدا کئے ہوئے انسان کی  
طرح ہوگا بعینہ وہی نہ ہوگا اس کے مثل ہوگا۔ صحیح بات یہ ہے کہ دوبارہ پیدا کیا ہو انسان بعینہ وہی انسان ہوگا جس کو پہلی مرتبہ  
پیدا کیا گیا تھا، مشابہت صرف تخلیق یا احوال و اوصاف میں ہوگی شخصیت اور ذات ایک ہی ہوگی۔

شیخین نے شیخین میں ترمذی نے جامع میں، حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ  
دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم لوگ برہنہ بدن غیر محتون برہنہ پاؤں قبروں سے اٹھ کر اللہ کی طرف پیدل لے جائے جاؤ  
گے پھر آپ نے آیت کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعْبُدُكَ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا، سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا  
جائے گا۔

وَعَدَا  
عَلَيْنَا  
ہم نے پختہ وعدہ کر لیا۔ وعدہ مفعول مطلق ہے جو فعل محذوف کو پختہ کر رہا ہے۔  
اس کو پورا کرنا ہم پر مثل لازم کے ہے اللہ پر کوئی چیز لازم نہیں لیکن اس نے وعدہ پختہ کر لیا ہے اور اللہ  
کا وعدہ پورا ہونا لازم ہے، اللہ کے وعدے کے خلاف ہونا محال ہے اس لئے اس کے وعدے کی وفا اس پر گویا لازم ہے۔ مترجم۔  
إِنَّا كُنَّا فَعِلِينَ ﴿۱۳﴾ ہم ضرور (دوبارہ تخلیق) کرنے والے ہیں۔ یہ جملہ تاکید یہ ہے وعدے کی مزید تاکید  
ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ  
اور ہم نے لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد سب آسمانی  
کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا زبور سے مراد تمام کتب الہیہ ہیں اور ذکر سے مراد ہے لوح محفوظ۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھنے  
کے بعد ہم نے اپنی تمام نازل کردہ کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

شعبی نے کہا زبور سے مراد زبور داؤد ہے جو حضرت داؤد پر اتاری گئی تھی اور ذکر سے مراد ہے توریت حضرت ابن  
عباس اور ضحاک کا قول ہے کہ زبور سے مراد توریت ہے اور ذکر سے مراد ہیں وہ تمام آسمانی کتابیں جو توریت کے بعد اتاری گئیں۔  
یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبور سے مراد زبور داؤد ہے اور ذکر سے مراد ہے قرآن۔ مؤخر الذکر دونوں قولوں پر بعد الذکر میں  
لفظ بعد بمعنی قبل ہوگا، یعنی ذکر سے پہلے۔

إِنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۵﴾  
کہ زمین کے یعنی جنت کی زمین کے مالک میرے  
نیک بندے ہوں گے۔

الْأَرْضُ سے مراد ہے جنت کی زمین۔ اسی مضمون کو آیت وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک سوال کیا  
گناہگار مومن جو فاسق ہوتے ہیں صالح نہیں ہوتے جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

جواب: سزا پانے یا اللہ کی طرف سے گناہ معاف ہو جانے کے بعد وہ پاک ہو جائیں گے اور صالحین کے حکم میں داخل  
ہو جائیں گے اور صالحین کے ساتھ ان کو ملا دیا جائے گا۔

مجاہد نے کہا صالحین سے مراد امت محمدیہ ہے کیونکہ ان ہی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

صَدَقْنَا وَعَدُّهُ وَ أَوْرَثْنَا الْأَرْضَ نَتَّبِعُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ۔

بعض لوگوں کے نزدیک الْأَرْضُ سے مراد ہے ارض مقدسہ اور عِبَادِي الصَّالِحُونَ سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو زمین کے پوربی اور کچھی حصوں میں کمزور اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا الْأَرْضُ سے مراد ہے کافروں کی سرزمین مراد یہ ہے کہ کافروں کی زمین کو مسلمان فتح کریں گے گویا یہ اللہ کی طرف سے پیشین گوئی اور فیصلہ قطعی ہے کہ دین اسلام غالب آئے گا اور مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس وقت الارض سے مراد تمام روئے زمین ہوگا۔ امام احمد راوی ہیں کہ حضرت مقدادؓ نے بیان کیا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ روئے زمین پر تمام مکان خواہ مٹی کے بنے ہوئے ہوں یا اونی کسبوں کی جگیاں ہوں کوئی مکان بھی ایسا نہ رہے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے یعنی ہر گھر میں اسلام داخل ہو جائے گا عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔ یعنی اللہ ان کو یا مشرف باسلام کر دے گا اور وہ عزت یاب ہو جائیں گے یا کافر ہی رہیں گے اور ان کو مجبوری اسلام کا غلبہ تسلیم کرنا اور ذلیل ہونا پڑے گا۔ حضرت مقداد نے فرمایا، میں کہتا ہوں اس وقت سارا دین اللہ ہی کا ہو گا یعنی سب پر اسلام ہی غالب ہو جائے گا۔ مترجم۔

إِنَّ فِي هَذَا الْبَلَاغِ

بے شک اس میں جنت تک پہنچانے کا پورا سامان ہے۔

فِي هَذَا يَعْنِي قِرَانَ مِثْلِ خَيْرِ نَصِيحَتَيْهِ أَوْ وَعْدِ وَعِيدِهِ كَمَا هِيَ فِي سَبَبِ مِثْلِ - كَبَلًا غَايَةً جَنَّتْ فِي دَاخِلِ هَوْنِ كَا پُورَا سامان ہے پورا قرآن جنت کا توشہ ہے جیسے مسافر کے لئے زاد راہ منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یا بَلَاغًا سے مراد ہے ذریعہ کامیابی۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس سے نصیحت اندوز ہو گا وہ اپنی آرزو کو پہنچ جائے گا۔

لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٩﴾ عبادت کرنے والے لوگوں کے لئے یعنی ان مومنوں کے لئے جو صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، عابدین سے مراد ہیں علماء یا کل اہل عالم۔ کعب احبار نے کہا امت اسلام مراد ہے جو پنجوقتہ نماز پڑھتی اور رمضان کے روزے رکھتی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ اے محمد ﷺ ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر رحمت کی وجہ سے جہان والوں پر یا رحمت بنا کر جہان والوں کے لئے یعنی انس و جن کے لئے۔ پہلے ترجمہ پر رحمت مفعول نہ ہو گا یعنی تم کو رسول بنا کر ہم نے اس وجہ سے بھیجا کہ ہم انس و جن پر رحم کرنا چاہتے تھے پس تم کو ہم نے ہادی بنا کر بھیجا تاکہ لوگ تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلیں دوسرے ترجمہ پر رحمت کہ سے حال ہو گا یعنی ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر اس حالت میں کہ تم سب کے لئے سبب رحمت ہو۔ حاکم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور ابن سعد و حکیم نے ابو صالح کی روایت سے مرسل حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کی طرف سے فرستادہ رحمت ہوں۔ بخاری نے تاریخ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

اس جملہ کا عطف إِنَّ فِي هَذَا الْبَلَاغِ پر ہے کیونکہ قرآن جب جنت کا زاد راہ ہے تو جس رسول پر قرآن کا نزول ہو اس کا مبعوث ہونا رحمت ہو گیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میری نبوت اور پیام نبوت لوگوں کو سعادت مند بنانے کا سبب ہے اور معاش و معاد کی درستی کا کفیل ہے اب جو شخص اس کو قبول نہیں کرتا اور رحمت کے زیر سایہ آنے سے انکار کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے میری نبوت کی رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کافروں کے لئے دنیا میں رحمت تھے کہ آپ کی وجہ سے دنیا میں ان پر عذاب نہیں آیا، صورت مسخ ہونے، زمین میں دھنسائے جانے اور تیغ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے عذاب سے مامون ہو گئے۔ (خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ بر قول ابن عباس کافروں کے لئے بھی دنیا میں رحمت تھے اور بر تفسیر اول کافروں کا مبتلاء عذاب ہونا خود ساختہ اور خود آورہ ہے انہوں نے رحمت کے زیر سایہ آنے سے خود انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں تھی۔

اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس یہی

قُلْ إِنَّمَا يُوحِي إِلَيَّ إِلَهًا وَاحِدًا

وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ آیت میں حصر اضافی ہے قرآن کے اندر تو احکام کی تعلیم بھی ہے، اقوام پارینہ اور گزشتہ پیغمبروں کے قصے بھی ہیں وعدو وعید بھی ہے جنت و دوزخ حساب و کتاب اور عقیدہ قیامت کے لازم ہونے کا ذکر بھی ہے اللہ کی صفات کمالیہ کا اظہار بھی ہے اور دوسرے مباحث علمی و عملی بھی اور مبدء و معاد سے تعلق رکھنے والے سارے مسائل کا بیان بھی ہے پھر یہ کہنا کہ میرے پاس صرف ایک کو معبود ماننے کی وحی آتی ہے بظاہر غلط ہے لیکن اگر حصر کو اضافی کہا جائے تو کلام صحیح ہو جائے گا کیونکہ (مترجم) وحی کی اصلی غرض اظہار توحید ہی ہے (نبوت، کتاب، شریعت، انبیاء کا تذکرہ، قیامت پر عقیدہ، جنت و دوزخ اور حساب و کتاب کی تشریح سب اسی کی شاخیں اور اسی پر مبنی ہیں) اس لئے توحید کا اعلان و اقرار ہی گویا جوہر وحی ہے۔ اور صرف یہ ہی پیام بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے۔

یابیوں کہا جائے کہ اللہ کی عبادت کے معاملے میں جو وحی آتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ معبود فقط ایک ہے (اس صورت میں حصر حقیقی ہو گا مگر مقید بامر عبادت۔ مترجم)

### ایک شبہ

جب توحید حاصل وحی ہے تو توحید کا ثبوت وحی پر موقوف ہو اور وحی کی بنا عقیدہ توحید پر ہے اگر توحید کو نہ مانا جائے تو پھر نہ نبوت کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ وحی کی۔ یہ کھلا ہوا دور ہے۔

ازالہ: توحید کا ثبوت نقلی بھی ہے جو سننے پر موقوف ہے کیونکہ رسالت کا مدار مرسل پر ہے۔  
**فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝۱۵**  
 پس کیا تم اطاعت کرنے والے ہو۔ یعنی توحید کو مانو اور خالص عبادت اللہ ہی کی کرو اور وحی کا جیسا تقاضا ہے اس کو پورا کرو۔ اور اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

پھر بھی اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو بطور تکمیل حجت آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں۔ یعنی اگر وہ اسلام سے روگرداں ہو جائیں اور اتمام حجت کے بعد بھی توحید کو ماننے سے گریز کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے تم سب کو برابر وہ وحی پہنچادی اور وہ اطلاع دے دی جو مجھے ملی تھی۔ اذنتکم یعنی میں نے وحی اور رسالت کی اطلاع دے دی یا اس بات کی اطلاع دے دی کہ میری تم سے مصالحت نہیں ہو سکتی۔ علی سؤاء کا یہ مطلب ہے کہ میں نے وحی کی کوئی بات کسی سے پوشیدہ نہیں رکھی، سب کو برابر اطلاع دے دی۔ اس سے فرقہ باطنیہ اور شیعہ کے اس قول کی تردید مستفاد ہوتی ہے کہ ائمہ اپنے خاص ساتھیوں کو احکام شرع بالکل پوشیدہ طور پر سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ یا علی سؤاء کا یہ مطلب ہے کہ ہم اور تم دونوں اس معاملہ میں برابر ہیں جو کچھ مجھے علم تھا اس سے تم کو بھی واقف کر دیا، یا جنگ کے معاملہ میں ہم دونوں برابر ہیں۔ میں تم کو فریب نہیں دیتا تم جنگ کی تیاری کر لو۔ ہم آپس میں دشمن ہیں یا یہ مطلب ہے کہ علی الاعلان میں نے تم کو اطلاع دے دی۔ بعض نے سؤاء کا ترجمہ کیا ہے سیدھا راستہ، استقامت رائے یعنی میں عدل اور استقامت رائے پر دلیل کی روشنی میں قائم ہوں اور تم کو میں نے اس کی اطلاع برہان کے ساتھ دے دی۔

اور مجھے نہیں معلوم کہ جس چیز (یعنی **وَلَنْ أَدْرِي أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدُ مَا تُوعَدُونَ ۝۱۶**) مسلمانوں کی فتح اور تسلط یا حشر اور عذاب قیامت) سے تم کو ڈر لیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور۔ یعنی ہو گا ضرور اس کی ہونے میں شک نہیں، لیکن کب ہو گا یہ مجھے معلوم نہیں۔

بے شک اللہ کو تمہاری پکار کر **إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝۱۷** کسی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو بات تم دل میں چھپائے رکھتے ہو اس کی بھی خبر ہے یعنی علانیہ جو اسلام پر طعن کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے اور مسلمانوں سے دشمنی اور کینہ جو تم دلوں میں چھپائے ہوئے ہو اس کو بھی اللہ جانتا ہے، یقیناً وہ تم کو اس کی سزا دے گا، یہ جملہ معترضہ ہے اس سے نفاق پر زجر اور اخلاص کی ترغیب دینی مقصود ہے۔

وَلَنْ أَدْرِي لَعَلَّهِ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۱۱﴾  
اور میں نہیں جانتا کہ کیا مصلحت ہے، شاید وہ  
تاخیر عذاب تمہارے لئے صورتہ امتحان ہو اور ایک وقت یعنی موت تک فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔ یعنی باوجود یہ کہ اللہ تمہارے ظاہر  
و باطن سے واقف ہے پھر بھی تم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس تاخیر کی وجہ مجھے معلوم نہیں شاید یہ تاخیر عذاب تمہارے لئے  
ڈھیل ہو جو تمہارے لئے مزید فتنہ میں پھنس جانے کی موجب ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ شاید یہ تاخیر عذاب تمہاری آزمائش ہو  
کہ تم نسیحت اندوز ہوتے ہو یا نہیں۔

وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ کا یہ مطلب ہے کہ تاخیر عذاب اللہ کی طرف سے تھوڑے وقت اور قلیل مدت کے لئے ایک حقیر  
بہرہ اندوزی اور فائدہ ہے۔ قضاء الہی میں پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے کہ تم کو اتنی مدت تک باقی رکھا جائے گا اس لئے فیصلہ شدہ مدت  
تک تمہاری بقاء ضروری ہے۔

جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ لَعَلَّ اظہار امید کے لئے آتا ہے اور فتنہ سے امید کی وابستگی غیر مناسب ہے اس لئے  
فتنہ کے مقابل مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ کو ذکر کیا۔

قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ رسول ﷺ نے کہا اے رب میرے اور کفار کے درمیان تو انصاف کا فیصلہ کر دے ظاہر ہے  
کہ انصاف کا فیصلہ یہی ہو گا کہ کفار کو عذاب میں مبتلا کیا جائے اور مومنوں کو عذاب سے محفوظ رکھا جائے۔

وَرَبَّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۱۱۲﴾ اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلے میں مدد کی  
درخواست کی جاتی ہے جو تم بنایا کرتے ہو۔

الرَّحْمَنُ مخلوق پر بہت رحم کرنے والا۔ صیغہ مبالغہ ہے۔

الْمُسْتَعَانُ وہ ذات جس سے یا جس کی مدد طلب کی جائے۔

عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ یعنی تمہارے جھوٹے غلط بیان کے خلاف کہ فتح کافروں کی ہوگی اور اسلام کا جھنڈا چند ہی روز سر بلند رہے گا پھر  
گر اویا جائے گا اور اگر کافروں پر عذاب نازل ہونے کی دھمکیاں سچی ہوں تو اب تک عذاب آگیا ہوتا۔ اللہ نے اپنے رسول کریم  
کی یہ دعا قبول کر لی، جنگ بدر کے دن کافروں کی کمر توڑ دی اور مسلمانوں کو فتح عنایت فرمادی۔

يَا عَلِيُّ مَا تَصِفُونَ کا یہ مطلب ہے کہ تم جو بیان کرتے ہو کہ اللہ صاحب اولاد اور محمد ﷺ ساحر ہیں اور قرآن مجید  
ایک طرح کی شاعری ہے وغیرہ۔ ان تمام خرافات کے خلاف ہمارا رب رحمن ہمارا مددگار ہے ہم اس سے ہی مدد کے خواستگار  
ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الحمد للہ سورۃ انبیاء کی تفسیر ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۲۰۳ھ کو بروز دو شنبہ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد انشاء اللہ سورۃ الحج کی تفسیر  
آئے گی۔ الحمد للہ و شکر الہ تفسیر منظری سورۃ انبیاء کا ترجمہ بعونہ تعالیٰ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ کو بروز پنج شنبہ ختم ہوا۔

فَالْحَمْدُ لَهُ أَوْلًا وَآخِرًا

# سیرۃ اوسوآخ پروار الاشاعت کراچی کی مطبوعہ مستند کتب

سیرۃ حبیبہ اردو اعلیٰ ۶ جلد (کمپیوٹر)	سیرۃ النبی پر نہایت مفصل و مستند تصنیف	امام برحان الدین حسینی
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حصص در ۲ جلد	اپنے موضوع پر ایک شاندار علمی تصنیف مستشرقین کے جوابات کے پہلو	علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی
رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ۲ حصے بجا (کمپیوٹر)	عشق میں سرشار ہو کر لکھی جانے والی مستند کتاب	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
محسن انسانیت اور انسانی حقوق	خطبہ حجۃ الوداع سے استشاد اور مستشرقین کے اعتراضات کے جواب	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	دعوت و تبلیغ سے سرشار حضور کی سیاست اور عملی تعلیم	ڈاکٹر محمد سعید اللہ
شمائل ترمذی	حضور اقدس کے شمائل و عادات مبارکہ کی تفصیل پر مستند کتاب	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
عہد نبوت کی بزرگزیذہ خواتین	اس عہد کی بزرگزیذہ خواتین کے حالات و کارناموں پر مشتمل	احمد خلیل جمعہ
دور تابعین کی نامور خواتین	تابعین کے دور کی خواتین	" " " "
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	ان خواتین کا تذکرہ جنہوں نے حضور کی زبان مبارک سے خوشخبری پائی	" " " "
ازواج مطہرات	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مستند مجموعہ	ڈاکٹر حافظ حفصانی میاں قادری
ازواج الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے حالات پر پہلی کتاب	احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام	صحابہ کرام کی ازواج کے حالات و کارنامے	عبد العزیز الشناوی
انسوۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	ہر شعبہ زندگی میں آنحضرت کا اسوہ حسنہ آسان زبان میں	ڈاکٹر عبدالحق عارفی
انسوۃ صحابہ ۲ جلد کامل بجا	حضور اکرم سے تعلیم یافتہ حضرات صحابہ کرام کا اسوہ	شاہ معین الدین ندوی
انسوۃ صحابیات مع سیر الصحابیات	صحابیات کے حالات اور اسوہ پر ایک شاندار علمی کتاب	" " " "
حیۃ الصحابہ ۳ جلد کامل	صحابہ کرام کی زندگی کے مستند حالات، مطالعہ کے لئے راہ نما کتاب	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات طب پر پہلی کتاب	امام ابن قسیم
نشر الطیب فی ذکر النبی الجلیل صلی اللہ علیہ وسلم	کے حالات اور عربی تصانیف تراجم پر مشتمل عشق و ادب میں ڈوبی تصنیف	مولانا محمد اشرف علی تھانوی
سیرۃ خاتم الانبیاء	پہلے کے لئے آسان زبان میں مستند سیرت، مدارس میں داخل نصاب	مولانا مفتی محمد شفیع
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم	مشہور کتاب سیرۃ النبی کے مصنف کی بچوں کے لئے آسان کتاب	سید سلیمان ندوی
سیرۃ خلفائے راشدین	مختصر انداز میں ایک جامع کتاب	مولانا عبدالرشک کورکھنوی
الفاروق	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات اور کارناموں پر محققانہ کتاب	علامہ شبلی نعمانی
حضرت عثمان ذو النورین	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	سوانح الحق عثمانی
سقا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم	مختصر آسان زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ پیپے کی پیاری صحاح جزاویاں	ڈاکٹر حفصانی میاں
تاریخ اسلام ۴ حصص در ۲ جلد کامل	آغاز اسلام سے آخری خلیفہ کے زوال تک کی مستند تاریخ	شاہ معین الدین ندوی
اخبار الاحبار	ہندو پاک کے مشاہیر صوفیہ کا مستند تذکرہ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
حالات مصنفین و درس نظامی	پورا درس نظامی تصنیف کرنے والے ائمہ و علماء کے مستند حالات	مولانا محمد حنیف گنگوہی
نقش حیات	مولانا سید حسین احمد مدنی کی خود نوشت سوانح	مولانا حسین احمد مدنی
جہنم کے پروانہ یافتہ	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آنتیں پہنچانے والے ملعون کفار کے ملاح	احمد خلیل جمعہ

ناشر: دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی، پاکستان، فون و فیکس (۰۲۱) ۳۳۳۸۶۱ (۰۲۱) ۳۳۳۸۶۱ اور پتہ: اسلام آباد، پاکستان۔

دیگر اداروں کی کتب دستیاب ہیں، لیکن ہمیں اس کے انتظام پر فرت کتب مفت ڈاک میں بھیج کر طلب فرمائیں۔